تو اولیاکرام کو جملہ خیالات بشری سے پاک کہدینا کسی صورت صحیح نہیں اور یہ ظاہر ہے کہ بی بی ہاجرہ کی طرف سے جو کچھ بھی کشیدگی حضرت سارہ کو ہوئی وہ محض باقتضائے بشریت تھی جو عام طور پر ایک عورت کو اپنی سوکن سے ہونی چاہیئے اور اس میں قریب قریب بشری قوت عاجز ہے ۔

چند روز بعد بی بی سارہ نے اپنے برگزیدہ شوہر کو اسپر مجبور کیا کہ ہاجرہ میری آنکھوں سے اوجھل کیجلئے اور یہ دونوں ماں بیٹے کسی ایسے مقام پر پہنچا دئے جائیں جہاں میرا ان کا یکجا ہونا دشوار ہو۔

حضرت خلیل اللہ نے حکم باری تعالیٰ کا انتظار کیا اور آخر لم یزلی بارگاہ سے یہی یہی فرمان صادر ہوا کہ سارہ کی رضاجوئی تمکو لازم اور ہاجرہ کا معہ اسمٰعیلؑ کے کسی لق ودق میدان میں جلد پہونچا دینا مناسب ہی کیونکہ اس علیحدگی کے سلسلہ میں ہماری بے پرواسرکار کو اسمٰعیلؑ کی نسل سے ایک مشہور ملک کا آباد کرنا اور ایسے عجائب امور لوگوں کو دکھانے منظور ہیں جنکا مقدس وجود قیامت تک قایم رہیگا۔

بی بی ہاجرہ کو کچھ خبر نہ تھی کہ ابراہیم علیہ السلام کس کشمکش و پیچ میں گرفتار اور کس قسم کے حکم کا انتظار کر رہے ہیں یہاں تک کہ خلیل اللہ نے ان کو معہ شیر خوار بچہ کے ایک سنسان جنگل میں لا بٹھایا جہاں کوسوں آدمی کیا معنی چٹیل میدان بے آب وگیاہ ہونے کے باعث کسی چرند یا پرند کا گذر بھی کبھی کبھی محض اتفاقیہ ہو جاتا تھا۔

وہ ہُو کا میدان یہی مقام ہے جہاں اب خانہ کعبہ زادہا اللہ شرفاً و تعظیماً موجود اور کل سطح زمین کی فرمان بردار مخلوق کا مرجع اور معبد ہے جس کی موجودہ رونق نے اس پچھلی وحشت ناک حالت کو قریب قریب بالکل نسیاً منسیاً بنا دیا ہے۔

یہ لمبا چوڑا جنگل جس میں بی بی ہاجرہ اپنے ہونہار بچے کو چھاتی سے لگائے ہوئے اُتری تھیں ایسا بھیانک اور خوفناک منظر تھا جس میں تنہا رہنا بڑے دل جگرے کا کام تھا۔ کوسوں آدمی کی آواز کا سُنائی نہ دینا میلوں سبزگھاس یا سایہ دار درخت کا نظر نہ آنا اور کسی جانب پانی یا چشمے کی سرسراہٹ کا محسوس نہ ہونا اس وحشت کو اور زیادہ کئے دیتا تھا جو اس تنہائی میں یہاں رہنے والے کو پیش آتی تھی۔

ابراہیم علیہ السلام نے اپنے غمزدہ دل کو سنبھالا اور نہایت صبر و استقلال سے ماں بیٹوں کو ریت پر بٹھا کر رخصتی نظر ڈالنی شروع کی اور آسمان کی جانب نظر اٹھا کر کہا کہ " بارالہٰا تیرا ناچیز بندہ ابراہیم تیرے ارشاد کی تعمیل میں آج اپنے نور نظر اور اُس کی بیکس ماں کو اس بے آب وگیاہ سنسان بیابان

میں تنہا چھوڑے جاتا ہے ان بیکسوں کا توہی والی اور سنبھالنے والا ہے۔ تو میری ظاہری اور باطنی حالت سے خوب واقف ہے اور توہی خوب جانتا ہے کہ یہ کلیجہ شق کرنیوالا جانکاہ حادثہ تیرے ارشاد سراپا رشاد کی بموجب محض سارہ کی رضاجوئی کے لئے ہے نہ اپنی کسی عداوت یا کشیدگی کے باعث بارالٰہا تو علام الغیوب اور روزی رساں ہے ان کمزور بندوں کی حمایت ان قابلِ رحم ضعیف جسموں کی پرورش۔ اور ان پریشان صورتوں کی حفاظت تیرے ذمہ ہے توہی انکا کفیل ہے اور توہی ان کا کارساز" یہ کہکر ابراہیم علیہ السلام نے ایک تھیلی جس میں تھوڑے سے چھوارے تھے اور ایک چھوٹا سا مشکیزہ پانی کا ہاجرہ کے پاس رکھکر واپس ہونے کے ارادہ سے منہ پھیر لیا۔ بی بی ہاجرہ کو اب تک خبر نہ تھی کہ یہ کیا معاملہ ہے جب اپنے شوہر کو جاتے دیکھا تو دوڑ کر دامن پکڑ لیا اور نہایت حیرت و استعجاب اور درد انگیز ملایم آواز سے کہا کہ پیارے شوہر ہم بیکسوں کو تنہا کس پر چھوڑتے اور تم ہمسے خفا ہوکر کہاں جاتے ہو؟

حضرت خلیل اللہ کے دل پر اس کلام کے سننے سے جو کچھ چوٹ لگی ہوگی اس کا اندازہ وہی طبیعتیں کرسکتی ہیں جو درد آشنا ہوں۔ لیکن ابراہیم علیہ السلام کا دل وہ دل نہ تہا جو اللہ کے مقابلہ میں اپنے یا اپنے لڑکے کی جان کو عزیز سمجھے یا امتحان کے وقت کچھ ہراس اور ملال کا اظہار کرے اس لئے نہایت استقلال کے ساتھ جواب دیا کہ ہاجرہ میں تمکو اللہ کے سپرد کرتا ہوں اور تمہارا تسلی بخش جواب صرف اس قدر ہی کہ میں جو کچھ بھی کررہا ہوں اس قادر مطلق کے حکم سے کررہا ہوں جس کے قبضۂ قدرت میں ابراہیم کی جان ہے۔

بی بی ہاجرہ نے فوراً دامن چھوڑ دیا اور ابراہیم علیہ السلام وہاں سے روانہ ہوئے تاہم جبتک ابراہیمؑ نظر آتے رہے بی بی ہاجرہ کی ٹکٹکی اسی جانب بندھی رہی لیکن جب بُعدِ مسافت نے ہاجرہ کی نظر کو تھکا دیا اور خلیل اللہ نگاہ سے اوجھل ہوگئے تو اب وہ نظر شیرخوار بچہ پر پڑی جس کی بے بسی و بے کسی کھلی ہوئی حیرت زدہ آنکھوں سے ظاہر ہورہی تھی۔

اب بی بی ہاجرہ کے چہرہ پر اطمینان و سکون کے وہ آثار نمودار ہوچکے تھے جو اپنے مہربان پروردگار پر جان فدا کرنے والے بندے کے چہرہ پر شہید ہوتے وقت نمودار ہونے چاہئیں غرض ہاجرہ نے تھیلی کھولی اور چند چھوارے کھاکر مشکیزہ میں رکھے ہوئے پانی سے سوکھے لب تر کرلئے اور بچے کو دودھ پلانے کے لئے چھاتی سے لگا لیا۔

چند روز گذرے تھے کہ تھیلی چھوارون سے خالی اور مشکیزہ کا پانی ختم ہوگیا اور وہ وقت

بہت جلد آگیا کہ ہاجرہ کے کمر سے لگے ہوئے پیٹ اور پپڑی جمے ہوئے ہونٹوں نے تمام اعضاء کو کمزور اور بصارت تک کو ضعیف بنا دیا ایسی حالت میں چھاتی میں دودھ کہاں کہ بھوکے پیاسے بیتاب بچہ کو ایک دو قطرے ہی سے بہلا دیا جائے۔

آہ۔ اس وقت ماں نے حسرت بھری نظر سے تڑپتے ہوئے بچہ کو دیکھا اور فوراً ہی گھبرا کر اس خیال سے منہ پھیر لیا کہ کاش مصیبت زدہ بھوکے پیاسے بچے کی یہ تنگ حالت رنجوں کی ماری ماں اپنی آنکھوں سے نہ دیکھے لیکن یہ بے چینی ایسی نہ تھی کہ بچہ کی آنکھوں سے اوجھل ہونے میں کم ہو جاتی۔ غمزدہ کلیجہ میں ایک آگ سی اُٹھی جس سے مجبوراً وہ نظر بیتابانہ دوبارہ بچہ پر پڑی اور ہاجرہ مایوسی اور گھبراہٹ کے جال میں تڑپ کر بیتاب ہوگئیں۔

شیر خوار بچہ کے گورے گورے چہرے کا رنگ آناً فاناً متغیر ہوتا جاتا تھا اور بھوک کی بیتابی سے روتے روتے آواز بھی پڑ گئی تھی۔ ہاجرہ کا بس نہ تھا کہ اپنے جسم وخون کا پانی بنا کر ان خشک ہونٹوں کو تر کردیں۔

ہاجرہ کا کلیجہ منہ کو آتا تھا اور یہ بھی خبر نہ رہی تھی کہ میں خود بھوکی پیاسی آب ودانہ کی محتاج ہوں اپنے لخت جگر کا سسکنا تڑپنا ایڑیاں رگڑنی اور جان دینے کے لئے ذرا ذرا سے نازک پاؤں رتیلی زمین پر دے دے مارنے بے چین نظروں سے دیکھتیں اور گھبرا کر آنکھوں میں آنسو بھر لاتی تھیں۔ آخر اس جانکنی کی دیکھنے کی تاب نہ لا کر ہاجرہ وہاں سے اُٹھ کھڑی ہوئیں اور اس موہوم امید پر کہ شاید کہیں قطرے دو قطرے پانی دیکھ سکوں یا کوئی رستہ چلتا مسافر نظر پڑ جائے کہ اس کے زادِ راہ سے اس آخری وقت میں کچھ مدد پہونچے کوہ صفا پر جا چڑھیں وہاں سے چند قدم کے فاصلہ پر ریت کا ٹیلہ نظر آرہا تھا لیکن ہائے افسوس نہ کہیں پانی کا پتہ ملا اور نہ کسی آدمی یا جانور کا نشان نظر آیا۔

بے قرار ماں کو اتنا بھی صبر نہ تھا کہ تڑپتے ہوئے بچہ کو اتنی دیر تنہا چھوڑے رکھے کہ اپنی عدم موجودگی میں وہ روح اللہ کے حوالے کرے اس لئے آخری صورت دیکھنے کے خیال سے بیتابانہ نیچے اُتر آئیں اور بچہ کو اسی تڑپتی ہوئی حالت میں دیکھ کر پھر گھبرا اٹھیں اور پہلے ہی خیال میں اس دوسری مرتبہ کوہ مروہ پر جا چڑھیں جو کوہ صفا کے سامنے دوسری جانب واقع تھا لیکن وہاں بھی میدان

صاف تھا۔

ہاجرہ کی کوشش تھی کہ میں ناز پروردہ نورِ نظر کی روح نکلتے ہوئے اپنی غمزدہ آنکھوں سے نہ دیکھوں لیکن وہ ماں کی مادرانہ محبت جس نے نو مہینے پیٹ میں رکھوایا اور جبتک چھاتی میں خون کا دودھ بن بنکر آتا رہا دودھ پلوایا کب یہ خیال پورا ہونے دیتی تھی۔ اک آگ تھی کہ سینہ میں شعلہ زن تھی اور ایک دھواں تھا کہ باربار کلیجہ سے اٹھتا تھا نہ بچّہ کی یہ دگرگوں نزع کی حالت دیکھے صبر تھا اور نہ آنکھیں پھیرے یا دور چلے جائے بن پڑتا تھا۔

اس فرطِ محبت کے جوش اور ناگفتہ بہ بے چینی نے ہاجرہ کو سات بار صفا پر چڑھایا اور سات ہی بار صفا سے اتار کر بیٹے کی ایک جھلک دکھلانے کے بعد کوہ مروہ پر جا کھڑا کیا گویا سات مرتبہ ہر دو پہاڑی کا طواف کرادیا جو آجتک عمرہ کے نام سے مشہور اور قیامت کے دن تک کامل حج کا جزو بنکر رائج رہے گا جس کا اللہ کے مسلمان بندوں کو حکم ہے۔

اس طواف کی ساتویں دفعہ تھی اور بی بی ہاجرہ کی روح فرسا مصیبت کا آخری وقت تھا کہ اللہ جل شانہٗ کی بے پایان رحمت کے بحرِ ذخار نے ابلنا شروع کیا۔ اسمٰعیل علیہ السلام زمین پر پڑے بے چینی سے ایڑیاں رگڑ رہے اور جان توڑ رہے تھے کہ مقدّس فرشتے جبرئیلؑ کی وساطت سے ایڑی رگڑتے رگڑتے ایک قدرتی چشمہ نمودار ہوا اور پانی اسطرح ابلنے لگا جیسے بی بی ہاجرہ کا کلیجہ اپنے بچّہ کی بیتابی سے کوہ مروہ پر امنڈ رہا تھا۔ ماں نے اپنی عادت کے موافق اس ساتویں مرتبہ پیارے بچّہ پر اس گمان سے نظر ڈالی کہ غالباً اب اس کی روح نکل چکی ہوگی اور اس مرتبہ میری نظر اسمٰعیلؑ کی نعش پر پڑے گی جسے بے کفن مجھی کو اپنے ہاتھوں سے اس چٹیل میدان کے کسی حصہ میں مٹی کے نیچے دبانا پڑے گا کہ یکایک وہ مایوس نظر حیرت و تعجب سے بدل گئی اور اسمٰعیل علیہ السلام کے پیروں کے نیچے اُبلتا ہوا صاف اور شیریں پانی نظر آیا جو درحقیقت اسمٰعیل علیہ السلام کی حالت طفولیت کا ایک زندہ اور برقرار معجزہ تھا۔

بی بی ہاجرہ کی اس مسرت اور فرحت کا اندازہ نہیں ہوسکتا جو مایوس ہوئے پیچھے خلاف امید مادۂ حیات ہاتھ لگنے پر ان کو حاصل ہوئی نہایت بیتابی اور شوق کے ساتھ غٹ غٹ پینا اور دونوں ہاتھوں نے اس کو اس خیال سے روکنا اور جلدی جلدی اس کی مینڈ کا بنانا

شروع کردیا کہ کہیں بہہ نہ جائے اور ختم ہو جانے والی مصیبت دوبارہ اپنی ہولناک صورت دکھائے یہی پانی آبِ زمزم کہلاتا ہے۔

زمزم کا پانی کوئی معمولی پانی نہ تھا جو صرف تشنگی رفع کرنے کا کام دیتا بلکہ اس میں غذائیت بھی تھی کہ وہ بطور خود غذا اور پانی دونوں کا کام دیکر جسم کو پروان چڑھاتا تھا اور قوت ہاضمہ کو مدد دیتا تھا اب ہاجرہ کی طبیعت کو معاش کی طرف سے بھی اطمینان ہوگیا اور یہ ہو کا میدان ایک سرسبز باغ نظر آنے لگا جس میں ہر قسم کے میوے اور عیش و آرام کے تمام سامان مہیا تھے۔

حضرت خلیل اللہ کی دعائیں پہلی ضرور تھیں اور رافت ربانی کے ظہور کیلئے عالم اسباب میں کوئی سبب قایم ہونا لازمی امر تھا۔ اس لئے چند ہی روز گذرے تھے کہ قبیلہ جرہم کے چند تجارت پیشہ یمن سے آتے ہوئے مسافروں کا اس راستہ سے گذر ہوا اور اتفاقاً ریگستان کی کٹھن منزل کے طے کرنیکا وقت ختم ہو جانے کے باعث ان کا غیر معمولی قیام بھی اس موقع پر ہوا جس سے کچھ ہی فاصلہ پر بی بی ہاجرہ اپنے بیٹے کو چھاتی سے لگائے چاہ زمزم کے کنارے اپنے عزیز اوقات کو اللہ کی یاد میں صرف کیا کرتی تھیں۔

آبِ زمزم پر اللہ کی ہوائی مخلوق یعنی طیور کے اڑنے اور چہچہا چہچہا کر ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر آنے جانے کا ایک نیا عالم ان سوداگروں کی نظر پڑا تو متحیر ہو کے ایک نے دوسرے سے کہا کہ ہم تجارت پیشہ لوگ ملک یمن سے شام اور مُلکِ شام سے یمن آتے جاتے عموماً اسی راستے سے گذرتے ہیں لیکن اس لق ودق میدان میں کہیں پانی کا نشان نہیں دیکھا پھر یہ پرندکیوں اڑتے نظر آتے ہیں۔

ایک شخص اس کی ٹوہ میں ریگستان کے گرم ریت اور پتھریلی زمین کے سخت پتھروں کو قطع کرتا ہوا اس مقام پر جا پہنچا جہاں پرند اُڑ رہے تھے اور ایک نو پید اچشمے کے کنارے ایک خوبصورت عورت کو مجسم نور گلاب جیسا نازک اور حسین بچہ گود میں لئے ہوئے بیٹھا دیکھکر حیران ہو گیا۔ اور واپس آکر ہمراہیوں سے ماجرا بیان کیا حیرت انگیز معاملہ اس قسم کا نہ تھا کہ اہل قافلہ اپنے ساتھی کی اطلاعی خبر کے محض سننے پر اکتفا کرتے اس لئے ہر ایک نے بطور خود چاہ زمزم کے دیکھنے کی خواہش کی اور اب بی بی ہاجرہ کو عالم تنہائی میں ایک عرصہ کے بعد چند بنی آدم کی

صورت نظر پڑی جن کا دیکھنا اس جنگل میں عنقا ہو گیا تھا۔

قافلے والے گو متحیّر ضرور تھے لیکن یہ بھی سمجھ چکے تھے کہ یہ عفّت مآب عورت کوئی معمولی عورت نہیں ہے بلکہ اللہ کی پیاری اور کوئی مقبول بندی ہے جس کی خاطر اس خشک ریتلی زمین سے چشمہ اُبل آیا ہے، یہ لوگ جرأت کر کے آگے بڑھے اور ایک شخص نے بی بی ہاجرہ کو مخاطب بنا کر کہا "کیا آپ اجازت دیسکتی ہیں کہ ہم آپ کی خدمت میں اس متبرک چشمے کے کنارے رہنا اختیار کریں تاکہ آپ کو بھی چند ہمجنس شکلوں کے پاس رہنے سے اُنسیّت حاصل ہو اور ہم اس ہونہار لڑکے کو جوان ہونے پر اپنا سردار بنا کر حلقۂ اطاعت کان میں ڈالنے کی عزت حاصل کریں"

ہاجرہ نے جواب دیا کہ تمہارے یہاں ٹھہرنے میں تو کچھ حرج نہیں۔ البتہ اس کا اندیشہ ہے کہ تم اس چشمہ پر اپنا مالکانہ تصرف اور قبضہ کا استحقاق نہ قائم کرنے لگو۔ اہلِ قافلہ نے عہد کیا اور کہا آپ اطمینان رکھیں ایسا ہرگز نہ ہوگا بلکہ ہم اس نونہال کے تابعدار بنکر رہیں گے جس وقت یہ بالغ ہو کر ہمکو یہاں سے نکالنا چاہیں گے ہم فوراً نکل جائیں گے۔

غرض اِس قافلہ نے اپنے قبیلہ کو تمام معاملہ کی خبر دی اور وہ لوگ مع اپنی قوم اور بال بچوں کے اپنے وطن سے منتقل ہو کر اِس جگہ آرہے اور مکانات تعمیر کر لئے۔

اسمٰعیل علیہ السلام اپنی ماں کی تربیت میں نشو ونما پاتے رہے اور جب جوانی کی عمر اور حدّ بلوغ کو پہنچے تو جرہم کی خاص مادری عربی زبان کے نہایت فصیح و بلیغ ماہر ہوئے۔ یہی وہ عربی لغت ہے جس میں کلام مجید نازل ہوا۔ قبیلہ جرہم نے اپنے کثیر المقدار مال میں ان کا حصہ لگا دیا اور اس تقریب سے اسمٰعیل علیہ السلام اس قوم کے سردار اور سب سے زیادہ مُتموّل شخص بنگئے جرہم ہی کی ایک خوبصورت صاحب شرف ونسب عورت سے نکاح کیا۔ اور تیر اندازی میں شہرہ آفاق ہوئے۔ بابرکت اوقات کا اکثر حصہ اللہ کی عبادت سے فارغ ہونے کے بعد ماں کی اجازت سے شکارگاہ میں صرف ہوتا تھا" (باقی آیندہ)

(نوٹ) ہمنے ارادہ کیا ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کا ایک مکمل سلسلہ ہمیشہ اس رسالہ کا جزو اعظم رکھا جاوے جو بالآخر کسی وقت ایک عظیم سیرت الرسول بنجائے۔ یہ مضمون اسی سلسلہ کا آغاز ہے حق تعالیٰ انجام کو پہنچائے۔

باب دوم

ذبیح اللہ کا خطاب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مذکورہ جانکاہ سانحہ کے متعلق جو کچھ بھی کیا تھا چونکہ وہ محض اللہ پاک کے حکم کی تعمیل اور بی بی سارہ کی رضاجوئی کے لئے تہا اس لئے پدری شفقت نے خلیل اللہ کو اپنے بیٹے اسمٰعیلؑ اور بی بی ہاجرہ سے غافل نہیں ہونے دیا۔ بسا اوقات سال میں کئی کئی مرتبہ دونوں کو یہاں آکر دیکھ دیکھ جاتے تھے تاہم وہ آنا جنتی مرکب یعنی براق پر کچھ ایسا رواروی ہوتا تھا جو بس خلیل اللہ ہی کی تسکین کے لئے کافی تھا۔ اسمٰعیل علیہ السلام سن بلوغ کو پہونچے تو خداداد حسن صورت کو حسن سیرت سے وہ مناسبت ظاہر ہونے لگی جو گل کو بو سے اور جسم کو روح سے ہونی چاہئے۔ یہ کون کہہ سکتا تہا کہ یہی ہونہار مصیبت کا پلا ہوا ماں کا لاڈلہ وہ بچہ ہے جو اپنے بڑے بھتے والی اولاد یعنی اہل عرب کو بنوماء السماء کے خطاب کا مستحق بنائیگا اور یہ کسے خبر تھی کہ اس نونہال گلشن نبوت کی شریف نسل میں وہ گوہر یکتا مہر نبوت پیدا ہوگا جس کی مرحومہ اُمت میں داخل ہونے کی آرزو تمام انبیاء علیہم السلام کرینگے (ناظرین کو معلوم ہونا چاہئے کہ ابراہیمؑ کے بعد جس قدر نبی ہوئے وہ سب آپ کے چھوٹے صاحبزادے حضرت اسحٰقؑ بن ابراہیمؑ کی اولاد میں تھے۔ حضرت اسمٰعیلؑ بن ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں نبوت کا لباس پہننے والا صرف سید عالم محمد رسول اللہ صلعم کا وجود باوجود شاید اسی لئے تھا کہ ایک مبارک و متبرک صدف میں صرف ایک ہی بے بہا گوہر کی گنجائش ہوسکتی ہے اور اس دُر فرید کا ہم پلہ کئی انبیاء علیہم السلام کا مجموعہ بھی نہیں ہوسکتا کیونکہ اس کو سید ولد آدم کا بزرگ خطاب اور خاتم النبیین کا محترم لقب بارگاہ لم یزلی سے آدم ابوالبشر کے ذی روح ہونے سے پیشتر ہی عطا ہوچکا تہا۔

ابراہیم علیہ السلام کو خواب نظر آئی کہ کوئی غیبی کہنے والا صاف آواز میں کہہ رہا ہے کہ "اے ابراہیمؑ اللہ کے نام پر اپنے بیٹے اسمٰعیل کو ذبح کردو"۔ جب آنکھ کھلی تو طبیعت میں باقتضائے بشریت گونہ پریشانی اور فکر کا اثر موجود پایا یہ صبح آٹھویں ذی الحجہ کی صبح تہی اور شام تک قلب کا یہ حال رہا کہ ایک خیال جاتا اور دوسرا آتا تہا کبھی وسوسہ ہوتا تہا کہ یہ خواب کوئی شیطانی خیال ہے اور کبھی خیال گذرتا تہا کہ نہیں نہیں یہ بجانب اللہ رویائے صادقہ ہے جس کی تعمیل مجھے کرنی ضرور ہے۔

شام تک کسی ایک خیال کو غلبہ نہ ہوا اور تمام دن اسی شک کی حالت میں گذر گیا۔ اس لئے اس

تاریخ کا نام اہل اسلام میں یوم الترویہ (شک کا دن) ہے

نویں ذی الحجہ کی شب تھی کہ پھر وہی خواب نظر آیا جس نے گذشتہ شب اضطراب میں ڈالا تھا جب صبح ہوئی تو ابراہیم علیہ السلام کا وہ شک بالکل رفع ہو چکا تھا اور اس دوسری خواب نے بتلا دیا تھا کہ وحی ربانی کو وسوسۂ شیطانی سمجھنا اللہ کے تابعدار بندے کی شان سے بعید ہے اسی وجہ سے اس دن کو مسلمان یوم عرفہ (علم و عرفان کا روز) کہتے ہیں۔

یہ تمام دن واجب التعمیل فرمان کے اہتمام میں خرچ ہوا اور شب کو تیسری بار پھر وہی خواب نظر آئی اور اگلا روز جس کا نام یَوْمُ النحر (قربانی کا دن) ہے اس کے لئے تجویز ہو گیا کہ آج پیارا بیٹا اسمٰعیل باپ کے ہاتھ سے اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے۔

عالم کو منور کرنیوالا آفتاب اُفق مشرق سے برآمد ہوا اور سُورج کی لمبی لمبی کرنیں عرب کے اونچے پہاڑ اور ٹیلوں سے ٹکرانے لگیں حجازی ریگستان کے ذرے اپنی چمک اور جھلک دکھلا چکے تھے کہ حضرت خلیل اللہ اس میدان میں آموجود ہوئے جہاں بارہ برس ہوئے اپنے شیر خوار بچہ کو بیکس ماں کی گود کے گہوارے میں لیٹا ہوا چھوڑ گئے تھے۔

اسمٰعیل علیہ السلام نے باپ کو دیکھا اور مراسم تعظیم ادا کئے ابراہیم علیہ السلام نے کہا کہ اے اسمٰعیل ع چھری اور رسّی لے آؤ اور چلو جنگل سے لکڑیاں کاٹ لاویں تاکہ ایندھن کا کام چلے اسمٰعیل ع فوراً گھر میں گئے اور ایک تیز چھری اور لمبی سی رسّی لیکر باپ کے ساتھ ساتھ اس جنگل کی جانب ہو لئے جو کوہ ثبیر کے نشیب میں واقع ہے

وہاں پہونچکر ابراہیم علیہ السلام نے اپنی سچی خواب کا ماجرا کہہ سنایا اور فرمایا کہ اے اسمٰعیل اب بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے اور تم اپنی جان اللہ کے نام پر قربان کرنیکے لئے کہاں تک تیار ہو؟ اسمٰعیل نے گردن جھکالی اور عرض کیا کہ "درکار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست" مجھکو آپ متحمل اور صابر پائیں گے اور درحقیقت مجھسے زیادہ خوش قسمت کون کہ اپنے رب مجازی حضرت خلیل اللہ کی معرفت اپنے رب حقیقی کو وہ روح حوالہ کرتا ہوں جو اس نے چند روز کیلئے مجھکو ودیعۃً مرحمت فرمائی تھی۔ ابا جان! آپ دیر نہ کیجئے اور بسم اللہ کر کے میرے گلے پر چُھری رکھدیجئے مبادا انسان کا کھلا دشمن شیطان ہماری بے لوث اور خالص نیتوں کو بگاڑ نہ دے البتہ چند درخواستیں منظوری کی امید پر پیش کرتا ہوں۔ اوّل یہ کہ آپ چھری خوب تیز کرلیں اور مجھکو رسّی سے جکڑ کر باندھ دیں تاکہ میرے تڑپنے سے خون کی چھینٹیں آپ کے کپڑوں کو نجس نہ کریں۔ دوم یہ کہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تاریخ اسلام

باب اول

چاہِ زمزم

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی منکوحہ بی بی حضرت سارہ بنت ہاران صرف لاولد ہی نہ تھیں بلکہ قدرتی طور پر بانجھ اور عالم اسباب میں بظاہر ہمیشہ کے لئے اولاد سے مایوس ہو چکی تھیں اور گو آخر عمر میں محض اللہ جل شانہٗ کی قدرت سے حضرت اسحٰق علیہ السلام انھیں کے عفت مآب بطن سے پیدا ہوئے تاہم یہ معجزہ کے طور پر ولادت اس مایوسی کے ایک زمانہ کے بعد تھی جو حضرت سارہ کو اپنی عمر کے ڈھلتے وقت سے پیدا ہو گئی تھی اور اسی حالت سے یہ ہمارا سچا قصہ بھی شروع ہے۔ اس زمانہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وطن شہر بابل دارالسلطنت اور حاکم وقت اللہ کا نافرمان بندہ نمرود بن کوش تہا اسی کمبخت نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنے دعوے ربوبیت کا مخالف پاکر بتہ آگ کے ڈھیر میں ڈلوایا اور وہ آگ بحکم خدا گلزار بن گئی جس کا مشہور قصہ عام اہل ادیان کو وردِ زبان ہے۔

جب نمرود ابراہیم علیہ السلام کو اپنا مطیع بنانے سے بالکل مایوس ہو گیا اور اندیشہ ہوا کہ ابراہیمؑ کا عام طور پر توحید کا اعلان فرمان بردار رعایا کے خیالات کو بھی مبدل کر دیگا تو اس نے ابراہیمؑ کو معہ اہل خانہ کے جلاوطن ہو جانیکا حکم دیا اور ابراہیم علیہ السلام نہایت خوشی کے ساتھ اللہ کے بھروسہ پر فوراً کھڑے ہو گئے اور اپنے وطن مالوف دارالکفر سے مصر کی جانب ہجرت کر گئے۔

بی بی سارہ رشتہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی چچازاد اور حضرت لوط علیہ السلام کی حقیقی بہن نہایت ہی خوبصورت اور حسین ہونے کے علاوہ خاوند کی ضرورت سے زیادہ مطیع و فرماں بردار تھیں۔

حاکم وقت فرعون مصر یعنی سنان بن علوان خوبصورت عورتوں کا گرویدہ اور نہایت فاسق فاجر زانی شہوت پرست شخص تہا جب اس نے بی بی سارہ کے خدا داد حسن کا شہرہ سنا تو طبیعت میں ولولہ پیدا ہوا اور ابراہیم علیہ السلام سے کہلا بھیجا کہ اگر زندگی چاہتے ہو تو سارہ کو بنا سنوار کر فوراً ہمارے روبرو حاضر کر دو۔ ابراہیم علیہ السلام کو گو تشویش زیادہ ہوئی لیکن حاکم و محکوم کا مقابلہ کیا تھہر درویش بلا...

سارہ کو فرعون مصر کی جانب روانہ کر بارگاہ لم یزلی میں دست بدعا ہوئے کہ بارالہا غریب بندوں کی عزت آبرو تیرے ہی ہاتھ ہے ؛

بی بی سارہ فرعون کے پاس پہونچیں اور بدکار ظالم بادشاہ نے پاکدامن خاتون کی جانب ہاتھ بڑھانا چاہا کہ یک لخت اسکا ہاتھ شل ہو گیا اور تمام بدن بے حس ہو گیا گویا کسی سخت پکڑنے والے نے ہاتھ پاؤں جکڑ دیئے۔ فرعون اپنی یہ حالت دیکھکر گھبرا گیا اور بی بی سارہ سے بعجز و انکساری التجا کی کہ اللہ واسطے مجھ پر رحم کرو اور دعا کرو کہ میں اس پنجۂ غضب سے نجات پاؤں۔

بی بی سارہ نے دعا کی اور فرعون کے ہاتھ کھل گئے لیکن اس کے سر پر تو شیطان سوار تھا طبیعت میں ایک جوش تھا جس نے عقل و ہوش پر پردہ ڈال رکھا تھا پچھلی بیجا حرکت کی سخت پاداش سے بھی متنبہ نہ ہوا اور پھر دست درازی شروع کی۔ ہاتھ کا بڑھانا تھا کہ پھر وہی حالت طاری ہوئی جو پہلی مرتبہ ہوئی تھی۔ قصہ مختصر تین مرتبہ یہی واقعہ پیش آیا اور فرعون مصر نے بی بی سارہ کی یہ حیرت انگیز کرامت دیکھکر اپنی ایک خاص اور خوبصورت لونڈی ہاجرہ نام ان کو دیکر رخصت کیا اور یہ ہنسی خوشی اپنے گھر آئیں۔ بی بی سارہ چونکہ اولاد سے مایوس ہو چکی تھیں اس لئے انھوں نے واپس آکر اپنی باعزت مملوکہ اپنے پیارے شوہر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہبہ کردی جو در حقیقت قبطی النسل تھیں اور تھوڑے ہی دنوں بعد ہاجرہ کے بطن سے ابراہیم علیہ السلام کے بڑے صاحبزادے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے اس وقت ابراہیمؑ کی عمر ایک کم سو برس کی تھی ابراہیم علیہ السلام کو اپنے اکلوتے بیٹے اسمٰعیل علیہ السلام سے نہ صرف اس وجہ سے زیادہ محبت تھی کہ یہ لخت جگر بی بی سارہ کی جانب سے مایوس ہونے کے بعد پیدا ہوا تھا۔ بلکہ اس وجہ سے بھی کہ اس ہونہار بچے کی ملاحت آمیز آنکھوں خداداد حسن اور قدرتی نور پیشانی سے جلوہ گر ہو رہا تھا کہ خلیل اللہ کا یہ پیارا بیٹا بھی اپنے زمانہ میں خلعتِ پیغمبری زیب تن کرے گا۔

اسمٰعیلؑ نے اپنے پیدا ہوتے ہی باپ کی توجہ اپنی ہی جانب زیادہ مبذول نہیں کی بلکہ اپنی ماں بی بی ہاجرہ کو بھی ابراہیم علیہ السلام کی خاص محبت اور مخصوص عنایت کا مورد بنا دیا جو واقع میں حضرت سارہ کی عطا کی ہوئی لونڈی تھیں اور بظاہر یہی بی بی سارہ کے پورے ملال کا باعث ہوا۔

یہ سوال کہ حضرت سارہ جیسی ولیہ اور مقبول خدا کے بے کینہ سینہ میں رشک کا مادہ کیوں پیدا ہوا ایک پیچیدہ سوال ہے تاہم اتنا کہنا تسلی بخش ہو سکتا ہے کہ جب انبیا علیہم السلام بشریت سے خالی نہیں

وذکّر فانّ الذکرٰی تنفع المؤمنین ۝



تاریخ الامت

حصہ اوّل

سیرۃ الرسول

مصنفہ

مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری

استاد تاریخ اسلام جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

سنہ ۱۹۳۱ء

مطبع جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی میں طبع ہوئی

سلسلہ اردو اکادمی نمبر ۱ (الف)

قیمت عہ

چہارم

تصانیف و تراجم

جناب ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم اے۔ پی ایچ۔ ڈی

تلاش حق جلد اول و دوم - مہاتما گاندھی کی آپ بیتی یعنی My Experiments with Truth کا بامحاورہ اردو ترجمہ۔ کتاب پر اردو کے تقریباً تمام رسائل و اخبارات نے نہایت اچھے ریویو کئے ہیں، گاندھی جی کی صحیح زندگی سے واقفیت کے لئے ضروری ہے کہ ان کے تجربات زندگی کا مطالعہ کیا جائے دونوں جلدوں کی ضخامت ... صفحات سے زیادہ ہے۔ قیمت صرف دو روپے۔

نفسیات شباب - ڈاکٹر صاحب کی یہ کتاب نومبر ۱۹۳۵ء کے آخری ہفتہ میں شائع ہوئی اور روز اشاعت سے تین دن کے اندر چار سو فروخت ہوگئی۔ یہ برلن یونیورسٹی کے پروفیسر اور فلسفہ تعلیم و تمدن کے بے مثل ماہر پروفیسر ایڈورڈ اشپرانگر کی تازہ تصنیف Psychologie des Jugendalters کا براہ راست جرمن زبان سے اردو ترجمہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب جرمن اور اردو دونوں زبانوں میں اس قدر دستگاہ رکھتے ہیں کہ پیچیدہ سے پیچیدہ مقامات بھی ترجمے میں اصل سے زیادہ صاف ہوجاتے ہیں۔

نوجوانوں کی مجموعی نفسی سیرت، ان کی تخئیلی زندگی۔ ان کے عشق، ان کے تصور کائنات اور اخلاقی نشوونما پر "نفسیات شباب" سے بہتر کوئی کتاب نہیں۔ پھر زبان اتنی صاف اور عام طرز تحریر اس قدر دلکش ہے کہ شروع کرنے کے بعد اس کے مطالب میں بالکل محویت ہوجاتی ہے۔

کتاب کی ضخامت بڑے سائز کے ۴۰۰ صفحے اور قیمت اردو کی بلند پایہ علمی ادبی کتابوں کے مقابلے میں نسبتہً کم یعنی صرف تین روپے (سے)

تاریخ فلسفہ اسلام - اس موضوع پر اردو میں پہلی کتاب ہے۔ ایک جرمن تصنیف کا ترجمہ ہے۔

پردۂ غفلت - ایک معاشرتی ڈراما جو ڈاکٹر صاحب نے قیام جرمنی میں لکھ کر وہیں چھپوایا تھا

مسلمانوں کی تعلیم اور جامعہ ملیہ - ایک دلچسپ اور مفید تعلیمی رسالہ۔ ہر شخص پڑھ کر فائدہ اٹھا سکتا ہے

فہرست مضامین تاریخ الامّت حصہ اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدِ

الْمَبْعُوْثِ اِلٰی کَافَّۃِ النَّاسِ مِنَ الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ وَعَلٰی اُمَّتِہِ الَّتِیْ ھِیَ خَیْرُ الْاُمَمِ۔

اما بعد مسلمانوں کو اگرچہ فن تاریخ سے دنیا کی دوسری قوموں کی بہ نسبت ہمیشہ سے زیادہ شغف رہا ہے لیکن تعجب ہو کہ اردو زبان میں اب تک اسلام کی کوئی تاریخ اس فن کے اصول کے مطابق نہیں مرتب ہوئی بعض بعض کتابیں جو لکھی گئی ہیں ان میں سطحی اور بیشتر غیر ضروری معلومات فراہم کی گئی ہیں جو طلبائے تاریخ کے لئے زیادہ مفید نہیں۔

اسی کمی اور اسی ضرورت کو محسوس کر کے میں نے "تاریخ الامت" لکھنی شروع کی جس کا یہ پہلا حصہ اب شایع کیا جاتا ہے۔ امید ہے کہ مسلمان طلبا میں اس کے پڑھنے سے صحیح تاریخی ذوق بڑھیگا۔ عام اہل اسلام کے لئے بھی اس کا مطالعہ فائدہ سے خالی نہ رہے گا۔

وما توفیقی الا باللہ

محمد اسلم جیراجپوری

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

تمہید

(۱) اسلام اور خاصکر اوائل اسلام کے حالات میں ہمارے قدماء کی اسقدر مفصل اور مبسوط تصنیفیں موجود ہیں کہ ان سے اس زمانہ کی تاریخ کا مرتب کرلینا آسان کام ہے لیکن جو دشواری ہے وہ یہ ہے کہ انہوں نے صرف واقعات کو سلسلہ وار جمع کردیا ہے نہ اس کے اسباب سے تعرض کیا ہے نہ انکی نسبت رائیں لکھی ہیں اور اس زمانہ میں یہی چیزیں تاریخ کی روح سمجھی جاتی ہیں۔

میں نے جس وقت اس کتاب کو لکھنے کا ارادہ کیا تو دیکھا کہ قدیمی تاریخوں سے کاربراری مشکل ہے۔ اس لئے جدید تصنیفات پر نظر دوڑائی ان میں علامہ شیخ محمد الخضری استاد تاریخ اسلام جامعہ مصریہ کی تاریخ الامم الاسلامیہ مجھے ملی جس سے وہ مشکل آسان ہوگئی کیونکہ شیخ موصوف نے اس کتاب کو تحقیق کے ساتھ لکھا ہے اور موجودہ اصول تاریخ نویسی کے مطابق مرتب کیا ہے۔ یہ دراصل ان کے ان دروس کا مجموعہ ہے جو انہوں نے طلبائے جامعہ مصریہ کو پڑھائے۔

میں نے بیشتر اسی کتاب کو اپنا ماخذ قرار دیا لیکن دوسری اسلامی تاریخیں بھی سامنے رکھیں۔

(۲) پڑھنے والوں کو تشویش سے بچانے کی خاطر مختلف اقوال لکھنے سے احتراز کیا۔ اور بحث اور مناظرہ کا دروازہ نہیں کھولا۔ بلکہ جو تحقیقی بات تھی وہی ثبت کردی اور اختصار کی غرض سے واقعات صرف وہی منتخب کئے جن سے تاریخی سلسلہ کا ربط قایم رہتا ہے۔ زبان میں بھی سلاست کا لحاظ رکھا۔ تاکہ ہر طبقہ کے لوگ آسانی سے سمجھ سکیں۔

(۳) ہندوستان کے بہت سے مسلمان بھی دوسری قوموں کی طرح اپنے پیشوایان مذہب کے ساتھ عقیدتمندی میں غلو کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان سے کسی قسم کی غلطی کا ہونا محال تھا یہی وجہ ہے کہ اکثر ائمہ اور بزرگان دین کی سوانحعمریاں جو اس قسم کے معتقدوں نے لکھی ہیں تاریخی معیار سے دور جا پڑی ہیں اگر اس قسم کے لوگ اپنے مذاق کی باتیں اس کتاب میں نہ پائیں تو ہم کو ملامت نہ کریں۔ کیونکہ ہمارے بیان کی بنیاد علم پر ہے نہ کہ محض عقیدت پر ہم نے فرشتوں کی

مجھکو منہ کے بَل زمین پر گرائیں تاکہ ذبح ہوتے وقت میری صورت آپ کو نظر نہ آئے ۔ تیسرے یہ کہ میرا خون آلود کُرتہ میری والدہ کو دیدیجیے تاکہ اُن کو اکلوتے بیٹے کی ابدی مفارقت میں گونہ تسلّی کا سامان ہاتھ آجائے اور بس ۔

حضرت خلیل اللہ اپنے فرمانبردار بیٹے کی زبان سے یہ کلمات سنکر نہایت خوش ہوئے اور اپنے لختِ جگر کو اس پتھر کے قریب لائے جو منیٰ میں واقع ہے اور ایامِ حج میں حجاج کی قربانی کے جانور عام طور پر اب تک اسی منیٰ میں ذبح ہوتے ہیں ۔

عالمتاب آفتاب ایک نیزہ چڑھ چکا تھا اور ابراہیم علیہ السلام خوشی خوشی چھُری کو پتھر پر رگڑ رگڑ کر تیز کر رہے تھے فرشتوں میں ایک کھلبلی پڑی ہوئی تھی اور ملاء اعلیٰ میں تحیّر کا عالم یہ ایسا عجیب منظر تھا جس کی کوئی مثال عالم میں اب تک نہ گذری تھی ۔ نہ خلیل اللہ کے چہرہ پر کوئی پریشانی یا رنج کا اثر تھا نہ اسمٰعیل کی صورت پر مایوسی یا فکر و غم کا کوئی نشان نظر آتا تھا چھری تیز ہو چکی اور حضرت ابراہیمؑ نے جوان بیٹے کو ذبح ہونیوالی بکری کی طرح ماتھے کے بَل زمین پر لا ڈالا غیبی مخلوق میں ایک کہرام مچگیا لیکن کس کی طاقت تھی کہ جبروتی بارگاہ میں سوال کر سکے کہ یہ جگر اندوز سانحہ کس مصلحت سے ہو رہا ہے ؟

خدا جانے حضرت خلیل اللہ کے قلب میں کیسا جوش سمایا ہوا تھا کہ نورِ نظر کے ہر دو شانے کے مابین کمر پر بیٹھ گئے اور ایک بلند آواز سے بسم اللہ کہکر تلوار جیسی تیز اور آبدار چھری اسمٰعیلؑ کے نازک حلق پر چلادی ادہر گلستانِ نبوت کے باغبان نے باغِ رسالت کے نازک پھول پر چھری چلائی اور اُدہر عالم قدسی میں ایک شور برپا ہوا جبرئیل امین بے اختیار پکار اُٹھے اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ فوراً ہی ذبح ہونیوالے اسمٰعیلؑ نے بڑے پڑے جوشِ مسرت سے جواب دیا کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اور معًا ابراہیم خلیل اللہ نے کہا اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ یہی مقدس اور پُر جوش کلمات کا مجموعہ سنتِ ابراہیمی ہوکر اب تک عید اضحیٰ میں بار بار پکارا جاتا ہے اور تا یوم القیام پکارا جائیگا ؛

دیکھیے فرمان بردار لاڈلے لیکن بہادر بیٹے کی نازک طبیعت کو کس قدرتی صبر نے ایسا سکون دے رکھا ہے کہ عجیب استقلال کے ساتھ سجدہ میں پڑا ہوا گردن کٹوا رہا ہے گویا ذبیح اللہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اس فنا ہونیوالی جان کا خالق کے نام پر قربان کرنا میری سعادتمندی اور اس فخر کا باعث ہے جو دنیا میں حاصل ہونا خوش قسمتی پر دلالت کر رہا ہے اِس لئے کوشش ہے کہ کہیں تیز چھُری جلد اپنا کام پورا کرے اور

خون بہنے کی سرسراہٹ جلد وہ نئی خوشی پیدا کرے جس کا گھنٹہ بھر سے انتظار ہے۔

لیکن خدا جانے اس چھری کو کیا ہو گیا کہ خلیل اللہ کو دلی کوشش میں کامیاب نہیں ہونے دیتی کچھ ایسی کُند اور بیکار ہو گئی ہے کہ ریشمی کھال بھی قطع نہیں کر سکتی۔

ابراہیم علیہ السلام نے جب دیکھا کہ حلق پر چھری اپنا کام نہیں دیتی تو اٹھا کر گُدّی پر رکھا اور بسم اللہ اللہ اکبر کہکر زور سے چلائی غیب سے آواز آئی کہ "بس بس اے ابراہیم تو نے اپنا خواب سچّا کر دکھایا اطاعت کا یہی منشا ہے جو تجھ سے ظاہر ہوا اور فرمانبرداری اسی کا نام ہے جو تو نے کر دکھائی"۔

ابراہیم علیہ السلام اپنا کام پورا کر چکے تھے لیکن اللہ پاک کو جو صرف خلوص نیت کا دیکھنے والا اور محض قلبی حالت کا آزمایش کرنیوالا ہے یہ مقصود نہ تھا کہ ابراہیمؑ کی تیز کی ہوئی چھری سے اسمٰعیل کا حلق کٹے اس لئے آسمانی مخلوق کی وساطت سے ایک آن میں اسمٰعیلؑ کی جگہ ایک مینڈھا لا ڈالا گیا جو ذبیح اللہ کا فدیہ ہو کر خلیل اللہ کے ہاتھ سے ذبح ہوا۔ یہ مینڈھا وہ قربانی کا مینڈھا تھا جو آدم ابوالبشر کے بیٹے ہابیل نے اپنے چھوٹے بھائی قابیل کی مخاصمت پر تصفیہ ہونے کی علامت میں اللہ کے نام کی نذر بنا کر پہاڑ پر چڑھایا تھا اور وہ مقبول ہو کر جنت میں اٹھا منگایا گیا تھا اور اب تک وہ جنت کا آب و دانہ کھا کر فربہ ہوتا رہا۔

خوشا قسمت اس مینڈھے کی جو اسمٰعیل ذبیح اللہ کا فدیہ بنا اور زہے نصیب اس دُنبہ کے جو ابراہیم جیسے خلیل پیغمبر کے ہاتھوں ذبح ہوا۔

ابراہیم علیہ السلام اُٹھے اور فرحان و شادان بیٹے کا ہاتھ پکڑے واپس آئے۔

باب سوم (۳)

خانہ کعبہ کی دوسری بار تعمیر | بیت اللہ الحرام جو روئے زمین کے تمام مسلمانوں کا معبد ہے دنیا کا پہلا گھر ہے جس کو ابتداءً ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام نے یاقوتِ سرخ کا تعمیر کیا تھا۔

جب نوح علیہ السلام کے زمانہ نبوت میں اِنکی بددعا سے عام طوفان آیا تو اس وقت اللہ پاک نے فرشتوں کو حکم دیا کہ خانہ کعبہ آسمان پر اٹھا لیا جائے۔

جوں جوں زمانہ گذرتا گیا بیت اللہ کی بنیادوں پر مٹی نے جمتے جمتے سطح زمین کو اتنا اونچا کر دیا کہ کوئی صورت اصل بنیاد کے بھی معلوم ہونے کی نہ رہی۔

جب اسمٰعیل علیہ السلام کی عمر بیس سال کی ہوئی تو ان کی والدہ ماجدہ بی بی ہاجرہ نے نوّے برس کی عمر میں انتقال کیا اور سنگ اسود کے پاس بیٹے نے اپنی پیاری ماں کو آنکھوں سے آنسو بہا بہا کے مدفون کیا۔

حضرت خلیل اللہ کو اللہ کا حکم ہوا کہ جس بے آب و گیاہ میدان میں تم اسمٰعیل اور ہاجرہ کو چھوڑ آئے تھے وہاں جاؤ اور بیت اللہ کو اس کی اصل بنیادوں پر دوبارہ تعمیر کرو۔

ابراہیم علیہ السلام فوراً اس مقام پر آپہونچے اور حضرت ذبیح اللہ کو دیکھا کہ چاہ زمزم کے کنارے بیٹھے تیر سیدھے کر رہے ہیں فرمایا کہ اے اسمٰعیل اللہ کا مجھکو حکم ہوا ہے کہ خانہ کعبہ کو اسکی اصل بنیادوں پر قائم کروں اور تم کو میری اعانت کرنی پڑے گی۔ اسمٰعیل علیہ السلام فوراً کمر ہمت باندھ کر کھڑے ہو گئے۔

بڑی دقت یہ تھی کہ امتداد زمانہ کے باعث خانہ کعبہ کی بنیادیں زمین میں دب گئی تھیں ان کا ظاہر ہونا اور انپر چنائی کے ردّوں کا رکھنا بشری قوت سے خارج تھا اس لئے حضرت خلیل اللہ نے دعا کی کہ بار الٰہا تیرے مقدس گھر کی بنیادیں نظر آویں تو تیرے حکم کی تعمیل ہو۔ اسی وقت ایک اندھیاؤ چلا جس نے ریت کے تودے ادھر سے ادھر اٹھا پھینکے اور آنکھوں دیکھتے جو کچھ مٹی بنیادوں پر آجمی تھی سب دوسری جانب جا پڑی۔

اس وقت حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی عمر تیس سال کی تھی ابراہیم علیہ السلام نے تعمیر کا کام شروع کیا اور اسمٰعیل علیہ السلام نے نواحی مکہ معظمہ کے پہاڑوں سے پتھر ڈھونے شروع کئے۔

بڑے بڑے پتھروں کے ردّے چند ہی رکھے گئے تھے کہ دیواریں قد آدم آگئیں اور اب ابراہیم علیہ السلام کو ردّے رکھنے کیلئے ایک سڈول پتھر پر کھڑے ہونے کی ضرورت ہوئی۔

جس پتھر پر کھڑے ہو کر بیت اللہ تعمیر کیا گیا اس پر خلیل اللہ کے متبرک قدموں کے ہو بہو نشان اب تک موجود ہیں اس کو مقام ابراہیم کہتے ہیں اور اسی کے قریب دو رکعت پڑھنی وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى سے ثابت ہیں۔ حضرت خلیل اللہ کا یہ پائدار معجزہ تا قیامت باقی رہے گا۔

اسمٰعیل علیہ السلام جن پہاڑوں کے پتھر ڈھو رہے تھے وہ پانچ ہیں یعنی کوہ حرا۔ کوہ لبنان۔ کوہ ثبیر کوہ جودی۔ کوہ طور اور بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ پتھر کوہ حرا۔ کوہ ابوقبیس۔ قدس۔ ورقان۔ رضوی کے تھے غرض دونوں باپ بیٹوں نے نہایت خلوص کے ساتھ تعمیر کو اختتام پر پہونچایا اور بارگاہ رب العزت میں دست بدعاء ہوئے کہ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ؕ یعنی بار الٰہا ہماری اس

دست بدعا

خدمت کو قبول فرما بیشک تو بندوں کی دعا سننے والا اور خلوص قلب کا جاننے والا ہے۔

پھر حضرت خلیل اللہ جبلِ ابو قبیس پر چڑھے اور بہ آواز بلند پکارا کہ اے بندگانِ خدا یہ اللہ کا مقدس گھر تمہاری زیارت گاہ ہے چلو اور یہاں آکر اس کا طواف کرو۔ خدا جانے یہ کس قسم کی قدرتی آواز تھی کہ موجودہ بنی آدم اور قیامت تک آنیوالی روحوں میں جس جس کی تقدیر میں حج کرنا روز ازل میں لکھا جا چکا تھا اپنے آباء کی اصلاب اور ماؤں کے پیٹوں میں پکار اُٹھے کہ لبیك لبیك اللھم لبیك لا شریك لك لبیك ان الحمد والنعمة لك والملك لا شریك لك۔

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے وطن واپس ہوئے اور اسمٰعیل علیہ السلام نے خانہ کعبہ کے متولی بنکر اس کو صاف رکھنا جھاڑو دینا عبادت کرنا دوسروں کو عبادت کی ترغیب دینا طواف کرنا اور طواف کرانا موجب نجات و برکت دارین سمجھا۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے اپنی پہلی بی بی کو حضرت خلیل اللہ کے مرضی کے موافق نہ ہونیکے باعث طلاق دیکر دعلہ بنت مضاضہ سے شادی کرلی تھی جن کے بطن سے بارہ لڑکے ثابت۔ قیذار۔ اذبل۔ میثا مشمع۔ رما۔ ماش۔ آذر۔ قطورا۔ قاقلس۔ طمیا قید مان اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔

حضرت ذبیح اللہ کی عمر ایک سو سینتیس برس کی تھی کہ وقت اخیر قریب آلگا اور اللہ کے پیغمبر نے خانہ کعبہ کی تولیت اپنے بڑے صاحبزادے ثابت بن اسمٰعیل کے حوالہ کرا اور اپنے چھوٹے سوتیلے بھائی حضرت اسحٰق علیہ السلام کو اس بات کی وصیت فرماکر کہ میری لڑکی کا نکاح اپنے صاحبزادے عیص بن اسحٰق سے کردینا دار فانی سے رحلت فرمائی اور میزاب و حجر کے مابین اپنی والدہ بی بی ہاجرہ کے پاس مدفون ہوئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۝

باب چہارم (۴)

ہاشم کی مکہ پر حکومت خانہ کعبہ کی تولیت اولاد اسمٰعیل میں نسلاً بعد نسل منتقل ہوتی رہی اور قبیلہ جرہم جو حضرت ذبیح اللہ کی طفولیت ہی میں اس جگہ آباد ہوئے تھے اولاد اسمٰعیل سے عداوت و مخالفت کرنے لگے اولاد اسمٰعیل بھی زیادہ ہوگئی تھی لیکن چونکہ جرہم کے ساتھ ننھیال کا رشتہ قائم تھا اس لئے جب کبھی کوئی جھگڑا کھڑا ہوتا تھا وہ فوراً ہی باہمی صلح سے طے ہوجاتا تھا۔

اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد کا جتھہ جب زیادہ ہوگیا اور وہ لوگ مکہ میں باطمینان نہ رہ سکے تو خود متفرق

ہوکر گردونواح کے جنگلوں میں جابسے اور اس طرح پر حوالی مکہ میں کئی قصبے آباد ہوگئے۔ اس طرح جتھ کے متفرق ہوجانیسے مکہ کی حکومت اولاد اسمٰعیل کے ہاتھوں سے نکلکر جرہم کے قبضہ میں آگئی اور سلسلہ بہ سلسلہ اولاد جرہم میں منتقل ہوتی رہی یہاں تک کہ عمر بن حارث کی حکومت کا زمانہ آیا اور یہ ظالم سفاک خائن بدچلن شخص مکہ کا بادشاہ ہوا۔ اول تو عام طور پر جراہم کی طبیعتوں میں حاکم وقت ہونے کے غرہ پر ظلم وزیادتی کا مادہ بڑھتا چلا تھا اور اب تو خود رعایا کے پاسبان بادشاہ وقت کی نیت بگڑی ہوئی تھی اس لئے عمر کے زمانہ سلطنت میں جور وجفا کا وہ بازار گرم ہوا کہ خدا کی پناہ۔

جو بیش قیمت ہدئے اور جواہرات کے بے بہا تحفے خانہ کعبہ کی نیاز چڑھانے کیلئے عام عقیدتمند بنی آدم دورودراز سے بھیجا کرتے تھے وہ جرہمی خاص اپنی ذات کے لئے سمجھتے اور اپنی شان وشوکت ان سے دوبالا کیا کرتے تھے بیرونی رعایا اور تجارت پیشہ بندگان خدا کا کوئی پرسان حال نہ تھا کہ ان پر کیا زیادتیاں ہورہی ہیں اور انکو کیا کیا نقصان کا صدمہ پہونچایا جارہا ہے۔

جب اللہ کی نذر ونیاز میں علی الاعلان اس قسم کے بیجا تصرف ہونے لگے تو عام طور پر نواحی عرب کے قبائل میں لڑائی کا جوش پیدا ہوا اور چند ہی دنوں میں جرہم کے بچہ بچہ کو قتل کرڈالنے اور تمام قبیلہ کو نیست ونابود کردینے کا منصوبہ پختہ ہوتا چلا۔

قبیلہ جرہم کو بھی اس کی خبر لگی کہ ہر چہار طرف بغاوت کی آگ بھڑکی ہوئی ہے اور تمام عرب میں یہ جنگی جوش طوفان کی طرح امنڈ رہا ہے اس سیلاب کا روکنا کوئی آسان بات نہیں اور نہ تمام خطۂ حجاز سے مقابلہ کرنا سہل کام ہے سب کا مشورہ ہوا کہ اب اپنی جان کا بچانا غنیمت اور سلطنت وملک ومال پر خاک ڈالکر جس طرح بن پڑے ملک یمن کی جانب بھاگ چلنا بہتر ہے۔ اس خیال کے مصمم ہونے پر عمر بن حارث نے حجر اسود اکھیڑ پھینکا اور ایک مجسم طلائی ہرنی کی مورت جو بیش قیمت جواہرات سے مزین اسفندیار فارسی نے خانہ کعبہ کو ہدیۃً بھیجی تھی اور جس کا نام غزال الکعبہ مشہور تھا مع ان چند جڑاؤ ہتیاروں کے جو اسی طرح بیرونی ممالک سے تحفۃً آئے ہوئے اور بیت اللہ میں رکھے ہوئے تھے وہاں سے نکالکر چاہ زمزم میں ڈالدیئے اور اوپر سے اس میں مٹی ڈلواکر زمین کی سطح کو ہموار بنادیا گویا کثیر القدر مال اور بے بہا جواہرات کے ساتھ مقدس چشمے چاہ زمزم کا نشان ہی مٹادیا دیکھنے والیکو امتیاز ہی باقی نہیں رہا کہ وہ شیریں پانی کس جگہ تھا جو حضرت ذبیح اللہ کی ایڑیاں رگڑنیسے پیدا ہوا تھا۔

حاکم کی اس گستاخانہ حرکت اور عام خاندان جرہم کی بداعمالیوں پر اللہ کی طرف سے ایک وبا رائیں

پھیلی جس نے سیکڑوں کو ہلاک کردیا اور بہتیرے جرہمی بطور خود یہ حیرت زدہ عالم دیکھکر حرم مکہ چھوڑ بھاگے غرض یوں بغیر مقابلہ کئے مکہ کی حکومت بسہولت پھر اولاد اسمعیلؑ کے ہاتھ میں آگئی۔

اس کے بعد اولاد اسمعیلؑ ہی میں سلسلہ حکومت قائم رہا البتہ قصی بن کلاب بن مرہ نے اپنے زمانہ حکومت میں دیکھا کہ عبدمناف اور عبدمناف کے دونوں بھائی اپنے اپنے قابل ہوگئے اور امور ریاست کو سنبھال بیٹھے لیکن ان کا بڑا بھائی عبدالدار کبرنی کے باعث ضعیف اور ان کا دست نگر اور محتاج ہے اس لئے سب کے مشورے اور رضامندی سے دآر الندوہ اور حجابہ کعبہ اور حجاج کو پانی پلانے اور کھانا کھلانیکی خدمت کا شرف اور لوا، جنگ عبدالدار کو بالمقطع دیدیا۔ لیکن عبدمناف کی اولاد یعنی عبدشمس ہاشم و مطلب و نوفل نے متفق ہوکر عبدالدار کی اولاد سے اس تمام میراث کو جبراً چھین لینا چاہا۔

عام عرب میں اس کا شور مچگیا اور مختلف قبایل نے جس کو برسر حق اپنے خیال میں سمجھا اس کو مدد دینے کا وعدہ کیا اور ہردو مخالف فریق کے اعوان و انصار میں قسماعہدی ہوگئی اور سخت جنگ کیلئے درپے ہوگئے لیکن چند دوراندیش تجربہ کاروں کی کوشش سے صلح کی گفتگو ہونے لگی اور اولاد عبدالدار نے برضا حجاج کی مہانداری کی قابل عزت و نام آوری خدمت اولاد عبدمناف کے حوالہ کردی اور قرعہ ڈالنے پر اس کا بھی تصفیہ ہوگیا کہ اس جدی میراث پر ہاشم بن عبدمناف کا قبضہ رہے گا۔

باب پنجم (۵)

عبدالمطلب کی مکہ پر حکومت ہاشم بن عبدمناف اپنے بھائیوں میں سب سے بڑے اور مطلب سب سے چھوٹے تھے۔ ہاشم نہایت مہمان نواز اور وجیہ و خوبصورت جوان تھے ایک مرتبہ کچھ مال تجارت لیکر ملک شام کی جانب روانہ ہوئے راستہ میں مدینہ قیام کرنیکا اتفاق ہوا اور قبیلہ بنی نجار میں عمر بن لبید خزرجی کے مکان پر ٹھیرے۔

عمر کی بیٹی سلمیٰ نہایت خوبصورت کنواری لڑکی تھی ہاشم نے اس کا حسن و جمال دیکھکر عمر کو نکاح کا پیغام دیا اور عمر بن لبید نے ہاشم کو اس شرط پر اپنا داماد بنانا منظور کیا کہ سلمیٰ کے بال بچہ یہاں مدینہ میں پیدا ہو یعنی ہر حمل کی حالت میں میری پیاری اکلوتی بیٹی میرے پاس پہونچا دیجائے تاکہ اس کی اور اس کے لخت جگر کی غور و پرداخت اچھی طرح ہوسکے۔

ہاشم نے شرط کو منظور کیا اور نکاح سے فارغ ہوتے ہی ملک شام روانہ ہوگئے (باقی آیندہ)

چند مہینے بعد واپسی میں مدینہ قیام کیا اور بیوی کو لیکر مکہ روانہ ہوئے۔

سلمیٰ بنت عمرؓ کو حمل رہا اور ہاشم شرط کے موجب ان کو مدینہ پہونچا خود ملک شام کی جانب راہی ہوئے لیکن افسوس ھاشم کی سلمیٰ سے یہ آخری ملاقات تھی کیونکہ اس سفر میں ھاشم کا بیس یا پچیس برس کی عمر میں جوانی کے زمانہ میں انتقال ہوگیا اور ھاشم کی ریاست مُطّلب کے ہاتھ میں آئی

سلمیٰ کے بطن سے لڑکا پیدا ہوا جس کا نام شیبہ رکھا گیا اور اس ہونہار بچّہ نے اپنے نانا کے یہاں پرورش پائی۔ شیبہ بن ھاشم کی عمر سات سال کی تھی کہ بنی حارث میں سے ایک شخص کا مکہ سے ادھر آنیکا اتفاق ہوا۔ اور اس نے دیکھا کہ شیبہ چند لڑکوں کے ساتھ تیر اندازی میں مشغول ہے اور جب اس خوبصورت نونہال کا تیر نشانہ پر پڑتا ہے تو یہ خوش ہوکر فخریہ بآواز بلند کہتا ہے کہ "میں ھاشم کا لڑکا ہوں میں سردار مکہ کا بیٹا ہوں"۔

حارثی شیبہ کی زبان سے یہ کلمات رجز سنکر سمجھ گیا کہ یہ سردار مکّہ مطّلب بن عبدمناف کا بھتیجا ہے اس نے فوراً مکّہ میں آکر مطّلب سے جو اس وقت حجر میں کھڑے ہوئے تھے کہا کہ اے ہمارے سردار میں نے یثرب میں چند لڑکوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے تمہارے بھتیجے کو دیکھا بڑے تعجب کی بات ہے کہ ایسے خوبصورت وحسین اور ایسے جری القلب بہادر بھتیجے کی تم نے سات برس تک کچھ خبر نہ لی۔ عبدالمطلب نے وہیں قسم کھائی کہ جبتک اسکو میں لے نہ آؤں گا اپنے گھر واپس نہ جاؤں گا یہ کہا اور اسی حارثی کی اونٹنی پر سوار ہو مدینہ کی جانب رخ کیا۔ مطلب جب مدینہ میں پہونچے ہیں شام کا ٹھنڈا وقت تھا باد نسیم کے جھونکے ماندہ طبیعتوں اور کسلمند حالتوں کو بھی آرام دے رہے تھے طیور اپنے آشیانوں میں پہونچنے کی خوشی میں چہچہا رہے تھے بر سر راہ ایک پر فضا میدان میں چند لڑکے دلیرانہ کھیل میں مشغول تھے مطلب نے گو باپ کی صورت شباہت میں ملتی جلتی اپنے بھائی ھاشم کی نشانی دو سے دیکھتے ہی پہچان لی تھی تاہم مزید احتیاط کیوجہ سے لڑکوں سے پوچھا کہ ھاشم کا بیٹا تم میں کون ہے؟ شیبہ نے خود آگے بڑھکر جواب دیا اور اپنا سردار مکہ کا لخت جگر ہونا ظاہر کیا مطلب نے فوراً گود میں اٹھا کر اونٹنی پر بٹھالیا اور مکّہ کی جانب روانہ ہوئے راتوں رات چلے اور صبح سویرے جبکہ باد صبا کے خوشگوار فراٹوں سے دل کی کلیاں کھلی جاتی تھیں مکہ کے قریب آپہونچے۔

لوگ اپنے اپنے کاروبار میں مصروف تھے آفتاب افق مشرق سے نکل چکا تھا کہ مطلب اپنے پیچھے ایک لڑکے کو

کو سوار لئے ہوئے مکہ میں داخل ہوئے جس کسی نے بھی سوال کیا کہ آپ کے پیچھے کون سوار ہے اسکو مطلب نے یہی جواب دیا کہ میرا غلام ہے اس وجہ سے شیبہ کا لقب عبد المطلب مشہور ہو گیا جس کے معنی ہیں مطلب کا غلام۔ غرض مطلب اپنے بھتیجے کو لئے ہوئے گھر آئے اور اپنی بی بی خدیجہ بنت سعید سے بھی اس لڑکے کو اپنا غلام ہی بیان کیا اور خود جا کر نہایت بیش قیمت حلہ خریدا اور شام کے وقت عبد المطلب کو اس قیمتی لباس سے بنا سنوار کر بنی عبد مناف کی مجلس میں لائے اور ظاہر کیا کہ یہ نور نظر میرا بھتیجا اور تمہارے سردار متوفی بھائی ہاشم کی نشانی ہے یہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور مجھے بھائی سے زیادہ عزیز ہے۔

چند روز بعد مطلب نے ھاشم کی تمام ریاست اس کے وارث عبد المطلب کے حوالہ کر دی اور عبد المطلب نے اپنی میراث پر پورا قبضہ کر لیا۔

عبد المطلب کے ہاتھ میں مکہ کی حکومت نہایت سہولت سے آ گئی لیکن مطلب کے انتقال پانے پر عبد المطلب کے دوسرے چچا نوفل بن عبد مناف نے مطلب کے ایک قطعہ زمین پر غاصبانہ قبضہ کر لیا اور ہر چند کہ عبد المطلب نے اس ظالمانہ کارروائی کا انسداد قریش سے چاہا اور درخواست کی کہ مجھ مظلوم کی اعانت کی جائے اور میرا حق انصاف کے ساتھ مجھکو واپس دلایا جائے لیکن کسی نے حامی نہ بھری اور سب نے جواب دیدیا کہ ہم چچا بھتیجوں کے معاملہ میں نہ بولیں گے دوسرے کے پھٹے میں اپنا پیر ڈالدینا کون انسانیت ہے۔ مجبور ہو کر عبد المطلب نے اپنی ننہیال بنی نجار کو مدینہ میں تمام واقعہ لکھ بھیجا فوراً ہی ابو سعید بن عدس نجاری اپنے ہمراہ اسی سوار لیکر مکہ میں آموجود ہوئے بر سر راہ عبد المطلب کھڑے انتظار ہی کر رہے تھے کہ اپنے ماموں کو دیکھکر گلے سے چپٹ گئے اور درخواست کی کہ پہلے گھر چل کر راستہ کا تکان رفع کر لیجئے مگر ابو سعید نے انکار کیا اور سیدھے نوفل کے پاس پہونچے۔

نوفل کو کچھ خبر نہ تھی کہ مظلوم بھتیجے کے ماموں پھوپھا بھی بڑے جتھے اور دل جگرے کے لوگ ہیں اور عبد المطلب اپنی اعانت کیلئے اُن کو بلا رہا ہے مگر جب ابو سعید نے تلوار سونت کر نوفل سے ایک سخت آواز اور ترش لہجہ میں خطاب کیا کہ ”او ظالم جفا کیش میرے یتیم بھانجے کا قطعہ زمین جلد اس کے حوالہ کرو ورنہ ابھی سر تن سے جدا کئے دیتا ہوں“ تو نوفل کے ہوش پرّان ہو گئے۔

نوفل نے اسی وقت رب کعبہ کی قسم کھائی کہ میں مغصوبہ قطعہ عبد المطلب کو دیچکا اور جب تک اقرار نامہ تحریر ہو کر حاضرین کے دستخط اور شرفاء و سرداران قوم کی شہادت سے مکمل نہ ہو چکا اس وقت تک

نہ ابوسعید نے نوفل کو ہلنے دیا اور نہ اپنی چمکدار تلوار کو میان میں کیا۔

جب معاملہ طے ہو گیا تو ابوسعید عبدالمطلب کے گھر گئے اور تین روز وہاں ٹھیر کر مدینہ واپس آئے

باب (۶) ششم

خواجہ عبداللہ کا ذبیح ہونا۔ جب عبدالمطلب مکہ کی حکومت پر باطمینان قابض ہو چکے تو ایک رات ان کو خواب میں نظر آیا کہ ہاتفِ غیبی کہہ رہا ہے "اے عبدالمطلب اپنے جدامجد حضرت اسمٰعیلؑ کا چاہ زمزم جو عمر بن حارث ملیا میٹ کر گیا ہے ظاہر کرو" عبدالمطلب کی آنکھ کھلی اور اسی وقت سے اس خواب کو رویائے صادقہ سمجھکر چاہ زمزم کے دوبارہ آشکارا کرنے کے درپے ہوئے لیکن چونکہ ہموار زمین پر بے نام و نشان کنوے کا پتہ لگنا اور بغیر پتہ معلوم کئے ہوئی کنوے کے خیال میں تمام زمین کو کھودنا ایک ناممکن امر تھا اس لئے خیالی قوت کو دوڑاتے اور مکہ کی تمام زمین میں سے کسی خاص حصہ کے معین ہونیکا خیال طبیعت میں جمانا چاہتے تھے یکایک غالب گمان اس جانب ہوا کہ چاہ زمزم ہو نہ ہو قریش کے ان دو بتوں کے مابین ہے جن کا نام اوصاف اور نائلہ ہے اوصاف ایک مردانہ دیوتا کی شکل پتھر کا بنا ہوا بت تھا جسکی قریش تعظیم کرتے اور اپنا معبود سمجھا کرتے تھے۔ اور نائلہ عورت کی شکل پر بنی ہوئی مورت تھی جو اوصاف سے کچھ فاصلہ پر قریش کی دیوی بنی کھڑی تھی۔

عبدالمطلب اپنے اکلوتے بیٹے حارث کو اپنا ہمراز اور قوت بازو بناکر ان دونوں بتوں کے مابین زمین کھودنے کو آموجود ہوئے اور گو تمام قریش مانع آئے لیکن عبدالمطلب نے ایک نہ سنی اور غیبی نصرت سے یہ نتیجہ نکلا کہ تھوڑی سی زمین کھودنے پر وہ ہتیار اور ہرنی کی مورت نکل آئی جو عمر بن حارث نے چاہ زمزم میں ڈالدی تھی اور کچھ ہی فاصلہ پر آب زمزم نمودار ہو گیا۔

عبدالمطلب خوشی کے مارے جامہ میں پھولے نہ سمائے اور عام باشندگان عرب میں عبدالمطلب کی نام آوری کا نقارہ بج گیا۔

درحقیقت اس واقعہ نے عبدالمطلب کی عزت کو دوچند کر دیا اور عبدالمطلب کو ہر بنی آدم پر فخر کرنیکا موقعہ ہاتھ آ گیا۔ اس خوشی میں عبدالمطلب نے نذر مانی کہ اگر میرے دس لڑکے ہوئے اور دسوں حد بلوغ تک پہونچکر میرے قوت بازو بنے تو انمیں سے ایک کو میں اللہ کے نام پر قربانی کروں گا۔

چنانچہ عبد المطّلب کے یکے بعد دیگرے دس لڑکے ہوئے اور وہ بلوغ بھی ہو گئے مگر عبد المطّلب کو اپنی مانی ہوئی منّت یاد نہیں رہی کہ دس جوان لڑکوں کا باپ ہونے پر کیا کرنا چاہیے۔

ایک رات کعبہ معظمہ کے قریب عبد المطّلب پڑے سوتے تھے کہ خواب میں کسی کہنے والے ذکہا "عبد المطلب اِس مقدس گھر کے پروردگار کے لئے اپنی نذر پوری کرو" عبد المطلب کی فوراً آنکھ کھل گئی اور صبح ہوتے ہی ایک مینڈھا اللہ کے نام پر قربان کیا اور مسکینوں کو کھلایا۔ دوسری شب پھر یہی خواب نظر آیا کہ کوئی شخص نذر کا ایفا چاہتا ہے اور کہتا ہے کہ اس سے بہتر جاندار کو قربانی کرو۔ جب بیدار ہوئے تو صبح کو گائے قربانی کی اور محتاجوں کے پیٹ بھرے۔ تیسری شب پھر اس مضمون کا خواب دیکھا اور صبح کو اونٹ ذبح کیا۔

چوتھی رات ہوئی اور عبد المطّلب کو پھر خواب نظر آیا تو اس وقت عبد المطلب نے نہایت بھولے پن سے سوال کیا کہ "آپ ہی فرمایئے مجھکو کیا چیز قربانی کرنی چاہیئے"؟ جواب ملا کہ عبد المطلب اپنے اس بیٹے کو قربانی کرو جس کے قربانی کرنے کی کئی برس ہوئے تم نے منت مانی تھی۔

یہ چوتھا خواب دیکھکر جس وقت عبد المطلب کی آنکھ کھلی تو سخت پریشانی اور رنج وغم کا سامنا نظر آیا۔ اپنی تمام اولاد کو پاس بُلا کر وحشت زدہ خواب ظاہر کی اور جواب کے انتظار میں بچوں کی صورت تکنے لگے۔ اس وقت سب سے زیادہ تشویش خواجہ عبد المطّلب کو اس کی تھی کہ دیکھئے کونسا نورِ نظر خوش کن جواب زبان سے نکالتا ہے۔ بیٹوں نے باپ کا کلام سنکر اپنے سر جھکا لئے اور مؤدبانہ عرض کیا کہ ابا جان ہم سب ذبح ہونے پر راضی ہیں۔ آپ کو اختیار ہے جسکو چاہیں اللہ کے نام پر قربانی کریں چونکہ عبد المطلب کو اپنی زبان سے مانی ہوئی منّت کا پورا کرنا ضرور تھا اس لئے بیٹوں کی اس اطاعت پر خوش ہو کر صدائے آفرین بلند کی اور کہا کہ تم دسوں کے نام پر قرعہ ڈالتا ہوں جسکا نام نکل آئیگا میں نہایت خوشی کے ساتھ اپنے پروردگار کے نام پر اس کو قربان کردوں گا۔

قرعہ ڈالا گیا تو سب سے زیادہ پیارے بیٹے عبد اللہ کا نام نکلا جن کے صلب میں نورِ محمدی جلوہ گر تھا۔

عبد اللہ کچھ ابتدا ہی سے نہایت شجاع اور خوبصورت شکیل اور بہمہ صفت موصوف تھے قرعہ میں اپنا نام نکلنے پر بجائے اسکے کہ متفکر یا رنجیدہ ہوں خوش ہوئے اور باپ کے ہاتھوں ذبح ہونیکے لئے فوراً اُٹھ کھڑے ہوئے؛

ابراہیم کی اولاد میں سے یہ دوسری جان ہے کہ جو اپنے جدامجد حضرت اسمٰعیل کے بعد اللہ کے نام پر باپ کے ہاتھوں ذبح ہونے کعبہ کے قریب اوصاف و نائلہ کے پاس پہونچی۔ قریش یہ دیکھکر کہ ہمارا سردار آج اپنے بیٹے کو قربانی کرنا چاہتا ہے مانع آئے اور خصوصاً عبداللہ کی ننہیال بنی مخزوم نے عبدالمطلب کو عبداللہ کے نازک گلے پر چھری نہ رکھنے دی اور مشورہ دیا کہ اس کاہنہ عورت سے چلکر تمام قصہ بیان کرو جس کی فہم و فراست کا ڈنکا تمام حجاز میں بج رہا ہے جو کچھ وہ رائے دے اسپر عمل کرنا چاہیئے۔

عبدالمطلب اپنی سسرال کے رشتہ داروں سے بگاڑ نہ سکتے تھے اسی وقت کاہنہ کے پاس آئے اور مفصل اپنی منّت اور چاروں خوابوں کا قصہ اول سے آخر تک بیان کیا۔ کاہنہ عورت نے دریافت کیا کہ اگر تم میں کوئی شخص کسی کو قتل کردے تو تم اس مقتول کی دیت قاتل سے کس قدر لیتے ہو؟

انھوں نے جواب دیا کہ میرے زمانۂ حکومت میں ایک شخص کی دیت دس اونٹ مقرر ہیں کاہنہ نے کہا کہ چونکہ دیت ایک نفس کا عوض اور فدیہ ہے اس لئے جاؤ اور اس ہونہار لڑکے کے سامنے دس اونٹ کھڑے کرکے دونوں میں قرعہ ڈالو اگر قرعہ اونٹوں کے نام پر نکل آئے تو اس کے عوض وہ اونٹ ذبح کردو اور اگر لڑکے کے نام نکلے تو ان دس اونٹوں کے ساتھ دس اونٹ اور بڑھاؤ اور پھر بیس اونٹوں میں اور لڑکے میں قرعہ ڈالو اسی طرح جب تک اونٹوں کے نام پر قرعہ نہ نکل آئے اس وقت تک ہر مرتبہ ایک نفس کی دیت یعنی دس اونٹ بڑھاتے رہو۔

کاہنہ کی یہ رائے سنکر تمام لوگ مکہ واپس آئے اور کاہنہ کے حکم کی تعمیل شروع کی جس وقت ہر مرتبہ دس اونٹ بڑھاتے بڑھاتے دسویں مرتبہ سو اونٹوں اور ایک عبداللہ کے درمیان قرعہ ڈالا گیا تو قرعہ اونٹوں کے نام نکلا۔ عبدالمطلب نے کہا کہ میں اس اتفاقی امر کا اعتبار نہیں کرتا دوسری مرتبہ پھر قرعہ ڈالو اور جب دوسری مرتبہ قرعہ ڈالنے پر بھی اونٹوں کے نام نکلا تو تیسری مرتبہ پھر قرعہ ڈلوایا اور آخر کار تین مرتبہ اونٹوں ہی کے نام قرعہ نکلنے پر عبدالمطلب نے وہیں کھڑے کھڑے تمام اونٹو کو اللہ کے نام پر قربانی کرکے مساکین اور وحوش و طیور کو کھلا دیا اور پیارے بیٹے عبداللہ کا ہاتھ پکڑکر شادان و فرحان گھر واپس آئے۔ اسی وقت سے ایک نفس کی دیت بجائے دس اونٹ کے سو اونٹ مقرر ہوئے اور اسلام میں بھی اسی پر عملدرآمد قائم رہا۔

اس قصہ کی وجہ سے احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابن الذبیحین یعنی دو ذبیح کا بیٹا کہا جاتا ہے کیونکہ ایک ذبیح اللہ آپ کے والد ماجد عبد اللہ بن عبد المطلب ہیں اور دوسرے آپکے جد امجد حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ بن حضرت ابراھیم خلیل اللہ علیہما وعلی نبینا السلام۔

حدیث میں بھی وارد ہے کہ ایک مرتبہ آپ کو کسی یہودی نے یا ابن الذبیحین کہکر پکارا تو آپ نے تبسم فرماکر صحابہ کو اپنے دو ذبیح کے بیٹے ہونے کا قصہ سُنایا۔

باب (۷) ہفتم

<u>عبد اللہ کا آمنہ سے نکاح</u>۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد عبد اللہ بن عبد المطلب نہایت حسین اور خوبصورت جوان تھے۔ اور اس پر طرہ یہ کہ سرور کائنات کا نور ان کی پیشانی میں جلوہ گر تھا۔ کچھ طبعی طور پر زنان قریش کی طبیعتوں کا میلان عبد اللہ کی جانب ہوتا تھا۔ اور سیکڑوں حسین سے حسین اور مالدار سے مالدار عورتیں عبد اللہ سے ہم صحبت ہونے کی خواستگار تھیں۔ لیکن اوّل تو عبد اللہ کی ذاتی شرافت فعل زنا کی اجازت نہ دے سکتی تھی اور پھر وہ گوہر یکتا جو عبد اللہ کے صلب سے رحم آمنہ میں منتقل ہونیوالا تھا اس کی حفاظت اللہ کی طرف سے تھی اس لئے عبد اللہ کے دامن عفت پر کوئی دھبّہ نہ آیا۔

عبد اللہ کی شہرت اس ذبح کے قصہ سے اور بھی زیادہ ہو گئی جو گذشتہ باب میں بیان ہو چکا ہے۔

عبد اللہ چونکہ بچپن سے عالی ہمّت دلیر اور شکار کے شوقین تھے اس لئے وقت کا اکثر حصہ جنگل کی جھاڑیوں اور ریگستانی لق ودق میدانوں میں تنہا گذر جاتا تھا۔

اہل کتاب یعنی قوم یہود جو اس وقت عرب میں بکثرت آباد ہو گئے تھے اپنی آسمانی کتاب یعنی توریت شریف میں خاتم النبیین کے وجود کا عنقریب ظاہر ہونا معلوم کر چکے تھے اور اب ان کو علمی فراست اور ظاہری آثار سے اسکا یقین ہوتا جاتا تھا کہ وہ نور عبد اللہ سے ظہور کرنیوالا ہے اور چند ہی دنوں بعد نبوت کا سلسلہ خاندان بنی اسرائیل سے منتقل ہو کر قریش میں پہونچا چاہتا ہے اس بنا پر یہود عبد اللہ سے قلبی بُغض رکھنے لگے تھے۔ کئی یہودی یہ بھی دیکھ چکے تھے کہ عبد اللہ کا اگر کسی بت کی جانب گذر ہوتا تھا تو اس سے یہ آواز آتی تھی کہ "اے عبد اللہ ہمارے پاس نہ آؤ کیونکہ تمہارے صلب میں وہ نور موجود ہے جو ہماری ہلاکت و بربادی کا باعث ہوگا"

چنانچہ کئی حسد کرنے والے یہودیوں نے باہم مشورہ کیا کہ جس طرح بن پڑے عبداللہ کو قتل کر ڈالو اور بہتر ہو کہ عبداللہ کا خون کسی ریگستان میں اس وقت بہایا جائے جبکہ وہ شکار کھیلنے تنہا کسی جنگل کو قطع کر رہے ہوں تاکہ قاتل کا پتہ نہ لگے اور قصاص کا کوئی دعویٰ بھی نہ کر سکے۔ انہیں دنوں ایک مرتبہ عبداللہ شکار کھیلتے ہوئے تنہا کسی جنگل میں پہونچے کہ دفعتہً چند یہودی تلواریں لٹکائے ہوئے شکارگاہ میں آ پہونچے وھب بن مناف یعنی آمنہ خاتون کے باپ بھی اتفاق سے اس جنگل میں آئے ہوئے تھے اور عبداللہ سے کچھ فاصلہ پر کھڑے ہوئے دشمن یہودیوں کے بیجا حملے دیکھ رہے تھے۔

وھب بن مناف نے دیکھا کہ یہودی عبداللہ پر ننگی تلواروں کے وار کرتے ہیں اور عبداللہ کے مددگار چند سوار کھڑے ہوئے جفا کیش ظالم یہودیوں کے وار روک رہے ہیں مگر ان سواروں کی پوشاک کچھ اس قسم کی انوکھی ہے جسکو دنیا کے لباس سے کوئی مناسبت نہیں معلوم ہوتی۔

ان غیبی سواروں کا یہ عالم تھا کہ دشمن قتل کا منصوبہ سوچ کر جس طرف آتے ہیں اس جانب ان سواروں کے رُخ ہو جاتے ہیں اور ان بے باک ستمگاروں کو عبداللہ کے قتل کر ڈالنے کا کوئی پہلو ہاتھ نہیں آتا۔

تھوڑی دیر میں وہ یہودی پسپا ہو کر خائب و خاسر واپس ہوئے اور غیبی سواروں نے بھی اپنے آپ کو غائب کر لیا عبداللہ صحیح سلامت شکارگاہ سے لوٹ چلے۔

وھب بن مناف یہ حیرت انگیز معاملہ دیکھکر گھر آئے اور اپنی بی بی سے سارا قصہ بیان کیا اور یہ بھی کہدیا کہ میرے خیال میں پیاری بیٹی آمنہ کو عبداللہ سے بہتر شوہر نہیں ملسکتا اگر عبدالمطلب راضی ہو جائیں تو میں بیشک عبداللہ کے ساتھ آمنہ کا نکاح کر دوں گا۔ آمنہ بنت وھب شرف حسب و نسب میں ممتاز اور حُسن و جمال میں شہرۂ آفاق تھیں فوراً ہی ایک عورت کی وساطت سے عبدالمطلب کو آمنہ کے پیغام دینے کی بابت رائے دی گئی۔

عبدالمطلب بھی آمنہ کے محمودہ خصائل اور شرافت و حُسن ظاہری اور معنوی کا شہرہ سُن چکے تھے اور خوب جانتے تھے کہ مجھکو آمنہ سے بہتر عبداللہ کے لئے دوسری بہو نہیں مل سکتی اس لئے بلا تاخیر عبداللہ کے نکاح کا پیغام وھب بن مناف کو دیدیا اور جانبین سے بات پختہ ہونے پر ساعت سعید میں عبداللہ بن عبدالمطلب کا آمنہ بنت وھب سے نکاح ہو گیا۔

اب اس کا بیان کرنا چنداں ضروری نہیں کہ ان عورتوں کا کیا حال ہوا جو عبداللہ کے وصال کی

عرصہ سے خواہشمند تھیں اور جب نورِ محمدیؐ صلب عبد اللہ سے منتقل ہو کر رحم آمنہ میں پہونچ گیا تو ان پر کیا گذری۔

عام ناظرین کے کانوں میں پڑ چکا ہو گا کہ دو سو عورتیں اس رشک و افسوس میں دنیا سے انتقال کر گئیں جو اُن کو بی بی آمنہ کے اس لازوال دولت سے مالا مال ہونے پر ہوا تھا۔

باب (۸) ہشتم

اصحاب فیل۔ جس زمانہ کا ہم حال بیان کرتے ہیں اس وقت حبشہ کے بادشاہ کا لقب نجاشی ہوتا تھا۔ حبشہ کی سلطنت وسعت پکڑ گئی تھی ملک یمن بھی اسی کا ایک صوبہ تھا جس پر نجاشی کی طرف سے ایک نصرانی ابرہہ نام حکمران تھا۔ بیت اللہ صرف اہلِ مکہ ہی کے نزدیک باعزت نہ تھا بلکہ عام طور پر ملک حجاز کے باشندے اس کو محترم اور متبرک جگہ سمجھتے تھے اور دور دور سے لوگ اس کی زیارت کو آتے اور اپنی اپنی حیثیت کے موافق نیازیں چڑھایا کرتے تھے عام خلقت کا بیت اللہ کے ساتھ اس محبت کے برتاؤ اور احترام کے طریقہ کو دیکھکر ابرہہ کے دل میں حسد پیدا ہوا اور اس نے خانہ کعبہ کے مقابلہ میں ایک گرجا اپنے دار الخلافہ یعنی شہر صنعاء میں بڑا عالیشان تعمیر کرایا اور لوگوں کو حکماً اس کی تعظیم و طواف اور بیت اللہ کی ہتکِ حرمت پر مجبور کیا۔ نجاشی کو بھی لکھ بھیجا کہ میں نے حضور کے لئے ایک قابلِ دید گرجا مکہ کے مشہور گھر سے بہتر تعمیر کرایا ہے۔ میں اسکی آبادی میں انتہا درجہ کی کوشش کروں گا اور جب تک لوگ بیت اللہ کو چھوڑ کر اس کو اپنا معبد نہ سمجھ لیں گے اس وقت تک کوشش سے ہاتھ نہ روکونگا

ابرہہ کی یہ نازیبا حرکت تمام باشندگان عرب اور خصوصاً اہلِ مکہ کو سخت ناگوار گذری۔ قبیلہ بنی فقیم میں سے ایک شخص غصہ میں آکر صنعاء میں پہونچا اور تھوڑا سا رسوخ رؤسا شہر سے پیدا کرنے کے بعد اپنا غصہ اس طرح نکالا کہ شب کے وقت اس جڑاؤ مرصع گرجا میں جاکر بول و براز سے اس کے باعزت موقعوں کو نجس کر دیا۔

اتفاق سے اسی شب میں اہل مکہ کا ایک نووارد قافلہ رات گذارنے کے خیال سے اسی گرجا کے نیچے مقیم تھا جس نے درندوں وغیرہ سے حفاظت کیلئے جنگل کے بڑے بڑے درختوں کے تنے جمع کر کے ایک بڑا الاؤ لگایا اور اس میں آگ سلگا رکھی تھی۔ شب کو ہوا تیز چل رہی تھی ایک اندھیا ؤ سا چلا جس نے گرجا میں جا آگ لگائی۔ گرجا میں آگ کا لگنا تھا کہ تھوڑی دیر میں سب بھسم ہو گیا اور وہ عالیشان جگمگاتا ہوا

مکان ایک جھلسا ہوا منارہ معلوم ہونے لگا۔ ابرھہ کو اس کی خبر پہنچی تو غصہ کے مارے سرخ وسپید ہوگیا اور قسم کھائی کہ جبتک مکہ کے متبرک گھر یعنی خانہ کعبہ کی اینٹ سے اینٹ نہ بجالونگا اس وقت تک آرام نہ کروں گا۔

حبشی لشکر میں شاہی حکم کی تیاری کے لئے منادی ہوگئی اور ایک مشہور جنگی ہاتھی جس کا نام محمود مشہور تھا خانہ کعبہ کے گرانے کیلئے ساتھ لیا گیا۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ اسکے علاوہ تیرہ ہاتھی جنگی اور بھی ہمراہ تھے۔

اہل عرب کو بھی اس ہولناک جنگ کی خبر ہوئی اور عام طور پر مذہبی جوش نے ترقی کی۔ ہر شخص کا خیال تہا کہ بیت اللہ کے بچانے کو اپنی جان کا دینا ہم پر واجب اور ابرھہ سے جنگ کرنا ہر عربی النسل پر فرض ہے۔ شرفائے یمن میں سے ایک شخص جس کا نام ذونفر تھا مذہبی جوش میں اس لشکر جرار کے سامنے مقابلہ کے لئے آکھڑا ہوا لیکن فوراً ہی قید کر لیا گیا۔

ابرھہ کا لشکر مکہ کی جانب بڑھا چلا جا رہا تھا کہ راہ میں دوسرا شخص نفیل بن حبیب خشعمی نے سامنا کیا لیکن یہ لشکر ایسا نہ تہا کہ ایک یا دو آدمی کے بس میں آئے نفیل بھی گرفتار ہوکر حراست میں لے لیا گیا۔

قید ہونے پر نفیل کو رہبری کا ذمہ لینا پڑا اور نفیل راستہ بتاتا ہوا سیدھے راستہ پر ابرھہ کے لشکر کو لئے چلا آیا۔ جس وقت طائف پر گذر ہوا تو قبیلہ طائف نے ایک شخص ابو رغال نامی کو رہبری کے لئے بطور خود بھیجا مگر ابو رغال کی عمر نے وفا نہ کی اور جس وقت لشکر مغمس میں پہونچا ابو رغال کا دم نکل گیا۔ عرب نے اس کی قبر پر پتھر مارے اور ابتک عرب کے ہاتھوں اس کی قبر سنگسار کی جاتی ہے۔

اس فوری لشکر نے مکہ کے قریب وادی محرین میں آ خیمے نصب کئے۔ اس وقت مکہ والوں کے خوف وہراس کی جو کچھ حالت ہوگی اس کا اندازہ ناظرین خود کر سکتے ہیں۔

ابرھہ نے اسود بن مقصود کو مکہ میں بھیجا جس نے مکہ میں گھسکر دلخواہ لوٹ کھسوٹ شروع کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا یعنی عبد المطلب کے دوسو اونٹ بھی اسی لوٹ میں شامل تھے جو اسود بن مقصود مکہ سے اپنے ساتھ ابرھہ کی نذر گذرانی کیلئے بطور تحفہ خوش ہوتا ہوا لیگیا تھا

ابرھہ نے اس کے بعد حناط حمیری کو مکہ میں بھیجا حناط حمیری نے اپنے امیر لشکر کی طرف سے اہلِ مکہ کو بآوازِ بلند پیغام سنایا کہ "اے اہل مکہ شاہ یمن کا یہ جرار لشکر تمکو تباہ و ہلاک کرنیکے ارادہ سے نہیں آیا ہے بلکہ اس کا مقصود صرف اس اونچے گھر کا منہدم کرنا ہے جس کو تم بیت اللہ کہتے ہو اور تعظیم کرتے ہو اگر تم اس کے گرا دینے میں مانع نہ آؤ گے تو تمھارا بال بھی بیکا نہ ہوگا ورنہ تم خود سمجھ سکتے ہو کہ تم میں اس کے مقابلہ کرنے کی کس قدر ہمت ہے۔" عبد المطلب چونکہ مکہ کے سردار تھے اس لئے جواب دینے کیلئے اُٹھے اور بولے کہ "لشکر کو اطمینان رکھنا چاہئے ہمیں لڑنے سے کیا واسطہ ہے۔ یہ گھر جس کے گرانے کا تمھارا خیال ہے اللہ کا گھر اور اس کے خلیل حضرت ابراہیمؑ کا بنایا ہوا محترم مکان ہے۔ اگر مالکِ مکان کو اپنا گھر بچانا ہے تو وہ خود بچا لیگا اور اگر اس کو گروانا ہی مقصود ہے تو ہمارے روکے رُک نہیں سکتا"۔ حناط نے یہ کلام سُنکر عبد المطلب سے کہا کہ اے عقلمند قریشی کیا اچھا ہو کہ یہ کلمہ تم خود ہمارے سردار ابرھہ سے کہکر سب کو مطمئن بنا دو۔

عبد المطلب تن تنہا اس جگہ آئے جہاں لشکر پڑا ہوا تھا اور سپاہیوں سے ذونفر کو پوچھا جو عبد المطلب کا پُرانا دوست تھا اور اب ابرھہ کی قید میں مقید تھا۔ معلوم ہوا کہ وہ باغی مقابلہ کرنے کے جرم میں شاہی حراست میں ہے۔

عبد المطلب جیلخانہ میں گئے اور کہنے لگے کہ دوست اگر کچھ میری مدد کر سکتے ہو تو کرو"۔ ذونفر نے جواب دیا کہ بھائی تم دیکھتے ہو کہ میں ایک ظالم بادشاہ کے ہاتھ میں گرفتار خود ہی مدد کا محتاج ہوں تمھاری کیا مدد کر سکتا ہوں ؟ البتہ ایک فیلبان جس کا نام انیس ہے میرا دوست ہے یہ ہو سکتا ہے کہ میں اس سے سفارش کر کے ابرھہ تک تمکو پہونچا دوں تم خود اپنے لئے جو مناسب سمجھو بالمواجہہ کہہ لو۔ عبدالمطلب نے اسی کو غنیمت سمجھا اور ذونفر کی سفارش اور انیس کی وساطت سے عبد المطلب ابرھہ کے سامنے پہونچے۔

عبد المطلب چونکہ نہایت باوجاہت جسیم اور شکیل سردار جوان تھے ابرھہ کے قلب میں خود بخود ایک ہیبت پیدا ہوئی اور ابرھہ اپنے تخت سے اُتر کر نیچے ہو بیٹھا اور عبد المطلب کو پاس بٹھا کر ترجمان کے ذریعہ سے گفتگو شروع کی۔

سب سے پہلے عبدالمطلب نے مطلب کی بات زبان سے نکالی کہ "میرے دو سو[۲۰۰] اونٹ جو اسود بن مقصود لوٹ لایا ہے واپس کر دیجئے"۔ ابرھہ یہ سُنکر مسکرایا اور ترجمان سے کہلوایا کہ اے عبدالمطلب میں تو صورت دیکھ کر تمھیں نہایت فہیم سردار سمجھتا تھا لیکن افسوس میرے خیال نے کس قدر غلطی کی تم کو اپنے معبد اور محترم بیت اللہ کا خیال نہ آیا تم کو اپنے آبائی مذہب کا پاس نہ ہوا اور حالانکہ میں بیت اللہ کو منہدم کرنے آیا ہوں لیکن تمنے اس کے بدلے اپنے اونٹ واپس کرنے پسند کئے۔ عبدالمطلب نے جواب دیا کہ میں اس گھر کا مالک نہیں ہوں البتہ اونٹوں کا مالک ہوں اور اسی وجہ سے اپنی چیز واپس مانگتا ہوں اِس گھر کا مالک اپنے گھر کو خود بچا لیگا۔

ابرھہ نے مُسکراکر اونٹوں کے واپس کرنے کی اجازت دیدی اور کہا کہ اب میرے یہانتک آنے پر اس گھر کو بچا کون سکتا ہے؟ عبدالمطلب اُٹھے اور اونٹوں کو وہاں سے ہنکا کر حرم میں لا کھڑا کیا۔ تمام اونٹوں کو تو اللہ کی نذر کر کے ہدی بنا دیا اور کل باشندگانِ مکہ کو رلئے دی کہ پہاڑ کے غاروں اور جنگل کی وادیوں میں پناہ گزیں ہو جاؤ اور اللہ پر نظر رکھو دیکھو پردۂ غیب سے کیا نتیجہ ظاہر ہوتا ہے غرض تمام عورتیں بچے اور بہت سے مرد پہاڑوں میں جا چھُپے اور عبدالمطلب نے چند قریشیوں کو ساتھ لے خانہ کعبہ کے دروازہ کا کنڈا جا پکڑا اور سب نے رو رو کر اللہ سے مدد مانگنی شروع کی۔ عبدالمطلب نے حلقہ پکڑے پکڑے جو شعر پڑھے انمیں سے دو شعر یہ بھی ہیں ؎

یارب لا ارجو لھُم سواکا
یارب فامنع منھو حماکا
ان عدو البیت من عاداکا
امنعھو ان یخربوا فناکا

اے میرے پروردگار تیرے سوا اس لشکر کے مقابلہ کی مجھے کسی سے امید نہیں ہے بارالہا تو ان سے اپنے حما یعنی بیت اللہ کو بچالے اِس گھر کا دشمن تیری مخالفت پر آمادہ ہے۔ اگر یہ تیرے گھر کو ویران بنائیں تو ان کو اس سے باز رکھ۔

پھر عبدالمطلب بھی معہ ان ہمراہیوں کے پہاڑ پر جا چھپے۔ بعض مورخین نے لکھا ہے کہ عبدالمطلب کی مردانگی اور ہمت و دلیری نے خوف سے چھپنا گوارا نہ کیا تھا اور مکہ میں سوائے ان کے کوئی باقی نہ رہا۔ بہر حال صبح ہوئی اور آفتاب افق مشرق پر نمودار ہوا ابرھہ کے لشکر نے تیاری شروع کی اور محمود نامی ہاتھی آراستہ کیا گیا نفیل بن حبیب خثعمی نے جو ابتک

مقید تہا یہ دیکھکر کہ اب بیت اللہ پر حملہ ہوا چاہتا ہے لپک کر محمود ہاتھی کا کان پکڑا اور یہ لفظ کہے کہ " ارجع محمود ارجع راشدا اٰمن حیث جئت فانک فی بلد اللہ الحرام

اے محمود لوٹ جا اے محمود سیدہا جہاں سے آیا ہے واپس ہو جا کیونکہ تو اللہ کے باعزت شہر میں ہے۔

یہ کہنا تھا کہ ہاتھی گھٹنے ٹیک کر وہیں بیٹھ گیا اور فیلبان نے ہر چند مار مار کر اٹھانا چاہا لیکن محمود نہ اٹھا فیلبان نے ہاتھی کا منہ ملک شام کی طرف پھیر دیا اور ہاتھی نے اٹھکر دوڑنا شروع کیا پھر فیلبان نے یمن کی طرف متوجہ کیا ہاتھی اِدھر بھی ہو لیا پھر مشرق کی طرف رُخ کیا تو اسی طرف چلنے لگا اور پھر جب جانب مغرب یعنی بیت اللہ کی طرف موڑا تو فوراً زمین پر گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گیا نفیل تو ہاتھی کے گھٹنے ٹیکتے ہی بھاگ کر اک پہاڑ کی چوٹی پر جا چڑھا اور یہاں ہاتھی نے اس پریشانی میں مبتلا کر ہی رکھا تھا جدہ کی طرف سے چڑیاں جن کی چونچوں میں ایک ایک کنکری اور دونوں پنجوں میں دو دو کنکریاں تھیں جمگا ڈروں کی طرح پرا باندہے آ نمودار ہوئیں اور کنکریاں لشکر پر مارنی شروع کیں وہ کنکریاں تو عذاب کی کنکریاں تھیں جس سوار کے بھی سر پر پڑیں اسی کا بھیجا پھوڑ کر پیٹ سے نکلکر گھوڑے کی کمر سے گذرتی ہوئی پیٹ سے باہر ہو کر زمین پر گریں۔ سیکڑوں یوں ہلاک ہوئے اور ہزاروں اس طرح مرے کہ دریا کی طرف سے ایک پُرجوش سیلاب آیا جس نے لشکری سپاہیوں کو خس وخاشاک کی طرح سمندر میں لیجا ڈالا۔ جو بچے وہ شتر بے مہار کی طرح جدہر منہ اُٹھا بھاگ نکلے راہبر ساتھ نہ راستہ معلوم اب پوچھیں تو کس سے اور جائیں تو کدہر؟ نفیل نے پہاڑ کی چوٹی سے ہزیمت خوردہ فوج کی یہ بے سروسامانی دیکھکر یہ شعر پڑھا ؎

این المفر والالٰہ الطالب
والاشرم المغلوب غیر الغالب

جب اللہ طلب کے درپے ہے تو اب جائے قرار کہاں؟
اور متکبر مغلوب ہوا غالب نہ آیا۔

اس نفسا نفسی کے عالم اور بھگی کی حالت میں ابرھہ کے جسم پر سخت چوٹ آئی اور عضو عضو کا چورا ہو گیا۔ فوجی سپاہی اپنے محسن سردار کو یوں بے دست و پا جنگل میں چھوڑ جانا نمکحرامی سمجھے اور چڑیا کے بے بال و پر بچہ کی طرح لوتھ کو کاندھوں پر لاد کر بدقت ریگستان قطع کرتے دارالخلافت صنعاء میں پہونچے۔

چند دنوں بعد ابرھہ کا قلب بھی سینہ سے الگ ہو گیا اور اس نے تڑپ کر جان ملک الموت

کے حوالہ کی اور اس کے بعد اس کا بیٹا یکسوم بن ابرہہ تخت نشین ہوا اس واقعہ کا نام واقعہ فیل ہے اس کے پچپن روز بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے تھے اللہ پاک نے قرآن مجید کی سورہ الم ترکیف میں بھی باشندگان عرب کو یہی احسان یاد دلایا ہے۔

ابرہہ کی تباہی کے اگلے روز عبد المطلب ابو مسعود ثقفی کو اپنے ساتھ لیکر گذشتہ دن کے حالات کا نتیجہ دیکھنے پہاڑی سے نیچے اترے اور کسی کی آہٹ نہ پاکر نہایت تعجب اور حیرت کے عالم میں چھاونی کی طرف ہولئے وہاں جاکر سیکڑوں لاشوں کو ریت پر پڑا ہوا دیکھکر خوشی کے مارے جامہ میں پھولے نہ سمائے اور بڑے بڑے دو گڑھے کھود کر لشکری سپاہیوں کے گرے پڑے سازو سامان سے چاندی سونے اور جواہرات سے انکو بھر دیا اور بآواز بلند اپنے ان ہموطنوں کو بلایا جو جرار لشکر کے خوف سے چھپے پہاڑیوں میں بیٹھے تھے سب آموجود ہوئے اور حصہ رسد اس غیبی مدد کے مال غنیمت سے بہرہ یاب ہوئے۔ عبد المطلب کے حصہ میں جو مال آیا وہ بھی اس قدر تھا کہ ایک آدمی نہایت تونگری کے ساتھ اس میں مالدار بنکر زندگی بسر کرسکتا تھا۔

باب (۹) نہم

قریش کی واقعہ فیل کے بعد لن ترانیاں اور بدعتیں۔ ابرہہ کے خائب و خاسر شکست کھاکر صنعا رجانے سے عام طور پر اہل عرب کے دل میں قریش کی عزت اور توقیر پیدا ہوگئی. اور ہر شخص قائل ہوگیا کہ قریش کی خاطر اللہ پاک نے بیت اللہ پر حملہ کرنیوالے کو ذلیل ورسوا کیا قریش نے اپنی یہ عزت افزائی دیکھکر نخوت وغرور میں قدم رکھنا شروع کیا اور ایک مرتبہ کمیٹی میں یہ تجویز پیش کی کہ ہم ابراہیم خلیل اللہ کی اولاد اور قریشی النسل ہیں عرب میں کسی کو ہم جیسا مرتبہ حاصل نہیں ہوسکتا اس لئے ہم میں اور عام باشندگان عرب میں کوئی فرق اور امتیاز ضرور ہونا چاہئے۔ ہم اہل حرم ہیں ہم بیت اللہ کے متولی ہیں ہم اصل ساکن مکہ ہیں اسلئے ہمکو زیبا ہے کہ حرم کے علاوہ کسی دوسرے مقام کی عزت نکریں اور حج پورا کرتے وقت میدان عرفات میں ٹھہرنا بالکل چھوڑ دیں نہ ہمکو عرفات میں جانا چاہئے اور نہ اس میدان کی عزت کرنی چاہئے اس رائے کے متفق علیہ ہوتے پر تمام قریش نے عرفات کے میدان میں جانا چھوڑ دیا

راللہ پاک نے وافیضوا من حیث افاض الناس میں اسی مخترعہ بدعت کے ترک کرنیکا حکم قرآن میں فرماکر متنبہ کیا ہے کہ عرفات میں دوسرے حجاج کی طرح قریش کو بھی ٹھیرنا لازمی امرہے الغرض قریش نے اپنی برابر کسیکو نہ سمجھا البتہ اگر کسی عرب کے قریشیہ عورت سے لڑکا پیدا ہوجاتا تو وہ اس سسرال کے رشتہ سے قریش میں شامل ہوکر اہل حرم بنجاتا تھا چنانچہ کنانہ اورخزاعہ اورعامر اسی بنا پر قریش کے ہمرتبہ اور ہنخیال تھے۔ اس کے بعد دوسری تجویز طے ہوئی کہ حج کا احرام باندھ کر سوائے چرمی خیموں کے اُون یا پشم کے بُنے ہوئے خیموں میں جانا ہرگز مناسب نہیں اور جبتک حج یا عمرہ کا احرام باندھے رہیں اسوقت تک حرم کے اندر حرم کے باہر سے لائی ہوئی چیز کا کھانا حرام ہے اگر روٹی بھی کھائیں تو وہی جو حرم کے اندر پکی ہو و نیز بیت اللہ کا طواف قدوم کرتے وقت ہر ہر شخص کو قریش کے کپڑے پہنکر طواف کرنا چاہئے اور اگر قریش کے کپڑے دستیاب نہوں تو اسکو اپنے تمام کپڑے اتار کر اور ننگے ہوکر طواف کرنا چاہئے اور اگر بالفرض کوئی شرمیلا شریف الطبع معزز شخص قریشی کپڑے دستیاب نہونے پر ننگا ہونا گوارا نکرے اور اس عذر کے باعث اپنے پہنے ہوئے کپڑوں میں بیت اللہ کا طواف کرلے تو اُسپر واجب ہے کہ طواف سے فارغ ہوتے ہی ان کپڑوں کو اتار پھینکے اور پھینکنے کے بعد وہ کپڑے کسی مصرف کے نہ رہیں گے کیونکہ نہ یہ خود ان کو پہن سکیگا اور نہ کوئی دوسرا ان کو ہاتھ لگا سکیگا البتہ عورتیں صرف اوڑھنی اوڑھے رہیں اور باقی تمام کپڑے اُتار کر مجبوراً برہنہ ہوکر طواف کریں۔ یہ جدید قوانین تمام اہل عرب کو ماننے پڑے اور گو شروع شروع میں کسی کو یہ باتیں ناپسند بھی ہوئی ہوں لیکن تھوڑے دنوں بعد ان رسوم کی ایسی عادت ہوگئی کہ آنے والی نسلیں ان بیہودہ اور لغو باتوں کو اصل شریعت اور دینی مسائل سمجھنے لگیں ہمیشہ بدعتوں کی ترویج اور ناجائز امور کے پسندیدہ ہونیکے ایسے ہی وسائل ہوتے ہیں۔

چالیس برس بعد جب کلام مجید نازل ہونے لگا تو ان کی اصلاح ہوئی اور شریعت محمدی نے اللہ کا سیدھا راستہ دکھا کر ان کجرفتاریوں سے لوگوں کو بچایا قرآن شریف کی آیتوں میں صراحۃً ان مخترعہ رسوم کی اصلاح مذکور ہے۔

باب (۱۰) دہم

آنحضرت صلعم کی ولادت اور عبدالمطلب کی کفالت

فخر عالم سرورکائنات احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم عام الفیل میں نبوت آدم علیہ السلام سے چھ ہزار ایک سو تیرہ برس بعد بارھویں ربیع الاول ۲ھ کسروی مطابق ۲۹ اگست ۵۷۰ء کو دوشنبہ کے دن بوقت صبح پیدا ہوئے۔

آپ بطن مادر ہی میں تھے کہ آپ کے دادا عبدالمطلب نے آپ کے والد خواجہ عبداللہ کو بغرض تجارت ملک شام کی جانب روانہ کیا لیکن افسوس خواجہ عبداللہ نے پچیس برس اور کئی مہینے کی عین شباب خیز عمر میں مدینہ پہونچکر انتقال کیا اور اس احاطہ میں مدفون ہوئے جہاں آپکی ننہال کے لوگ مدفون تھے۔

آپ کی والدہ آمنہ خاتون کو آپ کے حمل کی تکلیف مطلق نہوئی اور چھ مہینے تک یہ بھی معلوم نہوا کہ آمنہ حاملہ ہے۔ آمنہ خاتون کو حالت حمل میں وہ وہ عجائبات نظر آئے جس سے حیرت ہوتی تھی چلتی تھیں تو قدموں کے نیچے سخت پتھر نرم ہوجاتے تھے نورانی ابر دھوپ کے وقت سر پر سایہ کرتے اور کنوے سے پانی لیتے وقت پانی خودبخود ابل کر منہ کے کنارے آلگتا تھا

آمنہ خاتون فرماتی ہیں کہ جب وضع حمل کا وقت قریب پہونچا اور مجھکو خواب میں کسی کہنے والے نے اس کی اطلاع دی کہ "اے آمنہ تمکو مبارک ہو تم خیر الانبیاءؑ کے وجود باجود کی حاملہ ہو" اس وقت مجھکو معلوم ہوا کہ مرنیوالے شوہر خواجہ عبداللہ کی نشانی وجود کا خلعت پہننے والی ہے غرض پورے نو مہینے گذرنے پر دردزہ محسوس ہوا تو میں دیکھتی تھی کہ ستارے آسمان سے جھکے آتے ہیں اور اندیشہ ہے کہ مجھپر ٹوٹ پڑیں گے چند ساعت کے بعد جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم تولد ہوئے تو مجھکو اپنے بدن سے ایک نور جدا ہوتا نظر آیا جس نے تمام گھر روشن کردیا اور وہ نور آسمان کی طرف چڑھا اور مشرق و مغرب کے مابین پھیلگیا جس کے باعث بصرے اور روم کے محل مجھکو نظر آگئے میں نے اپنے پیٹ سے جدا ہونیوالے نور نظر پر نظر ڈالی تو سجدہ میں پڑا ہوا پایا آپ کی انگلی آسمان کی جانب اٹھی ہوئی تھی گویا کہ آپ کسی معاملہ میں انتہا درجہ کی عاجزی وانکساری کا اظہار کررہے ہیں آپکے چہرہ سے نور کی شعاعیں پھوٹ رہی تھیں آپکے بدن سے خوشبو کی لپٹیں

آرہی تھیں اور آپ کی زبان پر تھا لا الہ الا اللہ وانی رسول اللہ۔

اس وقت ملک فارس میں نوشیرواں عادل کی سلطنت تھی جس کا لقب کسریٰ تھا یکایک اسکا وہ عالیشان اور مضبوط محل جو سو گز اونچا تھا ایک سخت زلزلہ سے لرز اٹھا اور اس کے چودہ کنگرے گر پڑے اسی رات شاہ کسریٰ نے خواب میں دیکھا کہ چند عربی گھوڑے وحشی زبردست اونٹوں کو کھینچے لئے چلے جاتے ہیں اور نہر دجلہ ٹوٹ کر تمام بلاد میں پھیل گئی ہے معاً آنکھ کھل گئی اور نوشیرواں کے قلب میں ایک قدرتی ہیبت سما گئی۔ کسرے صبح کو نہایت پریشان اٹھا لیکن شاہی ہمت و شجاعت کے خلاف سمجھکر اس قلبی ہیبت کو لوگوں پر ظاہر کرتا ہوا شرمایا جو رات سے اس کے دل میں پیدا تھی لیکن یہ سمجھکر کہ کہیں اس خواب کا اثر ظاہر نہ ہونے لگے اس نے دربار عام میں ارکین سلطنت کو اپنی خواب کہہ سنائی۔

دربار ہی میں خبر پہونچی کہ اہل فارس کے بڑے آتشکدہ کی وہ آگ جو ہزار برس سے جل رہی تھی اور جس کی پرستش تمام پارسی کرتے ہیں آج رات دفعۃً ٹھنڈی ہو گئی نہ معلوم کیا سبب ہے! اسی وقت حاکم ایلیا کی عرضداشت موصول ہوئی کہ آج کی شب دریاے سادہ یکلخت بالکل خشک ہو گیا اور فوراً ہی دوسری اطلاع طبریہ کے عامل کی آئی کہ آج کی رات طبریہ کے دریا کی روانی بالکل بند ہو گئی اور یہ دریا سوکھ گیا۔

یکے بعد دیگرے ان وحشتناک خبروں نے نوشیرواں کو رہا سہا اور مضمحل بنا دیا اور فوراً فارس کے قاضی القضاۃ موندان کو تعبیر خواب کیلئے بلایا گیا موندان نے عرض کیا حضور معلوم ہوتا ہے کہ عرب میں کوئی بڑا ذیشان شخص پیدا ہوا ہے جس سے نواح عرب میں کسی بڑے حادثہ کے ظاہر ہونے کی یقیناً امید ہے۔

نوشیرواں شاہ ایران کی تسلی نہوئی اور اس نے نعمان بن المنذر کے نام فرمان جاری کیا کہ کسی مشہور اور زبردست عالم کو فوراً ہمارے پاس بھیجدو چنانچہ ایک جہاندیدہ ڈیڑھ سو برس کی عمر کا زبردست عالم عبدالمسیح۔ نعمان کی طرف سے آیا اور اس نے بھی وہی تعبیر بیان کی نوشیرواں کا جب عبدالمسیح سے بھی عقدہ حل نہوا تو عبد المسیح نے دست بستہ عرض کیا کہ جہاں پناہ اگر اجازت ہو تو اس کی تعبیر میں اپنے ماموں سطیح سے دریافت کروں جو آجکل ملک شام

ین مقیم ہے یقین ہے کہ وہ اس کی تعبیر تسکین بخش دیگا کیونکہ اس سے بہتر عالم دار السلطنت میں نہیں غرض شاہی اجازت سے عبد المسیح۔ سطیح کے پاس پہونچا لیکن اس وقت جبکہ وہ نزع کی حالت میں گرفتار اور آخرت کے لمبے سفر کی تیاری کر رہا تھا۔

غنیمت تھا کہ سطیح پر ابھی بیہوشی طاری نہیں ہوئی تھی سطیح اپنے بھانجے عبد المسیح کا کلام سنکر ہمت باندھ کر اُٹھ بیٹھا اور تمام ماجرا سنکر کہنے لگا کہ اے عبد المسیح اس رات عرب میں ایک اللہ کا پیارا ذی شان بندہ پیدا ہوا ہے جس وقت شاہی محل کے کنگروں کی مقدار کے موافق یعنی چودہ بادشاہ اس تخت پر نہ بیٹھ لیں گے اس وقت تک تو یہ سلطنت بادشاہان فارس کی جانب منسوب ہوتی رہے گی۔ لیکن اس کے بعد ایسی کایا پلٹ جائے گی کہ گویا کبھی بابل پر کوئی آتش پرست پارسی قابض ہی نہوا تھا۔

عبد المسیح ماموں کے یہ کلمات سُنکر واپس ہوا۔ اور انوشیروان سے تمام ماجرا کہہ سنایا۔ انوشیروان یہ سمجھکر کہ چودہ نسل کی سلطنت ختم ہونے کیلئے مدت مدید اور زمانہ بعید کی ضرورت ہے مطمئن ہوگیا لیکن یہ کسے خبر تھی کہ زمانہ گذرتے کیا دیر لگتی ہے اور یہ باقیماندہ سلطنتیں کیسی جلد جلد گذر گئی انوشیروان کی اولاد میں اس پایۂ تخت کا چودھواں حاکم یزدجرد تھا جس نے اپنی وسیع سلطنت سلسلہ ہجری نبوی میں خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیکر اپنی جان ملک الموت کے حوالہ کی عبد المطلب اس وقت کعبہ میں تھے یکایک دیکھا کہ خانۂ کعبہ کی دیواریں دفعتہً جھک گئیں اور پھر خودبخود سیدھی ہوگئیں یہ حیرت انگیز معاملہ دیکھکر گھر آئے تو ہونہار پوتے کے پیدا ہونے کی خوشخبری کانوں میں پڑی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ناف بریدہ اور مختون پیدا ہوئے اور چونکہ آپ کے والد خواجہ عبد اللہ کا انتقال ہوچکا تھا اس لئے آپ کی کفالت آپ کے دادا عبد المطلب نے اپنے ذمہ لی اور اسپر فخر کیا کہ یہ دریتیم و سزا وار احمد فرزند ارجمند میری آنکھوں کی ٹھنڈک بنکر میرے پاس رہیگا۔ ساتویں روز عبد المطلب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ذبیحہ قربانی کرکے عقیقہ کیا اور تمام قریش کی دعوت کی اسی روز آپ کا اسم مبارک محمد تجویز ہوا۔ و صلے اللہ علیہ و الہ بقدر حسنہ وجمالہ ؕ

باب (۱۱) یازدہم

حلیمہ سعدیہ کا دودھ پلانا اور شق الصدر - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف سات روز اپنی والدہ آمنہ خاتون کا دودھ پیا اور پھر ابولہب کی آزاد شدہ کنیزک ثویبہ نے آپ کو آٹھ دن دودھ پلایا یہ ثویبہ وہی ہیں جنھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابولہب کو آپکے پیدا ہونے کی خوشخبری سنائی تھی اور ابولہب نے اس خوشی میں ان کو فوراً آزاد کر دیا تھا ثویبہ ہی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے چچا حمزہؓ کو بھی دودھ پلایا تھا اس رشتہ سے حضرت حمزہؓ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی ہوئے - بعد ازاں خولہ بنت المنذر نے اور پھر حلیمہ کے علاوہ ایک دوسری عورت نے جو قبیلہ بنی سعد میں سے تھیں اور اس کے بعد تین اور عورتوں نے آپکو دودھ پلایا جن سب کا نام عاتکہ تھا غرض جب آپ کی عمر شریف کم و بیش ایک ماہ کی تھی تو آپ دائی حلیمہ کی تحویل میں گئے -

عرب میں قحط کی عالمگیر وبا نے بڑے بڑے متمول سرداروں کے بھی چھکے چھڑا رکھے تھے بارش بند تھی صحرا میں سبزہ کا نام و نشان نہ تھا تمام ریگستان آگ کا تودہ بنا ہوا تھا جس میں سوائے لُو اور تپش کے پھل یا ہریالی کا پتہ نہ تھا - حسب دستور عرب قبیلہ بنی سعد کی عورتیں شیر خوار بچوں کی تلاش اور اجرت پر دودھ پلانے کی غرض سے اہل تمول کے بچوں کی جستجو میں آئی ہوئی تھیں انھیں عورتوں میں ذویب بن حارث کی بیٹی حلیمہ سعدیہ بھی اپنے شوہر کے ہمراہ بھوکی پیاسی دُبلی پتلی سواری پر سوار مکہ میں دوشنبہ کے روز داخل ہوئیں -

قریب قریب سب عورتوں نے سرداران مکہ اور متمولان قریش کے بچے لیلئے اور صرف حلیمہ باقی رہ گئیں جن کو کوئی بچہ دلخواہ اور منشاء کے مطابق نہ ملا -

حلیمہ کو خبر لگی کہ سردار مکہ مطلب بن عبد مناف کے پوتے محمد بن عبد اللہ کو بھی دایہ کی ضرورت ہے لیکن بچہ یتیم ہے اور باپ کا سایہ سر سے اُٹھے ہوئے کئی مہینے ہو چکے ہیں - حلیمہ نے اپنے شوہر حارث سے مشورہ لیا اور آخر کار کچھ پس و پیش کے بعد آمنہ کے گھر روانہ ہوئیں محمد صلے اللہ علیہ وسلم خواب استراحت میں تھے جبین مبارک سے ایک نور جلوہ گر تھا بیشل خداداد حسن نے حلیمہ کو متحیر بنا دیا اور حلیمہ نے نہایت محبت کے ساتھ گد گدا کر اپنی آغوش

میں لیلیا اور آمنہ خاتون کی اجازت لیکر وہاں سے رخصت ہوئیں اسی وقت سے حلیمہ کی پستانیں شیر سے لبریز ہوگئیں اور خلاف معمول برکت کے وہ آثار ہویدا ہونے لگے جو حلیمہ کی حیرت اور مسرت ہر وقت بڑھاتے رہتے تھے۔

صبح ہوتے قافلہ نے کوچ کیا اور حلیمہ۔ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو چھاتی سے لگائے اپنے لاغر مرکب پر سوار ہوئیں یہی مرکب تھا جو آج سے دو دن پہلے چابک پر چابک کھاتا اور مار مار کر ہنکایا جاتا تھا اور آج اس کی صبا رفتاری کا یہ عالم ہے کہ لوگ پیچھے چیخ رہے ہیں کہ حلیمہ ذرا آہستہ چلو آہستہ چلو اور یہ ٹھیرنا نہیں جانتا۔ سبکو حیرت تھی کہ آج اس گھسٹنے اور مار کھانے والے گدہے کو کیا ہوگیا کہ ہوا سے باتیں کرتا اور پرند کی طرح اڑتا چلا جارہا ہے۔ قافلہ سے علیحدہ ہونا خطرناک ہونے کے علاوہ انسانی مروت کے بھی خلاف تھا اس لئے ہرچند حلیمہ اور حلیمہ کے شوہر باگ کھینچتے اور سواری کو روکتے تھے لیکن اس وقت تو وہ نبیؐ کا مرکب بنا ہوا کسی دوسرے ہی سہارے پر جارہا تھا انسان سے کب رُک سکتا اور اپنے ہم جنس سواریوں کے مساوی کیونکر رہسکتا تھا غرض حلیمہ اپنے قبیلہ کی تمام بدوی عورتوں سے پہلے اپنی جائے سکونت یعنی پہاڑی درے میں پہونچ گئیں جو سلسلہ طائف سے جنوب کی طرف چلا گیا ہے۔

انھیں دنوں میں وہ قحط بھی رفع ہوگیا جس نے عورتوں کو اپنے پیارے بچوں کے کھانے تک پر مجبور کر دیا تھا حلیمہ کے مال اور مویشی میں وہ برکت ہوئی کہ تمام قبیلہ حیران تھا۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نشو ونما دوسرے بچوں کی طرح نہ تھا بلکہ جو بالیدگی اطفال کو ایک برس میں ہوتی تھی اس قدر آپ کو ایک دن میں ہوتی تھی آپ دوسرے مہینے اشارہ کرنے اور تیسرے مہینے گھٹنیوں گھسٹنے لگے چوتھے مہینے ٹھکر اپنے پاؤں سے کھڑے ہوئے اور پانچویں مہینے ہاتھ دیوار پر ٹیک ایک دو قدم چلنے لگے۔ چھٹا مہینہ تھا کہ آپ میں طاقت خرام آگئی اور ساتویں مہینے تیز رفتاری بھی پیدا ہوگئی۔ آٹھویں مہینے دوڑنے لگے اور نویں مہینے استعداد گفتار پیدا ہوگئی۔ دسویں مہینے فصیح اور دل آویز گفتگو کرنے لگے اور گیارھویں مہینے باتوں کا دانشمندانہ جواب دینے لگے اور تیر وکمان لیکر جنگل میں بچوں کے ساتھ جانے لگے۔ بارھواں مہینہ تھا کہ آپ اپنی عمر سے کئی حصے بڑے لڑکوں کا بہادرانہ مقابلہ کرتے تھے اور طبعی جرأت و دلیری قوت سے ہوشیار بچوں کو پسپا کر دیتے تھے۔

جس وقت سے آپ میں طاقت گفتار پیدا ہوئی کوئی چیز آپ نے بسم اللہ کہے بغیر ہاتھ میں نہ لی آپکو کبھی بستر پر بول و براز کا اتفاق نہیں ہوا اور نہ کبھی بچوں کے ساتھ کھیل کود میں مشغول ہوئے۔

حلیمہ سعدیہ کو ہمیشہ اس بات پر فخر رہا کہ میرے ہونہار منصف مزاج بچہ نے کبھی بائیں پستان کا دودھ نہیں پیا کیونکہ پہلے روز آپ کو دائیں پستان سے لگایا گیا اور بائیں جانب کی پستان حلیمہ کے بیٹے مسرود کیلئے رہی۔

دوسرے برس کے اختتام پر آپ کا دودھ بڑھایا گیا اور تیسرے سال حلیمہ آپکو لیکر مکہ آئیں تاکہ امنہ خاتون کا دُرِ فرید اُن کے حوالہ کریں۔

حلیمہ سمجھ چکی تھیں کہ میرے گھر کی تمام خیر و برکت محمدؐ ہی کی وجہ سے ہے اور قبیلہ بنی سعد کا تمام جنگل اسی بچہ کے فیضان سے آباد و فیض یافتہ ہے اس لئے امنہ خاتون سے درخواست کی کہ بی بی اگر آپ اس لاڈلے نورِ نظر کو تا حین بلوغ میرے ہی پاس رہنے دیں تو میرے زہے نصیب۔

مکہ میں ان دنوں وبا کا چرچا تھا اور یہ حالت تھی کہ بہت سے آدمی صبح کو تندرست اٹھے اور شام کو راہی دار البقا ہوئے شام کو اچھے سوئے اور صبح ہوتے خبر سُنی گئی کہ فلاں شخص مر گیا۔

امنہ خاتون نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو چھاتی سے لگایا اور حلیمہ کے اصرار و نیز وبا کے اندیشہ سے حلیمہ کی درخواست منظور فرما کر اجازت دیدی کہ چند روز اپنے پاس محمدؐ کو اور رکھ لو حلیمہ سعدیہ خوشی خوشی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لیکر اپنے گھر واپس آئیں اور روز بروز برکت کے اثر زیادہ دیکھکر آپ کو دل سے پیار اور آپ پر جان تک نثار کرنے لگیں۔

تیسرے برس آپ نے درخواست کی کہ اماں ہمکو بھی اجازت دیجئے کہ اپنے بھائیوں کے ساتھ بکریاں چرانے جنگل جایا کریں اور گو حلیمہ سعدیہ نے گوارا نہ کیا لیکن آپ کی دلشکنی کے اندیشہ سے انکار بھی نہ کیا اور صبح کو آپ اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ جنگل روانہ ہوئے وہاں فرشتوں نے آپ کو زمین پر لٹا کر جبرئیل امین نے سینہ مبارک چاک کیا اور آپ کا دل نکال کر صاف کیا وہ سیاہ خون جو بنی آدم میں زمانہ آدم علیہ السلام سے پشت در پشت چلا آتا ہے اور درحقیقت گناہ کی وہی اصل و بنیاد ہے نکال پھینکا پھر آپ کے دل عرش منزل کو معرفت و نبوت کا نور بھر کر اپنی جگہ رکھدیا سینہ برابر کر دیا اور ٹانکے لگا دیئے رسیوں کی سیاہ دھاری آپ کی .... گردن سے ناف تک مدت العمر باقی رہی۔

یہ کیفیت دیکھ کر حلیمہ کا لڑکا مسرود لرزتا کانپتا اور دوڑتا ہانپتا ماں کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اماں جلد دوڑو دیکھو ہمارے قریشی بھائی کو سنسان میدان میں دو سپید پوش آدمیوں نے پکڑ لیا اور جنگل میں لٹا کر پیٹ پھاڑ ڈالا یہ وحشت اثر خبر سنکر حلیمہ اپنے شوہر حارث کو ہمراہ لیکر روتی ہوئی اس جانب روانہ ہوئیں حلیمہ کا رنج و پریشانی کے مارے بُرا عالم تھا پیر رکھتی کہیں تھیں اور پڑتا کہیں تھا چہرہ پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں رنگ فق تھا اور زبان پر یہ الفاظ تھے کہ ہائے افسوس میں لٹ گئی لوگو! میری چار برس کی کمائی برباد ہوگئی اور میں مکہ جانیکے قابل بھی نہ رہی اب آمنہ کو کیا منہ دکھاؤں گی۔

حلیمہ پریشان و سراسیمہ جنگل میں پہونچیں اور دیکھا کہ ایک ہرے بھرے درخت کے نیچے محمد صلی اللہ علیہ وسلم صحیح و سالم بیٹھے ہیں حلیمہ نے دوڑ کر چھاتی سے لگایا اور نورانی رخساروں پر بوسے لیکر اپنی بیقراری بیان کی آپ نے تمام قصہ من وعن بیان فرما کر سب کی تسلی کی۔

گو اس وقت حلیمہ کے بےچین دل کو تسکین ہوگئی لیکن یہ خیال پیدا ہوگیا کہ اس خطرناک حالت میں محمدؐ کو اپنے پاس رکھنا نیکی برباد گناہ لازم کا مصداق بنتا ہے۔ حلیمہ کے شوہر حارث نے بھی اپنی بی بی سے کہا کہ تم جاؤ اور محمدؐ کو ان کی ماں کے حوالہ کر آؤ کیونکہ کسی آسیب کے خلل اور بھوت یا پری کے سایہ سے پہلے پہلے آمنہ کی امانت آمنہ کے پاس پہونچ جانی مناسب ہے۔

آپ کی عمر کچھ کم چار برس کی تھی کہ حلیمہ آپ کو لیکر مکہ آئیں اور آمنہ کو شق الصدر کا خوفناک ماجرا سنا کر درخواست کی کہ محمدؐ کو لیجیے اور مجھکو واپس ہونیکی اجازت مرحمت فرما دیجئے۔ آمنہ مسکرائیں اور یہ کہکر چپ ہو رہیں کہ اس ذیشان ہونہار بچہ پر آسیب یا جنون کا اثر نہیں ہو سکتا۔

آپ کے دادا عبدالمطلب نے حلیمہ سعدیہ کو ایکہزار اونٹنی اور پچاس رطل سونا حق خدمتگذاری میں بطور انعام دیکر نہایت عزت کے ساتھ رخصت کیا اور آپ اپنی ماں بی بی آمنہ کے پاس ام ایمن کی پرداخت میں رہے۔ جو درحقیقت خواجہ عبداللہ کی لونڈی تھیں اور آپ کو ترکہ پدری میں ملی تھیں

باب (۱۲) دوازدہم

آمنہ و عبدالمطلب کا انتقال اور آپ کا شام کیجانب پہلا سفر

آپ کو چھٹا سال تھا کہ آمنہ خاتون نے اپنے خسر عبدالمطلب سے چندروز کے لئے اپنے میکہ قبیلہ بنی نجار میں جانیکی اجازت لی اور ام ایمن کو مع محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ساتھ لیکر مدینہ پہونچیں۔

عبدالمطلب کو کیا معلوم تھا کہ پیاری بہو کا یہ سفر آخرت کی تمہید ہے کیونکہ آمنہ خاتون مدینے میں ایک ماہ ٹھہر کر مکہ واپس ہوتی تھیں کہ راستہ میں موضع ودان کے قریب ابواء مقام میں راہی ملک بقا ہو کر وہیں مدفون ہوئیں آپکو والدین کے کنار عاطفت میں جو بچپن کیلئے ایک بڑی نعمت ہے تربیت پانیکا اتفاق نہوا کیونکہ چھٹے سال کے ختم ہونیسے پہلے آپ بے ماں کے بھی ہوگئے اور آپ کو ام ایمن۔ عبدالمطلب کے پاس مکہ واپس لے آئیں

عبدالمطلب کا زخمی دل اس عالم ضعیفی میں چندسال ہوئے ساری اولاد سے پیارے بیٹے عبداللہ کا صدمہ اٹھا ہی چکا تھا اور اس اتفاقیہ لایق بہو کے انتقال نے رہا سہا اور کمر کو شکستہ کر دیا عبدالمطلب آٹھ آٹھ آنسو روئے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سینے سے لگا کر بیٹے کا جانشین سمجھا اور درحقیقت محبت وحفاظت میں کوئی دقیقہ باقی بھی نہیں چھوڑا لیکن مشیت ایزدی کچھ اسی طرح واقع ہوئی تھی کہ خواجہ عبدالمطلب کا پیمانہ حیات بھی لبریز ہوتا جاتا تھا۔ ساتویں سال آپ کی آنکھیں کچھ جوش کر آئیں اور عبدالمطلب دوائی علاج سے افاقہ نہ دیکھکر آپ کو ایک راہب کے پاس لائے جو اپنے گرجا میں دروازہ بند کئے بیٹھا تھا۔ عبدالمطلب نے دستک دیکر اس کو پکارا لیکن راہب نے جواب تک نہ دیا۔

چند منٹ ہی گذرے تھے کہ کلیسہ کو سخت زلزلہ آیا اور راہب گھبرا کر بدحواسی کے عالم میں جھٹ دروازہ کھول باہر آکھڑا ہوا عبدالمطلب نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سامنے کیا اور آنکھوں کا علاج چاہا۔ راہب سمجھ چکا تھا کہ کلیسہ کا لرزاٹھنا میرے ایک ذی رتبہ حاجتمند شخص کے بلانے پر بھی باہر نہ آنے کی وجہ سے تھا۔

اسی وقت راہب نے غسل کیا اور اندر سے ایک پاک صحیفہ نکالا اس کو کھولکر پڑھنا شروع کیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قدیم پیشین گوئیاں آپ کے چہرہ مہرہ سے مطابق کرنے اور عبدالمطلب سے کہنے لگا کہ اے عبدالمطلب یہ لڑکا پیغمبر آخرالزمان ہونیوالا ہے اگر میں گرجا سے ذرا دیر اور نہ نکلتا تو یقینا کلیسہ مجھپر گر جاتا میں اللہ کے رسول کا کیا علاج کر سکتا ہوں جاؤ اور انہیں کا لعاب دہن آنکھوں کو لگادو اور ہمیشہ اس ہونہار کی خبر گیری باعث عزت سمجھو۔ عبدالمطلب آئے اور لعاب دہن مبارک لگتی آنکھوں کو لگایا معاً شفا ہوگئی۔

آمنہ خاتون سے دو سال دو ماہ اور دس یوم بعد جبکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف آٹھ سال کی ہوئی عبدالمطلب ایکسو بیس برس کی عمر میں سخت بیمار ہوئے اور زندگی سے مایوس ہو کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مایوسانہ شفقت کی نظر سے دیکھکر آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور اسی وقت علی کرم اللہ وجہہ کے والد ابوطالب کو بلا بھیجا۔

ابوطالب حاضر ہوئے اور عبدالمطلب نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوطالب کے حوالہ کر کے اسطرح وصیت

کرنی شروع کی کہ اے ! ابو طالب یہ درِ یتیم نہیں جانتا کہ باپ کی آغوش کا کیا لطف اور ماں کی تربیت کا کیا مزہ ہوتا ہے اس گوہر یکتا کی خدمت درحقیقت خوش نصیبی ہے افسوس میں اس دولت عظمیٰ سے زیادہ مدت بہرہ یاب نہ ہو سکا تجھکو مناسب ہے اسے اپنی اولاد سے زیادہ سمجھکر اس برتاؤ سے کام لے جس کے باعث یہ مجھکو بھی بھول جائے۔

عبد المطلب نے یہ کہکر آہ سرد کھینچی اور حسرت بھری نگاہوں سے ایکبار محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھکر نظر نیچی کرلی اور اس کا جواب بھی نہ سُنا تھا کہ ناک کا بانسا پھر گیا آنکھیں پتھرا گئیں جلد جلد سانس آنے لگا گویا وہ حالت طاری ہوگئی جو آخرت کا دشوار گذار راستہ طے کرنیوالے پر ہویدا ہوتی ہے۔

اسی سال ایران کا مشہور بادشاہ نوشیرواں عادل مرگیا اور اسی برس شہرہ آفاق کریم وسخی حاتم طائی نے قضا کی گویا دونوں نام آور شخص عبد المطلب سردار مکہ کے شریک سفر ہوئے۔

درحقیقت ابو طالب نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت کا حق ادا کردیا اور باپ کی آخری وصیت ہر وقت نظر کے سامنے رکھی آپکو ہمیشہ کھانا اپنے ساتھ کھلاتے اپنے پاس سُلاتے ہر جگہ اپنے ہمراہ لیجاتے اور ہر وقت میٹھی باتوں سے دل بہلاتے رہتے تھے۔

ابو طالب علاوہ اس بزرگی کے جو خانہ کعبہ کی تولیت کے باعث ان کو حاصل تھی قریش کے بڑے تاجر اور خصوصاً اس قافلہ کے معاون تھے جو ملک شام و یمن کی طرف جاتا اور آپ کے جد امجد ہاشم کا جاری کیا ہوا تھا۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سن مبارک نو برس کا تھا کہ ابوطالب نے ملک شام کے سفر کا قصد کیا اور مصائب سفر کے خیال سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے لڑکوں کے ساتھ مکہ میں چھوڑ جانا چاہا۔ جب ابو طالب اونٹ پر سوار ہونے لگے تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے زانو سے لپٹ کر رونے لگے اور کہا کہ چچا مجھے یہاں کس پر چھوڑے جاتے ہو یہ سنکر ابو طالب کا دل بھر آیا اور آپ کو اس سفر تجارت میں اپنے ساتھ لے لیا اور دونوں نے ملک شام کی طرف باگ اُٹھادی۔

سرحد شام پر شہر بصرہ کے قریب قافلہ ٹھہرا اور اس جگہ بحیرا راہب سے ملاقات ہوئی جو ابو طالب کا دوست اور اپنے مذہب نصرانیت کا بڑا زبردست عالم تھا۔

بحیرا گرجا میں بیٹھا ہوا دیکھ رہا تھا کہ آپ پر ابر سایہ کئے ہوئے ہے اور درختوں کی ٹہنیاں آپ پر جھکی پڑتی ہیں بحیرا نے تمام قافلہ کی دعوت کی اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گود میں بٹھالیا آپکی پشت پر مہر نبوت دیکھی اور ابو طالب سے آپکا نام اور بچپن کے کل حالات بھی دریافت کئے غرض انجیل شریف کی بشارتوں کے بالکل موافق پاکر آپکے نبی آخر الزمان

ہونے سے ابو طالب کو مطلع کیا اور بڑے زور سے نصیحت کی کہ خبردار ابو طالب ان کو ملک شام میں نہ لیجانا یہودی دیکھ پائیں گے تو بُری طرح پیش آئیں گے اور آئندہ ہر جگہ اور ہر وقت اس لڑکے کی حفاظت کرتے رہنا کیونکہ یہ اپنے ملک کا آزاد کرنیوالا اور اپنے زمانہ میں نبی ہوگا۔

ابو طالب نے بصرہ ہی میں اپنا تمام مال نفع سے بیچدیا کیونکہ وہ بھی مشہور تجارت گاہ تھا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لیکر بخیر وعافیت مکہ واپس ہوئے۔

باب (۱۳) سیزدہم

امین کا خطاب اور ملک شام کا دوسرا سفر۔ نخلہ اور طائف کے مابین شہر فتق کی طرف بڑے میدان میں ایک بازار لگتا اور میلہ ہوتا تھا اس مشہور بازار کا نام سوق عکاظ تھا اس میں دور و نزدیک کے قبیلے جمع ہوتے اور خرید و فروخت کرتے اور اپنے آباؤ اجداد کی فضیلت کے فخریہ اشعار بآواز بلند پڑھ پڑھ کر ایک دوسرے پر تفاخر ظاہر کیا کرتے تھے یہاں تک کہ اسی قسم کی جہالت آمیز باتوں میں اکثر کٹ مرتے تھے۔ برسوں لڑائیاں چھنتی اور ہزاروں خون ہوجاتے تھے انکی لڑائیوں کو فجار کہتے ہیں۔

اسی قسم کی لڑائی کنانہ و قریش اور بنی ہوازن کے درمیان چھڑ گئی اور کامل نو برس تک ٹھنی رہی ان لڑائیوں میں اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سن مبارک چودہ پندرہ برس کا تھا لیکن اپنے چچا کے ساتھ ملکر شریک ہوئے اور آپنے لوگوں پر ثابت کر دکھایا کہ محافظین کعبہ کے خاندان میں آپ بھی ایک نبرد آزما اور دلیر شخص ہیں کیونکہ آپ اپنے چچا زبیر کے تیروں کے دینے اور وقت پر ڈھال و تلوار حوالے کرنے میں بڑی پھرتی کے ساتھ اپنی جوانمردی کا اظہار کر رہے تھے۔

گو آپ نے اس زمانہ سے پچیس برس کی عمر تک کوئی مشہور رفاہ عام کا کام نہیں کیا تاہم آپکی رحمدلی اخلاق رفاداری سچائی دیانتداری نیک چلنی غربا نوازی قومی ہمدردی انصاف پسندی نے آپکو ہر دل عزیز بنا دیا اور قوم سے امین کا خطاب دلا دیا۔

عبدالمطلب کا تمام خاندان متمول اور شریف مکہ سمجھا جاتا تھا لیکن عزت و آبرو کے مصارف اور آمدنی سے زیادہ امیرانہ خرچ نے اس خاندان کی حالت عرصہ ہوا کمزور کردی تھی اور خصوصاً ابو طالب کثرت عیال کے باعث اور بھی زیادہ فکر معاش میں پریشان و مغموم رہتے تھے۔

ایک بار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بلاکر کہنے لگے کہ بھتیجے اگر تم بھی خدیجہ سے مال تجارت لیکر ملک شام کی طرف جاؤ اور میرے بار فکر کو ہلکا کرو تو بہتر ہے کیونکہ میرا حال اسوقت یک انار و صد بیمار کا مصداق ہے اور میری نظر تمہاری ہی

جانب جاتی ہے کیونکہ تم سچائی وصفائی معاملات میں مشہور ہو اور برکت و خوارق عادات کے مظہر ہو اور ایسی حالت میں خدیجہؓ کا تمکو مال دیدینا کوئی مشکل بات نہیں ہے۔

خدیجہؓ مکہ میں قوم قریش کی ایک مالدار بیوہ عورت نہایت حسینہ اور عاقلہ تھیں ان کے دو نکاح ہو چکے تھے اور ان کے آخری شوہر نے جو بڑے متمول مشہور تاجر تھے انتقال کیا اس لئے ان کو اپنی تجارت کی ترقی کیلئے تنخواہ اور حصہ منافع کی صورت پر مال تجارت دینے کو دیانت دار اور امین آدمیوں کی ہر وقت ضرورت رہتی تھی۔

خدیجہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امانت وتدین کے حالات خود بھی سن چکی تھیں اور اپنے بھتیجے فطیمہ کی زبانی آپکے ذاتی اوصاف حمیدہ پورے طور پر ان کے ذہن نشین ہو گئے تھے اسلئے بطور خود خدیجہؓ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہشمند تھیں اور اتفاقاً جبکہ ابو طالب کا یہ خیال بھی خدیجہؓ نے سن پایا تو اپنی طرف سے خدیجہؓ کو درخواست کرنے میں بھی کچھ تامل نہ ہوا اور کہلا بھیجا کہ اگر محمدؐ اس کام میں مشغول ہوں گے تو میں انکو دوسرونکی بہ نسبت المضاعف اجرت دوں گی۔

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدیجہ کے خاص غلام میسرہ اور ایک عزیز خزیمہ بن حکیم کی ہمراہی میں مال تجارت لیکر خدیجہؓ کی طرف سے ملک شام روانہ ہوئے اور اس مرتبہ بصرہ کے قریب بحیرا کے قائم مقام نسطورا راہب سے ملاقات ہوئی اور نسطورا نے آپکا جمال باکمال دیکھکر جسم کی دیکھ بھال شروع کی اور آخر پکار اٹھا کہ ہو نہو یہی نبی آخر الزمان ہے دیکھو یہ درخت جس کے نیچے محمدؐ بیٹھے ہیں وہ مبارک درخت ہے جسکے نیچے نبی کے سوائے کوئی دوسرا آدمی کبھی نہیں بیٹھا۔

غرض آپ مال تجارت میں دوچند نفع پیدا کر کے واپسی میں دوپہر کے وقت مکہ کے اندر داخل ہوئے اس وقت خدیجہؓ نے جو اپنے بالاخانہ پر بیٹھی ہوئی تھیں دور سے آپکی جہان آرا صورت دیکھی اسوقت آپکے سر پر نورانی غیبی پرند ٹکڑی باندھے سایہ کئے ہوئے تھی خدیجہؓ نے میسرہ سے حالات سفر اور آپکی عجیب کرامتیں اور نسطورا کا قول بھی سنا اسیوقت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کرنیکا خیال دل میں پیدا ہو گیا۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے چچا ابو طالب کے پاس آئے اور اپنی کمائی سامنے رکھدی۔

باب (۱۴) چہاردہم

خدیجۃ الکبریٰؓ سے نکاح خدیجہؓ نے اپنے خاوند ابو ہالہ کے انتقال پر ایک شب خواب میں دیکھا تھا کہ آسمان پر ایک روشنی پیدا ہوئی اور وہ روشن مہتاب میرے گھر میں اتر آیا اس کا نور تمام گھر میں پھیل گیا اور مکہ کا کوئی

گھر ایسا باقی نہ رہا جس میں اسکی عالمتاب نور کی روشنی نہ گئی ہو جب آنکھ کھلی تو خواب کی تعبیر اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل سے پوچھی جو توریت کے زبردست عالم تھے ورقہ نے کہا کہ تم نبی آخر الزمان کے نکاح میں آنیوالی ہو اس لئے باوجودیکہ اکثر متمولان قریش اور سرداران عرب نکاح کے خواہش مند تھے لیکن خدیجہؓ کوئی رشتہ منظور اور پسند نہیں کرتی تھیں۔

اب میسرہؓ کی زبانی سفری حالات سنکر خدیجہؓ کے دل میں خیال گذرا کہ خواب کی سچائی کے واقع ہونیکا وقت آگیا اور ابو طالب کو نسبت کا پیغام ایک عورت نفیسہ نام کی معرفت پہونچایا گیا۔

ابو طالب کو خود بھی خیال تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شادی ہو جانی مناسب ہے اس لئے اس موقع کو غیبی نصرت سمجھکر فوراً راضی ہو گئے اور خدیجہؓ کے چچا عمر بن اسد کی تولیت سے چار سو درہم مہر پر خدیجہؓ کو پیغمبر آخر الزمانؐ کے نکاح کا شرف حاصل ہوا۔ ابو طالب نے ایک اونٹ کا ولیمہ کیا اور تمام سردارانِ مکہ اور اشرافِ قریش کی دعوت کی۔

خدیجۃ الکبریٰؓ کی عمر گو اس وقت میں چالیس برس کی تھی لیکن تناسب اعضاء اور قدرتی حسن و نزاکت کے باعث جوان معلوم ہوتی تھیں اِنھیں کے عفت مآب بطن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام اولاد یعنی چار صاحبزادیاں رقیہؓ۔ زینبؓ۔ ام کلثومؓ۔ فاطمہؓ۔ اور چار صاحبزادے عبد اللہؓ اور طیبؓ اور طاہرؓ اور قاسمؓ تولد ہوئے البتہ ایک صاحبزادے ابراہیمؓ ماریہ قبطیہ سے پیدا ہوئے جو شاہ اسکندریہ مقوقس نے آپکو ہدیۃً بھیجی تھی بعض مورخین نے لکھا ہے کہ طیب اور طاہر قاسم ہی کا لقب ہے جنپر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کنیت ابو القاسم ہے واللہ اعلم بالصواب۔

آپؐ کو بی بی خدیجہؓ سے انتہا درجہ کی محبت تھی اور جبتک بی بی خدیجہؓ زندہ رہیں آپ نے عرب کی اس عام رسم یعنی کئی عورتوں سے نکاح کرنیکو ہرگز اختیار نہیں کیا اس عقد سے آپ کی عزت ہموطنوں میں اور زیادہ ہو گئی اور آپ نے سسرال کی تمام ریاست کو نہایت معقول انتظام اور طبعی لیاقت کے ساتھ تھام لیا۔

اس کے بعد آپ حوائج ضروری سے آزاد ہونے کے سبب ہمہ تن روحانی ترقی کی طرف متوجہ ہوئے ایک مرتبہ آپکی مرضعہ حلیمہ سعدیہ نے بھی آکر اپنی غربت کا حال بیان کیا اور حضرت خدیجہؓ نے انکی چالیس بکریوں سے مدد کی۔

باب (۱۵) پانزدہم

کعبہ کی تیسری بار تعمیر۔ عبد المطلب کے بعد مکہ کی حکومت چونکہ کم وبیش تقسیم ہو گئی تھی اس لئے کوئی عدالت

یا محکمہ ایسا نہ رہا جس سے عام باشندوں کے مال اور حقوق کی حفاظت رہتی۔ حرم مکہ میں وہ خلاف ضابطگی اور بد عنوانی پھیل گئی جس نے دن دہاڑے برملا ایسی حرکتیں سرزد کرانی شروع کر دیں جنکو سنکر ہر وہ انسان جس کے دل میں تھوڑی سی بھی انسانیت ہو کانپ اٹھے۔

یہ ظلم کا عالم دیکھکر مکہ کے بڑے خاندانوں یعنی بنو ھاشم، بنو مطلب، بنو اسد خاندان زہرہ بن کلاب میں حلف کے اس معاہدہ کی تجدید کا خیال پیدا ہو گیا جو فضیل بن حارث جرہمی اور فضیل بن وداعہ قطوری نے قائم کیا تھا یعنی یہ کہ کمزور اور مظلوم بندگان خدا کی سرپرستی اور اعانت کیجائے اور جب بھی حرم میں زیادتی دیکھی یا سُنی جائے اس کی دستگیری اپنا فرض منصبی سمجھا جائے۔

عہدنامہ مکمل ہوا اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف شریک ہی نہیں ہوئے بلکہ اس معاہدہ کا استحکام درحقیقت آپ ہی کی سعی و کوشش کا نتیجہ تھا۔

آپ کی عمر شریف پینتیس[35] سال کی تھی کہ اہل مکہ میں خانہ کعبہ کو از سر نو تعمیر کرنے کا خیال پیدا ہوا کیونکہ موجودہ خانہ کعبہ بنا ر ابراھیم پر غیر مسقف قایم تھا اور اس کی دیواریں چھوٹی تھیں بارش کا پانی اندر آجاتا تھا اور اس مقدس مکان میں آنے جانے والوں کو تکلیف ہوتی تھی۔

انھیں دنوں جدے کے کنارے کسی بڑے تجارتی جہاز ٹوٹ کر تباہ ہو جانے کے باعث لکڑی اور لوہے کا سامان مفت ہاتھ لگ گیا تھا اس لئے اس خیال میں پختگی پیدا ہو گئی لیکن اس کنوے میں جسکے اندر خانہ کعبہ کی نیازیں اور نذریں قبولیت کی امید پر ڈالدی جاتی تھیں ایک زہریلا خونخوار اژدہا رہتا تھا جس کا معمول تھا کہ ہر روز صبح کو کنوے سے نکلکر کعبہ کی دیوار پر آبیٹھا اور جو کوئی اس کے پاس جاتا وہ پھن اٹھاتا اور منہ پھاڑ کر اسپر حملہ آور ہوتا تھا اِس لئے رہی سہی ہمتیں اور پست ہو گئیں اور کسی نے خانہ کعبہ کے پاس جانیکا نام نہ لیا۔

اللہ کی شان ایک روز صبح کے وقت وہ اژدہا حسب معمول دیوار پر بیٹھا اپنی خوفناک شعلہ زن نظروں سے اہل مکہ کو خوف زدہ بنا رہا تھا کہ ایک قوی الجثہ پرند آسمان سے اُترا اور اژدہے کو اپنے سخت پنجوں میں دابکر اڑا لیگیا۔ اسوقت مکہ کے ہر فرد بشر کے خوف زدہ دل کو تسکین ہوئی اور تذکرے ہونے لگے کہ اللہ پاک کو خانہ کعبہ کا درحقیقت دوبارہ تعمیر کرانا پسند و منظور ہے اور اسی لئے اس بلائے بے درمان سے قدرتی طور پر نجات ملی تاہم یہ کسی کی ہمت گوارا نہ کرتی تھی کہ محترم گھر کی دیوار پر کھڑا ہو اور اسپر پھاوڑا چلائے۔

ولید بن مغیرہ نے جو ایک دل چلا بہادر نوجوان تھا اس کا بیڑا اٹھایا اور پھاوڑا لیکر کعبہ کی دیوار پر جا چڑھا

اور اس کو شہید کرنا شروع کر دیا رات بھر باشندگان مکہ اس کے منتظر رہے کہ دیکھو ولید پر کوئی آسمانی آفت نازل ہوتی ہے یا نہیں اور صبح ہوتے جب دیکھا کہ ولید پھاوڑا لئے ہوئے ہنستا اور خوش ہوتا کعبہ کی طرف جا رہا ہے تو سب کی ہمتیں بڑھ گئیں اور سب نے ملکر بنیادوں تک خانہ کعبہ کو شہید کر دیا۔

یہ بات پہلے طے ہو چکی تھی کہ لوٹ کھسوٹ یا کسی کا ناجائز پیسہ کعبہ میں نہ لگایا جاوے اور صاف ستھری کمائی سے اسکی تعمیر اتمام پر پہونچائی جائے۔ غرض بیت اللہ کی تعمیر شروع ہوئی اور جب وقت آیا کہ حجر اسود اپنی جگہ رکھا جائے تو قبائل مکہ میں پھوٹ پڑ گئی کیونکہ ہر شخص کی یہی خواہش تھی کہ یہ پاک پتھر میرے ہاتھوں اپنے مقام تک پہونچے۔

عرب کی ضد اور جہالت کو سب جانتے ہیں کہ ان میں جھگڑا پڑے پیچھے بات کا سلجھنا اور متنازع فیہ امر کا صلح پذیر ہونا کوئی آسان بات نہ تھی خانہ کعبہ کی تعمیر تو یہیں رک گئی اور اب ہر قبیلے کو لڑ کر اپنی جان کا دیدینا آسان نظر آنے لگا۔

اللہ پاک کو چونکہ اپنے اس پیغمبر کے ہاتھوں اس بڑے جھگڑے کا طے کرنا منظور تھا جو اس تعمیر میں شریک اور پتھر اٹھا اٹھا کر لانے میں قریش کا معاون تھا اس لئے چند دوراندیش تجربہ کاروں کی طبیعت میں خیال پیدا ہوا کہ اچھا صبح ہوتے سب سے پہلے جو شخص بیت اللہ کی طرف ہو کر گذرے اسکو منصف قرار دے لو جسکو وہ شخص کہے وہ ہی حجر اسود اس کی جگہ رکھدے اس رائے سے سب نے اتفاق کیا اور اپنے اپنے گھر چلے گئے۔

صبح کو اس جانب سب سے پہلے گذرنے والے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے جو اپنی سچائی کا سکہ جما اور قوم میں ہمدردی عزت کی شہرت حاصل کر چکے تھے اس لئے سب نے آپ کا حکم ہونا بطیب خاطر پسند کیا اور آپنے سرپنچ بنکر اس طرح فیصلہ کیا کہ ایک بڑی چادر میں حجر اسود رکھ لیا جائے اور ہر قبیلہ کا صاحب عزت سردار اس چادر کو تھام لے تاکہ تمام قبائل مکہ کے ہاتھوں یہ پتھر اپنی جگہ پہونچے۔

اس عجیب خوش تدبیری پر چاروں طرف سے صدائے آفریں بلند ہوئی اور قبائل کے سرداروں نے اسطرح حجر اسود کو اس کی جگہ پہونچایا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے بڑھکر بنفس نفیس خود اس پتھر کو چادر سے باہر نکالکر اس جگہ رکھ دیا جس جگہ پہلے رکھا ہوا تھا۔

بیت اللہ کی تعمیر قریش کے ہاتھوں پوری ہو گئی لیکن سامان کم ہو جانے کے باعث حطیم کا تھوڑا سا حصہ چھوڑنا پڑا جو جدید تعمیر بیت اللہ میں اب بھی چھوٹا ہوا ہے اور طواف کرتے وقت اس حصہ کو اندر لے لیا جاتا ہے۔

باب (۱۶) شانزدہم

آپکی خوش تدبیری احسان کی مکافات صبر و تحمل اور رحمدلی۔ اس فراغت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ و

آلہ وسلم نے ایک بہت بڑا کام اور بھی کیا جس کا احسان درحقیقت عرب کے بچہ بچہ پر ہے وہ یہ کہ حویرث کا بیٹا عثمان ایک عرب تھا جس نے قسطنطنیہ میں عیسائی دین قبول کر لیا اور حجاز میں آکر اس فکر میں لگا ہوا تھا کہ مکہ کو رومیوں کے ہاتھ میں دیدے اور اس مقدس خطہ پر نصرانیوں کا خواطرخواہ قبضہ ہو جائے۔ لیکن اسکی تمام کوششیں بیکار گئیں اور صرف سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فطرتی عقل اور ذاتی ہوشیاری کے باعث اسکی سب دغابازی و شرارت ظاہر ہو گئی۔ اس کے بھید کا کھل جانا غنیمت ہوا ورنہ اہل عرب کا عیسائیوں کے ہاتھ قتل ہو جانا کون بڑی بات تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ اپنے ملک کی خدمت کی اور اس کی بھی کوشش کی کہ اپنے چچا ابوطالب کے احسانات کا معاوضہ کریں۔

مکہ میں سخت قحط پڑا جس سے لوگ بلبلا اٹھے اور ابو طالب نہایت مغموم و پریشان ہوئے کیونکہ ابوطالب کا کنبہ زیادہ تھا اور ان کی وسعت و مقدرت لڑکوں کی تربیت کیلئے کافی نہ تھی البتہ حضرت عباس ؓ ابوطالب کے بھائی خوش حال تھے۔

سیدنا محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا عباس سے کہا کہ ابو طالب کے ایک بیٹے کو آپ متبنیٰ بنا لیجئے اور ایک کی تربیت میں اپنے ذمہ لئے لیتا ہوں چنانچہ عباس ؓ نے جعفر ؓ کو لیلیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علی کا ہاتھ پکڑ لائے عقیل اپنے باپ کے پاس رہے۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کل لڑکے بچپن ہی میں انتقال کر چکے تھے صرف حضرت علی کی محبت سے آپ کے محزون دل کو تسلی رہتی تھی۔ آپ نے اپنی قوم پر ہمیشہ جان نثار کی لیکن افسوس احسان فراموش قوم ممنون نہ ہوئی اور احسانات کی تلافی کی تو بھی اس طرح کہ آپ کے معصوم بچوں کے مرنے پر آپکو ابتر کہا جس کے معنی دم بریدہ یعنی بے اولاد اور مقطوع النسل کے ہیں۔

اول تو اس متواتر اولاد کے انتقال اور دوسرے قریشیوں کے ان نازیبا دل افسردہ کرنیوالے کلمات سے آپ کے دل پر رنج کا بڑا اثر پڑا لیکن پھر بھی آپکے تحمل قلب نے ہٹ دھرم قریشیوں کی ان ناکارہ باتوں کا خیال نہیں کیا اور آپ سچے معبود کی تلاش اور سیدھی راہ ہدایت کی جستجو میں بدستور ساعی رہے۔

آپ کی انسانیت و رحم دلی کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ حارث کے بیٹے زید کو جو ظلماً دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار ہو کر غلاموں کے زمرہ میں بیچدیئے گئے تھے اور ام المومنین خدیجہ ؓ کے چچازاد بھائی نے انھیں خرید کر حضرت خدیجہ کو تحفہ دیا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خدیجہ سے مانگ لیا اور آزاد کر دیا ایک زمانہ کے بعد

زید کا باپ حارث جو بیٹے کے فراق میں روتا اور نورِ نظر کی جستجو میں اِدھر اُدھر مارا پھرتا تھا مکہ آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ یہ میرا نورِ نظر ہے آپ فدیہ لیکر چھوڑ دیجئے میں عمر بھر احسانمند رہونگا۔ تو آپ نے زید سے فرمایا کہ ہاں اگر تمہارا جی چاہے تو بلا فدیہ دیئے اپنے باپ کے ساتھ چلے جاؤ کیونکہ تم آزاد ہو چکے ہو یا چاہو تو یہاں میرے پاس رہو۔

اگرچہ زید نے اپنے محسن ہی کے پاس رہنا پسند کیا اور ایسی دولت چھوڑ کر باپ کے ساتھ جانا ہرگز پسند نہ کیا تاہم آپ کی رحمدلی جو کچھ اس سے ظاہر ہوئی اس کو ہر انصاف پسند طبیعت سمجھ سکتی ہے۔

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زید کے ساتھ مدت العمر وہ برتاؤ رکھا جو باپ اپنے بیٹے کیساتھ رکھتا ہے اور اسی بنا پر صحابہ کرام میں اس ناز پروردہ شامی غریب الوطن لڑکے کا نام زید بن محمدؐ ہو گیا غرض ان نیک کاموں میں گو آپ مصروف رہتے تھے لیکن آپ کا دل اپنی قوم کے لئے رویا ہی کرتا تھا آپ گھر میں رہتے یا باہر ہمیشہ اور ہر جگہ دریائے فکر میں غرق رہتے تھے آپ کو تنہائی سے عشق تھا ہر سال ماہ رمضان میں آپ مکہ کے قریب کوہ حرا پر جا کر رہتے اور شب و روز دعا مانگتے اور غریب اور بھولے بھٹکے مسافروں کی مدد کرتے تھے۔ بسا اوقات دوسرے مہینوں میں مکہ سے باہر جانے اور کسی غار یا خالی میدان میں بھی آپکو کچھ دن گذارنے کا شوق تھا۔ ایسی حالت میں خدیجۃ الکبریٰ چند روز کا کھانا پکا کر باندھ دیتیں اور مناسب مقدار توشہ ساتھ کر دیا کرتی تھیں

آپ کو چالیسواں سال شروع ہوا اور اب سچی خوابیں اور اللہ کے نورانی فرشتے نظر آنے لگے گویا اس وقت کے عنقریب آجانیکی خبر دی گئی جس کی طرف ایک عالم کی نظریں لگی ہوئی تھیں اور آپ کو بار رسالت کے متحمل بننے کے لئے مستعد اور تیار ہو جانا تھا۔

رات کی سنسان گھڑیوں میں صبح کی سہانے وقت میں تنہائی کے عالم میں بادِ صبا کی طرح ایک آواز سنائی دیتی کہ "تو بشر ہے لیکن خدا کا پیغمبر" جس جانب آپ جاتے اس طرف ہر شے پر جبروتی جلال کے آثار ہویدا اور بتوں کو یہ کہتا پاتے تھے کہ ہم سے علیحدہ رہئے کیونکہ آپ اللہ کے پیغمبر ہماری نگونساری و ہلاکت کا باعث ہوں گے۔ غرض ہر طرح آپ پر دہ حقایق منکشف ہونے لگے جس سے آپ نے جہان کو منور کیا۔

باب (۱۷) ہفتدہم

خلعت نبوت۔ جبروتی جلال اور ربانی رافت کے ظہور کا وقت قریب آگا اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی عمر شریف چالیس برس کی ہوئی زمانہ کی کایا پلٹنے والی تھی اور کفر کی تاریکی کے کافور ہونیکا زمانہ آگیا تھا صحف سابقہ

کی پیشین گوئیاں اور آسمانی کتابوں کی واقعی مسرت خیز خبریں پوری ہوتی تھیں۔ مذاہب متفرقہ کے ذی ہوش موحد علما عبادت کیش صوفی راہب منش جفاکش زاہد قوم کو بت پرستی کی غلامی سے آزاد کرنیوالے پیغمبر کے منتظر تھے کہ سیدنا محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قسمت کا ایک ایک ورق کھلنا شروع ہوا۔

آپ حسب عادت مکہ سے تین کوس کے فاصلہ پر کوہ حرا کے غار میں سوچ اور غم و افسوس کا کمل اوڑھے کسی گہرے فکر میں مستغرق بیٹھے تھے کہ اللہ کے بزرگ فرشتے جبریلؑ نے بصورت بشر سامنے آکر ریشمین کپڑے پر لکھی ہوئی سب سے پہلی وحی اقرأ باسم ربك الذی خلق ۞ خلق الانسان من علق ۞ اقرأ وربك الاکرم الذی علم بالقلم ۞ علم الانسان مالم یعلم ۞ سامنے کی اور کہا کہ پڑھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چونکہ محض اُمّی یعنی اَن پڑھ تھے۔ نہ کسی معلم کے سامنے کتاب رکھی تھی نہ کسی سے ایک حرف پڑھنے کا اتفاق ہوا تھا اس لئے جواب دیا کہ میں تو پڑھنا جانتا نہیں۔

جبریلؑ امین نے خوب بھیچا اور پھر کہا کہ "پڑھو" آپ نے پھر وہی جواب دیا اور پے در پے تین بار ایسا ہونے پر آپ نے بسم اللہ کہکر وحی ربانی کو پڑھا اور جبریلؑ امین نے سمجھا دیا کہ آپ اللہ کے مقبول پیغمبر ہیں خلق کی ہدایت آپ کا فرض منصبی اور توحید کی تعلیم آپ کا مہتم بالشان کام ہے اسی موقع پر جبریلؑ امین نے آپ کو وضو کرایا اور نماز سکھائی اور غائب ہوگئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر روح القدس کے دبانے اور بھیچنے کے باعث ایک کشف کی خاص حالت طاری ہو چکی تھی آپ کا سینہ علم لدنّی کا گنجینہ بن گیا تھا آپ سب کچھ پڑھ اور سیکھ گئے تھے اور آپ کا قلب نزول جلال الٰہی کا مورد بننے کے باعث لرزا ٹھا تھا اور آپ کے ریاضت و مجاہدہ کیش جسم پر کپکپی پیدا ہوگئی تھی گویا آپ کو جاڑا چڑھ آیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر واپس آئے اور خدیجہؓ سے یہ کہکر کہ مجکو جلد کچھ اڑھا دو لیٹ رہے اور تھوڑی دیر کے بعد سارا قصہ خدیجہؓ سے حرف بحرف بیان کیا اور یہ بھی فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا اندیشہ ہے بی بی خدیجہؓ نے آپکو تسلی دی اور عرض کیا کہ آپ یتیم بچوں پر ترس کھانے بیوہ اور رانڈ عورتوں پر رحم کرنے ہمیشہ سچ بولنے والے ہیں آپکی منتخب نیک عادت آپکے پاکیزہ خصائل آپ کی محمودہ صفات ہر شخص جانتا ہے آپکی مہمانداری غربا نوازی برادر پروری ضرور بہتر نتیجہ دکھائے گی آپ خوف نہ کریں آپ کا محافظ خلاق عالم جو ان ہر دلعزیز اوصاف کا قدردان ہے آپ کا بال بھی بیکا نہ ہونے دیگا۔

بی بی خدیجہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لیگئیں اور سارا قصہ مِن وعَن بیان کیا۔

ورقہ بن نوفل مذہب یہودیت و نصرانیت کے بڑے زبردست عالم علامات نبوت کے ماہر اصول دین کے شناسا توریت و انجیل کا سریانی زبان سے عربی زبان میں ترجمہ کیا کرتے اور بوجہ ضعف بصارت سوائے نیک نفس باخبر علماء کی صحبت میں وقت صرف کرنے کے کہیں آتے جاتے نہ تھے۔ یہ ماجرا سُن کر قدوس قدوس پکار کر کہا کہ یہ وہی ناموس یعنی جبریلؑ فرشتہ تھا جو حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام کے پاس آیا جایا کرتا تھا۔ اے محمدؐ! گھبراؤ نہیں تمکو پیغمبری کا خلعت عطا ہوا ہے اور بیشک تم وہی نبی ہو جنکی بشارتوں سے آسمانی کتابیں عام اہل ادیان کو تمہاری منتظر بنا رہی تھیں تمکو مبارک ہو۔ یہ جاوید دولت تمکو عطا ہوئی تمھیں یاد رکھنا چاہئے وہ زمانہ بھی آنیوالا ہے کہ تمہاری قوم تمہاری مخالف اور جانی دشمن ہوکر تمکو جلاوطن کرے گی تمھیں مکہ چھوڑنا پڑیگا اور اگر اسوقت میں زندہ رہا تو دل و جان سے تمہاری مدد کی عزت حاصل کروں گا۔

ورقہ کی حسرت دل کی دل ہی میں رہی اس لئے کہ چند روز بعد ان کو دنیا چھوڑنی پڑی اور راہی دارالبقا ہوئے اسکے بعد آپ کو پھر جبل حرا پر جانیکا اتفاق ہوا تو غیب سے ندا آئی کہ " اے محمدؐ تم اللہ کے رسول ہو اور میں جبریلؑ فرشتہ ہوں" اس موقع پر آپ نے جبریلؑ امین کو نظر بھر کر دیکھا اور کانپتے ہوئے مکان واپس تشریف لائے۔

بی بی خدیجہؓ آپ پر ایمان لا ہی چکی تھیں اور ہمیشہ اس خوش قسمتی پر ناز کرتی تھیں کہ اللہ کے سچے اور پیارے پیغمبر پر سب سے پہلے ایمان لانے اور حبیب خدا کی پہلی بی بی بننے کا اعزاز حاصل ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم شب و روز نماز و عبادت الٰہی میں مشغول اور ہفتوں خانہ کعبہ کے طواف میں مصروف رہنے لگے یہانتک کہ چند روز بعد سورۂ مدثر نازل ہوئی۔ سورۂ فاتحہ اتری اور سورۂ مزمل کا نزول ہوا پھر متواتر قرآن شریف اترنا شروع ہو گیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ رسالت کی مہتم بالشان امر میں پوری ہمت صرف کرنی شروع کر دی تھی۔

اور حضرت خدیجہؓ نے ترغیب اسلام میں سعی و کوشش ثمرۂ ایمان سمجھ رکھا تھا چند روز میں دس بارہ آدمیوں کا جتھہ گروہ اسلام کہلانے لگا اور درحقیقت انھیں کو سابق الایمان کا لقب حاصل ہے۔

جس طرح عورتوں میں سب سے پہلے ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ ایمان لائیں اسی طرح بالغ مردوں میں سب سے بیشتر حضرت ابوبکر صدیقؓ مشرف باسلام ہوئے جنکی عمر اس وقت کم و بیش اڑتیس برس کی تھی۔ لڑکوں میں حضرت علیؓ ابن ابی طالب اور آزاد شدہ غلاموں میں زیدؓ بن حارث آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر ایمان لائے۔

ابوبکر صدیقؓ قوم قریش میں نہایت مالدار تاجر اور متمول سوداگر ہونے کے علاوہ مدبر منتظم عقیل فہیم زکاوت و دور اندیشی میں شہرۂ آفاق تھے معزز محفلوں میں میر مجلس بنائے جاتے اور عام باشندگان عرب میں قابل وقعت سمجھے جاتے تھے۔

جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر معجزہ دیکھے بغیر صرف اصول دین اور حکم باری عز اسمہ سنکر ایمان لے آئے تو تمام قوم میں اس کا شور مچگیا اور عام طور پر جگہ جگہ برحق دین کا ذکر ہونے لگا۔

حضرت ابوبکرؓ کی ترغیب کا نتیجہ جلد ظہور پذیر ہوا کیونکہ انکے سمجھدار احباب میں سے عثمانؓ بن عفان۔ زبیرؓ بن عوام۔ طلحہؓ بن عبداللہ۔ سعدؓ بن ابی وقاص۔ عبدالرحمٰنؓ بن عوف ایمان لائے اور اس کے دوسرے روز عثمانؓ بن مظعون۔ ابوعبیدہؓ بن الجراح۔ ابوسلمہؓ بن عبدالاسد مخزومی۔ ارقمؓ بن ابی ارقم مشرف باسلام ہوئے اور پھر اسی سلسلہ میں جعفرؓ بن ابیطالب۔ عبیدہؓ بن حارث۔ ابوذرؓ۔ عمارؓ بن یاسرؓ۔ سعدؓ بن زید۔ عبداللہؓ بن مسعود نے بھی مذہب حق قبول کیا رضی اللہ عنہم اجمعین۔

باب (۱۸) ہشت ودہم

سنہ نبوی تک کی حالت اور کفار کی برملا مخالفت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ ابھی تک خفیہ اور خاص لوگوں میں محدود تھی جس کو آپ اپنے خیال میں سمجھدار پاتے اس کو نہایت سنجیدگی سے توحید کے اصول سمجھاتے اور ایمان کی رغبت دلاتے تھے تاہم آپ کے یہ نئے پاکیزہ خیالات ضدی قوموں میں قابل ملامت سمجھے جاتے تھے اور اسی بنا پر ان خیالات کے اتباع کرنیوالوں یعنی مسلمانوں کو کمزور سمجھکر ایذائیں دی جاتی تھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مومنین کی تعداد بڑھتی دیکھکر خوش ہوتے اور مغرور وسرکش باشندگان عرب کی طرف سے متفکر کیونکہ بنی امیہ اور قوم قریش کا سردار ابوسفیان بن حرب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سخت دشمن اور اس امر پر تلا ہوا تھا کہ جو شخص مذہب اسلام اختیار کرے اُس کو بالو کے میدان میں گرم ریت پر لٹا یا جائے اور کہدیا جائے کہ یا بُت پوجے یا ملک عدم کی راہ لے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اغراض چونکہ نہایت پاک و منزہ تھے اس لئے تھوڑی بہت آپ کو کامیابی ہوتی رہی اور چند ہی سال میں اہل سلام کی شمار انتالیس (۳۹) پر پہونچگئی۔

پورے تین برس تک آپ اپنی قوم کو بت پرستی سے بچانے کیلئے مخفی کوشش کرتے رہے کمزور مسلمان آپ کی ہمراہی یا علیحدگی میں اپنی قوم سے چھپکر پہاڑ کے غاروں یا کسی گھاٹی میں نماز پڑھ لیتے تھے۔

ابوطالب کو شروع میں یہ حال معلوم ہوچکا تھا کیونکہ ایک مرتبہ سیدنا محمد صلے اللہ علیہ وسلم حضرت علیؓ کو ساتھ لئے نماز کو جارہے تھے کہ ابوطالب نے دیکھا اور پوچھا کہ بھتیجے یہ کون مذہب ہے جسپر تم چلتے ہو۔ آپ نے

جواب دیا کہ یہ خدا کا اس کے فرشتوں کا اور پیغمبروں کا اور ہمارے دادا ابراہیمؑ کا مذہب ہے اللہ نے مجھے پیغمبر بنایا ہے کہ اس کے بندوں کے پاس جاؤں اور ان کو حق کی طرف بلاؤں (میرے چچا تم سب سے زیادہ مستحق ہو پس چاہئے کہ تم سب سے پہلے حق کو قبول کرو اور اس کے پھیلانے میں میری مدد کرو ابوطالب نے کہا کہ میں اپنے باپ دادا کے مذہب کو چھوڑ نہیں سکتا لیکن قسم ہے خدا کی جبتک میں زندہ ہوں کوئی تم کو ضرر بھی نہیں پہونچا سکتا پھر ابوطالب نے اپنے بیٹے علیؓ کی طرف متوجہ ہو کر دریافت کیا کہ تمہارا مذہب کیا ہے؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا ہوں اور اسی کے ہمراہ جاتا ہوں ابوطالب نے کہا جاؤ اس کے پیچھے رہو وہ بھلائی کے سوا برائی کی طرف نہیں بلائیگا۔)

تین برس بعد آیت کریمہ وانذر عشیرتك الاقربین کا نزول ہوا جس سے آپ کو حکم ہوا کہ اپنے قریب تر رشتہ داروں کو عذاب الٰہی سے ڈرائیں اور توحید کا مسئلہ سمجھائیں۔

چونکہ آپ اپنی ہٹ دھرم قوم کی سرکشی و ناعاقبت اندیشی سے اچھی طرح واقف تھے اس لئے گو تعمیل حکم میں پس و پیش نہ ہوا تاہم بشری حیثیت سے آپ کی طبیعت گھبرائی اور خیال ہوا کہ دیکھئے اس اطلاع و تبلیغ کا کیا انجام ہو آپ نے حضرت علیؓ سے حالت ظاہر کی اور سامان ضیافت مہیا کر کے سرداران قریش کی دعوت کر دی۔

آپ کے قریبی رشتہ دار عباسؓ، ابولہب، ابوجہل، عبد المطلب وغیرہم تقریباً چالیس نفر شریک طعام ہوئے اور وہ کھانا جو صرف ایک آدمی سیر ہو کر کھا سکتا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے چالیس آدمی کو کافی ہو گیا فراغت کے بعد آپ نے حرف مطلب زبان پر لانیکا ارادہ ہی کیا تھا کہ ابولہب یہ کہہ کر بھائیو! محمدؐ نے کھانے پر جادو کر دیا کھڑا ہو گیا اور ان ہی باتوں کا سلسلہ شروع کر تا لوگوں کو اٹھا لیگیا اس طرح جلسے کے منتشر ہونے پر ع

دل کی دل ہی میں رہی بات نہ ہونے پائی

آپ نے چند روز بعد دوسری مرتبہ سامان ضیافت فراہم کیا اور پھر صنادید قریش کو مدعو کیا اس مرتبہ بھی وہ لوگ کھانا کھانے آئے اور سیر ہونے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس طرح سلسلہ سکوت کو توڑا کہ اے بنی عبد المطلب اللہ کے اس وسیع ملک عرب میں ابتک مجھ سے بہتر دین اور دین اسلام سے بہتر آئین لیکر کوئی فرد بشر نہیں آیا میں اللہ رب العزت کا وہ فرمان لیکر آیا ہوں جو تمھاری دینی ضروریات کو حاوی اور تمھاری آخرت کی بہبودی کو کافی ہے مجھکو اللہ کا حکم ہے کہ وہ بہتر طریقے تمکو سکھاؤں۔ دیکھئے تم میں کون اس سعادت کو حاصل کرتا اور میرا کہا مان کر اللہ کا پیارا اور اللہ کے رسول کا مددگار بنتا ہے؟

(یہ نصیحت کے سیدھے سیدھے کلمات درحقیقت انصاف پسند طبیعت میں اثر کرنیوالے تھے لیکن ازلی بدبخت ابولہب

نے قہقہہ مارا اور یہ کہکر کہ ابو طالب تمہارا بھتیجا جو تم کو بیٹے سے زیادہ عزیز ہے تمھیں کہتا ہے کہ میری اطاعت کرو۔ میرے تابعدار بنجاؤ" مذاق اڑانا شروع کیا۔ دوسرے لوگوں نے بھی اس کا ساتھ دیا اور یہ لوگ حق بات کا مخول بنانے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تعجب اور حیرت کی نظر سے ایک ایک کو تکتے تھے اور اُدھر فرمایشی قہقہہ اڑ رہا تھا۔

غرض وہ لوگ کھڑے ہوگئے اور ابو طالب پر آوازے کستے وہاں سے روانہ ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر پر انقباض پیدا ہوا یہانتک کہ فاصدع بما تومر سے پھر آپ کو علی الاعلان تبلیغ اسلام کا حکم ہوا اور آپ کوہ صفا پر جا چڑھے۔ جس وقت کوئی قومی یا ملکی مشکل کام پیش آتا تھا تو خیر خواہ قوم کسی اونچی جگہ چڑھکر چیختا اور لوگوں کو بآواز بلند پکار کر یکجا جمع کرتا اور جو کچھ کہنا ہوتا تھا کہدیا کرتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوہ صفا پر چڑھنا بھی عرب کے اسی عام دستور کے مطابق تھا چنانچہ آپ نے اس کی چوٹی پر "اے جماعت قریش" اے بنی فہر" اے بنی غالب" اے بنی لوئی" اے بنی عدی" کہکر عرب میں ہل چل ڈالدی اور آپ کی اس آواز پر سب چھوٹے بڑے کوہ صفا کے چاطرف آجمع ہوئے اور آپ نے اس طرح وعظ شروع کیا۔

اے باشندگان عرب اور اے سرداران قریش اگر میں تم سے کہوں کہ اس پہاڑ کی پشت پر اونچے اونچے پتھروں سے چھپا ہوا تمہارا مخالف لشکر اس تاک میں بیٹھا ہوا ہے کہ موقع پاکر حملہ آور ہو اور تمکو ہلاک و برباد کردے تو کیا تم میری بات سچ سمجھوگے؟ چارطرف سے آواز آئی کہ بیشک بیشک اے محمد ہم تمھاری بات کا یقین کریں گے اس لئے کہ بارہا تجربہ کے بعد یہ بات علم الیقین ہوچکی کہ تم جھوٹ بولنا ہی نہیں جانتے یہ سُنکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا سُنو تمہارے پیچھے سخت عذاب آنیوالا ہے میں تمکو جلد آنیوالی تباہی سے ڈراتا ہوں اور وہ آنیوالی مصیبت اللہ پر ایمان لائے بغیر ٹل نہیں سکتی اس عذاب سے تمہارے ہاتھوں کے گھڑے ہوئے بُت تمکو کسی طرح نہیں بچا سکتے۔ ان پتھر کی مورتوں میں ہرگز قابلیت نہیں کہ انسان جیسا اشرف المخلوقات اپنے باعزت حصہ یعنی پیشانی کو انکے سامنے جھکائے ناک رگڑے اُن کو دعاؤں کا سننے والا مرادوں کا پورا کرنے والا سمجھنا محض کوتاہ بینی اور حماقت ہے اللہ جل جلالہ کو ایک سمجھو میں اللہ کا رسول ہوں مجھکو برحق مانو شرک و بت پرستی سے توبہ کرو تاکہ آخرت کی کٹھن منزل بسہولت طے ہو اور قادر مطلق کے ناقابل برداشت عذاب سے چھٹکارا ملے۔

حاضرین یہ سُنکر ہنس پڑے کوئی ترش رو ہوا اور کسی نے قہقہہ مارا ابو لہب گستاخ نے غصہ میں جواب دیا کہ تبا لک الهذا دعوتنا یعنی اے محمد تم ہلاک ہو اسی لئے ہم کو بلایا تھا" اسی گستاخانہ کلمہ کے جواب میں سورہ ابولہب نازل ہوئی۔

ابولہب تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رشتہ کا چچا لیکن اس مذہبی مخالفت کے باعث آپ کا جانی دشمن ہوگیا تھا اسکو اس کی تونگری و سرداری نے انتہا درجہ کا مغرور اور بدمزاج بنادیا تھا اس کی سختی روز بروز بڑھتی جاتی تھی اس کی عداوت یوماً فیوماً زیادہ ہونیکا باعث ایک یہ بھی تھا کہ اسکی بی بی ام جمیل ابوسفیان کی بہن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خون کی پیاسی تھی اس کی ہمیشہ کوشش تھی کہ زن مرید شوہر کی آتش عداوت کو شعلہ زن کرتی رہے اور محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کا علی الاعلان جھنڈا نصب کرکے جس طرح بن پڑے اس نئے دین کا گلا گھونٹ دے یہی وہ کمبخت ہے جس نے آنحضرتؐ کے راستہ میں کانٹے بچھائے تاکہ آپ شب کے وقت آتے جاتے ان سے ایذا اٹھائیں۔

ایک دقت یہ بھی تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں یعنی ام کلثوم اور رقیہ کی شادی ابولہب کے دونوں بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کے ساتھ زمانہ رسالت کے پیشتر کمسنی ہی میں ہو چکی تھیں اور ان بے زبان نبی زادیوں پر اس نجس گھر میں جو سختیاں ہوتی تھیں وہ پیارے باپ کو زیادہ صدمہ پہونچانیوالی تھیں۔

علی الاعلان وعظ کے سننے سے عام مخالفت کی آگ بھڑک اٹھی اور ام جمیل نے ابولہب کو مشورہ دیا کہ اپنی دونوں بہوؤں کو گھر میں رکھنا نہیں چاہتی مناسب ہے کہ عتبہ اور عتیبہ اپنی بی بیوں کو طلاق دیکر محمدؐ کو صدمہ پہونچائیں چنانچہ عتبہ اور عتیبہ نے والدین کی اطاعت کی اور اس طرح حضرت ام کلثومؓ اور حضرت رقیہؓ مطلقہ ہوکر اپنی والدہ ام المومنین حضرت خدیجہ کے پاس آگئیں۔

درحقیقت اس میں اللہ کی بڑی مصلحت تھی کیونکہ اس صورت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان تکالیف و آلام سے آرام ملگیا جو آپ کو معصوم بچیوں کی طرف سے اٹھانے پڑتے تھے یہ دونوں صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے حضرت عثمانؓ بن عفان کے نکاح میں آئیں اور اسی امر نے خلیفہ سوم کو ذوالنورین کا خطاب دیا۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے برملا بتوں کا ضعف و عجز اور بت پرستوں کی کوتاہ نظری و حماقت بیان کرنی شروع کی تو آپ کی قوم بھی علانیہ آپ کی مخالفت کرنے لگی آپ کو کعبہ میں وعظ کہنے سے روکدیا اور آپ کو ہر طرح پر ایذا پہونچانے کے درپے ہوئے لیکن ابوطالب آڑے آتے اور آپ کو شریر کافروں کی دست درازی سے ہمیشہ بچاتے رہے۔

ایک مرتبہ ربیعہ کے دونوں بیٹے عتبہ اور شیبہ ابوالبختری بن ہشام اسود بن مطلب۔ ولید بن مغیرہ ابوجہل بن ہشام۔ عاص بن وایل اور حجاج کے دونوں بیٹے نبیہ اور منبہ مع ان عوام الناس کے جو ان کے ہمخیال و ہم زبان تھے ابوطالب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اے ابوطالب ہم لوگ تمہاری عمر اور تمہارے درجہ کی تعظیم کرتے ہیں لیکن آخر ہماری تعظیم کی کوئی حد بھی ہے۔ ہم سے نہیں ہوسکتا کہ تمہارا بھتیجا ہمکو اور ہمارے بیہودہ

بُرا کہے اور ہمارے باپ دادوں کو گالیاں دے، گمراہ بتلائے اور ہم خاموش بیٹھے سنتے جائیں تم اس کو ان باتوں سے روکو نہیں تو اس کو ہمارے حوالے کر دو اور تم کچھ نہ بولو تاکہ ہم اپنا بدلہ لیکر دل کی سوزش رفع کریں " ابو طالب نے ملائم الفاظ اور اخلاق کے لفظوں سے کام لیکر ان کو ٹالا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی تن دہی سے اپنا فرض منصبی ادا کرتے رہے

ازلی بدبخت اسلام کے دشمن ہر وقت مختلف تدبیریں سوچتے رہے۔ جگہ جگہ کمیٹیاں ہونے لگیں زبان زبان پر یہی ذکر پھیل گیا اور اب کوئی گھر یا کوئی جگہ ایسی باقی نہیں رہی جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کا تذکرہ نہ ہو۔

(یہ لوگ جھنڈ کے جھنڈ دوبارہ ابو طالب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اے ابو طالب اب محمدؐ کی زبان درازی حد سے گذر گئی تم باوجود اس کے مخترعہ مذہب اسلام کے مخالف ہونے اور اپنے آبائی دین یعنی لات وعزیٰ کی تعظیم اور بت پرستی کے عقیدے پر مستحکم ہونے کے ہمارے ہمخیال نہیں ہوتے ہم پھر کہتے ہیں کہ تم اپنے بھتیجے کو روکو نہیں تو اس کے شریک ہو جاؤ تاکہ اس کا تصفیہ جنگ سے ہو جائے اور معاملہ یکسو ہو۔)

یہ کہکر وہ لوگ تو چلے گئے اور ابو طالب کو عجیب تشویش پیدا ہو گئی نہ تو یہ اپنی قوم سے جدا ہو سکتے تھے نہ اپنے پیارے بھتیجے کو کفار کی بے رحمیوں کے حوالے کر سکتے تھے نہ اتنی طاقت تھی کہ بھتیجے کے موافق بنکر باشندگان عرب کا مقابلہ کریں آخر انھوں نے محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلا بھیجا اور نہایت فکر و یاس کے الفاظ میں قوم کی ساری تقریر کہہ سنائی اور کہا کہ اے محمدؐ تم اپنے مقصد سے باز آجاؤ۔

(سیدنا محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سمجھے کہ آج چچا کی نظر بدلی ہوئی اور ارادہ میری حفاظت سے ہاتھ اُٹھا لینے کا ہے لیکن اس سے آپ کے مضبوط ارادہ میں ذرا بھی جنبش نہیں آئی اور آپ نے نہایت استقلال سے جواب دیا کہ اے میرے چچا اگر کفار مکہ میرے داہنے ہاتھ میں آفتاب اور بائیں ہاتھ میں ماہتاب دیں اور مجھ سے اس کام کے چھوڑ دینے کو کہیں تب بھی میں اپنے ارادہ سے باز نہ آؤں گا میں اپنا کام نہیں چھوڑ سکتا میں اپنے مقصد سے ہٹنے والا نہیں ہوں یہانتک کہ اللہ جل جلالہ اپنے مقصد کو پورا کر دکھلائے یا میں اسی کوشش میں شہید ہو جاؤں آپ اگر میری حفاظت سے گھبرا گئے ہیں تو میرا معاملہ میری تقدیر کے حوالہ کیجئے اور آپ اپنے آرام میں خلل نہ آنے دیجئے۔)

تاہم آپ کو اپنے اس مہربان محافظ سے چھوٹنے کا افسوس ہوا جس کے کنار عاطفت میں آپ تیس برس سے کچھ اوپر گذار چکے تھے اس لئے آپ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور چچا کے پاس سے اسطرح اُٹھ چلے گویا یہ محبت بھری نظریں پلٹ گئیں اور یہ دینی خیالات اس سرسری ملاقات کو آخری ملاقات بنا چکے۔

ابو طالب کے قلب پر ایک چوٹ لگی اور آپ کو زور سے پکارا جب آپ واپس آئے تو کہا کہ اے میرے بھائی کے

بیٹے "جو کچھ تمہارا جی چاہے سو کہو اور کرو قسم ہے خدا کی میں تمکو نہیں چھوڑوں گا ہاں ہرگز نہیں چھوڑوں گا۔)

قریش نے تیسری مرتبہ ابو طالب سے پھر استدعا کی کہ محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عوض میں مخزومی خوبصورت جوان عمارہ بن ولید کو متبنی بنانا قبول کریں لیکن ان کی کوشش نے نتیجہ کچھ نہ دکھایا اور ابو طالب نے یہ جواب دیکر کہ "واہ میں اپنے پالے ہوئے بیٹے کو تمہارے حوالہ کروں تاکہ تم اس کا خون بہاؤ اور تمہارے لڑکے کی پرورش کا بار میں اٹھاؤں تاکہ موٹا تازہ میرے روپیہ سے ہو اور جوان تمہارا کہلائے" قریش کو اپنا بھی دشمن بنا دیا اور اب مخالفت کھلم کھلا ہونے لگی۔)

(ابوطالب قبیلہ بنی ہاشم کو ان کی خاص عظمت ان کا خیال دعزت ہمیشہ یاد دلاتے رہے تاکہ قریش ان کے خاندان کا ایک معزز امین اور ان کی برادری کے ایک بہادر اور منتخب شخص کو نہ قتل کرنے پائیں چنانچہ ایک ابو لہب کے سوا کل بنو ہاشم ابو طالب کے شریک حال رہے۔)

ہر روز قریش کا غصہ بڑھتا جاتا تھا اور گو شروع شروع میں ابو طالب کی وجہ سے سیدنا محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی جان پر کوئی حملہ نہ ہوا پھر بھی جو آفتیں صحابہ پر پڑیں نہایت خوفناک تھیں۔ جہاں سیدنا محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم عبادت میں مشغول ہوتے قریش ان پر پتھر پھینکتے نجاست ڈالتے اور جب آپ کھانا کھاتے کھانے میں گرد ڈالتے تھے۔ کعبہ کے پاس آپ کو نماز پڑھنی سے روکدیا غرض ستانے میں ان لوگوں نے کوئی دقیقہ باقی نہیں اٹھا رکھا آپ کو سجدہ کی حالت میں ایذا زیادہ دیجاتی تھی جسم مبارک پر نجاست ڈالی جاتی تھی۔ آپ کو شاعر۔ ساحر۔ کاہن۔ مجنون، پکارا جاتا تھا اور جو آپ کا رفیق بنکر اعانت کرتا تھا اس کے سر اور داڑھی کے بال پکڑ کر کھینچے جاتے اور اتنا مارا جاتا تھا کہ وہ بیہوش ہو جاتا تھا۔

باب (۱۹) ۵ھ نبوی

مسلمانوں کی ایذا رسانی اور حبشہ کی جانب ہجرت

اسلام کی شروع تاریخ میں ایسے درد انگیز حادثے بہت ملیں گے جن کو سنکر یا پڑھ کر رونگٹا کھڑا ہوتا اور آٹھ آٹھ آنسو رونا آتا ہے قریشی جس عورت یا مرد کو تارک بت پرستی پاتے اس کو بالو کے میدان میں نکالدیتے اور ہر طرح سے بھوک پیاس کی تکلیف دیتے اور ان سے کہتے تھے کہ یا بت پوجو یا ملک عدم کی راہ لو"

ہم چند نو مسلم صحابہ کے حالات لکھنا چاہتے ہیں جس سے مختصراً اندازہ ہو سکتا ہے کہ یہ مقدس مذہب کس کس مصیبت سے پھیلا ہے اور اس کے پیشوا کیسے متحمل مصیبت برداشت اور اللہ کے نام پر جان نثار کرنے والے تھے۔

(مکہ کے متمول تونگر کافروں میں امیہ بن خلف جمحی بھی ایک تجارت پیشہ مالدار شخص تھا جس کو اللہ پاک نے ہر طرح فارغ البال اور نقدی و مواشی اور غلام باندیوں سے بہرہ یاب کر رکھا تھا اس کے پاس ایک حبشی غلام تھا بلال بن رباح

(بلال کی سلیم طبیعت نے گوارا نہ کیا کہ مذہب اسلام کے پاک اصول سننے کے بعد ہاتھوں کی بنائی ہوئی مورتوں کی پرستش کریں اس لئے سچے دل سے ایمان لاکر کلمہ پڑھ لیا۔ چونکہ اس زمانہ جہالت میں ہر کلمہ گو مسلمان صابی (دین سے پھر جانیوالا) کہا جاتا تھا اس لئے امیہ کو خبر لگی کہ آج بلال حبشی بھی صابی ہو گیا۔)

امیہ کے تن بدن میں آگ لگ گئی اور اس نے نہایت غصہ میں بلال کو بلا کر کہدیا کہ "او کمبخت یا تو اس نئے مذہب سے توبہ کر ورنہ اپنے آپ کو تکلیفوں کا تختۂ مشق بنانا قبول کر" بلال کا ایمان ایسا نہ تھا کہ دھمکیوں میں اڑ جاتا اس لئے صاف انکار کر دیا اور کہدیا کہ میں سیدنا محمد صلعم کا اتباع نہیں چھوڑ سکتا۔ امیہ نے اپنے غلاموں کو حکم دیدیا کہ دوپہر کے وقت جب دھوپ تیز ہو جایا کرے تو بلال کو بالو کے میدان میں بدن پر ببول کے کانٹے چبھو کر کبھی منہ کے بل اور کبھی پیٹ کے بل لٹاؤ اور سینہ پر ایک بھاری جھلستا ہوا پتھر رکھدو چاروں طرف آگ سلگا دو اور اس سے کہدو کہ پتھر اپنی جگہ سے ہلنے نہ پائے یہاں تک کہ وہ مرجائے یا محمدؐ کا کفر کرے دن کی اس ایذا ہی پر اکتفا نہ کیجائے بلکہ شب کو زنجیروں میں جکڑ کر تنگ و تاریک حجرے میں بند کرو۔ اور باری باری کمر پر دُرّے لگاؤ تاکہ زخمی ہو جائے اور یہ زخم اگلے دن دھوپ کی تپش میں زیادہ تکلیف پہونچائیں۔

امیّہ ظالم کا حکم ایسا نہ تھا جس کی تعمیل نہ کیجاتی اگلے ہی دن سے بلال حبشی پر اس ظالمانہ کارروائی کا عمل شروع ہو گیا اور متواتر کئی دن اس حالت سے گذر گئے۔

بلالؓ کی زبان سے احد احد نکلتا تھا اور کوئی صورت نہ تھی کہ کفر کا کلمہ بولنے کی جرات ہو ورقہ بن نوفل کا ایکبار اسی حالت میں بلال پر گذر ہوا اور وہ یہ حالت دیکھکر تھرّا اٹھے کہنے لگے کہ بخدا سچ ہے اے بلال اَحد اَحد کے سوا کوئی نہیں

ابوبکر صدیقؓ بھی چونکہ متمول قریش اور مشہور تاجر تھے اس لئے ہم ہمیشہ تجارت کو دینی حیثیت میں مخالفت تھی تاہم آبرو اور وقعت وہی قائم تھی جو اسلام لانے سے پہلے تھی حضرت صدیقؓ کو خبر لگی کہ بلالؓ حبشی محض اسلام کے باعث سخت تکلیف میں مبتلا ہے اس لئے امیہ کے پاس آئے اور اول اسلام کی خوبیاں بیان کیں اس کے بعد سلسلہ گفتگو میں بلالؓ کا ذکر چھیڑا اور کہدیا کہ اگر تم اس کو مجھے دینا پسند کرو تو میرے غلاموں میں سے جس غلام کو پسند کرو اس کے عوض میں دے سکتا ہوں۔ امیّہ دل سے چاہتا تھا کہ بلالؓ علیحدہ ہو اور ابوبکرؓ کا کوئی سمجھدار ذی ہوش غلام ہاتھ لگے اس لئے فوراً منظور کر لیا اور ابوبکر صدیقؓ نے قسطاس رومی غلام کو معہ چالیس اوقیہ امیّہ کے حوالہ کیا اور بلالؓ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لاکر لوجہ اللہ آزاد کر دیا۔

جن دنوں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم دامن کوہ صفا میں ارقم بن ابی ارقم کے گھر تشریف فرما تھے اور کچھ اوپر تیس آدمی ایمان لا چکے تھے حضرت عمار مع اپنے والدین یعنی یاسر اور سمیہ کے اسلام سے مشرف ہوئے۔ عمار قوم بنی مخزوم کے حلیف تھے

ایمان لائے پیچھے ان کے ساتھ اس کارروائی کا معمول ہوگیا کہ چاشت کے وقت ان کو ریگستان میں نکالا جاتا اور رمضاً پہاڑی کی لُو اور گرم ہواؤں کی تپش سے ان کو جُھلسا جاتا تھا۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادھر گذر ہوتا تو آپ کے قلب پر ایک صدمہ گذرتا تھا لیکن کیا کر سکتے تھے یہ فرما کر کہ اے "آل یاسر صبر صبر" چلے جاتے تھے یہانتک کہ حضرت یاسر اس تکلیف کے متحمل نہ ہوسکے اور چند دن بعد اسی حالت میں انتقال کر گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

(عمار کی والدہ حضرت سمیہ اپنے خاوند کے انتقال کے بعد اس سخت مصیبت کی شریک رہیں یہانتک کہ ایک مرتبہ ابوجہل کا اس طرف گذر ہوا اور اس کی ناز یبا گفتگو پر حضرت سمیہ نے سخت کلامی سے کام لیا ابوجہل نے جھلا کر اس مظلومہ بیکس کی پیشاب گاہ میں برچھی ماری اور حضرت سمیّہ نے روح اپنے مولیٰ کے حوالہ کی۔

(اب ایک عمار کا دم صدمہ اٹھانے کو باقی رہگیا اور ان کے ساتھ روزانہ نئی تکلیف کے سامان پیدا ہونے شروع ہوئے کبھی بالو کے میدان میں ان کو لٹایا جاتا تھا کبھی سخت گرم پتھر آگ جیسا سُرخ انکی چھاتی پر رکھا جاتا اور کبھی ان کو ندی یا نالے میں ڈبویا جاتا اور گہرے پانی میں اُچھالا جاتا تھا اور کہا جاتا تھا کہ "یا محمدؐ کا انکار کرو یا ملک عدم کی راہ لو"۔

عرصہ تک یہ ان تکالیف کو برداشت کرتے رہے لیکن کہاں تک آخر تقیہ کرنے کی نوبت آئی اور یہ ظاہری اجرا کلمہ کفر پڑھ کر فرنگ ہاتھ سے نجات پاکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور زار زار رونے لگے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے آنسو پوچھے اور تسلی دیکر فرمایا کہ "کیا ہوا ایسے موقعہ پر زبان سے اجرا کلمۂ کفر جائز ہے اسی وقت اللہ پاک نے اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ وَقَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِیْمَانِ نازل فرما کر اطمینان دلایا کہ جو شخص کسی جبر کے باعث زبان سے کفر کا کلمہ کہدے اور قلب اس کا ایمان سے مطمئن ہو تو اس میں کچھ قباحت نہیں۔

خباب بن ارت جنکو قوم ربیعہ کے چند ظالم ظلماً پکڑ لائے اور غلام بنا کر مکہ میں سباع بن عبد العزیٰ خزاعی کے ہاتھ بیچ گئے تھے اور یہ خفیہ مسلمان ہوگئے تھے۔

کافران کو رمضا پہاڑ پر لیجاتے اور ننگا کر کے اس پر لٹاتے اور آگ میں خوب گرم کئے ہوئے پتھر سے دماغ اور تمام بدن کو داغتے تھے یہ ان مصیبتوں کو جھیلتے اور خاموش پڑے اللہ اللہ کئے جاتے تھے یہانتک کہ ہجرت کا وقت آیا اور یہ ضعیف مسلمانوں کے ساتھ مکہ کو چھوڑ کر حبشہ چلے گئے۔

صہیبؓ بن سنان رومی بھی اسی مصیبت میں گرفتار تھے جس وقت ہجرت کرنے لگے تو قریش نے روک لیا اور کہا کہ ہمارا غلام ہماری بلا اجازت کیونکر جا سکتا ہے اس پر انھوں نے اپنا سارا مال فدیہ میں دیکر پیچھا چھڑایا۔

اور ان مصیبتوں سے نجات پائی جو اُن کو مکہ میں کافروں کے ہاتھوں پیش آتی تھیں۔

عامرؓ بن فہیرہ کو اسی حالت میں پاکر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خرید لیا اور لوجہ اللہ آزاد کر دیا۔ ابو فکیہہؓ امیہ بن خلف کے بیٹے صفوان کے غلام حضرت بلال حبشی کے ساتھ خفیہ ایمان لائے تھے۔ امیہ نے مطلع ہونے پر حکم دیا کہ اس کے پاؤں میں رسی باندھو اور گھسیٹتے ہوئے رمضا پر لیجاؤ۔ پتھروں کنکروں سے ان کا سر ٹکراتا تھا اور ظلم پسند جابر سخت دل ان کو مردہ جانور کی طرح گھسیٹتے لئے جاتے تھے۔ رمضا پہاڑ پر لٹا کر سینہ پر گرم پتھر رکھدیا گیا۔ زبان منہ سے باہر نکل پڑی اور ہر چند لوگوں نے کہا کہ لات و عزیٰ پر ایمان لاؤ مگر یہی کہتے رہے کہ میرا اور تمہارا اور ساری مخلوق کا پروردگار تو اللہ ہے۔

ایک مرتبہ امیہ اپنے بھائی ابی بن خلف کی ہمراہی میں اُن کے پاس گیا اور کفر کرانا چاہا لیکن انھوں نے زبان سے کلمہ توحید ہی نکالا جس پر ان کا دل مستحکم ہو چکا تھا۔ اُبی نے کہا کہ بھائی صاحب یہ کمبخت باز آنیوالا نہیں ہے رسی کا پھندا اسکے گلے میں ڈال کر جھٹکا دلوائیے اور تکلیف بڑھاتے رہا کیجئے یہانتک کر اس کا آقا محمد اپنی جادو کے زور سے اس کو چھڑا لیجائے چنانچہ اس کے حکم کی تعمیل ہوئی اور ان کا گلا یہاں تک گھونٹا گیا کہ لوگوں کو ان کے مرجانے کا یقین ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ادہر گذر ہوا اور امیہ کو خاطر خواہ قیمت دیکر انھیں خرید لیا اور اللہ واسطے آزاد کر دیا۔

بہتیری بیکس عورتیں اور بے زبان باندیاں بھی انھیں مصیبتوں میں گرفتار تھیں زنیرہ بنی مخزوم کے قبضہ میں دولت اسلام سے مشرف ہوئیں اور ابوجہل نے ایذا رسانی شروع کی یہانتک کہ ان کی آنکھیں جاتی رہیں اور ابوجہل نے طعنہ دیا کہ دیکھ لات و عزیٰ نے تیری آنکھیں چھین لیں۔ زنیرہ یہ کہکر کہ "لات و عزیٰ کو تو یہ بھی نہیں معلوم کہ ان کی کون پرستش کرتا ہے میرا سچا معبود بینائی دوبارہ دینے پر بھی قادر ہے" چپ ہو رہیں اللہ کی شان صبح ہوتے ہی آنکھوں کا نور آنکھوں میں آگیا۔ اور زنیرہ بھلی چنگی جیسی بینا تھیں ویسی ہو گئیں۔ ابوجہل بولا کہ محمد کا جادو چل گیا۔ غرض لبینہ، ام عبیس، نہدیہ اور بہتیری عورتیں کافروں کے ہاتھوں میں پڑی ہوئی مصیبتوں کا نشانہ اور تکالیف کی تختہ مشق بنی ہوئی تھیں۔

یوں تو عداوت و مخالفت کی آگ عام طور پر بھڑکی ہوئی تھی لیکن جسقدر ایذا رسان ابولہب، اسود بن عبد یغوث، احرث بن قیس، ولید بن مغیرہ، امیہ بن خلف، اُبی بن خلف، ابو قیس عاص بن وائل، نضر بن حارث، ابوجہل بن ھشام۔ حجاج کے دونوں بیٹے بنیہ و منبہ، زہیر بن

ابی امیہ، عقبہ بن ابی معیط، اسود بن مطلب تھے۔ دوسرے اس قدر نہ تھے ان کو بغیر مسلمانوں پر صدمہ یا رنج پہونچائے کھانا ہضم نہ ہوتا تھا اُن کے خیالات اُن کے ارادے اُن کے منصوبے رات دن یہی تھے کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل یا جلا وطن کر دیا جائے اور ان کے ساتھیوں کو ایذائیں پہونچا کر یا تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دشمن اور اپنا ہمخیال بنالیا جائے یا ملک عدم پہونچا دیا جائے۔

جب سیدنا محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ کافروں کی ایذا رسانی ضعیف مسلمانوں کی دن بدن زیادہ ہی ہوتی جاتی ہے تو آپ نے اہل ایمان کو ہدایت کی کہ جب تک قریش کا دل بہتری اور بھلائی کی طرف مائل نہ ہو تب تک ملک حبش میں جاکر رہو وہاں کا حاکم گو نصرانی ہے لیکن نہایت رحمدل حق شناس علم دوست سنا گیا ہے چنانچہ حضرت عثمانؓ مع بیوی یعنی آنحضرت کی صاحبزادی حضرت رقیہ کے اور ابو حذیفہ بن عتبہ مع بیوی یعنی سہیلہ بنت سہیل کے اور زبیر بن عوام وغیرہ قریب پندرہ آدمیوں کے ماہ رجب ۵ھ نبوی مطابق ۶۱۵ء عیسوی میں ملک حبش کی طرف چلے گئے یہی اسلام کی پہلی ہجرت کہلاتی ہے۔

ان لوگوں کو حبشہ گئے ہوئے تیسرا مہینہ تھا کہ انہاں ان کو خبر لگی کہ اہل مکہ مشرف باسلام ہوگئے اور اب شہر مکہ دارالکفر نہیں رہا اس خبر کے سنتے ہی یہ لوگ وہاں سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے لیکن ان کو اپنے خیال کی غلطی اور اس بازاری خبر کی تکذیب اس وقت ہوئی جبکہ وہ مکہ کے قریب پہونچ چکے تھے اور اب اُلٹے پاؤں پھرنا آسان نہ تھا۔

یہ وقت عجیب پریشانی کا تھا نہ واپس ہوئے بن پڑتا تھا نہ مکہ میں داخل ہوئے آرام کا خیال تھا۔ تاہم مکہ میں آنا ہی سہل سمجھا گیا لیکن اتنا ضرور ہوا کہ جو کوئی بھی مکہ میں گھسا وہ کسی دوست یا عزیز یا رشتہ دار کی پناہ میں امن کا طالب ہو کر تاکہ اس کے جوار اور اس کے ذمہ کا لحاظ کیا جائے اور بیچارے بھوکے پیاسے مصیبت زدہ بندگان خدا کو ایذا نہ پہونچائی جائے۔

کفار کی ایذا رسانی کا معیار اسی حالت پر قایم تھا اسلام لانیوالوں کو کپڑوں کی جگہ لوہے کی زرہیں پہنا کر دھوپ میں کھڑا کیا جانے اور گردنوں میں رسیاں ڈلوا کر بچوں کے ہاتھوں گلی کوچوں میں گھسیٹا جانے لگا نماز کا پڑھنا کلام مجید کی تلاوت کرنی خفیہ طور پر بھی مشکل اور دشوار ہوگئی اس لئے دوبارہ پھر مسلمانوں نے حبشہ کا راستہ لیا اور اس مرتبہ ہے یکے بعد دیگر اکثر مسلمان مکہ چھوڑ گئے یہاں تک کہ بیاسی یا تیراسی مرد اور اٹھارہ عورتوں نے حبشہ کو جائے پناہ بنایا۔

باب (۲۰)

نجاشی شاہ حبشہ کا اسلام

جب سنگدل کافروں نے دیکھا کہ ان مسلمانوں کو اچھی پناہ ملگئی جو مسلمان

ہوتا ہے وہ حبشہ جا آباد ہوتا ہے۔ اگر یہی حال رہا تو اسلام ترقی پکڑ جائے گا اور ہمارے شکار مفت ہمارے پنجہ سے نکلتے رہیں گے اس لئے اس تدبیر میں مصروف ہوئے کہ کسی طرح حبشہ دار الامن نہ رہے اور مسلمان بذلت و خواری حاکم ہی کے حکم سے وہاں سے نکلے جائیں تاکہ ہمکو آوازے کسنے اور دل کی بھڑاس نکالنے کا موقع ملے کفار مکہ نے کمیٹی میں اس خیال کو پیش کیا اور سبکی رائے سے یہ منصوبہ پختہ ہو گیا۔

عمرو بن عاص اور عبد اللہ بن ابی امیہ قریش کی طرف سے حاکم وقت شاہ حبشہ اور ارکین دولت کے لئے بہت کچھ تحفے تحائف ساتھ لیکر حبشہ آئے اور وہ بیش قیمت ہدیئے ان اراکین سلطنت کی نذر گذرانے جن کی وساطت سے بارگاہِ سلطانی میں کامیابی کی امید وابستہ تھی اور نہایت ادب سے عرض کیا کہ یہ بددین بیوقوف لوگ جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں گو رشتہ میں ہمارے بھائی بند ہیں لیکن ایک بیہودہ مذہب کے موجد اور محض لغو باتوں کے قائل ہو کر چاہتے تھے کہ ہم شرفا قوم اُن کے تابعدار ہوں اور جب ہماری طرف سے مایوس ہو گئے تو مقدس مذہب عیسویت پر حملہ کرنا چاہتے ہیں ان کا مخترعہ دین نہ ہمارے اصل دین کے موافق ہے نہ آپ لوگوں کے پاک اصول سے ملتا اور نصرانیت کی تائید کرتا ہے۔ آپ ہمارے ان فراری مجرموں کو یہاں سے جلاوطن کرا دیں اس لئے کہ شاہی حکم سے ان کا ہمارے قبضہ میں آجانا شاید ان کی حالت سنوار دے ارکین سلطنت نے ان کی موافقت کی اور کامیابی کی امید دلا کر مطمئن بنا دیا۔ صبح کو حبشہ کا بادشاہ جس کا نام اصحمہ اور لقب نجاشی تہا جس وقت دربار میں بیٹھا تو قریش کے تحفوں کے ساتھ سفیران قریش کی درخواست بھی پیش ہوئی اور منصف مزاج نجاشی یہ کہکر کہ "جو لوگ میرے انصاف و رحمدلی کی امید پر اپنا مالوف وطن چھوڑ کر میرے ملک میں آ آباد ہوئے میں ان کو ہرگز نہیں نکال سکتا" امور سلطنت میں مشغول ہو گیا البتہ اتنی امید دلائی کہ ہر دو فریق کی گفتگو جس وقت بالمواجہ ہو گی تو معلوم ہو جائے گا کہ کون حق پر ہے

غرض مہاجرین مسلمین کے پاس شاہی حکم پہونچا اور تمام مسلمان یہ خیال پختہ کرکے کہ جو کچھ بھی ہو سچ بولنا بہتر ہے دربار میں آموجود ہوئے۔ اس وقت مسلمانوں کا دربار میں آنا نرالی ادا اور سیدھے سادے طریقہ پر اہل دربار کے بالکل ناپسند تھا۔ کیونکہ نہ ان لوگوں نے شاہی آداب کو ملحوظ رکھا نہ بادشاہ کو سجدہ کیا نہ تخت کو بوسہ دیکر عاجزی و تذلل کا اظہار بلکہ محض اسلامی قاعدے پر سلام کرکے جہاں جگہ پائی بیٹھ گئے۔

شاہی مصاحبوں میں سے ایک ندیم آگے بڑھا اور مسلمانوں کو مخاطب بناکر پوچھا کہ تم بے ادب گنواروں نے جہاں پناہ کو سجدہ کرنے کی تعظیمی رسم کو کیوں نہیں ادا کیا؟ مسلمانوں میں سے حضرت جعفرؓ طیار آگے بڑھے اور دلیرانہ اسلامی قوت سے جواب دیا کہ ہم اللہ کے مسلمان بندے اس کی مخلوق کو سجدہ نہیں کرتے اس لئے کہ ہمارے پیغمبر کی ہمکو سب سے پہلی نصیحت

یہی ہے کہ اللہ کے سوائے کوئی قابل پرستش نہیں۔

اس صاف جواب نے حاضرین جلسہ کی طبیعتوں پر گو کیسا ہی اثر کیا ہو لیکن نجاشی کے دل پر وہ پاک اثر کیا جو درحقیقت انصاف پسند پاک دل پر ہونا چاہئے۔ نجاشی نے ایک وقعت کی نظر سے مسلمانوں کے گروہ کو دیکھا اور ترجمان کی معرفت محض امتحان کی غرض سے سوال کیا کہ وہ کونسا مذہب ہے جس کے لئے تم نے اپنے آبائی دین کو ترک کردیا اور نہ میرے مذہب کو قبول کیا نہ دوسروں کے؟

حضرت جعفر رض بن ابی طالب حضرت علی رض کے بھائی سب کی طرف سے وکیل بنکر آگے بڑھے اور جواب دیا کہ اے منصف بادشاہ! ہم لوگ جہالت کے دریا میں ڈوبے ہوئے تھے۔ ہم لوگ بتوں کو پوجتے تھے مردار کھاتے تھے جھوٹ بولتے اور زنا وفسق وفجور کو اچھا سمجھتے تھے انسانیت سے ناواقف تھے مسافر ومہمان نوازی کی رسم سے آگاہ نہ تھے ہم لوگ ظلم کے سوائے دوسرا قانون ہی نہ جانتے تھے کہ یکایک ہمارے مہربان پروردگار نے ہم پر رحم فرمایا اور ہماری شریف تر قوم میں ایک ہر دل عزیز شخص کو کھڑا کیا جس کی نجابت، سچائی، ایمانداری، نیک چلنی سے ہم سب لوگ اچھی طرح واقف ہیں۔ اسپر اللہ کا پاک کلام نازل ہوا اس نے ہمکو اللہ کی وحدانیت بتلائی شرک سے روکا بتوں کے پوجنے۔ امانت میں خیانت کرنے اور پڑوسیوں پر ظلم کرنے سے منع کیا اور کہا کہ کسی پر جھوٹی تہمت نہ دھرو یتیموں کا مال ظلماً نہ کھاؤ اُس نے یہ حکم کیا کہ گناہوں سے بچو نماز پڑھا کرو خیرات دو روزہ رکھو جھوٹ نہ بولو کسی کی غیبت نہ کرو انصاف کرو اور ہمیشہ ایک اللہ لاشریک کے قایل رہو۔ چونکہ ہم لوگ اس پر ایمان لے آئے ہمنے اس کو سچا پیغمبر سمجھا اس کی تمام ہدایتوں کو مان لیا اور شرک سے کنارہ کش ہوگئے اس لئے ہمارے ہموطن ہم لوگوں کے دشمن بن گئے ہمکو وہ لوگ صرف اس غرض سے تکلیف اور ایذا دیتے ہیں کہ ہم لوگ اللہ وحدہ کی عبادت چھوڑ کر ان کی کاٹھ کی مورتوں کو پوجنے لگیں ان لوگوں نے ہمکو یہاں تک ستایا اسقدر ایذا پہونچائی کہ آخر ہم لوگ مجبور ہوکر آپ کے ملک میں آئے ہمکو اپنا وہ وطن مالوف چھوڑنا پڑا جس میں ہم پیدا ہوئے بڑھے پھولے پھلے۔ ہم نے اپنے مال کی پروا نہ کی ہمنے اپنی جان کا خیال نہ کیا البتہ یہ بات کہ دین کا بھی خیال نہ کریں ہم سے نہیں ہوسکتا ہمیں گوارہ نہیں کہ جس آگ سے اللہ نے ہمکو نکال لیا ہم پھر اس میں آنکھوں دیکھتے کود پڑیں ہم یہاں صرف اس امید پر آئے تھے کہ منصف رحمدل بادشاہ کی رعایا بنکر ظالم بت پوجنے والوں کے شر سے محفوظ رہیں گے اور کافروں کے پنجۂ ظلم سے نجات ملے گی۔

نجاشی نے کہا کہ وہ کلام الٰہی جو تمہارے پیغمبر پر اللہ کی طرف سے نازل ہوا میں سننا چاہتا ہوں حضرت جعفر رض اسی وقت دوزانو ہو بیٹھے اور دردانگیز لہجے میں سورۂ مریم کی شروع آیتیں سنائیں نجاشی کا دل بھر آیا اور آنکھوں سے

آنسو ٹپ ٹپ گرنے لگے ارکین سلطنت پر بھی حالت طاری ہوئی اور سلطان حبش نے کہا کہ سبحان اللہ سبحان اللہ درحقیقت اس کلام کو انجیل شریف سے بہت مشابہت ہے میں ان لوگوں کو قریش کے حوالہ ہرگز نہیں کر سکتا۔

جب سفیران مکہ بے نیل و مرام دربار سے لوٹے تو عمرو بن عاص بولا کہ میں کل یہاں پھر آؤں گا اور دوسری چال چلوں گا اور گو اس کے رفیق عبداللہ بن ابی اُمیہ نے منع بھی کیا لیکن اسنے ایک نہ سُنی اور اگلے روز شاہی مراسم تعظیم ادا اور سجدہ کرنے کے بعد مؤدبانہ عرض کیا کہ جہاں پناہ یہ ہمارے فراری مجرم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں بھی گستاخی کرتے ہیں اس پر نجاشی نے مسلمانوں کو پھر بلایا اور دریافت کیا کہ عیسیٰ بن مریم کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے حضرت جعفرؓ نے جواب دیا کہ ہم وہی کہتے ہیں جو ہمارے پیغمبر ذی ہم سر کہا ہے یعنی هو عبد الله ورسوله وکلمة القاها الی مریم وروح منه یعنی وہ اللہ کا بندہ اور اُس کا پیغمبر ہے اور اس کا حکم ہے جو مریم کی طرف کہلا بھیجا تھا اور اس کی جانب سے خاص روح ہے۔

نجاشی نے کہا سچ ہے انجیل شریف کا بھی یہی مفہوم ہے اور گو علمائے نصاریٰ اس کے مخالف ہوں لیکن میرا جہانتک خیال ہے حق یہی ہے جو ان کی زبان سے نکلا مسلمانو! تم پر اور تمہارے رسول پر صد مرحبا بیشک وہ سچے نبی ہیں۔ درحقیقت محمدؐ وہی رسول ہیں جنکی تعریف میں نے انجیل شریف میں دیکھی اور پڑھی ہے عیسیٰ بن مریم کی بشارت پوری ہوئی بخدا اگر انتظام سلطنت میرے سپرد نہ ہوتا تو میں تم لوگوں کے ہمراہ ضرور چلتا اور اس پیغمبر آخر الزمان کی جوتیاں سر پر رکھتا آفتابہ لیکر وضو کراتا اور ان کی قدمبوسی اپنی نجات و بہبودی کا ذریعہ سمجھتا اس پر ارکین سلطنت میں ایک مخالفانہ جوش پیدا ہوا اور نجاشی نے بات ٹال کر سلسلہ گفتگو بدلدیا تاہم نجاشی کا اسلام مذکورہ بالا کلمات سے ثابت ہو گیا اور ان کے انتقال پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غائبانہ ان کے جنازہ کی نماز بھی پڑھی۔

• نجاشی نے قریش کے تحفے واپس کر دیئے اور کہدیا کہ جاؤ مجھ سے یہ امید ہرگز نہ رکھو کہ میں دینی معاملہ میں رشوت قبول کرونگا یا مال کے لالچ میں اللہ کے ان نیک مسلمان بندوں کو جو میرے رحم کی امید پر میری مملکت میں آرہے ہیں ظالموں کے حوالہ کردوں گا۔

سلطان حبش کی اس صاف نامنظوری پر سفیران مکہ بے نیل و مرام واپس ہوئے اور چند روز بعد نجاشی کو ایک اتفاقیہ غنیم سے مقابلہ کرنا پڑا جسکو چند ناعاقبت اندیش نصرانی نو وارد مسلمانوں کی نحوست سمجھتے تھے۔

مسلمانوں کو بھی اپنے رحم دل آقا کی اس تشویش سے ملال اور فکر تھا راتوں رو رو کر اللہ سے دعائیں مانگنے لگے بلکہ حضرت زبیر بن عوام کو لشکر کے ساتھ اس غرض سے بھیجدیا کہ ان کی وساطت سے جنگ کی خبریں باقی ماندہ مسلمانوں کو موصول ہوتی رہیں۔

سلطان حبش کا پلہ غیبی نصرت کے سبب بھاری تھا اس لئے چندہی روز میں خواطر خواہ کامیابی وفتحمندی کے ساتھ لشکر کی حبش میں واپسی ہوئی اور چاروں طرف خوشی کے نعرے اور شادی وخورمی کے شادیانے بجنے لگے۔ اس موقع پر نجاشی کی فتح سے جو خوشی خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں کو ہوئی ہوگی اس کا اندازہ ہر شخص کرسکتا ہے۔

درحقیقت حضرت جعفرؓ نے اپنے مذہب کے لوگوں کے لئے ایسی جرأت اور جوش سے بحث کی تھی جو بہت کم کسی نے کی ہوگی اب مسلمان حبش میں نہایت عزت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے اور کامل طمینان کے ساتھ اپنی معاش کے حصول میں جو سبب قایم کرنا چاہتے کرسکتے تھے۔

باب (۲۱)

اسلام کی حقانیت جس وقت مسلمان اپنے دشمنوں کی ایذارسانی کے سبب غیر ملک میں جا بسے تھے اس وقت بھی سیدنا محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نہایت دلیری سے اپنی جگہ قائم اور اسی مستعدی سے اپنی رسالت کے کام پر مستحکم تھے۔ ایسی نازک حالت میں جبکہ چارطرف مخالفت کے بادل اُمڈے چلے آتے ہوں بچہ بچہ جان کا دشمن اور خون کا پیاسا ہو بغض وعداوت کے شعلے بھڑک رہے ہوں متمول سردار قتل کے بار بار بیڑے اٹھاتے ہوں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے سچے ارادوں پر مستقل رہنا اپنی تنہائی کا خیال نہ کرنا اپنے معتقدین متوسلین کی آسائش کو مقدم رکھنا آپ معرض ہلاکت میں رہنا اور ساتھیوں کو دارالامن میں روانہ کردینا انصاف پسند طبیعت کو بتلا سکتا ہے کہ اسلام کیا چیز ہے اور کس استقلال کے ساتھ اس کے سچے اصول قایم اور پاک مسائل مروج ہوئے ہیں اس مقدس مذہب کا محافظ وحامی کون زبردست ذات تھی اور اس چمنستان توحید کا مالی کیسا باہمت متحمل بردبار عالی حوصلہ شخص تھا جس نے اس کے نیو لانے سینچنے اور بارور ہونے کی سعی میں باوجود قومی اعزاز مالی فراغت اور ذاتی نجابت۔ سیادت کے نتر اور ذلیل غلاموں کی بھی نازیبا گفتگو اور گالیاں سنیں عوام الناس کے طعنے تشنے کلیجہ میں برچھیاں لگاتے تھے اور یہ خیر خواہ قوم جان نثار اسلام آلشان کا بھلا چاہتا اور رحمدلی کا برتاؤ کرتا تھا۔ ایک دن کا ذکر ہے آپ حجرے میں بیٹھے تھے کہ ایک شخص عتبہ بن ربیعہ نامی آپ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے میرے بھائی کے لڑکے بیشک تم شرافت ولیاقت میں مشہور ہو لیکن افسوس تم نے ہم لوگوں میں تفرقہ ڈالدیا ہمارے گھروں میں جھگڑا پھیلا دیا تم ہمارے دیوتاؤں اور دیبیوں کو بُرا کہتے اور ہمارے باپ دادا کو گنہگار اور بددین مشرک ٹھیراتے ہو اس لئے ہم لوگ تم سے کچھ کہنا چاہتے ہیں تم اس پر غور کرو اور اس کو منظور کرلو۔ آپ نے فرمایا کہ اے ولید کے باپ کہو میں سنتا ہوں ولید نے کہا کہ اے میرے بھائی کے بیٹے اگر تم اپنی ان باتوں سے دولت پیدا کرنی چاہتے ہو تو ہم لوگ چندہ کرکے تمہارے لئے اتنی دولت

جمع کر سکتے ہیں کہ اس قدر ہم میں سے کسی امیر سے امیر قریشی کے پاس بھی نہ ہوگی اور اگر اس سے تم اپنی عزت اور نام چاہتے ہو تو ہم لوگ تمھیں اپنا سردار بنالیں کوئی کام تمہاری رائے کے ہرگز خلاف نہ کریں اور اگر تم ملک چاہتے ہو تو ہم تمھیں اپنا بادشاہ بنالیں اور اگر تم کو آسیب کا خلل ہے اور وہ بھوت جو تم پہ سوار ہے اس سے نہ اترے تو ہم لوگ روپیہ خرچ کر کے حکیم لائیں گے اور حاذق طبیب سے تمہارا علاج کرائیں گے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ مجھکو تمہارا روپیہ چاہیئے نہ تمھاری سلطنت درکار ہے نہ تمہارا جاہ وحشم میری نظر میں کوئی چیز ہے میں تمکو اللہ کا پیغام پہنچاتا ہوں یہ کتاب رحمٰن الرحیم کی اُتاری ہوئی ہے اس کے دلائل صاف صاف ہیں یہ ایک قرآن ہے جس کی زبان عربی ہے یہ سمجھ والوں کے لئے ہدایت ہے یہ خوشخبری دینے والی اور ڈرانے والی ہے لیکن بہتیرے اس سے منہ پھیرے لیتے ہیں اور اس کو سنتے نہیں اور کہتے ہیں ہم تمہاری باتوں کو نہ سمجھ سکتے ہیں نہ سُن سکتے ہیں اور ہمارے تمہارے درمیان ایک پردہ ہے اس لئے کرو تم جیسا کہ تم مناسب سمجھو اور کریں گے ہم جیسا کہ مناسب سمجھیں گے کہدے کہ میں تمہاری ہی طرح پر ایک آدمی ہوں یہ بات مجھ پر کھولدی گئی ہے کہ تمہارا خدا ایک خدا ہے اس لئے سیدھے اسی کی طرف جاؤ اور گذشتہ کے لئے معافی مانگو اور افسوس ہے ان بت پرستوں پر جو صدقہ نہیں دیتے اور آنے والی زندگی کا یقین نہیں کرتے لیکن وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک کام کرتے ہیں وہ بدالآباد کیلئے انعام پائیں گے۔

جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن شریف کا مضمون پڑھکر سُنا چکے تو فرمایا کہ اب تم نے سُنلیا پھر جو مناسب سمجھو وہ کرو۔

کفار ایک مرتبہ اور بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے اور دولت وعزت کے لالچ دلائے لیکن پھر آپ نے یہی جواب دیا کہ میں نہ دولت کا بھوکا ہوں نہ مجھے نام کی خواہش ہے نہ مملکت کی ہوس ہے میں تو خدا کا بھیجا ہوا ہوں کہ تمہیں خوشخبریاں سناؤں میں تم کو خدا کا کلام سناتا اور نصیحت کرتا ہوں اگر تم نے میرا کہا مانا تو اس دنیا میں بھی چین سے رہو گے اور آیندہ بھی اور اگر تم نے نصیحتوں پر کان نہ دھرا تو میں صبر کروں گا اور اپنے معاملہ کو خدا پر چھوڑوں گا وہ تمہارے اور ہمارے درمیان تصفیہ کرلیگا۔

سبحان اللہ ان جلالت مآب باتوں سے کیسی عظمت اور عالی حوصلگی ظاہر ہوتی ہے لیکن افسوس ہٹ دھرم قوم نے جواب بھی دیا تو ایسا نامعقول جس سے سخت دشمنی اور قلبی عناد ٹپکتا تھا ان لوگوں نے کہا کہ اے محمد تم خوب سمجھ لو ہم لوگ تم کو کبھی وعظ نہ کہنے دیں گے یہاں تک کہ تم غارت ہو جاؤ یا ہم۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو باوجودیکہ ہرطرح کی سختیاں اور مزاحمتیں ہوتی تھیں لیکن آپ اللہ کی مدد پر بھروسہ کئے ہوئے وعظ و نصیحت کے کام پر اسی تندہی سے مستعد اور مصروف رہے آپ کو ذرا لغزش نہیں ہوئی آپ کے خیال نے ذرا پلٹا نہیں کھایا آپ کو کبھی ہراس نہیں ہوئی اگر آپ نے اپنی رسالت کی حقانیت پر دلیل پیش کی تو یہی کہ میری پسندیدہ نصیحتیں عقل سلیم کے موافق اور میرے پاکیزہ شرعی اقوال انسانی سمجھ کے مطابق ہیں کلام جو مجھ پر نازل ہوتا ہے اللہ کا کلام ہے اس جیسا فصیح کلام بنانا بشری قوت سے باہر ہے اگر کسی کو دعویٰ ہے تو اس جیسی ایک سورت بنا کر لائے ایک آیت ہی بنائے، اپنے حمائتیوں کو بلالے اور اس وقت ملک عرب حالانکہ فصحا کا معدن اور بلاغت کا گنجینہ تھا لیکن کسی سے نہ ہو سکا کہ باوجود اس سخت مخالفت اور بار بار تحدّی و مقابلہ کے کوئی اپنا قصیدہ یا سجع مضمون پیش کرتا اور کہتا کہ یہ قرآن جیسا فصیح کلام محمدؐ کو بند کرنے کیلئے ہے۔

باب (۲۲) ۶ سنہ نبوی

حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کا اسلام اور اسلام کی قوت

جب کافروں کو مال و عزت کے لالچ دلانے میں بھی کامیابی نہ ہوئی تو انھوں نے معمول سے زیادہ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کا مضحکہ اڑانا شروع کیا۔ ایک روز کا ذکر ہے کہ آپ کوہ صفا کے دامن میں ارقم بن ابی ارقم کے مکان پر تشریف رکھتے تھے کہ ابوجہل بن ھشام کا اس جانب گذر ہوا اور اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوہ صفا کے پاس کھڑا دیکھکر بہت کچھ سخت سست کہا مغلظات گالیاں دیں لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے طبعی صبر و تحمل سے کام لیا اور جواب میں زبان سے ایک کلمہ بھی نہ نکالا۔ عبد اللہ بن جدعان کی باندی ابوجہل کے یہ ناشائستہ کلمات سُن رہی تھی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا صبر دیکھ رہی تھی۔

آنحضرت کے چچا حمزہؓ جو اب تک کافر تھے۔ نہایت بہادر نبرد آزما شکار کے زیادہ شوقین تھے اتفاقاً کمان کندھے پر ڈالے شکار گاہ سے واپس آرہے تھے کہ راستہ میں اس باندی نے دیکھ پایا اور کہنے لگی کہ اے حمزہ! نہایت ہی افسوس ہے کہ تمہارا بھتیجا تمہارے بھائی عبد اللہ کا بیٹا بے وقعت لوگوں کی نظروں میں بھی ذلیل سمجھا جائے اور تم کو کچھ شرم و حیا نہ آئے اگر آج تم دیکھتے کہ ابوجہل نے اس شریف زادے کو کیسی فحش گالیاں دیں اور اس نے کسقدر صبر کیا اور چپکا گھر چلا گیا، تو تم کو حیرت ہوتی کہ کیا دنیا کے خون سپید ہو گئے یا قومی حمیت کوئی چیز نہیں رہی کیا محمد عبد اللہ بن عبد المطلب کا بیٹا نہیں ہے یا قریش کی نظروں میں تمہارا کنبہ یعنی ھاشم کی اولاد بالکل ہی ذلیل اور بے وقعت ہو گئی۔

باقی آئندہ

حمزہؓ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے چچا اور ثوبیہ کی وساطت سے رضاعی بھائی نہایت غصیلے اور حیادار طبیعت کے بہادر تھے یہ کلمات سنکر غصہ کے مارے سُرخ ہو گئے آنکھوں میں خون اتر آیا اور سیدھے مسجد حرام میں ابوجہل کے سر پر جا کھڑے ہوئے اور یہ کہکر کہ "او خبیث تو محمدؐ کو گالیاں دیتا ہے کیا نہیں جانتا کہ میں اسکے دین پر ہوں" کمان سے دماغ پر کاری زخم لگایا۔

حمزہؓ کا معمول تھا کہ شکار گاہ سے واپس ہو کر سب سے پہلے خانہ کعبہ کا طواف کرتے اور راستہ میں قومی مجلسوں میں ٹھہرتے سلام علیک کرتے بیٹھتے کچھ دیر باتیں کرتے اور پھر گھر واپس آتے تھے لیکن اس غصہ کی حالت میں یہ عادت ترک ہو گئی اور سب سے پہلا کام ابوجہل سے اپنے بھتیجے کا انتقام لینا ہوا اور گو حاضرین جلسہ حمزہؓ کی یہ حرکت دیکھکر اپنے سردار ابوجہل کی طرفداری میں بھڑکے اور حمزہؓ پر حملہ کرنا چاہا لیکن اول تو حمزہؓ بھی آبرودار صاحب وقعت سردار تھے دوسرے خود ابوجہل نے یہ کہکر ٹھنڈا کر دیا کہ درحقیقت حمزہؓ معذور ہیں میں نے انکے بھتیجے کو سخت ایذا پہونچائی اگر یہ اس کا بدلہ مجھسے نہ لیتے تو فی الواقع قابل ملامت ہوتے اور بیحیائی کا دھبہ ان کی بے عیب ذات پر لگایا جاتا۔

حمزہؓ اسی وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا کہ یا رسول اللہ میں ایمان لایا اللہ پر اور اللہ کے سچے رسول محمدؐ پر۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اس سے نہایت مسرت حاصل ہوئی اور اب قریش کا بھی زور ٹوٹ گیا کیونکہ حمزہؓ کا مقابلہ کرنا کوئی آسان امر نہ تھا۔

قریش کی ہمتیں پست ہو چلیں اور کمریں ٹوٹنے لگیں لیکن چند لوگوں نے پھر آخری کوشش پر کمر ہمت کو چست کیا اور ایک بڑی کمیٹی میں جس میں بڑے بڑے تاجر مالدار متمول سردار بہادر اولوالعزم دلیر سفاک لوگ جمع ہوئے ابوجہل نے میر مجلس بنکر کہا "اے برادران قریش سخت افسوس اور شرم کی بات ہے کہ تم جیسے بہادر سرداران جنگجو مالدار انکی جماعت میں سے ایک ضعیف لڑکا نکلکر تمہاری مخالفت کا جھنڈا کھڑا کرے اور تم اسکا کچھ نہ کر سکو تمہاری عزت کہاں گئی تمہاری ہمت کیا ہوئی کیا تم سے نہیں ہو سکتا کہ اس کا سر کاٹ لاؤ کیا کوئی شریف الطبع تم میں ایسا نہیں ہے کہ اس کا سر تن سے جدا کر کے میرے پاس لائے اور سو اونٹ کے علاوہ ہزار اوقیہ نقرہ کا انعام مجھسے لے۔

کمیٹی کے ایک معزز ممبر عمر بن خطاب جو شہرہ آفاق دلیر اور اسلام کی آوازیں سُن سُنکر محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے جانی دشمن ہو گئے تھے۔ کھڑے ہوئے اور کہا کہ تم لوگ اطمینان رکھو میں بہت جلد اس کا سر کاٹ کر تمہارے حوالے کئے دیتا ہوں۔ یہ سنکر تمام حاضرین جلسہ کو خوشی ہوئی کیونکہ وہ سمجھ گئے تھے کہ اپنی دُھن کا پکا عمر جیسا بہادر شخص بیشک بغیر کامیاب ہوئے واپس نہ آئیگا۔

عمرؓ نے تلوار ہاتھ میں لی اور اپنی دُھن میں مستغرق مجلس سے اٹھکر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکان کی جانب روانہ ہوئے اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انتالیس مسلمانوں کو لئے ہوئے کوہ صفا کے دامن دار ارقم میں مقیم تھے راستہ میں نعیم بن عبد اللہ سے ملاقات ہوئی انہوں نے عمر سے دریافت کیا کہ اے عمر کہاں جاتے ہو؟

عمرؓ نے جواب دیا کہ محمدؐ کا سر لینے کیلئے جا رہا ہوں کیونکہ اُس نے قریش میں پھوٹ ڈالدی ہے اور ان کے قدیمی دین کو بُرا کہکر سرداران قریش کے دل دُکھا رکھے ہیں میں نے آج بیڑا اٹھایا ہے کہ اس فساد کی جڑ بنیاد ہی کاٹ ڈالوں نعیم نے کہا کہ اے عمر تمکو تمہاری خیالی آرزو نے دھوکہ دیا کیا تم نہیں سمجھتے کہ محمدؐ کے قتل ہوئے پیچھے عبد مناف کی اولاد تم کو بھی ہرگز زندہ نہیں چھوڑ سکتی جاؤ اور اپنی جوانی پر رحم کھاؤ۔

عمرؓ کے غصہ کا دریا اس وقت جوش زن اور طوفان کی موجوں کی طرح متلاطم تھا آنکھوں میں سُرخی کے ڈورے نمودار تھے نعیم کی زبان سے یہ کلمات سُنکر اور بھڑکے اور کہنے لگے کہ معلوم ہوتا ہے کہ تو بھی آبائی دین چھوڑ کر محمدؐ کا طرفدار اور صابی بن گیا بہتر ہے کہ اول تیرا ہی معاملہ طے ہو۔

نعیم نے جواب دیا کہ اے عمر ہوش میں آؤ اور محمدؐ یا میرے قتل سے پہلے اپنے گھر کی حالت تو درست کرلو دیکھو تمہاری حقیقی بہن فاطمہ اور تمہارے بہنوئی اور چچا زاد بھائی یعنی سعید بن زید کس دین پر ہیں یہ بھی اُسی مقدس مذہب کے فرمانبردار ہیں جس کے تم جانی دشمن اور استیصال کے درپے ہو۔ عمر کی حالت اس وقت متغیر ہوگئی اور یہ اس راستہ کو چھوڑ اپنے گھر کی طرف چلے۔

فاطمہؓ بنت خطاب اور ان کے شوہر سعید بن زید ایمان لاچکے تھے لیکن عمر کے خوف سے اس کا اظہار نہ کرسکتے تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مسن صحابی حضرت خباب بن ارت خفیہ انکو قرآن مجید پڑھانے اور علم دین سکھانے آجاتے تھے۔ اتفاق ایسا ہوا کہ اس وقت جبکہ عمرؓ طیش کی حالت میں اپنے گھر کی جانب قدم بڑھائے جلد جلد چلے آرہے تھے۔ حضرت خباب کلام مجید باآواز بلند پڑھ رہے تھے اور فاطمہؓ و سعیدؓ مؤدب بیٹھے سُن رہے تھے عمر کے پاؤں کی آہٹ پاکر حضرت خباب جلدی سے گھر کے کسی حصہ میں چھپ گئے اور فاطمہ نے کلام مجید کے مقدس صحیفہ کو اپنی ران کے نیچے چھپالیا تھا لیکن عمر کے کانوں میں کلام الٰہی کے چند کلمے پڑچکے تھے اور اُن کو نعیمؓ کے قول کی تصدیق ہوچلی تھی۔

عمرؓ نے گھر میں قدم رکھا اور غصہ کی سخت آواز میں للکارا کہ بتاؤ یہ بھنبھناہٹ جو میرے کانوں میں پڑی کس کے پڑھنے اور کس چیز کی تلاوت کرنے کی تھی حضرت فاطمہؓ نے اس کو چھپانا اور بات کو ٹالنا چاہا کہا بھائی کچھ نہیں

آپ کے خیال نے غلطی کی ہوگی۔

عمرؓ کے غصہ کی آگ بھڑک اُٹھی اور انہوں نے اپنے بہنوئی حضرت سعید بن زید پر دست درازی شروع کی حضرت فاطمہؓ اپنے بھائی کے ہاتھوں پیارے خاوند کی اس ذلت کو کب گوارا کر سکتی تھیں اٹھیں اور بھائی کا ہاتھ پکڑ لیا عمر نے بہنوئی کو تو چھوڑ دیا اور بہن پر ٹوٹ پڑے۔

عورت پر مرد کو ہاتھ اٹھانا درحقیقت مردانگی سے بعید اور انسانی مروت کے بالکل خلاف ہے لیکن عمر کو غصہ کے جوش نے بالکل اندھا بنا رکھا تھا ان کو کچھ خبر نہ تھی کہ میں کس کو اور کیا تکلیف پہونچا رہا ہوں عمر نے اپنی بہن پر معمولی زیادتی نہیں کی بلکہ اس قدر مارا کہ فاطمہ کے نازک بدن پر زخم آئے اور زخموں سے خون بہنے لگا۔

فاطمہ نے بھائی کی شقاوت و بیرحمی کا اندازہ کر لیا اور اب صاف صاف کہدیا کہ اچھا ہم دونوں محمدؐ پر ایمان لے آئے ہیں تمکو جو کچھ کرنا ہو کر گذرو ہمیں اپنا ایمان اپنی جان سے زیادہ عزیز ہے ہم مر جائیں گے لیکن تمہارا کہنا نہ مانینگے

عمر کے غصہ کا دریا ادھر لہریں مار رہا تھا اور اللہ جل جلالہٗ کی بے پایاں رحمت کا سمندر اُدھر جوش زن تھا اُس کی بے پروا سرکار سے عمر جیسے سخت قلب میں ایمان کی حلاوت ڈالی جارہی تھی اور اب عمر اپنی حالت بدلی ہوئی پاتے تھے۔ عمر نے اپنی پیاری بہن کے زخم آلود جسم کو محبت بھری نظروں سے دیکھا اور فرط شوق سے کہا کہ پیاری بہن اچھا وہ صحیفہ مجھکو دکھاتو دو جس میں سے تم لوگ پڑھ رہے تھے فاطمہ نے عمر کے دل میں رقت و نرمی کا اثر دیکھا تو خوشی پیدا ہوئی اور جواب دیا کہ بھائی مجھکو اندیشہ ہے کہ تم اس کے ساتھ گستاخی کروگے وہ پاک صحیفہ میرے ہاتھ سے جاتا رہیگا اور تمہارے ہاتھ میں جا کر پُرزے پُرزے ہوجائیگا عمر بن خطاب نے قسم کھائی اور کہا کہ میں تمہارا صحیفہ تمکو واپس کردونگا تم جانتی ہو کہ عمر وعدہ خلاف اور بات کا کچا نہیں ہے۔

حضرت فاطمہ کی حالت تو اس وقت کچھ اور ہی تھی ان پر عمر جیسے بہادر کی ہیبت کا نشان تک نہ تھا سادہ لوحی سے کہہ اٹھیں کہ ہمارا مقدس صحیفہ ہمارے مہربان خدا کا پاک کلام مشرک اور بت پرست کافروں کے نجس ہاتھوں میں کیونکر جا سکتا ہے تمہارا قلب نجس تمہارا بدن ناپاک تمہارے ہاتھ پلید ہیں وَلَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ ۝ (اور اس کو سوائے پاک بندوں کے کوئی چھو نہیں سکتا) عمر نے کہا اچھا مجھکو باقاعدہ غسل دو پاک بناؤ اس کے بعد صحیفہ دکھاؤ میں اس کی دلآویز عبارت کو ضرور دیکھوں گا ضرور دیکھوں گا۔

اسی وقت عمر بن خطاب نے غسل کیا اور فاطمہ نے وہ پاک صحیفہ سامنے لا رکھا جس میں سورۂ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی عمر نے چند آیتیں پڑھیں اور بے اختیار بول اٹھے کہ "کیا شیریں کلام ہے اس کی حلاوت اور اس کی بزرگی میری

رگ رگ میں سرایت کرتی جاتی ہے" عمر کے یہ حیرت انگیز کلمے حضرت خباب چھپے ہوئے سن رہے اور جوش مسرت سے اندر ہی اندر خوش ہو رہے تھے بے چین ہو کر باہر نکل آئے اور کہا کہ مرحبا مرحبا خوش ہوائے عمرؓ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی دعا تمہارے بارے میں مستجاب ہوئی سرور عالم نے دعا فرمائی تھی کہ" بار الہا اسلام کو عمر بن خطاب یا ابوجہل بن ہشام کے ساتھ عزت دے ان دونوں میں سے کوئی ایمان لائے تو تیرے مقدس مذہب کو قوت حاصل ہو گی۔ عمر کا دل نور ایمان سے منور ہو چکا تھا نہایت لجاجت سے درخواست کی کہ اے خباب محمدؐ کہاں ہیں مجھکو ان کے پاس لیچلو اور مسلمان کرالاؤ۔

غرض عمرؓ نے تلوار ہاتھ میں لی اور اس دار ارقم کی طرف اب ایمان کی نیت سے چلے جس کی جانب ابھی چند گھنٹے ہوئے کسی گستاخ اور نازیبا ارادہ سے جا رہے تھے حضرت خباب ہمراہ تھے دروازہ پر دستک دی آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں ابوبکر صدیق عثمان بن عفان علی بن ابی طالب اور حضرت حمزہؓ وغیرہ حضرات بیٹھے ہوئے تھے کواڑ کی درازوں میں سے دیکھا تو تمام مجمع پریشان ہو گیا اور کواڑ کھولنے میں تردد ہوا حضرت حمزہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ عمرؓ کو اندر آنے کی اجازت دیجئے اگر ان کا ارادہ بھلائی کا ہے تو ہم بخوشی اطاعت کریں گے اور اگر کسی گستاخانہ حرکت کا ہو تو اسی کی تلوار اس کا خون بہائے اور گردن اڑائیگی۔

غرض دروازہ کھولا گیا اور عمرؓ تلوار کو میان میں کئے گردن میں ڈالے اندر آئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور عمرؓ کی چادر کا کونہ پکڑ کر زور سے جھٹکا دیا اور فرمایا کہ اے عمرؓ کیا تو باز نہ آئے گا یہانتک کہ کوئی کھڑ کھڑا ڈالنے والی مصیبت تیری آنکھیں کھولے۔؟ خدا جانے اس جھٹکے میں کیسی مقناطیسی قوت تھی کہ عمرؓ کا نور ایمان چمک اٹھا اور دینداری کے ماہتاب کی شعاعیں پھوٹنے لگیں عمرؓ کی زبان سے بیساختہ نکلا کہ یا رسول اللہ میں تو ایمان ہی لانیکے ارادہ سے حاضر ہوا ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جوش مسرت سے آواز تکبیر بلند کی اور عمرؓ بن خطاب نے سب سے پہلے جمیل بن معمر کو اپنے اسلام کی اطلاع دی کیونکہ عرب میں یہی ایک شخص پیٹ کا انتہا درجہ کا ہلکا اور بات کا زیادہ مشہور کرنیوالا تھا کوئی راز اس کے پیٹ میں نہ رہ سکتا تھا غرض فوراً ہی یہ بات ہوا کی طرح اڑی اور چند منٹ میں تمام اہل مکہ کو معلوم ہو گیا کہ وہ عمرؓ جو محمدؐ کا شکار کرنے گئے تھے خود شکار ہو گئے اور سرداران مکہ کی قوت کا فروں سے منتقل ہو کر اسلام کی طرف چلی گئی۔

اب مسلمانوں کی تعداد چالیس ہو گئی اور اللہ پاک نے یا ایها النبی حسبك الله ومن اتبعك من المؤمنين نازل فرمایا (اے پیغمبر تجھکو کافی ہے اللہ اور وہ مسلمان جو تیرے تابعدار بن گئے)

حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ کے اسلام نے درحقیقت کافروں کے بڑے جتھہ کو نیچا دکھا دیا اور اب اعلانیہ اسلامی وعظ ہونے لگے۔ خانہ کعبہ میں کھلم کھلا نماز پڑھی جانے لگی اسلامی جھنڈا مستحکم ہوگیا کفار کے بڑے ارادے پست اور خیالی منصوبے بے بنیاد ہوگئے۔ اسلام کا آفتاب اپنی عالمگیر شعاعوں سے حجازی ذرے روشن کرنے لگا مسلمانوں کے گروہ میں روز بروز ترقی اور کافروں کی جماعت میں دن بدن تنزل محسوس ہونے لگا۔

باب (۲۳) ۷ و ۸ و ۹ سنہ نبوی

قریش کا باہمی اتفاق اور خاندان بنی ہاشم کی خطرناک مصیبت ۔ جب قریش نے دیکھا کہ اسلام کا آفتاب خاک ڈالنے سے مکدر نہیں ہوسکتا اور ابو طالب اپنے بھتیجے محمدؐ بانی اسلام کو ہمارے حوالہ نہیں کرتے۔ نجاشی سلطان حبش نے بھی روکھا جواب دیدیا اور دین اسلام اپنی مہذب چال سے نہایت اطمینان اور امن کے ساتھ آگے قدم بڑھائے چلا جا رہا ہے تو دوسری چال چلے اور یکم محرم الحرام ۷ سنہ نبوی کو جلسہ منعقد کیا اور تمام قبائل مکہ کے رؤسا و سرداران نے باہمی مشورہ سے یہ تجویز پختہ کی کہ ابو طالب اور تمام بنو ہاشم کے خاندان کو برادری سے گرا دو ان کے ساتھ شادی بیاہ اور خرید و فروخت کا معاملہ قطعی نہ کرو نہ ان کی موت زندگی کے ہم ساتھی اور نہ ہماری موت زندگی کے یہ شریک۔ نہ ان کے پاس بیٹھو نہ ان سے بات چیت کرو نہ ان کے ہاتھ کوئی چیز بیچو نہ دوسری جگہ کے آنیوالے تاجروں کو ان کے ہاتھ کوئی چیز بیچنے دو جس بھاؤ بھی جو چیز ملے نقد قیمت پر سب کی سب خرید لو ایسا کرنے سے یہ لوگ خود تنگ ہوجائیں گے اور پھر ان کو ہماری خوشامد اور اطاعت کئے بغیر کوئی چارہ نہ ہوگا۔

یہ باہمی معاہدہ محض زبانی معاہدہ نہ تھا بلکہ تحریر ہو کر مواہیر کیلئے سرداران مکہ کے سامنے لا رکھا گیا دستخطوں سے مکمل ہو کر توثیق و استحکام پابندی کی غرض سے باقاعدہ خانہ کعبہ کی دیوار پر آویزاں کر دیا گیا اور گو اس ظلم پسند عہد نامہ کے لکھنے والے یعنی منصور بن عکرمہ عبدری کو اس کی منصفانہ پاداش اسیوقت مل گئی کہ اس کا ہاتھ شل اور آلہ کتابت ہمیشہ کے لئے بالکل بیکار ہوگیا لیکن باآبرو حاضرین جلسہ کے جوش جنون نے کسی کو ہدایت نہ ہونے دی اور اس وقت سے یہ صحیفہ رجسٹری شدہ دستاویز کی طرح واجب العمل ہوگیا جس کا انکار کرنا گویا تمام مکہ کا مخالف بننا تھا۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ابو طالب نے اپنی قوم بنو ہاشم کو ان کی خاندانی عزت اور موروثی سیادت بار بار یاد دلا کر اس امر میں اپنا ہمخیال ضرور بنا لیا تھا کہ محمدؐ کو قریش کے حوالہ نہ کیا جائے اس لئے سوائے ابولہب کے جس نے محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت پر اپنے کنبہ کی علیحدگی اختیار کی باقی تمام بنو ہاشم یک زبان ہو کر جو کچھ تھوڑا بہت کھانے پینے کا سامان پاس تہا بطور رسد ہمراہ لیکر معہ محمد و اصحاب محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ابو طالب کے اس

وسیع میدان میں جا بسے جو مکہ کی مشرقی سرحد کی ایک تنگ پہاڑی کے برے واقع تھا۔ اور جس کو پہاڑی چٹانوں اور کوہی دَرّوں نے شہر سے علیحدہ کر دیا تھا۔ اس کی آمد و رفت ایک دَرّہ کوہ سے تھی۔ اور یہ حصاری مقام ایک مختصر قلعہ کی طرح نہایت امن و حفاظت کی جگہ تھا اسی جائے پناہ کا نام شعب ابی طالب ہے۔

خاندان بنی ہاشم کی یہ علیحدگی درحقیقت یہ ایسی تھی جیسے ہندوستان کے اکثر نیچ قوموں میں کسی قومی جرم کے سزا دینے کیلئے ہوتی ہے بلکہ اس میں جابرانہ کارروائی اور ظلم و بیرحمی کا زیادہ اثر تھا اس لئے کہ یہ اہل شعب کسی دوسرے بیرونی تاجر سے بھی غلہ تک نہ خرید سکتے تھے اور نہ انکو یہ اجازت تھی کہ موسم حج میں اپنی شعب سے باہر نکلکر مکہ دیکھ سکیں اور اگر وہ لوگ آتے بھی تو کیا نتیجہ تھا اس لئے کہ جس سے وہ بات کرنی چاہتے وہ ان سے منہ پھیرتا اور جس سے رحم کے خواستگار ہوتے وہ خون کی خواہش ظاہر کرتا تھا۔

چونکہ یہ مخالفت اب دینی مخالفت کی جگہ قومی لڑائی ٹھن گئی تھی اور اہل شعب میں سے جو کوئی کسی ضرورت سے پریشان ہو کر باہر نکلتا تھا وہ مارا پیٹا جاتا اور ایذا پہنچایا جاتا تھا قلیل المقدار موجودہ غلہ ختم ہو چلا تھا اس لئے تھوڑے دنوں بعد جو کچھ بھی ان لوگوں کی نازک حالت ہو گئی ہو گی اس کا اندازہ ہر شخص کر سکتا ہے اگر کوئی رحمدل رشتہ دار اپنے کسی ناتے والے ہاشمی کو چھپا کر کوئی چیز بھیج بھی دیتا تھا تو اس کی اطلاع ہونے پر وہ بھی عہد شکن مشہور ہوتا اور قریب قریب برادری سے خارج سمجھا جاتا تھا ہاشمی بیکس عورتیں مطلبی معصوم مظلوم بچے بھوک پیاس سے بیتاب ہو ہو کر شور مچاتے تھے اور ان کے مصیبت زدہ خاوند اور جاں نثار والدین ان کی آہ و زاری بے بسی کے عالم میں سنتے اور آنکھوں میں آنسو بھر لاتے تھے۔ اہل شعب سب مسلمان نہ تھے تاہم قومی حیثیت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام کے بھائی اور اس مصیبت کے شریک رہتے کامل تین برس یہی حالت رہی اور بنو ہاشم فاقوں کی تکلیف سے گھبرا اُٹھے قریش اس حصار کا محاصرہ کئے ہوئے تھے اور مسلمان اپنے دین پر اسی مضبوطی سے قائم تھے کہ اگر فاقہ ہوتے ہوتے دم نکل جائیگا تب بھی اسلام سے نہ پھریں گے بھوک کے مارے پاؤں زمین پر تھرّاتے اور لغزش کھاتے تھے لیکن دین سے نہ ڈگتے تھے۔

آخر بنو ہاشم کے ان قریبی رشتہ داروں کو بھی جنھیں محض قومی حیثیت سے اپنے کنبہ کو علیحدہ کرنا پڑا تھا اپنی بھائیوں کی اس بھوک و پیاس کے نازک حال کو دیکھکر رونا آگیا۔ اور حکیم بن حزام بن خویلد اپنی پھوپھی حضرت خدیجہ کیلئے کچھ گیہوں لیکر شعب کی جانب روانہ ہوا راستہ میں ابو جہل ملا اور اس نے حکیم کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ یہ کیا مخالفانہ کارروائی ہے! میں تجکو رسوا کئے بغیر نہ چھوڑوں گا شعب والوں اور خصوصاً بانی فساد محمد کی بی بی خدیجہ کو غلہ پہنچانا تو سخت بغاوت ہے۔

اتفاقاً ابو البختری بن ہشام ادھر سے آگیا اور اس نے ان دونوں کی تو تو میں میں دیکھکر ابو جہل سے کہا

کہ تو حکیم کو چھوڑ کیوں نہیں دیتا اس سے اپنی پھوپھی کا فاقہ نہیں دیکھا جاتا اگر وہ انسانی مروت سے کام لیتا اور اسکو غلہ پہونچائے دیتا ہے تو اس میں دخل دینے والا تو کون ؟

ابوجہل غصہ ہوا اور اس نے ابوالبختری کو برا بھلا سخت سست کہنا شروع کیا۔ ابوالبختری بھی آخر اسی کا بھائی تھا غصہ سے اس کا چہرہ تمتما اٹھا اور قریب ہی اونٹ کی ایک بڑی ہڈی پڑی دیکھکر اس کو اٹھالیا اور اس زور سے ابوجہل کے ماری کہ خون کا فوارہ چھوٹ گیا اور زمین پر ڈال کر گھوسوں ولاتوں سے برا حال کر دیا۔

ابوجہل کو مار کھانے سے زیادہ اس کی غیرت تھی کہ اتفاقاً حضرت حمزہؓ کھڑے اس معاملہ کو دیکھ رہے تھے اسکو خیال تھا کہ یہ سارا معاملہ اہل شعب کو سنا دینگے اور میرے دشمنوں کو مجھپر آوازے کسنے کا عمدہ موقع ملیگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اس زمانہ میں بدستور پے درپے وحی نازل ہوتی رہی اور آپ چھپے اور ظاہر سراً و جہراً تبلیغ رسالت میں مصروف رہے۔

باب (۴۲) ۱۰ نبوی

ظالم صحیفہ کا نقض اور عہدنامہ کی مخالفت

سب سے زیادہ اور سب سے پہلے ھشام بن عمر بن حارث کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ ہائے افسوس ہم اور ہمارے بال بچے کھائیں پئیں اور ہمارے بھائی بنو ہاشم دانہ دانہ سے ترسیں اور فاقہ پر فاقہ اٹھائیں لعنت ہے ایسے اپنے کھانے پر۔

ھشام بن عمر کا چند روز سے معمول ہوگیا تھا کہ شب کے وقت غلہ سے بھرا ہوا اونٹ شعب کی جانب ہنکاتا اور درہ کوہ میں پہنچکر باگ چھوڑ دیتا وہ اونٹ شعب میں پہونچتا اور فاقہ کش بنو ہاشم میں تقسیم ہو جاتا۔

ھشام بن عمر نے سوچا کہ اس طرح خفیہ اعانت کبتک مفید ہوسکتی ہے صحیفہ کی مخالفت پر چند دور اندیش رحمدل قریش کو اپنا ہمخیال بنانا چاہئے۔ اس خیال کا ذہن میں آنا تھا کہ ہشام اٹھا سیدھا زہیر بن ابی امیہ مخزومی کے پاس گیا جسکی ماں عاتکہ عبدالمطلب کی بیٹی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی تھی۔ ہشام نے زہیر کو غیرت دلائی اور کہا کہ اے زہیر تم کیونکر کھاتے پیتے اور کس طرح کپڑے پہنتے ہو جبکہ تمہارے ماموں اور تمہاری ننہیال کے رشتہ دار دانہ دانہ سے محتاج اور آنے جانے تک سے معذور ہیں۔ میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ اگر ابوجہل کے ماموں خالو اس تنگ حال میں ہوتے تو وہ اس عہد نامہ کا کبھی لحاظ نہ کرتا اور جس طرح بن پڑتا اپنی ننہیال کا مددگار بنتا۔

زھیرؓ نے کہا کہ اے ہشام میں تنہا کیا کرسکتا ہوں اگر میرے ساتھ کوئی دوسرا اسی خیال کا ہوتا تو میں جو چاہتا کر گذرتا ہشام نے کہا کہ مرحبا مرحبا تمکو خوش ہونا چاہئے کہ ایک تمہارا ہمخیال تمہارے پاس بیٹھا اور تم سے گفتگو کر رہا ہے

زہیر نے کہا اچھا ایک آدمی اپنا ہم خیال اور کرلو تاکہ مقصد میں حسب منشا کامیابی ہو۔

ھشام بن عمرو ہاں سے اٹھکر مطعم بن عدی کے پاس پہونچا اور کہا کہ اے نوفل بن عبد مناف کے پوتے بڑی شرم کی بات ہے کہ ہشام بن عبد مناف کا خاندان بھوکا پیاسا تباہ ہو اور تم لوگ عیش کرو کیا دنیا میں رشتہ ناتا کوئی چیز ہی نہیں رہا اگر تمہارے ساتھ وہ کارروائی ہوتی جو بنو ہاشم کے ساتھ ہوئی اور بنو ہاشم تمہارے قایم مقام عہد نامہ کے موافق ہوتے تو تمکو کیسا کچھ خیال ہوتا اور درحقیقت بنو ہاشم کی غیرت یہ تقاضا بھی نہ کرتی جو تمہاری غیرت کر رہی ہے

مطعم نے کہا کہ ہشام! میں تنہا کیا کرسکتا ہوں کوئی ہم خیال پیدا ہونا چاہئے ہشام نے اپنا معاون و مددگار ہونا ظاہر کیا اور یہ بھی کہا کہ زھیر بن ابی اُمیہ بھی ہمارا موافق ہے مطعم نے کہا اچھا ایک آدمی ہم خیال اور کرلو پھر جو ارادہ ہے کر گذرو۔ ہشام وہاں سے اُٹھکر ابو البختری بن ہشام کے پاس گیا اور وہی گفتگو کی جو مطعم بن عدی سے کی تھی ابو البختری نے بھی ہم خیال پیدا ہونے کی درخواست کی اور یہ معلوم کرکے کہ مطعم و زھیر و ھشام متفق ہو چکے ہیں کہا کہ پانچواں مددگار اور بناؤ۔

ہشام وہاں سے روانہ ہو کر زمعہ بن اسود کے پاس آیا اور بنو ہاشم کی قرابت و رشتہ داری اور مصیبت و تکلیف ذلت و خواری یاد دلاکر اپنا ہمخیال بنایا۔ غرض پانچوں یک زبان و ہمخیال مقام حجون میں جمع ہوئے اور باہم عہد و پیمان کیا کہ اس ظالم بیرحم عہد نامہ کا نقض کیا جائے اور زھیر بن ابی اُمیہ نے ذمہ لیا کہ اس کی ابتدا میرے ہاتھوں ہوگی۔

صبح ہوئی اور اہل مکہ اپنی عادت و دستور کے موافق بن ٹھنکر مجالس میں آبیٹھے زھیر بھی گھر سے نکلا اور خانہ کعبہ کا طواف کرکے سرداران قریش کے پاس آکھڑا ہوا اور کہا کہ اے اہل مکہ ہمیں کھانا کیونکر ہضم ہو جبکہ ہمارے بھائی ہاشمی بھوکے پیاسے ہلاک ہوں قسم ہے خدا کی میں نہ بیٹھوں گا جبتک کہ اس کمبخت عہد نامہ کو نہ پھاڑ دیا جائے ابوجھل نے جواب دیا نہیں ہرگز نہیں یہ عہد نامہ نہیں پھاڑا جاسکتا زمعہ بن اسود للکارا کہ اے مکار جھوٹے جس وقت تونے اس کو لکھا تھا ہم جب ہی اس پر راضی نہ تھے ابو البختری نے کہا بیشک زمعہ سچ کہتا ہے ہم اس کی تحریر کے برضائے خود قائل ہی نہیں ہوئے تھے مطعم بن عدی بولا کچھ شک نہیں تم دونوں سچے ہو میں بھی اس کا ہمیشہ مخالف رہا ادھر سے ھشام بن عمر نے کہا بیشک بیشک یہ صحیفہ پھاڑے جانے کے قابل ہے کیونکہ اس کی بیرحمی سے بھری ہوئی دفعات سب کی مرضی کے خلاف ہیں۔

ابوجھل یکے بعد دیگرے سرداران قبائل کی یہ گفتگو سنکر حیران ہو گیا اور سمجھ گیا کہ یہ اتفاقی گیا ہوا نہیں بلکہ معاملہ

ابو طالب بھی خانہ کعبہ کے کسی گوشہ میں بیٹھے تمام گفتگو سُن رہے تھے جرأت کرکے سامنے آئے اور کہا کہ بھائیو رات محمدؐ نے مجھ سے کہا ہے کہ اس عہد نامہ کے تمام الفاظ دیمک چاٹ گئی ہے صرف اللہ کا نام باقی ہے۔ باقی تمام کاغذ صاف ہوگیا اور یہی اس کی علامت ہے کہ اس تحریر کا خاص منشا جور وجفا اور ہم بندگان خدا پر ظلم وزیادتی کرنے کا ہے۔ تم لوگ اسکو منگاؤ اور دیکھو اگر محمدؐ کا قول سچا ہے تو ہمکو نجات دو اور قاطع رحم صحیفہ کو متروک العمل سمجھو ورنہ تم کو اختیار ہے محمدؐ کے ساتھ جو سلوک چاہو کرو میں بھی اس کی بیجا طرفداری نہ کرونگا چنانچہ اسی وقت صحیفہ منگا یا گیا دیکھا کہ سوائے باسمک اللھم جو بطور عنوان ہر صفحہ کے شروع میں لکھا جاتا ان کے یہاں بھی مروج تھا اور اللہ کے ان ناموں کے جو اثنائے تحریر میں کسی موقع پر لکھے تھے کاغذ میں کچھ بھی باقی نہیں رہا تھا۔

ابو طالب کا خیال بار ہا تجربہ کے بعد پختہ ہو چکا تھا کہ محمدؐ جو کچھ کہتے ہیں سب سچ ہوتا ہے اور اسی بنا پر اس پختگی کے ساتھ صحیفہ کے متعلق یہ گفتگو کی تھی اور جب اپنے خیال کے موافق اس کو بھی واقعی معاملہ دیکھا تو ڈھارس بندھ گئی اور اب وہ زبان نہایت تیزی اور سرعت سے چلنے لگی جو کچھ خوف وہراس اور کچھ دُگدہ وتامل کے ساتھ بول رہی تھی ابو طالب نے خوشی کے لہجہ میں نہایت بلند آواز سے کہا دیکھو دیکھو اب تمکو معلوم ہوگیا کہ برسر ناحق تم ہی ہو قطع رحمی تم ہی نے کی اس پر سب کی گردنیں نیچے جھک گئیں اور تھوڑی دیر سکوت کا عالم رہنے کے بعد ہٹ دھرم کافروں نے کہا کہ یہ تو جادو کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے۔

وہی پانچوں مخالف پھر کھڑے ہوئے اور یہ کہکر کہ ہم اس ردی پر کیونکر کاربند رہ سکتے ہیں جسکے حروف تک نداردہیں چلے گئے اور اس طرح عام طور پر عہد نامہ باطل ہوا اور محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ۱۰ نبوی میں نبوت کے دسویں برس مع بنی ہاشم وبنی مطلب کے پہاڑ کی گھاٹی سے نکلکر پھر مکہ میں آرہے باہمی خرید وفروخت جاری ہوگئی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بدستور وعظ ونصیحت میں مشغولیت ظاہر فرمائی۔

باب (۲۵) ۱۰ نبوی

غم کا برس خدیجہؓ وابو طالب کا انتقال

مؤرخین کا اس میں اختلاف ہے کہ ابو طالب نے خدیجہؓ سے پہلے انتقال کیا یا بعد بہرحال کثرت رائے اس جانب ہے کہ اول ابو طالب نے قضا کی۔

نبوت کے دسویں سال کا ماہ شوال تھا بنو ہاشم شعب سے نجات پا چکے تھے کہ ابو طالب سخت بیمار ہوئے اور ان کو خود اپنی زندگی سے مایوسی ہوگئی۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے مہربان محافظ سے غایت درجہ اُنسیت تھی کیونکہ آپ کو آٹھ سال کی عمر سے

انہیں کی کنار عاطفت میں پرورش پانیکا اتفاق ہوا تھا آپ کو انتہا درجہ کا شوق تھا کہ ابوطالب مشرف باسلام ہوں تاکہ آخرت میں ان کے ان احسانات کی تلافی اللہ کی طرف سے کیجائے جو انھوں نے اللہ کے رسول کے ساتھ دنیا میں کئے۔

سرداران قریش ابوجہل وغیرہ ابوطالب کی عیادت کیلئے آئے ہوئے تھے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تشریف لائے اور چچا کے آخری وقت کی نازک حالت دیکھکر آخری کوشش یہ کی کہ سرہانے بیٹھ کر نہایت ادب کے ساتھ نرم الفاظ میں کہا "چچا جان اب آپ کا آخری وقت ہے دنیا کے معاملات ختم ہو چکے آخرت کی کٹھن منزلیں آپ کے سامنے ہیں دائمی عذاب وثواب کا معاملہ درپیش ہے شیطان دشمن دین وایمان اپنی سعی میں کمربستہ اور آپ کو اسی حالت پر قائم رکھنے کی کوشش میں سرگرم ہے میری آخری درخواست ہے کہ آپ ایک بار کلمہ زبان سے نکالکر میرے ہاتھ حجت دیدیجئے تاکہ مہربان پروردگار کے روبرو مجھے شفاعت کرنے اور آپ کو جنت میں لیجانیکا موقع ملجائے اللہ کی توحید اور میری رسالت کا اقرار اصل ایمان ہے اور ابھی وقت باقی ہے کہ آپ ہمیشہ کی زندگی کے مزے پانیکا سامان کرلیں اور زبان بند ہو گئی تو یہ بھی نہ ہوسکیگا۔" ابوطالب نے جواب دیا کہ "پیارے بھتیجے مجھے تیرا دل خوش کردینے میں کوئی تأمل نہ تھا لیکن اندیشہ ہے کہ زنان قریش مجھ پر طعن کریں اور کہیں گی کہ ابوطالب موت سے ڈر گیا اور آخری وقت میں اس بھتیجے کا کلمہ پڑھ لیا جس کو بیٹوں کی طرح پرورش کیا تھا۔ یہ میں خوب جانتا ہوں کہ تو سچا تیرا دین برحق اور مخلوق کے تمام ادیان سے بہتر ہے تجھ کو اپنے سچے خیال میں کسی وقت ضرور کامیابی ہوگی اور میں اپنے باپ عبد المطلب کی تمام نسل کو یہی مشورہ دیتا ہوں کہ محمدؐ کا اتباع ان کی فلاح ونجات کا سبب ہے تیری اعانت قریش کے فخر کا سبب ہونا چاہیے لیکن مجھ سے نہیں ہوسکتا کہ اپنے مرے پیچھے اپنا بہادر اور قابل وقعت نام ذلت اور بزدلی کے ساتھ قریشیہ مستورات کی زبانوں پر چھوڑ جاؤں۔" آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کلمات سنکر مایوسانہ اٹھ کھڑے ہوئے اور ابوطالب کی ستاسی برس کی عمر میں روح قفس عنصری سے پرواز کرگئی۔

بعض روایتوں میں آیا ہے کہ سکرات موت کی عالم بیہوشی میں ابوطالب کی زبان پر کلمہ جاری ہوگیا تھا لیکن تھوڑی دیر بعد کچھ افاقہ ہونے اور ہوش آنے پر ابوجہل نے ملامت کی اور کہا افسوس ابوطالب جانکنی کی تکلیف کے خوف نے تمہاری شرم وغیرت سب کھودی تم آخری وقت میں اپنے سامنے کے پیدا ہوئے لڑکے پر ایمان لائے تو ابوطالب نے انکار کیا اور حاضرین کو اس پر گواہ کیا کہ میں محمدؐ کے دین سے بیزار اور

اپنے آبائی اصل دین پر قائم و مستحکم ہوں غرض آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوشی کے بعد مایوسی ہوئی اور آپ یہ کہکر کہ "چچا جان بیشک تم نے دنیاوی سلوک میں میرے ساتھ کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا لیکن افسوس آخرت سے بالکل بے بہرہ رہے میں تمہاری ابدی تکلیف کو حبہ برابر کم نہیں کرسکتا اللہ تمپر رحم کرے۔" وہاں سے کھڑے ہو گئے حدیث میں آیا ہے کہ کافروں میں سب سے کم عذاب ابوطالب پر ہے وہ پاؤں میں جہنمی آگ کی دو جوتیاں پہنے ہوئے ہے جس کی تپش تلووں سے دماغ تک پہونچتی اور بھیجا جُھلس دیتی ہے۔ اللھم احفظنا منہ۔

اب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کنبہ کا سردار ہی نہیں بلکہ دنیا سے وہ مہربان محافظ اُٹھ گیا جس کی وجہ سے دنیا میں ہر طرح کی اعانت ملتی تھی اس وقت آنحضرت کا سن شریف انچاس برس آٹھ مہینے گیارہ روز کا تھا ان کے انتقال کے بعد جو جو مصیبتیں آپ پر پڑتی گئیں ان میں ام المومنین خدیجہؓ سے آپ کو بڑی تسکین ملتی تھی آپ کا پریشان دل خدیجہؓ کی وجہ سے ٹھیر جاتا اور تسلی پاتا تھا لیکن بی بی خدیجہؓ کا پیمانہ حیات بھی لبریز ہو چکا تھا اور ابوطالب سے چند روز بعد اسی سال پاک بی بی خدیجہ نے بھی رحلت فرمائی اناللہ وانا الیہ راجعون۔

بعض علماء کا قول ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے پینسٹھ ۶۵ برس کی عمر میں بماہ شوال انتقال فرمایا اس روایت سے اس قول کو ترجیح ہوتی ہے کہ بی بی خدیجہؓ کے انتقال کا حادثہ ابوطالب کے انتقال کے قبل ہوا۔ واللہ اعلم۔

ان دونوں مہربان مددگار ان کے یکے بعد دیگرے مرنے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل کو جبقدر رنج و افسوس ہوا اس کو ہر انسان کا دل سمجھ سکتا ہے آپ غایت حزن کے باعث غمکدہ سے باہر کم نکلتے تھے اور چند روز کے لئے تو رنج کے سبب سوائے احکام الٰہی اور ضروری امور کے تمام کام تریب قریب متروک ہوگئے اہل اسلام میں اس سال کا نام عام الحزن یعنی غم کا برس ہے۔

اسی سال اس حادثہ سے پہلے شاہ روم اور والی فارس میں ملکی جنگ ہو چکی تھی اور خسرو پرویز شاہ فارس نے اپنے دو بہادر سپاہیوں شہریا سر اور فرخان کی ماتحتی میں ایک لشکر جرار روانہ کرکے روم پر حملہ کیا اور روم کے چند سرحدی شہر فتح کر لئے تھے۔ اس لئے کفار قریش کو اپنے فاسد خیالات کی بنا پر خوش ہونے اور اہل اسلام پر آوازے کسنے کا موقع مل گیا تھا۔ عرصہ تک کفار کی زبان زد یہی رہا کہ جسطرح نصاریٰ روم کو باوجود اہل کتاب ہونے کے آتش پرست فارس کے ہاتھوں مغلوب ہونا پڑا اسی طرح ہم کوئی دن میں بت پرست لوگ محمدی اہل کتاب پر غالب آئیں گے یہ اس لئے کہ اہل کتاب کی مغلوبیت قرآن والوں اہل اسلام کا مغلوبیت وخواری کی فال ہے۔

اللہ جل جلالہ نے سورۂ روم کی شروع آیتیں الٓمٓ غلبت الروم نازل فرماکر مسلمانوں کو اطلاع خبر دی کہ دس۱۰ برس کے اندر اندر روم کو فارس پر غلبہ ہو جائیگا۔ چنانچہ ابوبکر صدیق نے عام طور پر اس کا اعلان کردیا بلکہ اُبَیّ نے ابوبکرؓ سے شرط بھی کی کہ اگر ایسا ہو گیا یعنی دس۱۰ سال کے اندر روم کو فارس پر غلبہ ہو گیا تو میں سو۱۰۰ اونٹ ہار جاؤں گا۔ چنانچہ پورے نو سال کے بعد دونوں سلطنتوں میں دوبارہ لڑائی ہوئی اور نصاریٰ روم نے فتح پائی اور یہ مژدہ خطۂ عرب میں عین اس دن پہونچا جس روز مسلمانوں نے جنگ بدر میں کفار مکہ پر فتح پائی۔ اُبَیّ کا انتقال اس سے پہلے غزوۂ احد میں ہو چکا تھا اس لئے ابوبکر صدیق شرط کے بموجب اُبَیّ کے باقی ماندہ ورثہ سے سو۱۰۰ اونٹ کے طالب ہوئے اور چونکہ قمار کی حرمت سے پہلے کا یہ واقعہ ہے اور اس وقت کافروں سے دارالحرب میں اس قسم کے معاملات جائز تھے اس لئے ابوبکر صدیقؓ نے سو اونٹ پر مالکانہ قبضہ بھی کیا۔

درحقیقت یہ واقعہ ایک مستقل معجزہ سچی پیشین گوئی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے برحق نبی ہونے کی مستحکم دلیل تھی اس لئے کہ دو زبردست سلطنتوں کے بارے میں برسوں پہلے ایسے وثوق کے ساتھ ایک قطعی فیصلہ دیدینا نہ بغیر وحی کے ممکن ہے نہ پیغمبر کے سوائے دوسرے سے ہو سکتا ہے۔ لیکن ازلی بدبختوں کو اس سے ہدایت کیونکر ہو سکتی تھی۔ اور اب تو ابوطالب کا مرنا گویا قریش کے واسطے اجازت تھی کہ وہ اپنی ایذا رسانی کو دوچند کردیں اور محمدؐ و اصحاب محمدؐ کو صدمات و تکلیف کا تختۂ مشق بنالیں۔

بنوہاشم بھی اپنے سردار ابوطالب کے نہ رہنے کے باعث آپ کی حفاظت نہ کرسکے ابولہب نے قومی حمیت کی بنا پر کچھ سرپرستی کا ارادہ کیا بھی تھا لیکن اپنے کسی دوست کی زبانی یہ سُنکر کہ محمدؐ تو عبدالمطلب اور عبدالمطلب کی قوم کو دوزخی بتاتے ہیں صرف بیزار اور کنارہ کش ہی نہیں ہوا بلکہ کسی ناقابل برداشت ایذا رسانی کا درپے ہو گیا۔

حضرت خدیجہؓ کے بعد اسی سال آپ نے پہلا نکاح حضرت ابوبکر صدیق کی صاحبزادی عایشہ صدیقہ سے جنکی عمر اس وقت چھہ سال چند مہینے کی تھی کیا سودہؓ بنت زمعہ بیوہ تھیں کیونکہ ان کے مسلمان شوہر سکران بن عمرو جوان کے چچازاد بھائی بھی تھے ایک لڑکا عبدالرحمن نام چھوڑ کر حبشہ میں بعد ہجرت حبشہ انتقال کر گئے تھے۔

باب (۲۶)

آنحضرت کا قبائل مکہ پر اپنے آپکو پیش کرنا اور طائف کی سخت مصیبت

جب آپ نے دیکھا کہ قریش بت پرستی سے باز نہیں آتے اور ان کی ایذا رسانی دن بدن بڑھتی جاتی ہے تو آپ اپنے خادم زید بن

حارث کو ساتھ لیکر نواحی مکہ میں تبلیغ اسلام کرنے لگے سب سے پہلے آپ قبیلہ بنی بکر میں گئے اور کہا کہ بھائیو! اہل مکہ نے لازوال نعمت کو الٹے ہاتھوں واپس کیا میری ہمدردی و اعانت سے کنارہ کشی اختیار کی تم لوگ میری حواری بنو اور ابدالآباد کی جاوید نعمتوں کو دنیا کی فانی لذتوں پر مقدم سمجھو لیکن یہ قبیلہ بھی قریش کا ہمخیال تھا کسی نے آپکے سر پر ہاتھ نہیں رکھا اور صاف جواب دیدیا کہ ہم اپنا پرانا مذہب نہیں چھوڑ سکتے نہیں چھوڑ سکتے۔

یہاں سے مایوس ہوکر آپ قوم قحطان میں تشریف لے گئے ان کو محاسن اسلام سمجھائے اور اعانت چاہی لیکن افسوس قحطان نے بھی آپ کو وہی روکھا جواب دیا جو بنی بکر دے چکے تھے غرض آپ ان سنگدلوں کے ایمان سے مایوس ہوکر اسی سراسیمگی و پریشانی میں زید بن حارث کو لئے طائف میں پہونچ گئے جو مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر قوم ثقیف سے آباد تھا۔

طائف میں سب سے پہلے آپ سرداران ثقیف عمر بن عمیر کے تین بیٹوں عبد یالیل اور مسعود اور حبیب سے ملاقی ہوئے اور اس موہوم خیال پر کہ شاید یہ لوگ خدا ترسی کا شیوہ اختیار کریں اور دولت اسلام سے دامن بھریں فرمانے لگے کہ اے سرداران ثقیف اہل مکہ نے اللہ کی ہدایت قبول نہ کی اور اس کے رسول کو ایذا پہنچا کر جلاوطن کردیا اگر تم لوگ حامی اسلام و مددگاران رسول بنو تو تمہاری سعادت نصیبی اور خوش قسمتی ہے۔

ان لوگوں نے بجائے اس کے کہ مسافر مہمان کی خاطرداری کرتے ناشائستہ گفتگو اور یاس بھرے کلمات سے کام لیا اور یہ بھی گوارا نہ کیا کہ آپ چند گھنٹے یہاں ٹھیر کر سفر کا تکان ہی رفع کرلیں غضبناک ہوئے اور کہدیا کہ "اگر اپنی خیر چاہتے ہو تو یہاں سے نکل جاؤ" بے وقوف احمق لڑکوں بازاری اوباش لوگوں کو بھڑکا دیا اور اس غرض سے آپ کے پیچھے لگا دیا کہ آپ پر اینٹوں کا مینھ برسایا جائے۔

جس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہر سے باہر نکلے چاروں طرف رنج و پریشانی کا ہجوم تھا۔ ہر جانب یاس و ناامیدی اپنی بھیانک صورت دکھا رہی تھی بچے اور بازاری عوام الناس اور غلام آپ پر پتھر پھینکتے تھے گو زید بن حارث اپنے بدن کو سرور عالم کی سپر بنانے اور کافروں کے حملے اپنے جسم پر روکنے کی برابر کوشش کرتے رہے لیکن پھر بھی آپ کا تمام جسم مبارک زخمی ہوگیا۔ پاؤں میں آبلے پڑ گئے کسی ظالم کا پتھر ٹخنہ میں آکر ایسا لگا کہ خون بہنے لگا اور آپ شکستہ دل مغموم و پریشان عتبہ و شیبہ کے باغ کے قریب ایک کھجور کے سایہ کے نیچے ٹھیرے اور دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر اور رو رو کر یہ دعا مانگی" الٰہ العالمین

ہیں اپنی ضعف قوت لوگوں ہیں رسوائی و ذلت کی شکایت تیرے سوا کس سے کروں اے ارحم الراحمین تو کمزوروں کا مالک ہے تو میرا پروردگار ہے تو مجھے کس کے حوالہ کرتا ہے تو مجھے میرے دشمنوں کا شکار نہ بنا۔ اگر تو مجھ سے ناراض نہیں ہوا ہے تو بیشک مجھے کسی کی کچھ پروا نہیں تیری وسیع حفاظت میرے لئے کافی ہے۔ میں تیرے چہرے کی اس نور کی پناہ مانگتا ہوں جس سے کل تاریکیاں روشنی سے بدلجاتی ہیں اور دنیا و آخرت کے معاملے بنجاتے ہیں کہ تو مجھ سے ناراض نہو میری مشکلوں کو جس طرح مناسب ہو حل کر تیرے سوا نہ طاقت ہے نہ مدد"

جبّار قہار کی جبروتی شان بھی اس وقت جوش زن تھی ذوالجلال کی نظر کے سامنے اس کے نازک مزاج پیارے پیغمبر کو زخمی کیا جارہا تھا اسی وقت اللہ کے مقدس فرشتہ جبریلؑ نے آ۔سلام کیا اور اپنے ہمراہ دوسرے فرشتہ کو لائے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ یہ وہ فرشتہ ہے جسکے سپرد پہاڑوں کی خدمت ہے اللہ پاک کا اس کو حکم ہے کہ آپ کی اجازت ملنے پر طائف کی گرد کی دونوں پہاڑیاں باہم ٹکرادی جائیں اور اہل طائف کو دونوں کے بیچ ایسا دلدیا جائے جس طرح چکی کے دو پاٹوں میں دانہ دلدیا جاتا ہے"۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بے رحم یا انتقام کے عادی نہیں بنائے گئے تھے آپ انتہا درجہ کے کریم النفس اور خیر خواہ قوم تھے قومی اصلاح آپ کا دلی منشا اور دائمی آسائش آپ کا قلبی مقصد تھا۔ جواب دیا کہ ارحم الراحمین تو نے مجھکو سخت دل پیدا نہیں فرمایا میں ان پر عذاب نازل کرانے نہیں آیا مجھے اپنی قوم کے ہلاک وتباہ ہونیکا سبب نہ بنا اگر یہ نست ونابود ہوگئے تو اس سے مجھے کیا ملجاویگا اور اگر زندہ رہے تو امید قائم ہے کہ شاید ان کی نسل میں کوئی خداترس حق پسند سلیم الطبع فرمان بردار بندہ پیدا ہوجائے یہ لوگ میرے مرتبہ سے ناواقف ہیں اندھے ہیں اگر ان کو وہ بینائی مرحمت فرمادے جس سے یہ میری شان پیغمبری دیکھ لیں تو امید ہے کہ ایمان سے مشرف ہوجائیں"۔

اس باغ کے مالک جس کے سامنے آپ پریشان حال بیٹھے تھے گو کافر تھے لیکن آخر انسانی مادہ نے اُبھرنا شروع کیا اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیکسی و پریشان حالی اور بھوک وپیاس کی شدت دیکھکر آنکھوں میں آنسو بھرلائے اور اپنے غلام عداس کے ہاتھ ایک خوشہ انگور کا آپ کو بھیجدیا آپ نے بسم اللہ کہکر کھانا شروع کیا اور عداس جو حضرت یونس بن متی علیہ السلام کے وطن شہر نینوے کا باشندہ تھا عربی رواج کے خلاف کھاتے وقت بسم اللہ سُنکر حیران ہوا اور آپ کا نام دریافت کرنے لگا آپ نے اپنا نام اور قصہ بیان فرمایا جب عداس نے پاؤں چومکر عرض کیا کہ میں آپ کی توصیف اور سچی پیشین گوئی توریت شریف

میں دیکھکر آپ کا منتظر تھا الحمد للہ مجھکو یہ دولت نصیب ہوئی میں آپ پر ایمان لاتا اور توریت کی خبر سنائے دیتا ہوں کہ آپ کی قوم آپ کو ایذائیں پہنچائیگی اور جلاوطن کرے گی لیکن انجام کار غلبہ آپ ہی کا ہوگا کیونکہ الحق یعلو ولا یُعلیٰ۔

الغرض آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ لوٹے اور چونکہ مکہ کی خطرناک غیر مامون حالت اور باشندگان مکہ کی فتنہ پردازی وشرارت سے غایت درجہ بیزار تھے اس لئے کوہ حراء پر قیام فرما کر اہل مکہ کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر مجھکو امن ملے اور میری حفاظت کیجائے تو میں مکہ آؤں ورنہ جدھر منہ اُٹھے چلا جاؤں۔

کسی نے آپ کی حفاظت کا ذمہ نہ لیا البتہ مطعم کا دل آپ کی بے بسی دیکھکر بھر آیا اور وہ کوہ حرا سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی حفاظت میں اپنے ہمراہ گھر لے آیا صبح ہوتے مطعم نے ہتھیار باندھے اپنے بیٹوں بھتیجوں کو بھی مسلح کیا اور اعلان کردیا کہ گو میں محمدؐ کے نئے دین کا قائل نہیں ہوں لیکن ان کا حامی ومددگار ہوں میں نے ان کو امن دیدیا ہے اگر کوئی انکو ایذا پہنچائے گا تو گویا مجھ سے لڑنے پر آمادہ ہوگا قریش یہ سُنکر آپ کی کھلم کھلا مخالفت اور ایذارسانی سے کچھ رک گئے اور اب آپ نے پردیسی بندگان خدا اور باہر سے آنیوالے دکانداروں سوداگروں کو وعظ ونصیحت شروع کی۔

آپ اپنے ہموطنوں سے جدا رہتے اور موسم حج یا فصل کے موقع پر جو اجنبی آدمی مکہ میں آتے اُن کو تبلیغ رسالت کرتے اور اسلام کی جانب بُلاتے تھے۔ جس وقت آپ وعظ فرماتے اس وقت آپ کے مقابلہ میں ابولہب یہ منادی کرتا کہ "اے بھولے بھالے پردیسی لوگو محمدؐ تم کو نئی راہ دکھلاتا اور بدعت وگمراہی کی طرف بلاتا ہے یہ چاہتا ہے کہ لات وعزیٰ کی پرستش تم سے چھڑائے دیکھو خبردار خبردار کوئی اس کا کہا نہ مانیو"۔

باب (۲۷) ۱۱ و ۱۲ نبوی

مدینہ کی قوم میں اسلام کا پھیلنا اور بیعت عقبہ اولیٰ

مدینہ میں قوم یہود کے علاوہ دو بت پرست قبیلے اوس اور خزرج آباد تھے ان کا قدیمی مسکن یمن تھا اور یہ دونوں گو ایک دادا کی اولاد تھے لیکن باہمی ایسی نااتفاقیاں پھیل گئی تھیں جن کے باعث ہمیشہ لڑتے اور ایک دوسرے کے خون کے پیاسے رہتے تھے۔

قبیلہ خزرج کے چند آدمی انس بن رافع وغیرہ بنو عبدالاشہل کے چند نوجوانوں ایاس بن معاذ وغیرہ کو ساتھ لیکر مکہ اس غرض سے آئے ہوئے تھے کہ قریش کو اپنا حلیف بنائیں اور اس تیر وآزما بہادر قوم سے باہمی جنگ وصلح کی شرکت اور اعانت وہمدردی پر قسماعہدی کرلیں تاکہ اوس کے مقابلہ میں لڑتے وقت کام آئے۔

آنحضرتؐ نے ان نوواردِ اہل مدینہ کو وعظ فرمانا شروع کیا اور قرآن سنایا جس کا سب سے پہلے اثر ایاس بن معاذ پر ہوا جو سمجھدار نوجوان تھے وہ کہنے لگے کہ یہ کیسا شیریں کلام ہے بخدا یہ ہدایت جس کی جانب یہ شخص ہمکو بلاتا ہے اس معاہدہ سے کہیں بہتر ہے جس کی پختگی کیلئے ہم مکہ آئے ہیں چلو اس کے ہاتھ پر بیعت کریں ایاس کے یہ کلمات سنکر قوم کے رئیس نے کہا او احمق پہلے دیکھ لینا چاہئے کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے جلدی کرنا عقلمندوں کی شان نہیں ہے۔ لکھا ہے کہ انس بن رافع نے ایک بڑا کنکر حضرت ایاس کے منہ پر کھینچ بھی مارا اور کہا کہ چُپ ہو اے بیوقوف ہم اس لئے مکہ نہیں آئے۔ ایاس چپ ہو گئے اور چند ہی روز بعد دنیا سے انتقال کر گئے۔ ان کی قوم نے سُنا کہ یہ مرتے وقت بآواز بلند تکبیر کہتے اور لا الہ الا اللہ کے نعرے مارتے تھے اس لئے ان کے ایمان میں شک کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال

اس موقع پر یہ لوگ اپنے سردار کی مخالفت اور حاکم کی ناراضی کے اندیشہ سے گو ایمان نہیں لائے تاہم اتنا نتیجہ ضرور ہوا کہ قریش سے قسما عہدی بھی نہیں ہوئی اور اپنا خیال پورا کئے بغیر جیسے آئے تھے ویسے مدینہ واپس چلے گئے۔

باشندگان مدینہ یعنی اَوس اور خزرج کا یہود سے جس وقت کسی بات پر جھگڑا ہوتا تھا تو آخری فیصلہ کے طور پر یہودی کہدیتے تھے کہ اچھا اب نبی آخر الزماں پیدا ہونے والے ہیں دیکھو ہم لوگ اُن کے تابعدار اور ساتھی بنکر تمہارا کیسا قلع قمع کریں گے۔

عرب کے رہنے والے جو دور دور سے کسی قومی میلے میں آتے تھے وہ آپ کے وعظ نہایت خشوع وخضوع سے سُنتے اور جب واپس جاتے تو ان باتوں کو اپنے ہموطنوں میں پھیلاتے تھے حق کا دوسرا کرشمہ یہ بھی ہوا کہ اکثر کفار آپ کی ہجو میں قصیدے لکھتے تھے جن میں آپ کی اکثر باتیں مندرج ہو کر مشتہر ہو گئیں اس طرح گویا آپ کے پاک خیالات قریب قریب تمام حجاز میں شائع ہو چکے تھے۔

حق باتوں کے وہ بیج جو چاروں طرف بکھیر دیئے گئے تھے پودا پیدا کئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے ۱۱ نبوی میں عقبہ پہاڑ کے قریب چھ خزرجی اہل یثرب سے آپ دوچار ہوئے اور انھوں نے آپ کے مؤثر وعظ کو کان لگا کر بڑے غور سے سُنا اور چپکے چپکے ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ یہود کا قول پورا ہوتا نظر آتا ہے کیا اچھا ہو کہ ہم ان کمبختوں سے پہلے اس شخص کا اتباع کر لیں جو درحقیقت اللہ کا سچا پیغمبر اور نبی آخر الزماں معلوم ہوتا ہے۔ آپ کی فصاحت اور راست گفتاری نے اپنا اثر دکھایا اور وہ چھے کے چھے ایمان لے آئے۔

یہ واقعہ ۶۲۰ء عیسوی میں ہوا جب یہ چھ مسلمان اپنے وطن کو واپس گئے تو انھوں نے اس خبر کو مشہور کیا کہ ملک عرب میں ایک نبی پیدا ہوا ہے جو عرب کے سیکڑوں برس کے جھگڑوں کا تصفیہ کر دیگا اور اُن کی بُت پرستی چھڑا کر اللہ کی طرف بلانے اور ہدایت کا راستہ دکھلائے گا۔

دوسرے سال یہ اہل یثرب پھر آئے اور اس مرتبہ یثرب کے چھ مشہور قوموں کی طرف سے چھ آدمی اپنے ساتھ لیتے آئے اور اسی جگہ پر جہاں وہ پہلے چھ آدمی ایمان لائے تھے۔ یہ چھ بھی داخل اسلام ہوئے اور آنحضرت کے دست مبارک پر بیعت کی۔

اس بیعت کا نام بیعت العقبۃ الاولیٰ ہے یا یوں کہو کہ وہ معاہدہ جو ان لوگوں کے ساتھ ہوا عقبہ کا پہلا معاہدہ کہلاتا ہے کیونکہ یہ معاہدہ عقبہ پہاڑ پر ہوا تھا جو اقرار ان لوگوں نے کیا تھا وہ یہ ہے کہ ہم لوگ کسی کو خدا کا شریک نہ بنائینگے چوری زناکاری اولاد کے قتل سے باز آئیں گے ہم کسی کی چغلی اور شکایت نہ کریں گے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر ایک حق بات کو مانیں گے اور خوشی وغم میں ان کے شریک حال رہیں گے۔

اس اقرار کے بعد یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک بزرگ صحابی حضرت مصعب بن عمیر کو اپنے ساتھ مدینہ لیگئے تاکہ اُن سے کلام مجید پڑھیں دینی مسائل سیکھیں اور یثرب کے تاریک خطہ کو اسلام کی روشنی سے منور بنائیں ان میں سے حضرت ذکوان بن عبد قیس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس رہ گئے اور آپ کے ساتھ ۱۳ھ میں مدینہ ہجرت کی ان کو اس لئے انصاری و مہاجری کہتے ہیں۔

ان بارہ جان نثاران اسلام مدنی صحابہ کے نام یہ ہیں اسعد[1] بن زرارہ۔ حارث کے دونوں بیٹے عوف[2] و معاذ[3]۔ رافع[4] بن مالک قبیلہ بنی زریق میں سے۔ ذکوان بن عبد قیس بنی عوف بن خزرج میں سے۔ عبادہ[5] بن صامت ابو عبد الرحمن یعنی یزید بن ثعلبہ[6] بنی سالم میں سے عباس[7] بن عبادہ۔ عقبہ[8] بن عامر اور قطبہ[9] بن عامر اور قبیلہ اوس میں سے ابو الہیثم[10] بن تیہان اور عویم[11] بن ساعدہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

حضرت مصعب بن عمیر مدینہ میں آئے اور اسعد[12] بن زرارہ کے گھر ٹھیرے اسعد بن زرارہ نے اپنے پیشوا معلم کو دار بنی ظفر میں لیجا بٹھایا اور وہیں تمام نو مسلم وعظ سُننے آ جمع ہوئے قبیلہ بنی عبد الاشہل کے دونوں مشرک سرداروں سعد بن معاذ اور اُسید بن حُضیر کو خبر لگی اور اپنے شہر میں نئے مذہب کی ابتدا دیکھکر جھلا اُٹھے۔

سعد بن معاذ ہاتھ میں نیزہ لیکر اس بستان سرا میں آیا جہاں حضرت مصعب بن عمیر حضرت اسعد بن زرارہ کی ظاہری اعانت پر وعظ فرمایا کرتے تھے اور کہا کہ اس بیوقوف واعظ کو اتنی ہمت کس نے دلائی کہ یہ ہمارے بھائی بندوں کو بہکاتا راستہ بھٹکاتا ہمارے دروازوں پر آتا اور ایسے لفظ پکار پکار کر کہتا ہے جو ہم نے کبھی نہیں سُنے۔ اگر یہ باز نہ آیا تو اپنی

سزا کو پہونچیگا سعد بن معاذ کی اس سخت گفتگو سے لوگوں کا مجمع منتشر ہو گیا۔ اگلے دن حضرت مصعب نے پھر اُسی جگہ وعظ شروع کیا۔ سعد بن معاذ نے اس دن بھی آکر سخت کلامی کی لیکن نہ اس کرختگی سے جو پہلے روز ظاہر ہوئی تھی۔ بلکہ آج سعد کی گفتگو میں نرمی پیدا تھی۔ یہ بھی ثابت ہے کہ سعد بن معاذ نے اسید بن حضیر سے کہا کہ اے اسید اسعد بن زرارہ میرا خالہ زاد بھائی ہے مجھکو اس رشتہ کے باعث اس کو ایذا پہونچاتے شرم آتی ہے تم میری مدد کرو اوران نووارد لوگوں کو منع کر دو کہ ہمارے ناسمجھ بھولے بھالے ہموطنوں عورتوں بچوں کو گمراہ نہ بنائیں اُسید ابن حضیر یہ سُنتے ہی ہاتھ میں تلوار لے اسعد بن زرارہ کے سر پر آکھڑے ہوئے اور نہایت کرخت آواز سے کہا کہ تم لوگ یہاں سے چلے جاؤ ورنہ اچھا نہ ہوگا۔ حضرت مصعب بن عمیر نے جواب میں پیشقدمی کی اور کہا کہ تشریف رکھئے اور نصیحت کی باتیں سُنئے اگر پسند آئیں قبول کر لیجئے اور اگر ناگوار گذریں تو ہم بخوشی آپ کی تعمیل کے لئے موجود ہیں۔

اسید بن حضیر کے دل پر اس راست گفتاری اور منصفانہ تقریر نے بڑا اثر کیا وہ یہ کہہ کر کہ "درحقیقت انصاف کی بات یہی ہے" کلام مجید سُننے کیلئے کان لگا کر مؤدب ہو بیٹھے۔

حضرت مصعب بن عمیر نے فصیح لیکن مختصر الفاظ میں محاسن اسلام سُنائے اور اُسید بن حضیر کے دل پر اسلام کے ماہتاب نے اپنی جھلکتی ہوئی کرنوں سے ٹکرانا شروع کیا۔ بیساختہ یہ کہکر کہ "واہ واہ کیا شیرین کلام اور بزرگ عقیدہ ہے" بولے کہ جلد بتائیے جب آپ لوگ اس دین میں داخل ہوتے ہیں تو کیا کہتے اور کیا کرتے ہیں؟ اسعد بن زرارہ اور مصعب بن عمیر نے ایک زبان ہو کر نہایت مسرت آمیز لہجہ میں جواب دیا کہ ہم ایمان لاتے وقت نہاتے کپڑے پاک کرتے ہیں اور حق کی گواہی دیتے کلمہ پڑھتے اور شکرانہ کی دو رکعت نفل ادا کرتے ہیں؟ اُسید بن حضیر نے اُسی وقت غسل کر کے کلمہ پڑھا اور مشرف باسلام ہو کر فرمایا کہ اگر میرا دوست سعد بن معاذ اس لازوال دولت سے مالامال ہو جائے تو اس کی قوم بھی ایمان لانے میں کچھ تامل نہ کرے گی اچھا میں جاتا ہوں اور مقدس اسلام کا جتھہ بڑھانے کی کوشش عمل میں لاتا ہوں۔

اسید بن حضیر آئے اور چونکہ نور ایمان کی شعاعوں نے چہرہ کی پچھلی تاریکی کو بالکل چھپا دیا تھا اور صورت میں بیّن فرق پیدا ہو گیا تھا اس لئے سعد بن معاذ نے دیکھتے ہی تاڑ لیا کہ اسید اس حالت سے واپس نہیں آتا جس حال میں یہاں سے روانہ ہوا تھا اسیدؓ جب پاس آ گئے تو سعد نے دریافت کیا کہو کیا کارروائی کر کے لوٹے! اسید بن حضیر نے جواب دیا کہ بھائی صاحب آپ کا خیال غلطی پر تھا میں نے ان لوگوں سے گفتگو کی تو نہی پسندیدہ بے لاگ لپیٹ نصیحتوں میں حق کا جلوہ نمودار اور سچائی کا اثر موجود پایا اس وقت میں آپ کے پاس

اس غرض سے آیا ہوں کہ آپکی قومی حمیت کا وزن کروں میں نے سُنا ہے کہ بنی حارثہ کی شریر قوم آپکے خالہ زاد بھائی اسعد بن زرارہ کو قتل کرنے کے ارادہ سے گئی ہوئی ہے جلد اُٹھئے اور حق جوانمردی ادا کیجئے۔

سعد بن معاذ گو ابھی تک مشرک تھے لیکن قومی حمیت کا خون ان کی رگوں میں جوش مار رہا تھا اور وہ عصبیت کا مادہ جو شریف و بہادر مرد کے عنصر میں ہونا چاہیے اُنکے پٹھے پٹھے میں سرایت کئے ہوئے تھا۔ غصہ کے مارے کانپ اُٹھے اور یہ کہہ کر کہ کیا بنی حارثہ نابکار میری مہربان خالہ کے نور نظر کو میرے ہوتے نظر بھر کر دیکھ سکتے ہیں؟ تلوار میان سے نکال لی اور سیدھے اسعد بن زرارہ کے پاس آئے لیکن جب دیکھا کہ اسعد اور مصعب دونوں مطمئن بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے ہیں تو سشدر متحیر رہ گئے اور سمجھ گئے کہ یہ اُسید بن حضیر کی محض چال تھی۔

سعد بن معاذ نے اسعد بن زرارہ سے کہا کہ اگر میرے آپ کے درمیان قرابت و رشتہ داری نہوتی تو آپ کو اس نئے دین کی ترویج پر جرأت ہرگز نہ ہوتی حضرت مصعب نے جوابدیا "کیا آپ منظور کر سکتے ہیں کہ چند لمحہ بیٹھ کر کلام الٰہی سُنکر حق و باطل میں تمیز کریں اگر پسند ہو تو قبول فرماویں ورنہ ہم بخوشی آپ کو چھوڑ جانے پر آمادہ ہیں"۔ حضرت اسعد بن زرارہ نے بھی آج سعد بن معاذ کو نرم پا کر کہا کہ بھائی صاحب پہلے سُنئے تو سہی کہ یہ شخص کہتا کیا ہے اگر درحقیقت گمراہ کرتا ہے تو آپ اس سے بہتر ہدایت کرنیوالا طریقہ بتائیے تاکہ عوام الناس انھیں چھوڑ کر آپ کی اطاعت کریں اور راہ یاب ہوں ورنہ اس نعمت غیر مترقبہ کی قدر کیجئے اور ان کا وجود باجود غنیمت سمجھکر ان کا کہا مان لیجئے یہ سنکر سعد بن معاذ مؤدبا بیٹھ گئے اور حضرت مصعب نے بسم اللہ پڑھ کر قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھ کر سنائیں۔ حم والکتاب المبین انا جعلناہ قرآنًا عربیا لعلکم تعقلون ۝ وانہ فی ام الکتاب لدینا لعلی حکیم الخ۔

امر حق نے اپنی حلاوت بہت جلد سعد بن معاذ کے قلب تک پہونچا دی اور ان کی زبان سے بھی وہی کلمہ نکلا جو تھوڑی دیر پہلے اسلام قبول کرنے کی صورت دریافت کرنے کے بارے میں حضرت اُسید کی زبان سے نکلا تھا۔ چنانچہ اسی وقت سعد بن معاذ نے غسل سے فارغ ہو کر کلمہ شہادت پڑھا اور اپنی قوم میں جا کر پکار دیا کہ اے بنو عبد الاشہل میں تم میں افضل اور سردار شمار ہوتا ہوں میں مسلمان ہو چکا تمہارے مردوں اور عورتوں سے مجھکو کلام کرنا حرام ہے جبتک کہ وہ اسلام سے مشرف نہوں۔

ابھی تک شام نہ ہونے پائی تھی کہ بنو عبد الاشہل کے قبیلہ کا ہر گھر اسلام کا شیدا اور سچا کلمہ گو ہو گیا۔ کوئی مرد ایسا نہ تھا جو مسلمان نہ ہو گیا ہو اور کوئی عورت ایسی نہ تھی جو ایمان نہ لے آئی ہو۔

حضرت مصعب بن عمیر برابر اپنے کام میں مشغول رہے اور چند ہی روز میں یثرب کے نصف سے زیادہ حصہ میں اسلام پھیل گیا اور اسی سال مدینہ میں جمعہ قائم ہوا۔ والحمدللہ علی ذلک۔

باب (۲۸) ۱۲ سنہ نبوی

معراج ۔ آپ کی عمر شریف اکیاون برس آٹھ مہینے بیس روز کی اور نبوت کا بارہواں سال رجب کا مہینہ ستائیسویں شب اور دوشنبہ کا روز تھا کہ آپ کو معراج کا رتبہ عنایت ہوا۔

اس افضل ترواقعہ کے بیان میں بعض کوتاہ اندیش شعرا اور غیر محتاط واعظین نے رطب و یابس جھوٹی سچی روایتوں کی بندش سے لغزش کھائی ہے لیکن ہمارا خیال ہے کہ جب نفس الامر یہ واقعہ بزرگ ترین واقعات سے موسوم ہے تو مخترعہ بیانات سے زبان قلم کیوں ملوث کیجائے۔

درحقیقت بناؤ سنگھار کی ضرورت ایسے چہرہ کو ہے جس کا قدرتی نکھار دیکھنے والوں کے دل اپنی طرف مائل نہ کر سکے اور جب یہ بات ثابت ہو جائے کہ کسی حسین مہ جمال کا دلفریب حسن فی الواقع بناوٹ اور تصنع کا محتاج نہیں تو اس کی سیدھی سادی دلربا ادائیں اور بھولی بھالی جگر خراش باتیں بھی دل میں جگہ پکڑتی اور کلیجہ کے پار ہو جاتی ہیں۔

اگر سمجھا جائے تو تمام بنی آدم کے لئے فخر کا مقام ہے کہ ان کے سردار افضل موجودات نے صرف ایک آن میں بحالت بیداری عالم علوی کی سیر کی اور وہ وہ عجائبات دیکھے کہ بایدوشاید۔

مفسرین وعلماء اسلام کا گو اس میں بہت کچھ اختلاف ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو معراج بحالت بیداری ہوئی یا خواب میں۔ جسمانی ہوئی یا روحانی تاہم صحیح تر یہی قول ہے کہ آپ نے بیداری کے عالم میں اسی جسم سے عالم ملکوت کی سیاحت کی اور گو جدید و قدیم فلسفہ کے منہمک نئی روشنی کے خیالی تہذیب منش اس کو مستبعد سمجھتے اور خلاف قیاس ٹھہرا کر مورد لوم واعتراض بنتے ہیں۔ لیکن حیرت ہے کہ جب خود عیسائی عیسیٰ اور حضرت الیاس علیہما وعلی نبینا السلام کے جسمانی طور پر آسمان پر چڑھ جانے کو مانتے ہیں تو معراج محمدی کا جسمانی حیثیت سے کیوں انکار کرتے ہیں۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں تو معراج چونتیس مرتبہ ہوئی لیکن وہ مشہور معراج جسکا قابل فخر حلہ آدم ابوالبشر سے عیسیٰ روح اللہ تک تمام انبیاء علیہم السلام کے گروہ میں صرف سندالاصفیا احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنایا گیا ایک مرتبہ ہوئی ہے جس کا سچا قصہ ہم بیان کرنا چاہتے ہیں۔

بعض کتب تواریخ وسیر سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ابتدائے نبوت سے ابتک مدعی اسلام او تبعین خیر الانام پر شب وروز کے چوبیس گھنٹے میں صرف دو مرتبہ نماز پڑھنا فرض تھا ایک دن کے شروع حصہ میں جس کو صلوٰۃ فجر کہنا چاہئے

اور دوسرے نہار کے آخری حصہ میں جس کا نام عشاء اولیٰ یا صلوٰۃ مغرب ہے۔ واللہ اعلم۔ مگر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تہائی اور آدھی رات عبادت فرماتے تھے۔

عالمتاب آفتاب اپنی روزانہ مسافت طے کر چکا اور دنیا والوں کی نظر سے اوجھل ہو کر دیر ہوئی اپنی چمکدار شعاعوں کو سمیٹ افق مغرب میں جا چکا تھا کہ آفتاب نبوت کے جلوہ افروز ہونے کا وقت آیا اور اللہ کے بزرگ فرشتے روح الامین نے باری تعالیٰ اسمہ کا واجب الاذعان فرمان پاکر ایک منتخب قبول صورت میانہ قد جنتی سفید مرکب جس کا نام براق ہے دولتخانہ سلطان انسان وجان کے دروازہ پر اس وقت لا کھڑا کیا جبکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم دن کی آخری نماز سے فارغ ہو کر اپنی چچا زاد بہن ام ھانی دختر ابوطالب کے گھر خواب استراحت فرما رہے تھے۔

جبرئیل امین نے سرورِ کونین کو خادمانہ آداب ملحوظ رکھکر بیدار کیا اور حطیم میں لاکر چوتھی مرتبہ سینہ مبارک چاک کیا قلب مبارک طلائی طشت میں آب زمزم سے دھویا ایمان وحکمت اور تجلیات الٰہی سے معمور بنا کر سینے دیا اور مژدہ سنایا کہ فلکی سیاحت کیلئے تیار اور عالم علوی کے عجائبات کی سیر کیلئے بنے ٹھنے براق پر سوار ہو جیئے تا کہ مجھکو رکاب پکڑنے کی عزت حاصل کرنے اور میکائیل کو باگ تھامنے کی خدمت سے ملاء اعلیٰ پر فخر کرنے کا موقع ملے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم براق پر سوار مسجد حرام سے یثرب کے نخلستان جہاں چند روز بعد ہجرت کرنی تھی اور طور سینا جس پر موسیٰ علیہ السلام نے اللہ پاک سے باتیں کی تھیں اور بیت لحم جہاں عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے کو قطع فرماتے اور دو دو رکعت ان متبرک مقامات پر ادا کرتے بیت المقدس پہونچے جہاں حضرت آدم سے لیکر حضرت عیسیٰ تک جس قدر انبیاء مبعوث ہوئے سب آپکے منتظر اور نماز میں آپ کا اقتداء کرنے کے متمنی تھے۔

آپ کا خوش قسمت براق اس دروازہ کے حلقہ سے باندھا گیا جو ابتک باب محمدؐ کے نام سے مشہور ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مسجد اقصےٰ میں جس کو ہر طرف سے اللہ کی برکتیں گھیرے ہوئے ہیں ابتداءً تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں نہایت خشوع وخضوع سے ادا کیں۔ اسی موقع پر اللہ کی نورانی مخلوق ملائکہ اور تمام انبیاء علیہم السلام نے اللہ کی حمد وثنا بیان کرنے کے بعد آپ پر کمال شوق وذوق سے درود بھیجا اور اعتراف کیا کہ بیشک احمد مجتبیٰ ہم سب سے افضل ہیں اور محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانا ہم پر فرض ہے۔

اس مقام پر مسلمانوں کو جس بات کا یقین کرنا ضرور ہے وہ یہ ہے کہ یہ مقدس مجمع انبیاء علیہم السلام کی بلا جسد ارواح کا نہ تھا بلکہ سب مجسم اور اپنی اس شکل وشباہت میں تھے جو ان کو دنیا میں عطا ہوئی تھی۔ بغرض اذان ہوئی اور سب نے وضو کیا تکبیر ہوئی اور فوج کے سپہ سالار کو امام بنایا گیا تمام انبیاء وملائکہ مقتدی بنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھائی فارغ

ہونے پر باہر تشریف لائے اور جبریل امین نے دو پیالے جن میں ایک خمر سے بھرا ہوا تھا اور دوسرے سے دودھ چھلک رہا تھا لا سامنے کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دودھ کا پیالہ لیا اور سیر ہو کر پی لیا روح الامین نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مبارک ہو اگر آپ خمر کا پیالہ لیتے تو آپ کی امت گمراہ ہوتی کیونکہ پیشوائے امت کا اس وقت جام شیر لینا اور دودھ کا پی لینا اسکی امت کے لئے فال نیک اور ہدایت کا ذریعہ ہے۔

حضرت میکائیلؑ باگ پکڑے اور حضرت جبرئیلؑ رکاب تھامے ہوئے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نورانی براق پر سوار آسمانوں کی سیر کرتے اور ہر آسمان پران انبیاء علیہم السلام سے ملاقات کرتے جو ان کے لئے مقام تجویز ہو چکے تھے اس سدرۃ المنتہےٰ پر جا پہونچے جس کی جڑ چھٹے آسمان میں اور شاخیں فلک ہفتم پر واقع ہیں۔

سدرۃ عربی میں بیری کے درخت کو کہتے ہیں اور چونکہ فرشتوں کی آمد و رفت وہیں تک ہے اس کے آگے قدم بڑھانا ذی روح مخلوق کی طاقت سے باہر ہے اس لئے اس کا نام منتہیٰ ہے یہی وہ مبارک درخت ہے جو چاروں طرف انوار تجلیات سے گھرا ہوا اور جس کے عجیب الخلقت پتہ پتہ پر ایک ایک فرشتہ اللہ کی تسبیح میں مشغول ہے اور اسی سے چار نہریں جاری ہیں دو باطنی جو چمنستان جنت میں رواں ہیں اور دو ظاہری جنہیں ایک کا نام دریائے نیل ہے ور دوسرا دریائے فرات کہلاتا ہے۔ آسمانوں ہی پر آپ بیعت المعمور کی زیارت کر چکے تھے جو ملائکہ کا کعبۂ مقدس معبد دنیا کے خانہ کعبہ کے عین محاذات میں واقع ہے اور جس کا طواف کرنے کو ہر روز ستر ہزار فرشتے آتے ہیں اور جو ایک بار طواف کر چکے وہ قیامت تک دوبارہ طواف کرنے نہ آئیں گے۔

اب آسمان ہفتم پر ایک نہر نظر آئی جو زمرد و یاقوت کے سنگریزوں پر جاری تھی جس کا خوشگوار پانی شہد سے زیادہ شیریں اور دودھ سے زیادہ سپید تھا جس میں سونے چاندی کے کٹورے یاقوت زبرجد کے آبخورے پڑے بہہ رہے تھے اس کو دیکھکر آپ نے جبرئیلؑ سے دریافت کیا کہ اس نہر کا نام کیا ہے؟ جبرئیل امین نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ نہر کوثر ہے جو آپ کو عطا ہوئی اور قیامت کے دن کی ناقابل برداشت سخت گرمی کے وقت آپ کی پیاسی امت مرحومہ کو سیراب کرنے والی ہے۔

سدرۃ المنتہیٰ پر پہونچکر روح الامین نے رخصتی سلام کیا اور یہ کہکر کہ آگے قدم رکھنا سوائے آپ کے دوسرے کا کام نہیں ہے واپس ہونے کی اجازت چاہی آپ کو سوائے اجازت چارہ ہی کیا تھا۔ جبرئیل امین کو رخصت کیا البتہ یہ دریافت فرمایا کہ اے میرے رفیق اگر کوئی درخواست بامید قبولیت ہو تو میں بارگاہ رب العزۃ میں منظور کرانے کی جرأت کر سکتا

ہوں۔ جبرئیل امین نے عرض کیا کہ یارسول اللہ بس یہ خواہش ہے کہ تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک پلصراط قیامت کے دن جب دوزخ پر قائم کیجائے اور لوگوں کو اس کے عبور کرنے کا حکم ہو تو مجھکو اجازت ملجائے کہ اپنے پَر اس پر بچھادوں تاکہ اس پر چلنے والے فرفر چلے جائیں اور کٹ کٹ کر دوزخ کے عبرتناک بڑے بڑے انگاروں کی خوراک نہ بنیں۔

یہ وہ وقت تھا کہ آپ پیادہ پا تنہا کسی عالی شان دربار اور کسی بے پایاں بڑی سرکار میں جانے والے تھے بظاہر نہ کوئی راہبر ساتھ تھا نہ مونس وغمگسار نہ رفیق ہمراہ تھا نہ یار و مددگر کسی غیبی راہبر کی اعانت پر آپ نے قدم آگے بڑھایا اور جبروتی شان وعظمت اور جلال کبریائی کی دہشت کے وہ حیرت انگیز آثار قلب پر نمودار ہو چلے جو احکم الحاکمین کے حضور میں حاضر ہونے والے مقرب بندہ کے پاک اور بے عیب دل پر ظاہر ہونے چاہئیں۔ گو مشتاقانہ بے خودی کی کیفیت طاری تھی اور خوف واضطراب کی حالت ہویدا حیرت کا عالم اور دہن مبارک پر مہر خاموشی یکایک آپ کے سچے رفیق ابوبکر صدیق عتیق کی آواز ولہجہ میں کسی طرف سے ندا آئی کہ قف یا محمد فان ربک یصلی۔ "ٹھیر اے محمد کیونکہ تیرا پروردگار نماز پڑھ رہا ہے" گو یہ کلمات سنکر آپ کو حیرت ہوئی کہ یہاں ابوبکر کی آواز کہاں اور بے نیاز پروردگار کی نماز کیسی؟ تاہم دل کی وحشت اور قلب کی دہشت آواز کے ختم ہوتے ہی کافور ہو چکی تھی ڈھارس بندھ گئی تھی اور اطمینان وفرحت کے آثار پیدا ہو گئے تھے ناگاہ دوسری ندا آئی کہ ادن یا خیر البریۃ ادن یا احمدُ ادن یا محمد" پاس آجا اے بہترین مخلوقات پاس آجا اے احمد پاس آجا اے محمدؐ" بس ثم دنی فتدلّٰی فکان قاب قوسین او ادنٰی "پھر نزدیک ہوا اور اُترآیا پس فاصلہ رہگیا دو کمان کی برابر یا اس سے بھی زیادہ قریب" اس مرتبۂ قرب کا اظہار جو سرور کائنات کو بارگاہ احدیت سے ہوا بشری قوت بیانیہ سے باہر ہے۔

آپ رویائے باری تعالیٰ سے مشرف ہوئے اور جو کچھ عز اسمہ سے راز ونیاز کی باتیں ہوئیں انکو کوئی کیا جانے فاوحی الی عبدہ مااوحی "پھر اللہ نے وحی بھیجی اپنے بندے کی جانب جو کچھ بھی وحی بھیجی" آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرے پروردگار عز اسمہ نے اس موقع پر میرے کندھوں پر بلا تکیف وبے تحدید ہاتھ رکھے جس کی برودت کا اثر قلب پر ظاہر ہوا اور مجھ پر اولین وآخرین کا علم منکشف ہو گیا۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرض کیا کہ اے میرے پروردگار پہلی غیبی آواز کا مطلب کیا تھا ابوبکر کی آواز یہاں کہاں اور تیری بے پرواہ سزاوار حمد ذات کی نماز کیسی"؟ جواب ملا کہ پیارے محمدؐ میں تو نماز سے بے نیاز ہوں۔ اس صلوٰۃ سے مراد جو یصلی کے لفظ میں مستتر تھی وہ خاص رحمت ہے جس کا مورد تو اور تیری مرحوم امت ہے اس وقت میری بے پایاں رحمت

نازل ہورہی اور تیرا استقبال کررہی تھی اور یہاں عالم لامکان میں تیرے دنیا و آخرت کے پیارے دوست ابوبکر کی سی آواز کا سنائی دینا محض تیری اُنسیت اور عارضی دہشت کے رفع ہونے کی غرض سے تھا کیا تجھے یاد نہیں کہ کوہ طور پر موسیٰ کلیم اللہ سے ہمکلام ہوتے وقت ہیں اس کی ہر وقت ہاتھ میں رہنے والی لاٹھی کا ذکر چھیڑ دیتا اور پوچھتا تھا کہ مانلک بیمینک یاموسیٰ "اے موسیٰ یہ تیرے داہنے ہاتھ میں کیا ہے" اور اس سے بھی مقصود صرف اس کو مانوس بنانا اور اس رعب و دہشت کا زائل کرنا ہوتا تھا جو خالق جل شانہ سے ہمکلام ہوتے وقت بشر کے مخلوق قلب پر طاری ہونی لازمی اور ضروری ہے۔ واللہ اعلم۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالم محویت میں مستغرق تھے کہ بارگاہ احدیت سے بطور یاد دہانی ارشاد ہوا کہ ہاں اے محمدؐ وہ جبرئیلؑ کا سوال کیا تھا جس کا ذکر کرنا تمکو یاد نہیں رہا؟ ہم نے اس کی دعا قبول کی لیکن اسی کے لئے جو تم سے محبت کرے کیونکہ اس نعمت کا وہی مستحق ہوسکتا ہے جو میرے پیارے محمدؐ کو پیارا سمجھے اسی موقع پر آپ اور آپ کی اُمت پر رات دن میں پچاس وقت کی نماز فرض ہوئی اور اس کے بعد اللہ کے میہمان نے سبز رفرف پر سوار ہوکر عرش کی سیر کی اور واپسی کے وقت عرض کیا کہ بارالہا ہر سفر سے آنیوالا شخص اپنے ہموطن اقارب اور احباب و آشنا کے لئے تحفہ ضرور لیجاتا ہے ارشاد فرمایا کہ میں اپنی پیاری امت کو کیا ہدیہ پیش کروں جواب ملا کہ پیارے محمدؐ میں تیری امت کا زندگی کے اوقات میں معین اور آخرت کے لئے سفر شروع کرتے وقت موت کی حالت میں مددگار رہوں گا۔ تنگ و تاریک قبر کے گڑھے میں اُن کا رفیق اور قبور سے اُٹھتے وقت ہولناک حشر کے میدان میں ان کا انیس بنونگا۔ یہی تیری امت کیلئے اُس سفر کا بیش قیمت تحفہ ہے جس کے سامنے ہفت اقلیم کی لاکھوں برس کی فانی سلطنت بھی بے وقعت ہے۔

فطوبیٰ لکم یا امۃ محمدٍ وبشریٰ لکم وصلے اللہ علی عبدہ وصفیہ محمدٍ وآلہ وسلم۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنت و دوزخ لوح وقلم عرش و کرسی غرض تمام عجائبات علوی کی سیر کرچکے اور واپس ہوئے تو حضرت موسیٰ کلیم اللہ پر گذر ہوا موسیٰ علیہ السلام نے دریافت کیا کہو اے محمدؐ تمہاری امت پر کسقدر نمازیں فرض فرمائیں؟ آپنے جوابدیا کہ پچاس موسیٰ علیہ السلام نے کہا محمدؐ میں قوم بنی اسرائیل کو ایک زمانہ دراز تک آزما چکا اور تجربہ کار بن چکا ہوں۔

تمہاری ضعیف الجثہ امت روزانہ پچاس وقت کی نماز ادا نہ کرسکیگی جاؤ اپنی امت پر رحم چاہو اور تخفیف کا سوال کرو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس ہوئے اور بارگاہ صمدیت میں نہایت عاجزی سے حکم میں تخفیف چاہی اور دس نمازوں کے معاف ہونے پر موسیٰ علیہ السلام کے پاس پھر آئے اور موسیٰ علیہ السلام نے دوبارہ کہا کہ چالیس وقت

کی نمازوں کا تحمل ہونا کوئی آسان بات نہیں ہے جاؤ اور رحم کے آرزومند بنو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پھر لوٹے اور فرض نمازوں کے کم ہونے کا سوال کیا اس مرتبہ پھر دس نمازیں معاف ہوئیں۔ اور تیس نمازوں کا حکم لیکر آپ پھر موسیٰ علیہ السلام کے پاس لوٹے۔ غرض موسیٰ علیہ السلام کی خیر خواہانہ تجربہ کی نصیحت کے موافق بار بار کی آمد و رفت کے بعد پانچویں مرتبہ دن رات میں صرف پانچ نمازوں کی فرضیت باقی رہی اور حکم ہوا کہ پیارے محمدؐ پانچ نمازیں ادا کرنے پر ثواب پچاس نمازوں کا عطا ہوگا اس لئے کہ تیری مرحومہ امت کی ایک نیکی پر ہماری بے نیاز سرکار سے ہمیشہ دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرحان وشاداں لوٹے اور گو موسیٰ علیہ السلام نے اس مرتبہ بھی کہا کہ اے محمدؐ پھر جاؤ اور تخفیف چاہو لیکن آپ نے یہ جواب دیکر کہ اب بار بار اپنے پروردگار سے سوال کرتے مجھکو شرم آتی ہے چھٹی مرتبہ مراجعت نہیں کی اور رخصت ہوکر عالم دنیا کو اپنے وجود باجود سے اعزاز بخشا ابھی تک آپ کا بستر مبارک گرم تھا کیونکہ اس ہزاروں برس کی مسافت کا ایک آن میں طے ہونا ایک قدرتی کرشمہ تھا جسکو وقت یا زمانہ کی ضرورت نہ تھی۔

عالم غیر محسوس کی مثال دیکھئے تو اللہ کی نورانی مخلوق مجسم نور ملائکہ کے گروہ میں ہر فرد کا عرش سے فرش تک کی ہزارہا برس کی مسافت کا وقت کم سے کم حصہ میں طے کرنا نقلاً مستبعد نہیں اور محسوسات پر نظر کیجئے تو نگاہ کے تیلے ڈورے کا زمین سے آسمان اور آسمان سے زمین تک ایک آن میں چکر لگا لینا عقلاً ثابت اور دن میں کئی کئی بار ہر شخص کے لئے واقع ہے پھر اگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معراج کا انکار کیا جائے تو ایسے ہٹ دھرم شخص کو اللہ کی قدرت کا منکر اور بدیہیات کا جاحد کہکر کیوں نہ کافر مانا جائے۔ عیاذاً باللہ۔

صبح ہوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب معراج کا ماجرا من وعن لوگوں سے ذکر کیا اکثر ضعیف الاسلام مسلمان بھی مرتد ہوکر آپ کی ہنسی اڑانے لگے سرکش بت پرست قوم کو طعنہ زنی کا موقع ہاتھ آیا اور آپ کا مخول اڑاتے ابوبکر رضہ کے پاس پہونچے اور کہا "لیجئے حضرت آپ نے اپنے دوست کی نئی گھڑی ہوئی رات کی کہانی بھی سُنی۔؟

وہ کہتے ہیں کہ میں بیت المقدس ہوتا ہوا آسمانوں کی سیر کر آیا اور ایک آن میں بحالت بیداری جنت و دوزخ سب کچھ دیکھ آیا ابوبکرؓ نے جوابدیا کہ میرا پیشوا اللہ کا پیارا پیغمبر جو کچھ بھی کہتا ہے بیشک سچ کہتا ہے اللہ کی قدرت اور رسولؐ کے مرتبۂ قرب کا انکار محض تمہاری کوتاہ اندیشی والحاد کا منشا ہے اسی وجہ سے ابوبکرؓ کا لقب صدیق ہوا اس لئے کہ انھوں نے دولت تصدیق وایمان سے اپنا دامن سب سے پہلے بھرا۔

چونکہ حضرت ابوبکرؓ ابھی تک اپنی قوم میں باوقعت اور راست گو سمجھے جاتے تھے اس لئے مشرکین کو اطمینان دلانے کی غرض سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلے اللہ علیک وسلم میں نے بیت المقدس دیکھا ہے آپ اس کا خیالی نقشہ کھینچکر مجھکو اس کی صورت بتایئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مفصل حالات اور مسلسل کیفیت بیان فرمائی موجودہ کفار نے سوال بھی کیا تو ایسا جس کی جانب سیر کرنے والے کو توجہ بھی نہیں ہوتی دریافت کیا کہ اچھا بتایئے کہ اس مقدس مکان کے دروازے کتنے ہیں اس میں طاق کس قدر ہیں چھت کی کڑیاں کتے ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بے سروپا سوال کے جواب میں کچھ تأمل ہوا اور اللہ پاک نے معاً بیت المقدس کو فرشتوں کی غیر معمولی قوت کی وساطت سے اپنے رسول کی نظر کے سامنے لا رکھوایا آپ اس کو دیکھتے جاتے اور کڑیاں طاق دروازے درشمار کرکے بتلاتے جاتے تھے لیکن اس پر بھی ازلی بدبخت آپ کو ساحر اور مجنون ہی پکارتے رہے۔

کلام مجید کے سادہ الفاظ نے اس قصہ کو صراحتہً صرف اس قدر بیان کیا ہے کہ پاک ذات ہے جو لیگیا اپنے بندے کو مسجد حرام سے اس مسجد اقصے تک جس کے گرداگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں تاکہ ہم اس کو دکھائیں اپنی قدرت کے کچھ نمونے بیشک وہی سُننے والا دیکھنے والا ہے" باقی کچھ اس کا بیان سورۂ نجم میں مذکور ہے بہرحال صرف مسجد حرام سے مسجد اقصے تک چالیس دن رات کی مسافت کا اس رات میں قطع ہونا اس لئے مذکور ہوا کہ کفار قریش میں یہی متنازع فیہ امر تھا اور اس کی بابت پوچھ گچھ بھی شروع کی تھی اس سے فلکی سیاحت کی نفی لازم نہیں آتی۔

باب (۲۹) ۱۳ نبوی

بیعت عقبہ ثانیہ اور ابوبکر کا ارادہ ہجرت - حج کی رسم زمانہ اسمٰعیل علیہ السلام سے ابتک اہل عرب میں جاری تھی اور گو اس کے پاک ارکان کو کفار نے اپنی جہالت وبت پرستی کی رسوم سے بدل لیا تھا اور گویا اس زمانہ میں اللہ کا شریک ٹھیرانا، پتھر کی مورتوں۔ دیوی۔ دیوتاؤں کو معبود اور حاجت روا ماننا ان کے گرد پھرنا اصل حج سمجھ رکھا تھا۔ وہ اللہ کا باعزت گھر جو مرجع خلائق اور دنیا بھر کے فرمان بردار بندوں کا معبد ہے ایک مندر بنا رکھا تھا جس میں تین سو پینسٹھ ۳۶۵ بت ایستادہ تھے۔

حضرت مصعب بن عمیر قبیلہ بنو عبدالاشہل کو مقدس مذہب کے مسائل کی تعلیم دینے میں شب و روز مصروف تھے ماہتاب اسلام اپنی بے عیب روشنی کی چمکدار شعاعیں یثرب کی سطح زمین پر برابر ڈال اور روز بروز ترقی کر رہا تھا مسلمانان مدینہ اپنے پیشوا سرور کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جمال جہاں آرا پر غائبانہ عاشق اور

شرف زیارت حاصل کرنے کے غایت درجہ مشتاق ہو چکے تھے یہانتک کے کفار یثرب کے ایک جم غفیر کا اسی اپنی رسم شرک کی تلویث سے حج کرنے اور مکہ آنے کا ارادہ ہوا اور چند دلدادہ مسلمانوں نے انہیں کے ہمراہ مکہ کا سفر کر دیا اور درحقیقت اِن مسلمانوں کی نیت یہ تھی کہ اپنے روحانی باپ کو اپنے شہر میں لیجائیں۔

۶۲۲ء عیسوی مطابق ۱۳ نبوی کے شروع ماہ ذی الحجہ میں تہتر مرد اور دو عورتیں کل پچہتر مسلمان اپنے بت پرست بھائیوں کے ساتھ مکہ میں آئے اور آنحضرت صلعم کے پاس خفیہ پیغام بھیجا کہ ہم جان نثاران کو شب کے آخری حصہ میں قدمبوسی کی عزت بخشئے اور اسی عقبہ پہاڑ پر جہاں ہمارے سابق الاسلام بھائی قول و قرار کر چکے ہیں ہمکو بھی بیعت کر لیجئے۔

آنحضرت صلعم اپنے چچا عباس کے ساتھ جو اِس وقت مسلمان نہ تھے لیکن اپنے بھائی ابوطالب کے انتقال پر آنحضرت صلعم کے حامی و مددگار اور قومی ہمدردی و کنبہ داری کی حیثیت سے اپنے بھتیجے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے خیر خواہ اور محافظ و نگہبان تھے وسط ایام تشریق میں تہائی رات گذرنے کے بعد عقبہ پہاڑی پر اس جگہ تشریف لائے جو پہلے سے نووارد یثربی مسافروں کی ملاقات کے لئے تجویز ہو چکی تھی وہ لوگ بھی اپنی بُت پرست مشرک قوم سے چھپکر آہستہ آہستہ قدم بڑہائے اس جگہ آ پہونچے اور ماہتاب نبوت کے گرد ہالہ کی طرح مؤدب ہو بیٹھے۔ ۱۱

آنحضرت صلعم کو ضرورت نہ تھی کہ ان دلدادہ اہل مدینہ کو ان سب بکھیڑوں اور مصیبتوں سے مطلع کریں جو ان کو مسلمان ہونے کی وجہ سے پیش آنے والی تہیں اس لئے کہ وہ خود بھی سمجھے ہوئے تھے کہ بحالت موجودہ اسلام ضعیف اور مسلمان بدرجہ غایت کمزور ہیں ان کو کافروں کی طرف سے سخت ایذائیں پہونچتی ہیں ان کو تیر ملامت کا نشانہ بنایا جاتا ہے اور سخت کلامی و تیز زبانی کے وہ جگر خراش زخم پہونچائے جاتے ہیں جنکا تحمل درحقیقت عاشق رسولؐ ہی کا کام ہے۔

عباس نے گفتگو میں پیش قدمی کی اور کہا کہ اے جماعت خزرج تم کو معلوم ہے کہ محمدؐ ہم میں باعزت شمار ہوتا اور بڑے جتھہ کی حفاظت و امن میں رہتا ہے گو اس کے مخترعہ مذہب کے باعث اس کے مخالف زیادہ ہو گئے پھر بھی وہ جس نگاہ وقعت سے دیکھا جاتا ہے شاید دوسرے کو حاصل نہیں اس لئے کہ وہ مخالف درحقیقت اس نئے دین کے مخالف ہیں محمدؐ کے دشمن نہیں ہیں لیکن محمدؐ ان بیجا مخالفتوں سے پریشان ہو کر تمہارے ساتھ جانا پسند کرتا ہیں اب تم اپنی قوت و ہمت پر ایک نظر ڈال کر اندازہ کر لو اگر تم اس کے جا و بیجا ہر حکم کی تعمیل کر سکو اور اِس کو ہر چھپے اور کھلے دشمن سے بچا سکو تو تم کو اختیار ہے محمدؐ کو اپنے ساتھ لیجاؤ اور اگر یہ تمہاری طاقت سے باہر ہے اور تم کسی آنے والے زمانہ میں دست کشی کا خیال کرتے ہو تو بہتر ہے کہ ابھی صاف جواب دیدو تاکہ محمدؐ کی یہ موجودہ عزت و حفاظت قائم و برقرار رہے نووارد انصار نے جواب دیا کہ عباس "جو کچھ تم نے کہا ہم نے سُن لیا اب ہم اپنے پیشوا سیدنا محمد صلعم سے دریافت

کرنا چاہتے ہیں کہ آپ ہم سے کیا چاہتے اور خاص اپنے اور اپنے اللہ کے لئے کیا عہد لیتے ہیں جس کا ایفا ہمارے ذمہ ضروری ہے۔

" آنحضرت صلعم نے اول ان کو محاسن اسلام سمجھائے کلام مجید کی چند آیتیں پڑھ کر سنائیں پاک مذہب اسلام کی خوبیوں میں رغبت بڑھائی اور فرمایا "اللہ کے لئے یہ عہد ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور میرے لئے یہ ہے کہ جو میں کہوں سنو اور مانو رنج میں خوشی میں افلاس میں تونگری میں میری اطاعت کرو تابعدار رہو اللہ واسطے خرچ کرو حق بات کے اظہار میں کسی ملامت کرنے والے کا خوف نہ کرو مجھکو اپنے جان و مال سے زیادہ عزیز سمجھو اور جس طرح اپنے بچوں اور عورتوں کی حفاظت کرتے ہو ویسی ہی میری حفاظت کرو"۔ آپ کے یہ نصیحت آمیز کلمات سنکر سب سے پہلے سیدالانصار حضرت براء بن معرور الغنمی الکعبی السلمی الخزرجی نے ہاتھ بڑھایا اور کہا کہ یا رسول اللہ ہمکو سب منظور ہے دست مبارک بڑھایئے اور بیعت کر لیجئے۔ "

ابوالهیثم بن تیہان نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ایک بات اور سن لیجئے آپ کو معلوم ہے کہ ہم لوگ جانباز لڑنیوالے اور قتل و قتال کے عادی و خوگر ہیں ہم میں اور قوم یہود میں آجکل مصالحت اور اتحاد و ارتباط کا تعلق ہے آپ پر ایمان لائے پیچھے اس باہمی اتصال کا نقض ہو جاوے گا اور ہم یہودیوں کے دشمن بنکر آپ کے ساتھی ہوں گے اور دشمنوں سے لڑیں گے جب غلبہ و نصرت آپ پر سایہ کرے اور اقبال آپ کے مبارک پیروں کے نیچے تلوؤں کو بوسہ دے تو کیا آپ ہم لوگوں کو چھوڑ کر مکہ چلے آئیگا آنحضرت صلعم نے مسکرا کر جواب دیا نہیں کبھی نہیں تمہارا خون میرا خون ہے تم میرے ہو میں تمہارا ہوں جان من با جان شما و تن من با تن شما منزل من با شما و قبر من در شما میں اس کا ساتھی جسکے تم ساتھی اور جس کے تم دشمن اس کا میں دشمن آؤ اور اپنی قوم میں سے بارہ آدمیوں کو چن کر اپنا نقیب مقرر کرو جو اپنی ماتحت رعایا کے نگہبان حاکم قرار پائیں چنانچہ یہ فخر خزرج میں سے نو اور قبیلہ اوس میں سے تین آدمیوں کو حاصل ہوا۔

حضرت عباس بن عبادہ بن نضلہ انصاری نے معاہدہ کی پختگی اور استحکام کے اظہار کی غرض سے اپنی قوم کو مخاطب بنا کر کہا کہ اے جماعت خزرج تم جانتے ہو کہ آنحضرت صلعم سے کس سخت معاملہ پر بیعت کرتے ہو؟ تم بیعت کرتے ہو روم و فارس سے لڑنے اور ایسی سخت لڑائیوں میں ثابت قدم رہنے پر جن کا قابل فخر ذکر خیر قیامت کے قائم ہونے تک قائم رہے گا تم خوب سوچ سمجھ لو اگر تمہارے عزیز مال برباد اور ضائع ہوں تمہارے سردار و شرفا قتل ہوں تو وعدہ کے ایفا کی بابت تمہارا کیا خیال ہوگا؟ اگر ایسی جانکاہ مصیبتوں میں تم اپنے دینی پیشوا کی تابعداری نہیں کر سکتے تو گو یہ بدنصیبی و شقاوت ہے لیکن عقل کے اقتضاء کے موافق ابھی سے دست بردار ہو جانا بہتر ہے اور اگر اس کٹھن

منزل میں تمہارے باہمت قدم ڈگنے والے نہیں تو بسم اللہ اس دنیا و آخرت کی بہبودی کو اس سے پہلے لیلو کہ کوئی دوسری خوش قسمت قوم اس کے حاصل کرنے کے درپے ہو جائے وہ لوگ بولے کہ یا رسول اللہ فرمائیے اگر ایسی حالت میں بھی ہم آپ کے حلقہ بگوش غلام بنے رہے اور آپ کے مقابلہ میں مال کا جان کا عزیز و اقارب کا اور اپنے سرداروں کا تباہ و برباد ہوجانا خیال میں نہ لائے تو اس کا صلہ ہمکو کیا ملیگا؟ آپ نے فرمایا کہ "عقبٰی کی خوشی جنت کا پُر فضا باغ" تب ہر ایک نے نہایت خوشی سے آپ کا ہاتھ مانگا اور بڑی یکجہتی سے اس بیعت کی عقبہ کا دوسرا معاہدہ اس طور پر ختم ہو گیا اور آنحضرت صلعم نومسلم اہل یثرب کو رخصت کرکے واپس تشریف لے آئے۔

صبح ہوئی اور اس پوشیدہ بیعت کی خبر سارے شہر مکہ میں مشہور ہو گئی چنانچہ قریش ایک بڑی جماعت کے ساتھ اہل یثرب کے کاروان میں آئے اور کہا کہ اے اہل مدینہ ہم نے سنا ہے کہ تم لوگ رات محمدؐ کے ساتھ ہم سے لڑنے پر عہد و پیمان کرکے آئے ہو اگر یہ سچ ہے تو ہمارا تم سے اور تمہارا ہم سے زیادہ دشمن کوئی نہیں لیکن ان مشرکین مدینہ نے جو اس قافلہ میں موجود تھے قسم کھا کر ان کو اطمینان دلایا کہ یہ محض افواہ اور بازاری خبر ہے اِس کی کوئی اصل نہیں اور درحقیقت ان مشرکین مدینہ کو اس خفیہ کارروائی کی کچھ اطلاع بھی نہ تھی آخر قافلہ نے کوچ کر دیا اور اب آنحضرت صلعم اور آپ کے صحابہ کو قریش پہلے سے بھی زیادہ تکلیف پہونچانے لگے۔

ابھی تک مسلمانوں کو کافروں پر جہاد کرنے اور اپنی ایذاؤں کا انتقام لینے کا حکم نہ ہوا تھا آنحضرت صلعم کو مکہ چھوڑ کر دوسری جگہ جانے کی اجازت نہ ملی تھی اس لئے گو ان نو وارد یثربیوں نے ہرچند اپنے قافلہ کے ان مشرکوں کا قلع قمع کرنے کی اجازت چاہی جو اس وقت منٰی میں مقیم تھے مگر آپ نے اجازت نہ دی اور اگرچہ انھوں نے آپکو اپنے ہمراہ مدینہ لیچلنے کی بابت بھی زیادہ اصرار کیا لیکن آپ نے نہ مانا اور یہی فرمایا کہ ابھی مجھکو حکم نہیں ہوا۔

آنحضرت صلعم نے جب دیکھا کہ مسلمان کفار کی ایذا دہی کے تختہ مشق بن رہے ہیں اور کچھ عجب نہیں کہ سب کے سب قتل کر دیئے جائیں تو آپ نے ان کو اجازت دی اور ہدایت کی کہ تم لوگ بھی یثرب کو چلے جاؤ چنانچہ سب سے پہلے حضرت ابو سلمہ بن عبد الاسد نے مکہ چھوڑ کر مدینہ کو وطن بنایا اور ان کے بعد حضرت عامر بن ربیعہ مع اپنی بیوی لیلٰے بنت ابی حشمہ۔ پھر حضرت عبد اللہ بن جحش اور ان کے بھائی ابو احمد نے تمام اہل و عیال کو لیکر مدینہ کا راستہ لیا اور گھر کو تالا لگا وطن کو خیرباد کہکر چلدئے۔

ان کے بعد صحابہ کی ہجرت کا تار بندھ گیا اور یکے بعد دیگرے حضرت عباسؓ بن ربیعہ۔ حمزہؓ بن عبد المطلب

عبدالرحمنؓ بن عوف۔ طلحہؓ بن عبیداللہ۔ عثمانؓ بن عفان۔ زیدؓ بن حارث۔ عمارؓ بن یاسر عبدؓ اللہ بن مسعود۔ بلالؓ وغیرہم چپ چاپ مکہ سے یثرب کو چلے گئے۔ البتہ حضرت عمر بن خطاب نے جب ہجرت کا ارادہ کیا تو خفیہ جانا اپنی [illegible] کے خلاف سمجھکر تلوار کو میان سے باہر نکال لیا اور لچکدار نیزہ ہاتھ میں لیکر خانہ کعبہ کی جانب رُخ کیا جہاں سرداران قریش کا ایک بڑا مجمع بیٹھا ہوا تھا اور نہایت اطمینان و استقلال کے ساتھ بیت اللہ کا سات مرتبہ طواف کیا اور مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز گزار کر بآواز بلند پکار اکہ اے گروہ کفار اس پر لعنت ہے پھٹکار ہے جس نے کنکریوں کو اپنا معبود بنا رکھا ہے جس کسی کو اپنی بیوی بیوہ اور اولاد یتیم بنانی ہو وہ آئے اور میری شمشیر کی روانی دیکھے لیکن کسی نے دم نہ مارا اور حضرت فاروق اپنے بھائی زید بن خطاب کو ساتھ لیکر مدینہ روانہ ہوئے۔

اسی طرح قریب قریب تمام مسلمان یعنی کم وبیش ستر خاندان مکہ چھوڑ گئے اور کبار صحابہ میں سے سوائے حضرت علی بن ابی طالب اور ابوبکر صدیق عتیق رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے آنحضرت صلعم کے پاس کوئی نہیں رہا شہر مکہ کے ایک حصہ کی اس طرح ویرانی دیکھکر ساکنان مکہ کو بھی رونا آتا تھا ایک بار عتبہ بن ربیعہ نے ان خالی مکانوں کو دیکھکر چند اشعار پڑھے جن کا ترجمہ یہ ہے کہ ہر ایک مکان گو وہ کتنے ہی دنوں آباد رہا ہے آخر ایک غم خانہ ہو جاتا ہے اور پھر اس شخص نے افسوس سے کہا کہ یہ کُل کام ہمارے بھتیجے محمدؐ کا ہے جس نے ہم لوگوں میں نا اتفاقی پھیلا دی اور ہم کو ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا۔

یثرب کے لوگ اپنے دینی بھائی مہاجرین یعنی نو وارد اہل مکہ سے بڑی گرمجوشی کے ساتھ ملے اور آخر حضرت ابوبکر صدیق رضہ نے بھی حبشہ ہجرت کرنے کی اجازت چاہی اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی منشا کے موافق تہیہ سفر کر دیا۔ (۸)

حضرت ابوبکر صدیق رضہ بڑے متمول تاجر پیشہ قریش تھے سب سے پہلے مشرف باسلام ہوئے اور جان ومال اللہ کے نام پر قربان کرنا شروع کر دیا فقراء مسلمین کی اعانت ضعفاء اہل اسلام کی مدد میں ہزار دینار خرچ کر دیئے ان کمزور نو مسلم بندگان خدا کی خلاصی میں جو سخت دل جفا کیش ظالم کافروں کے پنجہ ظلم میں گرفتار تکالیف وآلام کے تختہ مشق بن رہے تھے لکھو کھا دراہم صرف کئے جو مصیبت زدہ گرفتار رنج ومحن نو مسلم غلام جس قیمت پر بھی ملا خرید کر لوجہ اللہ آزاد کر دیا آخر ستم پیشہ کافروں کے حملے حضرت صدیق پر بھی ہونے لگے اور انھوں نے یمن کے راستہ حبشہ کی جانب بغرض ہجرت رُخ کیا۔ مکہ سے پانچ میل کی مسافت

طے ہوئی تھی کہ مقام برک الغماد پر قارہ قبیلہ کا سردار ابن الدغنہ یعنی حارث بن زید نظر آیا جو ابوبکر صدیقؓ کا پرانا دوست تھا۔ گو ابن الدغنہ کافر تھا اور حضرت صدیق مسلمان اگرچہ مذہبی مخالفت نے برسوں کی رفاقت و دوستی کو قطع کر دیا اور ایک کو دوسرے کا جانی دشمن بنا دیا تھا تاہم شریف طبع انسان کی طبعی محمودہ خصلت اور سواد قلب میں جمی ہوئی قدیمی محبت کا اثر زائل ۔۔۔ دشوار ہے اس لئے ابن الدغنہ ابوبکر کو اس حالت میں دیکھتے ہی آنکھوں میں آنسو بھر لایا اور محبت آمیز لہجہ میں دریافت کیا کہ دوست کہاں کا ارادہ ہے؟

ابوبکر صدیقؓ نے صرف یہ کہکر کہ میری سفاک و بے رحم برادری نے میرا مکہ میں رہنا پسند نہ کیا اب ابوبکر اپنا وہ وطن مالوف چھوڑ کر حبشہ جاتا ہے جس میں پیدا ہوا پھلا پھولا بڑھا اور جوان ہوا ابن الدغنہ نے نہایت عاجزی سے درخواست کی کہ آپ مکہ واپس چلیں میرے ہوتے کسی کی ہمت نہیں کہ آپ کو نظر بھر کر دیکھ سکے۔

حضرت صدیقؓ ابن الدغنہ کے اصرار سے مکہ واپس ہوئے اور ابن الدغنہ نے اعلان کر دیا کہ ابوبکرؓ میری پناہ میں ہیں کوئی شخص انکو کسی قسم کی تکلیف پہونچانے کا خیال بھی نہ کرے۔

کفار قریش نے ابن الدغنہ کے امن کا انکار تو نہ کیا لیکن یہ ضرور کہا کہ ابوبکر باواز بلند کلام مجید نہ پڑھیں کیونکہ ان کا خوش الحانی کے ساتھ دل آویز لہجہ میں رو رو کر قرآن پڑھنا ہماری رقیق القلب عورتوں کے نازک دلوں کو اپنی طرف کھینچتا اور گرویدہ کرتا ہے ہمیں اندیشہ ہے کہ قریشی بچے اور عورتیں قرآن پر مائل ہو کر اپنے آبائی دین کو خیرباد کہیں گی اس لئے اگر ابوبکر اس عہد کے خلاف کریں گے تو اپنی پاداش کو پہونچیں گے۔

اس تقریب سے ابوبکر صدیقؓ مکہ میں باطمینان رہنے لگے اور اپنے صحن خانہ میں ایک مختصر مسجد بنائی تاکہ خلوت کے وقت اپنے مولیٰ سے راز و نیاز کرنے اور عبادت میں مشغول ہونے کا عمدہ موقع ملے اسی جگہ مؤدب بیٹھکر کلام اللہ کی تلاوت کرتے اور نماز پڑھتے تھے حضرت صدیقؓ اول تو طبعی طور پر رقیق القلب تھے دوسرے سرور عالم کی صحبت کے فیضان اور فیضان بھی وہ کہ جن کو کچھ ابوبکر کے ساتھ درحقیقت خصوصیت ہی تھی قلب میں نرمی پیدا کرتے تھے یہاں تک کہ قرآن حمید کی بعض بعض آیتوں پر پہونچکر تلاوت کرتے کرتے رو پڑتے اور جبار جل جلالہ کے سخت عذاب کے خوف سے لرز اٹھتے تھے۔

کلام الٰہی کی تلاوت کے اثنا میں فرط شوق کے باعث ایک ولولہ و جوش اٹھتا تھا بس کے باعث اگر حضرت صدیق کوشش کرتے بھی کہ کلام اللہ کا متبرک لفظ باواز زبان سے نکلنے نہ پائے تو کامیابی دشوار تھی آخر ابن الدغنہ کے معاہدہ کا نباہ نہ ہوا اور حضرت صدیق کی دردانگیز آواز نے اہل محلہ خصوصاً عورتوں کے

دلوں پر زیادہ اثر کرنا شروع کیا چنانچہ ان کفار قریش نے جو حضرت صدیق رضؓ کے اہل محلہ تھے ابن الدغنہ سے شکایت کی اور ابن الدغنہ نے حضرت صدیق کو نہایت کوشش سے سمجھایا کہ اپنی حالت سنوار لیں اور کلام مجید پڑھنا اور بار بار رونا بند کریں تاکہ اپنے وطن مالوف شہر مکہ میں باطمینان و امن رہ سکیں لیکن حضرت صدیق نے جب دیکھا کہ میں اپنے مقدس مذہب کی پابندی میں پختگی نہیں چھوڑ سکتا تلاوت میں رونا بند کرنا میری بشری قوت سے باہر ہے تو صاف الفاظ میں ابن الدغنہ سے کہدیا کہ میں اپنی حالت میں ذرہ برابر تغیر نہیں پیدا کر سکتا اگر تم سے میری حفاظت نہیں ہو سکتی تو دست بردار ہو جاؤ میرا پیدا کرنیوالا میرا نگہبان کافی ہے۔ میں تمہاری زمین تمہارا ملک بخوشی چھوڑ سکتا ہوں لیکن ذکر الٰہی کسی طرح نہیں چھوڑ سکتا ملک خدا تنگ نیست و پائے گدا لنگ نیست۔

ابن الدغنہ سے مخالفت ہوئے پیچھے حضرت صدیق کی حالت قابل اطمینان با امن نہیں رہی اس لئے دوبارہ ہجرت کا قصد کیا اور اس مرتبہ آنحضرت صلعم سے مدینہ چلے جانے کی اجازت چاہی آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اے ابوبکر چند روز اور صبر کرو مجھکو بھی عنقریب مکہ چھوڑنے کی اجازت ہوا چاہتی ہے بہتر ہے کہ اس سفر ہجرت میں بھی تم ہی میرے رفیق رہو چنانچہ ابوبکر صدیق نے اس انتظار میں ارادہ ہجرت فسخ کیا کہ سرور عالم کے سفر میں ہمرکابی و رفاقت کا فخر حاصل ہوا اور اس کے بعد جو کچھ بھی جسمانی یا زبانی ایذا اٹھانی پڑی اس کو نہایت استقلال کے ساتھ برداشت کیا۔

اسی اثناء میں حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو خواب نظر آئی کہ آسمان پر ایک بدر کامل نمودار ہوا اور بطحاء مکہ میں اُتر آیا جس کی عالمتاب روشنی سے جنگل تک کا ذرّہ ذرّہ منور ہو گیا اس کے تھوڑی دیر بعد اس ماہتاب نے آسمان کی جانب رُخ کیا پھر مدینہ میں جا قرار پکڑا اور یثرب کی زمین کو اپنی عالمگیر شعاعوں سے جگمگا دیا اس ماہ کامل کے ساتھ بیسیوں چھوٹے بڑے ستاروں نے بھی اسی جیسی حرکت شروع کی اور مدینہ میں آٹھیرے پھر وہ ماہتاب کئی ہزار ستاروں کے ساتھ ہوا پر اڑا اور شہر حرام یعنی مکہ میں آ اُترا جس سے تمام حرم منور ہو گیا لیکن مدینہ کی زمین ویسی ہی روشن رہی جیسی ماہتاب کے وہاں جلوہ گر ہونے پر تھی البتہ تین سو ساٹھ یا کچھ کم و بیش گھر تیرہ و تار نظر آتے رہے۔ جن کی تقدیر میں اس قدرتی نور ہدایت سے فیضیاب ہونا نہیں لکھا تھا اس کے بعد وہ ماہ شب چہاردہم مدینہ کی جانب روانہ ہوا اور لخت جگر عائشہ صدیقہ رضؓ کے گھر میں اُترا یکایک زمین شق ہوئی اور چاند اس میں سما گیا۔

یہ خواب دیکھکر حضرت صدیقؓ کی فوراً آنکھ کھل گئی اور گریہ وزاری شروع کردی۔ درحقیقت یہ سچی خواب

حضرت صدیقؓ کو آئندہ واقعات کی اطلاع کے لئے دکھائی گئی تھی کہ آنحضرت صلعم اپنے ساتھیوں سمیت مکہ سے مدینہ کی جانب ہجرت کریں گے اور چند سال رہکر بغرض جہاد مکہ پر چڑھائی کریں گے اور خاطر خواہ فتح پائیں گے۔ مکہ دارالاسلام ہوکر نور ایمان سے منور ہوگا لیکن آنحضرت صلعم اب اس متروک و مہجور وطن کو قیام گاہ نہ بنائیں گے بلکہ مدینہ واپس جائیں گے اور تھوڑے ہی دنوں بعد وہاں وصال فرمادیں گے اور بی بی عائشہؓ کے حجرہ میں مدفون ہوں گے۔

حضرت صدیقؓ نے دو اونٹ خریدے اور اس نیت سے ان کو کھڑا کرکے کھلانا اور تیار کرنا شروع کردیا کہ یہ سفر ہجر بعد میں یثرب جاتے وقت میرے اور رسول اللہ صلعم کے کام آئیں گے۔

باب (۱۰۳) ۱۳ سنہ نبوی

آنحضرت صلعم کی مدینہ کی جانب ہجرت اور ابوبکر صدیقؓ کی رفاقت

ہر مذہب کی ابتدائی حالت جیسی سخت اور دشوار ہوتی ہے اس کا اندازہ مذکورہ ابواب سے ناظرین کو ہوچکا ہوگا جس زمانہ میں باشندگان مکہ میں سے ہر شخص کو طوفان بلا کے برپا ہونیکا خوف تھا سیدنا محمد صلے اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ اسی استقلال و پختگی سے قائم تھے آپکے تمام صحابہ کچھ مکہ سے سیدھے مدینہ اور کچھ اول حبشہ اور چند سال بعد حبشہ سے مدینہ پہونچ چکے تھے آپ کے ساتھ صرف حضرت علیؓ و ابوبکرؓ رہ گئے تھے۔ رنج و تکلیف کی گھنگھور گھٹائیں امنڈ رہی اور چاروں طرف چھارہی تھیں مکہ کی ویرانی اور یثرب کی آبادی بڑھتی جاتی تھی۔

کفار قریش نے اس خوف سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ محمد صلعم بھی ہمارے قبضہ سے اپنے تابعدار مسلمانوں کی طرح نکل جائیں اور مکہ سے چل دیں ایک جلسہ اس مکان میں منعقد کیا جس کا نام دارالندوہ تھا۔ اس جلسہ میں قوم کے کل سردار یعنی ربیعہ کے دونوں بیٹے عتبہ[۱] وشیبہ[۲]۔ ابوسفیان[۳]۔ ابوجہل[۴]۔ حبیب بن مطعم[۵]۔ طعیمہ[۶] بن عدی حارث[۷] بن عامر۔ نضر[۸] بن حارث۔ ربیعہ[۹] بن اسود۔ حکیم[۱۰] بن حزام۔ امیہ[۱۱] بن خلف۔ ھشام[۱۲] بن عمر ابوالبختری[۱۳] بن ھشام اور حجاج کے دونوں بیٹے نبیہ[۱۴] ومنبہ[۱۵] وغیرہم جمع ہوئے اور آج قطعی فیصلہ کرنیکے لئے سب کے مشورے لئے گئے۔

جلسہ کا نصاب پورا ہوچکا اور پھر عداوت کیش دشمن خدا و رسول اپنے چھپے ہوئے کینے ظاہر کرنے اور جلے ہوئے دل کے پھپھولے پھوڑنے کے لئے تیار ہوچکا تھا کہ ایک ضعیف العمر دراز ریش مسن اجنبی شخص عصا ہاتھ میں لئے بھری محفل میں بے تکان داخل ہوا اور کہا کہ اے سرداران قریش میں شہر نجد کا باشندہ اپنی قوم کا شریف طبیعت تجربہ کار

سردار ہوں سیر و سیاحت کرتا مکہ میں آیا تھا کہ تمہاری کمیٹی کی خبر سُنی محض انسانی ہمدردی کے اقتضاء سے خیر خواہانہ مشورہ دینے بلا تکلف چلا آیا۔

اس شخص کی صورت سے معلوم ہوتا تھا کہ کوئی جہاندیدہ تجربہ کار اور ماہر جنگ سمجھدار شخص ہے اس لئے اہلِ شوریٰ نے شکریہ کے ساتھ ہاتھوں ہاتھ لیا اور مناسب جگہ بٹھایا لیکن یہ کسی کو خبر نہ تھی کہ یہ دغاباز شیطان ہے جو بصورت بشر اس ناجائز رائے میں مشورہ دینے آیا ہے۔ غرض تجویز پیش ہوئی کہ عبد اللہ بن عبد المطلب کے بیٹے محمدؐ نے اپنے سحر و کہانت کا بازار گرم کر رکھا ہے نعوذ باللہ شعراء سلف کی طرح مقفّٰی عبارت اور نگین پر اثر فصیح کلام سے اہل عرب کو گمراہ بناتا اور لات وعزیٰ کی پرستش چھڑاتا ہمارے آباؤ اجداد کو بے ایمان اور دوزخی بتاتا ہے اور کسی کے قبضہ میں نہیں آتا۔

ابو البختری نے مہر خموشی توڑی اور کہا کہ اے حاضرین جلسہ میری رائے ہے کہ محمدؐ کو کسی ایسے تنگ و تاریک مکان میں تاحیات قید رکھو جس میں سوائے ایک روشندان کے جس کے ذریعہ سے تھوڑا بہت کھانا پینا اندر پہنچایا جا سکے کوئی سوراخ تک نہ ہو محمدؐ چند روز بھی اس کے متحمل نہ ہوں گے اور وہیں بآسانی اپنی روح ملک الموت کے حوالہ کر دیں گے۔ ہمارا پیچھا چھوٹ جائیگا۔

نجدی بوڑھا شیطان بولا کہ نہیں نہیں یہ رائے ٹھیک نہیں اس لئے کہ جب اس کے ساتھی خبر پائیں گے فوراً بلوہ کریں گے اور اس قید خانہ کو توڑ کر محمدؐ کو چھڑا لیں گے اور آئندہ تم کو کسی سخت لڑائی کا سامنا ہونیکا پختہ خوف ہے جس میں ثابت قدم رہنا تمہارے بس کا روگ نہیں۔

ہشام بن عمر نے جواب دیا کہ کچھ شک نہیں آپ کی رائے ٹھیک ہے ابو البختری کی تدبیر ناکافی ہے۔ میرے خیال میں تو محمدؐ کو ایک اونٹ پر سوار کرو اور شہر سے باہر نکالدو محمدؐ کا سر بازار بہ ہزار ذلت وخواری شہر بدر ہونا ہمارے دلوں کی سوزش ٹھنڈی کر دے گا۔ ہم امن و چین کے ساتھ اپنی زندگی بسر کر سکیں گے اس لئے کہ ہماری شہر سے باہر محمدؐ جو کچھ بھی کرے گا اس سے ہمیں کچھ تعلق نہ ہوگا۔

شیطان نے کہا کہ یہ صورت بھی خطرہ سے خالی نہیں کیونکہ محمدؐ کی شیریں کلامی عام لوگوں کے دل لبھاتی اور بیگانوں کو یگانہ بناتی ہے چند ہی روز میں محمدؐ اپنی میٹھی میٹھی باتوں سے اپنا جتھ بڑھالے گا اور پھر تم سے ایسا زبردست مقابلہ کرے گا جس کے مقابلہ کی طاقت غالباً تم میں نہ ہوگی اس وقت سوائے ندامت کچھ ہاتھ نہ آئے گا عقل کا منشا یہ ہے کہ انسان پہلے ہی سے سوچ سمجھ کر وہ کام کرے جس کا نتیجہ بُرا نہ پیدا ہو۔

ابوجہل بولا میری رائے تو یہ ہے کہ محمدؐ کو قتل کردیا جائے کیونکہ مادہ شر کا سطح زمین پر باقی رہنا کسی نہ کسی وقت اپنا اثر ضرور دکھائے گا اور جب بانی فساد دنیا سے اٹھ گیا تو اطمینان کلی حاصل ہوگیا۔ اس رائے پر چاروں طرف سے صدائے آفریں بلند ہوئی اور ملعون نجدی کی اتفاق رائے سے یہ منصوبہ پختہ ہوگیا لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی سوچی گئی کہ اگر ایک آدمی قاتل ہوگا تو یہ ممکن نہیں کہ وہ اور اس کے گھرانے کے آدمی معاوضہ سے بچ سکیں بنو ہاشم کا باعزت کنبہ محمدؐ کے خون کا دعوے کئے اور قصاص لئے بغیر نہ رہے گا۔

آخر اس بکھیڑے کو ابوجہل نے اس طرح طے کیا کہ پانچ قبائل میں سے ہر ایک قبیلہ کا ایک ایک بہادر و مستعد دلیر جوان منتخب ہو اور سب ملکر بلوے کے طور پر محمدؐ کو قتل کردیں۔ جب بنو ہاشم ہمارے تمام قبائل کے جم غفیر سے مقابلہ کی طاقت اپنے اندر نہ دیکھیں گے تو لامحالہ جان کے بدلے مالی عیوض یعنی دیت کے سو اونٹ کا مطالبہ کریں گے اور ہم سب کو ملکر اس قلیل مقدار کا ادا کردینا بھی گراں اور ناگوار نہ گذرے گا چنانچہ اس بات کو سب نے مان لیا اور چند ستم شعار نوجوان اس کام کے لئے مقرر ہوگئے۔ ۱۹

۲۰ اللہ کے مقدس فرشتے جبرئیلؑ نے آنحضرت صلعم کو کفار کے مشورے اور منصوبہ کی اطلاع دی اور عرض کیا کہ آپ کا یہاں شب گذارنا مناسب نہیں ہے اللہ جل جلالہٗ کا حکم ہے کہ اب آپ اپنا وطن چھوڑ دیں اور ابوبکر کو ساتھ لیکر مدینہ کی زمین کو منور بنائیں چنانچہ آپ نے فوراً حضرت صدیقؓ کو اپنے ارادے اور مشیت ایزدی سے عین دوپہر کے وقت آگاہ کیا اور اسی وقت ابوبکر صدیقؓ نے عاقلانہ تدابیر سے سب انتظام کئے اور رائے قرار پائی کہ شب کے وقت ابوبکر کے مکان کی کھڑکی سے نکلکر پاپیادہ مدینہ کا راستہ لیں اور صبح ہونے سے پہلے غار ثور میں جا چھپیں۔ عبدالرحمن بن ابی بکر دن بھر مکہ میں رہکر باشندگان مکہ کے خیالات وحالات دیکھیں اور شب کو آکر غار ثور میں اطلاع دیں حضرت صدیقؓ کے آزاد شدہ غلام عامر بن فہیرہ دن بھر مکہ میں بکریاں چرائیں اور شب کو غار میں پینے کے لئے دودھ پہنچائیں ایک مشرک عبداللہ بن اریقط نامی رہبری کی غرض سے مناسب اُجرت پر اس لئے تجویز ہوا کہ تیسرے روز دونوں سواریاں غار ثور پر لائے اور مدینہ تک راستہ بتاتا چلے۔ لیکن اس سے اس بات کا عہد وپیمان لے لیا گیا کہ ہمارے خفیہ ارادے اور پوشیدہ خیال کا اظہار کسی پر نہ ہونے پائے۔ ۲۱

عالمتاب آفتاب اپنا روزانہ سفر ختم کرچکا اور رات کی سیاہ چادر سطح زمین کے رہنے والوں پر ڈال گیا آنحضرت صلعم کے قتل کا ارادہ کرنے والے کافر آپ کے گھر کے چاروں طرف جمع ہوئے اور اس امر کے منتظر تھے کہ صبح ہوتے آنحضرت صلعم کو گھر سے نکلتے وقت قتل کریں سب لوگ دیوار کے سوراخ اور دروازوں سے جھانک جھانک کر دیکھ رہے تھے کہ پلنگ

اللہ صلعم سوتے ہیں یا جاگتے آنحضرت صلعم نے اپنی سبز چادر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اُڑھا دی تاکہ کفار یہ نہ سمجھ سکیں کہ رسول اللہ صلعم اپنے پلنگ پر نہیں ہیں اور حضرت علیؓ کو اطمینان دلاکر اور یہ سمجھا کر کہ تم ڈرو مت کسی کی مجال نہیں ہے کہ تمھیں کسی قسم کی ایذا پہونچا سکے صبح کو اٹھکر قریش کی وہ امانتیں جو میرے پاس بغرض حفاظت رکھی گئی تھیں تام بہ نام ادا کرنا اور وہ تمام معاملات ضروری حقوق العباد جو میرے متعلق ہیں اور میں آمس اتفاقیہ سفر اور خفیہ ہجرت کے باعث پورے نہ کر سکا اتمام پر پہونچا کر مدینہ چلے آنا۔" عمامہ سر سے باندھ نقاب روئے مبارک پر ڈال کر دروازہ سے باہر قدم رکھا۔ سورۂ یٰسین کی شروع آیتیں پڑھنی شروع کیں اور ایک مٹھی خاک ان کافروں کی جانب پھینکی جو گھر کا محاصرہ کئے شام سے پڑے تھے آپ حضرت ابوبکر کے مکان پر گئے اور ان کے ساتھ دریچہ مکان کی راہ سے ثور پہاڑ کا راستہ لیا جو مکہ سے تین میل کے فاصلہ پر دکھن کی جانب واقع تھا۔

آنحضرت صلعم کا کافروں کے سروں پر مشت خاک کا پھینکنا معجزہ کی حیثیت میں تھا جس کا اثر یہ ہوا کہ آپ اپنے دشمنوں کے بیچ میں سے نکل گئے اور کسی نے نہ آپ کو پہچانا نہ مزاحمت کی بلکہ آپ کی سبز چادر سے لپٹے ہوئے جسم پر نظر جمائے اس خیال میں مستغرق کھڑے رہے کہ یہ محمدؐ سوتے ہیں یہاں تک کہ صبح ہوئی اور حضرت علیؓ بستر سے اُٹھے کافروں نے حضرت علیؓ کی صورت پر حیرت ناک تجسس کی نظر ڈالی اور دریافت کیا کہ محمد صلعم کہاں ہیں؟ حضرت علی رضؓ نے جواب دیا کہ مجھے معلوم نہیں کہاں ہیں تم لوگوں نے مکہ سے چلے جانے کی بابت بارہا اُن سے کہا وہ مکہ چھوڑ کر چلے گئے۔ ان کافروں نے اول تو یہ سمجھکر کہ شاید حضرت علیؓ محمد صلعم کی جان بچاتے ہیں اور دھوکا دیتے ہیں سختی سے کام لیا تھوڑی دیر نظر بند رکھا لیکن کچھ نتیجہ نہ دیکھکر اس وجہ سے چھوڑ دیا کہ ان کو اگر واسطہ یا مزاحمت تھی تو صرف آنحضرت صلعم کی ذات سے۔

ان لوگوں نے اپنے سر پر خاک پڑی بھی دیکھی اور معلوم کر لیا کہ شب کے وقت ہمارے پاس سے گذرنے والا شخص وہی تھا جس کی فکر میں ہم نے رات بھر گھر کا محاصرہ کیا۔ ابوجہل معہ چند رفقا فوراً حضرت صدیقؓ کے گھر گیا اور ابوبکر کو دریافت کیا کہ کہاں ہیں؟ اور حضرت اسماءؓ کی زبانی یہ معلوم ہونے پر کہ محمد صلعم کے رفیق بھی رات سے غائب ہیں سمجھ گئے کہ دونوں حضرات جان بچا کر مکہ سے کسی جانب چلدیئے۔ کمبخت ابوجہل نے غصہ میں حضرت صدیقؓ کی صاحبزادی اسماءؓ کے ایک طمانچہ بھی مارا جس سے کان کی بالی نکل پڑی اور زمین پر گر گئی۔

اب قریش کے غصہ کا کوئی حد و پایاں نہ رہا جس وقت اہل مکہ نے سُنا کہ رسول اللہ صلعم کے قاتل اپنے مقصد میں نہایت ذلت کے ساتھ ناکامیاب رہے تو ٹڈی دل کی طرح آپ کی تلاش میں ادھر ادھر پھیل پڑے اور دل پر

پورا ارادہ کیا کہ جس طرح سے ہو رسول اللہ صلعم کو گرفتار کیجئے چنانچہ انھوں نے اشتہار دیا کہ جو شخص محمد صلعم کو پکڑ لائیگا وہ سو اونٹ انعام پائے گا۔

آنحضرت صلعم ابوبکرؓ کو ساتھ لئے ثور پہاڑ کی جانب چلے جا رہے تھے کہ راستہ میں ایک ضعیف العمر بدویہ ام معبد یعنی عاتکہ بنت خالد خزاعیہ کے خیمہ پر گذرنے کا اتفاق ہوا جس کے گوشہ میں ایک دُبلی بکری کھڑی ہوئی تھی اور لاغری کے باعث اس کے تھنوں میں دودھ باقی نہ تھا۔

بھوک کا وقت تھا اور پا پیادہ مسافت طے کرنے والوں کو پیاس محسوس ہو رہی تھی اس لئے دونوں حضرات اس خیمہ میں گئے اور عاتکہ سے بکری کا دودھ دوہنے کی اجازت لیکر آنحضرت صلعم نے تھنوں پر ہاتھ ڈالا ان معجز نما کمال بھرے کرامت آمیز ہاتھوں کا سوکھے ہوئے خالی تھنوں پر پڑنا تھا کہ دودھ اس طرح نکلنا شروع ہوا جس طرح فوارہ سے پانی یہاں تک کہ بڑھیا کے گھر کے تمام خالی برتن پُر ہو گئے اور سب نے سیر ہو کر دودھ پی لیا آنحضرت صلعم وہاں سے روانہ ہوئے۔

تھوڑی دیر میں بڑھیا کا شوہر ابو معبد یعنی اکثم بن حون جو اس وقت کسی ضرورت سے جنگل گیا ہوا تھا واپس آیا اور برتنوں کو دودھ سے لبریز دیکھ کر سبب دریافت کیا ام معبد نے تمام قصہ بیان کیا اور آنحضرت صلعم کا حلیہ مبارک کریمانہ اخلاق شریفانہ عادات ظاہر کیں۔

آنحضرت صلعم کا شہرہ تو تمام خطۂ حجاز میں ہو رہا تھا ابو معبد فوراً سمجھ گیا کہ ہو نہ ہو وہ معدن کرم محمد صلعم ہی تھے جن کے میمنت لزوم قدوم نے اس کاشانہ کو اتفاقیہ عزت بخشی اور کہا کہ افسوس اگر میں موجود ہوتا تو ان مبارک قدموں کو چومتا دلخواہ خاطر و مدارات کرتا اور ہمیشہ کے لئے ہمرکابی کی عزت حاصل کرتا۔ منقول ہے کہ ابو معبد نے چند روز بعد مدینہ کی جانب ہجرت کی اور اسلام لائے۔

آنحضرت صلعم راتوں رات ثور پہاڑ کے غار پر جا پہونچے اور حضرت صدیقؓ نے آگے قدم بڑھا غار کی سطح کو اپنی چادر کی جھاڑو سے صاف کر کے ان سوراخوں کو جو غار کے اندر حشرات الارض کا مسکن بنے ہوئے تھے اپنی چادر پھاڑ کر بند کیا چادر ختم ہو چکی اور ایک بڑا سوراخ باقی رہگیا جس کا بھرا کپڑا نہ ہونے کے باعث نہ ہو سکا اس لئے ضرورت پیش آئی کہ ابوبکر اس سوراخ پر اپنے جسم کا کوئی حصہ رکھیں تاکہ اس کے اندر کا کوئی موذی جانور باہر نکلکر غار میں ٹھیرنے والوں کو تکلیف نہ پہونچا سکے۔ حضرت صدیقؓ نے اپنے پیر کے انگوٹھے سے یہ کام لیا اور سرور کائنات صلعم کو آواز دی کہ اندر تشریف لے آیئے۔

رسالت کے جہاں تاب ماہتاب نے اس تنگ و تاریک غار کو منور کیا۔ اور حضرت صدیقؓ نے آپ کا سر مبارک اپنے زانو پر رکھکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ تھوڑی دیر سو رہیں تاکہ سفر کا تکان رفع ہو۔ غرض آنحضرت صلعم نے آرام فرمایا اور حضرت صدیقؓ نے غار کے سخت پتھر سے کر لگا کر اور اس سوراخ کو اپنے پیر کے انگوٹھے سے بند کر کے اپنی خوش قسمتی پر ناز کرنا شروع کیا جو درحقیقت کسی زہریلے سانپ کا بل تھا اور وہ سانپ اپنی آمد و رفت کا راستہ بند دیکھکر اندر گھبرا رہا تھا آخر وہ مقید رہنے کی تاب نہ لا سکا اور اس نے حضرت صدیقؓ کے اس انگوٹھے میں کاٹا جو اس کو باہر نکلنے سے روک رہا تھا حضرت صدیقؓ کو زہریلی سوزش نے بے چین کر دیا لیکن وہ پیر اپنی جگہ سے اس لئے نہ ہلا کہ اس کے حرکت کرنے میں آنحضرت صلعم کی آنکھ کھل جانیکا اندیشہ تھا یہاں تک کہ حضرت صدیقؓ کے چہرہ کا رنگ متغیر ہونے اور بیتابانہ آنکھوں سے آنسو بہنے لگے جس سے آنحضرت صلعم بیدار ہوئے اور حالت غیر دیکھکر سبب دریافت فرمایا ابوبکر صدیقؓ نے حال عرض کیا آنحضرت صلعم نے دہن مبارک کا لعاب مار گزیدہ مقام پر لگا دیا معاً آرام ہو گیا سوزش رفع ہو گئی۔

انعام کے لالچی آنحضرت ص کے گرفتار کرنے کی ٹوہ میں بھڑوں کی طرح ادھر اُدھر پھیل پڑے تھے چنانچہ چند آدمی نشانات قدم کی کھوج لیتے تلاش کرتے اس غار پر بھی آپہونچے جس کے اندر دونوں حضرات چھپے بیٹھے تھے یہ لوگ اس قدر قریب آگئے تھے کہ ان کے پیروں کی آہٹ کانوں کو محسوس ہوتی اور کبھی کبھی چلنے میں قدم نظر آجاتے تھے لیکن اس غیبی نصرت نے جو اللہ کے رسول کی محافظ تھی ان کو اندھا بنا دیا اور کسی کی نگاہ آنحضرت صلعم یا حضرت صدیقؓ پر نہ پڑی کیونکہ غار پر مکڑی نے جالا تن دیا اور جنگلی کبوتروں نے انڈے دیدیئے تھے اس لئے اس جانب کسی کا خیال بھی نہ ہوا کہ غار کے اندر گھسکر پیغمبر کی تلاش کریں کیونکہ جالے کا تنا ہوا ہونا اور انڈوں کا وجود صریح اس بات کی شہادت تھی کہ کسی نے اس کے اندر قدم نہیں رکھا۔

حضرت ابوبکرؓ نے خوف زدہ ہو کر کہا بھی کہ یا رسول اللہ دشمن سر پر آکھڑے ہوئے اگر اپنے پیروں کی جانب نظر کریں تو ہم کو دیکھ پائیں گے لیکن آنحضرت صلعم نے یہ فرما کر تسلی دی کہ لا تحزن ان اللہ معنا غمگین نہ ہو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

تین دن تک آنحضرت صلعم اور حضرت صدیق اسی غار میں رہے حضرت عبد الرحمن بن ابی بکر روزانہ شب کو آتے اور دن بھر مکہ میں کفار کے خیالات کی ٹوہ لگاتے حضرت اسماءؓ دختر ابوبکرؓ کھانا لیکر حاضر ہوئیں اور عجلت کی وجہ سے کوئی رسی یا کپڑا کھانے کے برتن کو باندھنے کے لئے نہ پانیکے باعث اپنی کمر کے نطاق کو دو حصے کیا ایک ٹکڑا اکر سو باندھ لیا اور دوسرے کا سر بند بنا لیا اسی وجہ سے ان کا نام ذات النطاقین ہوا۔

تیسرے دن دونوں اونٹ یعنی قصویٰ اور جدعا لیکر عبد اللہ بن اریقط راہبر آموجود ہوا ان میں سے ایک اونٹ کی قیمت آنحضرت صلعم حضرت صدیق رضی کو دے چکے تھے جس کو حضرت صدیق رضی نے نہایت اصرار کے بعد محض امتثال امر کی نیت سے قبول کیا تھا غرض ایک اونٹ پر آگے آنحضرت صلعم اور پیچھے حضرت ابو بکر صدیق رض سوار ہوئے اور دوسرے پر عبد اللہ بن اریقط اور حضرت صدیق کا آزاد کردہ غلام عامر بن فہیرہ۔ اور دریا کے کنارے کنارے یثرب کو ایسی راہ سے چلے جس طرف سے بہت کم آدمی چلتے تھے تمام شب اور صبح سے چاشت کے وقت تک متواتر چلنا پڑا اور اب چونکہ دھوپ میں تیزی آگئی تھی اس لئے ابو بکر رض نے دور سے ایک سایہ دار پتھر کی پُر فضا چٹان دیکھ کر سواری روکی اور آنحضرت صلعم کے لئے اس سڈول پتھر پر بستر بچھا دیا۔

آنحضرت صلعم نے وہاں آرام فرمایا اور حضرت صدیق رض رفع تشنگی کے لئے دودھ کی تلاش میں ادھر اُدھر نگاہ دوڑانے لگے اتفاق سے حضرت صدیق رض کا غلام بکریاں چراتا نظر آیا اور چونکہ یہ بکریاں بھی حضرت صدیق ہی کی تھیں اس لئے انھوں نے بلا اجازت حاصل کئے دودھ دوہا اور اس میں تازہ پانی ملا کر لسی بنا آنحضرت صلعم کے سرہانے آکھڑے ہوئے۔ حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم خواب استراحت سے بیدار ہو چکے تھے آپ نے حضرت صدیق رض کے ہاتھ سے پیالہ لیکر منہ سے لگایا اور خوب سیر ہو کر پیا آفتاب ڈھلا اور چاروں مسافروں نے اپنی راہ لی۔

گو ان حضرات نے عام آمد و رفت کا راستہ چھوڑ دیا تھا لیکن اس پر بھی خوف سے محفوظ نہ تھے۔ انعام کے لالچی بہت سے سوار چاروں طرف پیغمبر خدا کی تلاش میں پھر رہے تھے۔ چنانچہ ایک پہلوان سوار سراقہ بن مالک مدلجی نے جو بہت ہی تیز گھوڑے پر سوار ہو کر اپنی قوم بنی مدلج سے بغیر اطلاع کئے محض خفیہ مخبری پر نیزہ ہاتھ میں لے تیر کمان سنبھال چلدیا تھا ان لوگوں کو جاتے ہوئے دیکھا اور پیچھا کیا۔

جب حضرت ابو بکر صدیق رض نے دیکھا کہ سراقہ بن مالک پیچھا کئے چلا آتا ہے اور قریب ہی پہونچ گیا ہے تو گھبرا کر بول اٹھے کہ "یا رسول اللہ اب تو ہم پکڑے گئے" لیکن رسول اللہ صلعم نے یہ فرمایا کہ "کچھ غم نہ کھاؤ اللہ ہمارے ساتھ ہے"، جونہی یہ کافر ان حضرات کے نزدیک آیا یکایک اس کے صبا رفتار گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور اس کے پاؤں زمین میں دھنس گئے۔

سراقہ خوف زدہ ہو کر رسول اللہ صلعم سے معافی مانگنے لگا چنانچہ آپ نے معاف فرما دیا اور اس کے گھوڑے کو نجات ملی لیکن سو اونٹوں کے لالچ نے پھر اس کو اندھا بنایا اور یہ دوبارہ گھوڑے پر سوار ہو کر آنحضرت صلعم کا پیچھا کرنے لگا۔ لیکن قریب پہونچنے پر پھر وہی حالت طاری ہوئی اور بادپا گھوڑے کے قدم چھاتی تک زمین میں سما گئے۔

سراقہ بن مالک گھبرا اُٹھا اور نہایت عاجزی سے معافی چاہنے لگا۔ آنحضرت صلعم نے معاف فرما دیا اور اس مرتبہ سراقہ۔ مدلجی عقیدت مندانہ پاس آکر زادراہ ہاتھ میں لیکر کھڑا ہوگیا اور ملتجی ہوا کہ سرور عالم اس میں سے کچھ کھانیکو اپنے لئے لیں لیکن آپ نے قبول نہیں فرمایا البتہ یہ فرمادیا کہ ہمارا حال کسی پر ظاہر نہ ہونے پائے اور کسی پیچھے آنیوالے دشمن کو اس کی اطلاع نہ ہو کہ ہم کہاں اور کس راستے جارہے ہیں۔ غرض بمزید احتیاط سراقہ بن مالک ہڈی کے ایک ٹکڑے پر عامر بن فہیرہ کی لکھی ہوئی امن اور معافی کی سند لیکر واپس ہوا اور جو کوئی بھی راستہ میں ملا اس کو یہ کہہ کر کہ "محمدؐ ادھر کو نہیں گئے" اپنے ساتھ مکہ واپس لے آیا۔

اس واقعہ کے بعد آپ بے خوف و خطر برابر چلے گئے یہاں تک کہ مسلمانوں کے ایک تاجر قافلے سے دوچار ہوئے جن میں حضرت زبیر بن عوام اور طلحہ رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے یہ لوگ اپنے پیشوا کو دیکھ کر رُکے اور قریب آکر قدمبوسی کی عزت حاصل کرنے لگے۔ حضرت زبیر نے دو جوڑے سفید کپڑوں کے نکالکر آنحضرت صلعم اور آپکے رفیق حضرت صدیقؓ کے زیب تن کئے۔

آنحضرت صلعم کے مکہ سے ہجرت کر جانے اور کافروں کے انعامی سنو اونٹ مقرر کرنے کی خبر اہل مدینہ کو مل چکی تھی۔ مسلمانان یثرب سرتاپا چشم انتظار بنے ہوئے غول کے غول استقبال کی غرض سے ہر روز صبح ہوتے مدینہ سے باہر آتے اور دھوپ تیز ہو جانے پر مایوس ہو کر لوٹ جاتے تھے مسلمان عورتیں بچے اپنے اونچے گھروں کی چھتوں پر روزانہ چڑھتے اور گھنٹوں اس راستہ پر مشتاقانہ نگاہ جمائے کھڑے رہتے تھے جدھر سے مکہ کی آمد و رفت تھی لیکن جب شوق بھری نظریں انتظار کرتے کرتے تھک جاتی تھیں تو مایوسانہ قدم اٹھاتے اور نیچے اُتر آتے تھے۔ ہر شخص کی آنکھیں منتظر تھیں کہ جمال جہاں آرا جلد نظر آئے اور ہر مسلمان سرتاپا گوش بنا ہوا تھا کہ سرور عالم کی آمد آمد کا مژدہ کسی شخص سے سُن پائے۔ اُدھر کفار یثرب میں سے بریدہ اسلمی ستر آدمیوں کو ہمراہ لئے اس فکر میں سے باہر سرراہ کھڑا ہوا تھا کہ آنحضرت صلعم کو گرفتار اور کفار مکہ سے انعامی سنو اونٹ وصول کرے لیکن جس وقت آنحضرت صلعم مدینہ کی حد میں داخل ہوئے اور بریدہ اسلمی کی نظر آپ پر پڑی اس کے قلب میں ایک ہیبت سما گئی۔ آنحضرت صلعم نے اس سے نام دریافت فرمایا۔ اور بریدہ سنکر فال نیک لی۔ اور حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ قَدْ بَرَدَ اَمْرُنَا وَصَلُحَ یعنی ہمارے معاملہ میں صلاحیت و خنکی حاصل ہوئی بریدہ نے آگے بڑھ کر دریافت کیا کہ آپ کا اسم مبارک کیا ہے آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ "محمدؐ بن عبد اللہ رسول اللہ یہ کلمہ سنکر اس کی قلبی حالت یکلخت پلٹ گئی اور بریدہ نے فوراً کلمہ پڑھکر صرف حلقہ اطاعت ہی کان میں نہیں ڈالا بلکہ اپنی سر کا عمامہ اُتار نیزہ پر باندھا اور خادم بنکر آگے آگے ہو لیا۔

بارھویں ربیع الاول کی صبح تھی اور ہر مشتاقان روئے احمدی مسلمانان یثرب اپنی روزانہ عادت کے موافق کسی عالمتاب ماہتاب کے نکلنے کے انتظار میں پہاڑی دروں اور کوہی راستوں سے نگاہیں ٹکرا رہے تھے انتظار کی گھڑیاں گذر رہی تھیں اور بجائے امید پوری ہونے کے مایوسی کی حسرت بھری زرد نقاب چہروں پر پڑتی جاتی تھی اور اُدھر کسی پیارے ماہوش کے نورانی جمال کی زیارت کے شوق نے اِن پردہ نشین عورتوں کو بے چین کر رکھا تھا جو حیا و عصمت کا بُرقہ اوڑھے پاکدامنی کی نقاب ڈالے کوٹھوں کی چھتوں پر چڑھی ہوئی اپنی دوربین نگاہوں کو پہاڑی سے بھی پرے لیجانا چاہتی تھیں ان عفت مآب خاتونوں کی مشتاقانہ نظروں کا قابل دید سماں اس حالت سے درحقیقت بڑھا ہوا تھا جو کسی ناز پرورد لڑکی کی نادیدہ نگاہوں پر اپنے اس مہربان باپ کی صورت دیکھنے کے شوق میں طاری ہوتی ہے جس نے کبھی اپنی بیٹی کو صورت نہیں دکھائی لیکن آج اس کے آنے کی تاریخ مقرر ہو چکی ہو۔ ایک وداع پہاڑی کی چھوٹی چھوٹی گذرگاہیں تھیں اور اس پر ہزاروں نگاہوں کا مجمع تھا۔ آفتاب اُفق مشرق سے نکل کر اونچا چڑھا چلا جا رہا تھا ریگستانی تودے گرم ہو چلے اور وہ وقت نکل گیا جو گرم ملکوں میں دُور سے آنے والے مسافر مہمانوں کے انتظار کے لئے محدود ہے دھوپ تیز ہو گئی اور یہ لوگ مایوس ہو کر اپنے اپنے گھروں کو واپس ہو گئے۔

کوئی یہودی اتفاقاً کسی ضرورت کے لئے اپنے اونچے محل کی چھت پر چڑھا تھا جس نے دور سے غبار اُڑتا ہوا دیکھا چونکہ حضرت صلعم کی آمد آمد کا گلی گلی میں شہرہ تھا یا تشنگان یثرب کے ایک جم غفیر کا انتظار اور مدینہ سے روزانہ باہر جانا سب کو معلوم تھا ہر وقت شہر میں یہی چرچا اور اسی کا ذکر تھا اس لئے وہ یہودی سمجھ گیا کہ ہو نہ ہو یہ محمدؐ اور ان کے ساتھی آ رہے ہیں جن کی سواریاں غبار اُڑاتی قدم بڑھاتی تیز آ رہی ہیں اس لئے بلند لہجے میں وہیں سے پکار اُٹھا کہ لو اے اہل یثرب تمہارا مقصود آ گیا چلو جس کا تمہیں کئی دن سے ہر وقت انتظار تھا چلا آ رہا ہے'' اس آواز کا گونجنا تھا کہ مدینہ میں کھلبلی پڑ گئی ہل چل مچ گئی اور تمام مسلمان اس طرح عمدہ لباس پہن ہتیار باندھ نیزے ہاتھ میں لیکر روانہ ہوئے جیسے بادشاہ کا استقبال کرنے فوج روانہ ہوتی ہے اور درحقیقت اِن کو وداع پہاڑی کے درے سے ہالہ کے اندر جھلکتا ہوا وہ چاند نکلتا نظر آیا جس کے ہفتہ بھر سے منتظر تھے۔ عید الفطر کی انتیس[۲۹] تاریخ کا ہلال معمولی انتظار کی تکلیف برداشت کرنے پر نظر آ جاتا ہے اس لئے اس کے نظر آ جانے کی خوشی کو اس مسرت سے کچھ مناسبت نہیں جو بدر فلک نبوت کی زیارت سے اِس وقت اِن دور اُفتادہ تشنہ گان جمال عاشقوں کو حاصل ہوئی۔

آنحضرت صلعم بارہ ربیع الاول ۱۳ نبوی کو دوشنبہ کے دن قریب دوپہر یثرب میں داخل ہوئے جون کا مہینہ ۶۲۲ء تھا۔ مردوں عورتوں بچوں کی زبان پر خوشی کے باعث یہ کلمات بطور گیت کے جاری تھے۔

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع ؛ وجب الشکر علینا ما دعی للہ داع
ایہا المبعوث فینا بالامر المطاع

جس دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یثرب میں اونٹ سے اُترے اُس دن نہایت گرمی تھی شہر مدینہ سے دکھن کی طرف دو میل پر ایک مقام قبا کے نام سے مشہور ہے آپ اپنے رفقا سمیت وہاں کلثوم بن ھدم کے مکان پر ٹھیرے اور حضرت صدیق نے خبیب بن اساف کے پاس قیام کیا۔ یہاں کے رہنے والے بنی عمر بن عوف کہلاتے تھے یہ مقام نہایت پُر فضا اور شاداب تھا یہاں آپ نے دوشنبہ سہ شنبہ چہارشنبہ پنجشنبہ قیام فرمایا اور مسجد قبا کی بنیاد ڈالی مکہ سے آنحضرت صلعم کے چلے آنے کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنے متعلق کار خدمت کو انجام دیکر پیادہ پا نکل کھڑے ہوئے صرف رات کو چلتے اور دن بھر چھپے رہتے تھے آخر قبا میں آپہونچے لیکن ایسی حالت سے کہ پیر ورم کئے اور سوجے ہوئے تھے پاؤں میں آبلے پڑ گئے تھے آنحضرت صلعم نے اپنے پاس بُلا بھیجا لیکن یہ معلوم ہونے پر کہ حضرت علیؓ پاؤں چل نہیں سکتے آپ وہاں خود تشریف لائے جہاں حضرت ممدوح درماندہ و بیمار پڑے ہوئے تھے آنحضرت صلعم کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور آپ نے حضرت علیؓ کو چھاتی سے لگا لیا اور اس تکلیف کا خیال فرما کر رونے لگے جو ان کو پیادہ پائی ورہ نوردی میں اٹھانی پڑی اس کے بعد آپ نے اپنے دہن کا لعاب آبلوں پر لیپ کر دیا جس سے ان کو اسی وقت شفا ہوگئی اور آنحضرت صلعم نے شہر مدینہ میں داخل ہونے کا مصمم ارادہ کر دیا۔

بعض مفسرین لکھا ہے کہ آپ نے قبا میں گیارہ روز قیام فرمایا اور آیندہ جمعہ کو مدینہ روانہ ہوئے۔ واللہ علم۔

باب (۳۱)

مدینہ میں مسجد نبوی کی تعمیر بنی عمر بن عوف نے آنحضرت صلعم کی خدمت میں گذارش کی کہ آپ چند روز یہیں قیام فرماویں لیکن آپ نہ رک سکے اور مسلمانوں کی بڑی جماعت کے ساتھ جمعہ کے دن سولھویں ربیع الاول یعنی ۲ جولائی ۶۲۲ء کو مدینہ کی جانب روانہ ہوئے آپ نے جمعہ کی نماز خطبہ و جماعت کے ساتھ قبیلہ بنی سالم بن عوف کی اِس مسجد میں ادا کی جو وادی کے وسط میں واقع تھی اور مدینہ میں داخل ہوتے ہی اپنی ناقہ کی باگ اس کی گردن پر ڈالدی کہ جہاں اللہ کا حکم ہو وہاں ٹھیرے۔

آنحضرت صلعم مسلمانان مدینہ کے جس گھر کے سامنے ہو کر گذرتے تھے یہی آواز سنتے تھے کہ یا خیر البریۃ قدوم میمنت لزوم سے غریب خانہ کو عزت بخشئے لیکن آپ نے بالقصد کہیں ٹھیرنیکا ارادہ نہ فرمایا بلکہ سمجھا دیا کہ یہ اونٹنی مامور ہے اللہ نے علم میں اس کے رسول کے قیام کی جو جگہ تجویز ہو چکی ہے وہیں جا ٹھیرے گی۔ چنانچہ چلتے چلتے قبیلہ بنی نجار میں حضرت ابو ایوب انصاری کے

کے مکان کے قریب میں اس جگہ جہاں اب مسجد نبوی کا دروازہ ہے اونٹنی ٹھٹکی اور گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گئی آنحضرت صلعم نے باگ ڈھیلی کر رکھی تھی آپ اپنے اختیار سے اونٹنی کو کسی جانب پھیرنا پسند نہ کرتے تھے یکایک اونٹنی اس جگہ سے اُٹھی اور چند قدم پیچھے ہٹکر پھر اسی پہلی جگہ آبیٹھی گویا آمدورفت کے چند قدم سے مسجد نبوی کی حد بندی کر دی کہ مسجد اس قدر طویل بنی چاہیئے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ قطعہ درحقیقت اسعد بن زرارہ کے دو یتیم غلاموں رافع بن معمرو کے بیٹوں سہل وسہیل کا خرمن تمر ہے اور گو انھوں نے اس قطعہ کو مسجد کے لئے ہبہ کرنا چاہا لیکن آپ نے پسند نہ کیا بلکہ بعوض دس دینار خرید کر مسجد نبوی کی بنیاد ڈالی بعض علماء کا قول ہے کہ یہ قطعہ قبیلہ بنی نجار کا نخلستان تھا جس میں کھیتی ہوتی اور مشرکین کے مردے دفن ہوتے تھے۔ بنی نجار نے اس قطعہ کو وقف کر دیا اور آنحضرت صلعم نے مسجد اور اس کے گرد وہ حجرے تعمیر کئے جو ازواج مطہرات کے مسکن تھے۔

ناظرین کو پیشتر معلوم ہو چکا ہے کہ قبیلہ بنی نجار سے آنحضرت صلعم کو ننہیال کا تعلق تھا اس لئے کہ ھاشم بن عبد مناف کی بیوی یعنی آنحضرت صلعم کے دادا عبد المطلب کی ماں سلمٰی بنت عمر اسی قبیلہ کی تھیں حضرت ابو ایوب انصاری اس لازوال دولت سے مالامال ہونے پر خوشی کے مارے جامہ میں پھولے نہ سمائے اور کجاوہ اُتار کر اپنے گھر لے گئے حضرت ابو ایوب نے ہر چند اصرار کیا کہ آنحضرت صلعم بالا خانہ پر رونق افروز ہوں اور یہ خود نیچے کے مکان میں رہیں، لیکن آپ نے منظور نہ فرمایا اور یہ اس وجہ سے کہ آپ کے پاس دلدادہ مسلمانوں کی ہر وقت آمدورفت رہتی تھی اور ان کے اوپر آنے جانے میں نیچے رہنے والے مردوں اور عورتوں کو لامحالہ تکلیف تھی بہر حال بمقتضائے الامر فوق الادب حضرت ابو ایوب نے سر تسلیم خم کیا اور بالا خانہ پر جا رہے۔

آنحضرت صلعم ۲۔ ربیع الاول ۱۳ نبوی کو بیوم دوشنبہ مکہ سے روانہ ہوئے تھے اور ۱۲۔ ربیع الاول ۱۳ نبوی کو بیوم دوشنبہ مدینہ میں داخل ہوئے یہیں سے سنہ ہجری کی بنیاد پڑی آپ نے کم و بیش آٹھ مہینے یعنی اس وقت تک حضرت ابو ایوب کے مکان پر قیام فرمایا جبکہ مسجد نبوی کی تعمیر خود آپ کے اور صحابہ کرام کے ہاتھوں کی ڈھوئی ہوئی اینٹوں سے اختتام پر پہونچ گئی۔ اور ازواج مطہرات کے لئے گذر کے قابل مختصر حجرے تیار ہو گئے۔ مسجد کی عمارت نہایت سادی تھی دیواریں اینٹ اور مٹی کی چھت کھجور کی تھی مسجد کا ایک گوشہ ان لوگوں کے لئے چھوڑ دیا گیا تھا جو غریب اور بے خانماں تھے آنحضرت صلعم کھلی زمین پر نماز پڑھتے اور ممبر کے بدلے ستون سے ٹیک لگا کر وعظ فرماتے اور مسلمان نہایت شوق سے سنتے تھے۔

جب سے آنحضرت صلعم مکہ چھوڑ کر یثرب میں رہنے لگے اُس وقت سے برابر آپ وہاں کے سردار و حاکم بنے رہے

دو قومیں اوس اور خزرج نامی جو ہمیشہ آپس میں لڑا کرتی تھیں اسلام لانے کے باعث ایک دوسرے کی ایسی دوست بن گئیں کہ ان کے آپس کے پرانے جھگڑوں اور برسوں کے قضیوں کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔ مدینہ کا پہلا نام یثرب تھا لیکن اب سے اس کا نام مدینۃ النبی مشہور ہوا جسکے معنے "رسول کا شہر" ہیں۔

باشندگان مدینہ جنھوں نے دین اسلام کی مدد کی تھی انصار کے نام سے مشہور ہوئے اور جو لوگ اپنا وطن چھوڑ کر اپنے عزیز و اقارب سے منہ موڑ کر رسول اللہ صلعم کے ساتھ آملے اور مدینہ میں آبسے تھے وہ مہاجرین کہلائے آنحضرت صلعم نے اس غرض سے کہ مہاجرین و انصار آپس میں ملے جلے رہیں ان کے درمیان بھائی چارا قائم کردیا چنانچہ اس سے وہ لوگ رنج و راحت میں ایک دوسرے کے شریک ہوگئے اور درحقیقت انصار نے مواخات کا حق ادا کردیا اگر کسی انصاری کے دو بیبیاں تھیں تو اس نے نہایت خوشی کے ساتھ باصرار ایک بی بی کو طلاق دیکر اپنے دینی بھائی مہاجر کے نکاح میں منسلک کردیا جائداد منقولہ و غیر منقولہ نصفا نصف بانٹ دی اور جو اپنے لئے بہتر سمجھا اسکو دینی بھائی کے لئے پہلے تجویز کیا۔

آنحضرت صلعم بچپن ہی سے نہایت خلیق، بردبار، خدا ترس، رحیم، شجاع، متین، باحیا، امین، خندہ پیشانی ۔ راست گو اور انتہا درجہ کے حسین و خوبصورت تھے آپ کا روئے مبارک چودھویں رات کے چاند سے زیادہ روشن اور آپ کا پسینہ عطر سے زیادہ خوشبو دار تھا۔ دلہن کے عروسی لباس بسانیکے لئے جمع کیا جاتا اور باحتیاط رکھا جاتا تھا۔ جس سے آپ مصافحہ کرتے تھے تمام دن اس کے ہاتھ میں سے خوشبو مہکتی رہتی تھی۔ آپ کا قد مستوی اور میانہ تھا مگر آدمیوں میں سب سے بالا نظر آتا تھا۔ سر مبارک بڑا۔ بال نرم اور سیاہ جن میں خوشنما پیچیدگی و گھونگریالا پن۔ زلفیں کان کی لو تک چھٹی ہوئی اور کبھی کبھی کندھوں تک آپڑتی تھیں۔ کان نہایت خوبصورت نہ بڑے نہ چھوٹے۔ پیشانی کشادہ اور آئینہ جیسی شفاف۔ دونوں بھویں گنجان اور کمان کی طرح خمیدہ جن میں ایک باریک رگ حائل تھی جو کبھی کبھی غصہ کے وقت ظاہر ہوتی تھی آنکھیں بڑی اور سرمگیں جنکی سپیدی کے اندر سرخ ڈورے حسن کو دوبالا کرتے تھے۔ آنکھ کی پتلی سیاہ۔ حلقے بدر کے ہالہ کی طرح روشن۔ مژگان دراز۔ رخسارے نرم و نازک اور پر گوشت۔ بینی ہموار۔ لب کشادہ۔ دہن مردانہ۔ دندان مبارک موتیوں کی لڑی سپید و چمکدار۔ لعاب دہن شیریں و خوشبودار شفاء بیماران۔ زنخدان سیب جیسی مدور۔ ریش مبارک گنجان نیچے سے پھیلی ہوئی۔ گردن چمکدار گویا چاندی کی صراحی۔ آواز نہایت لطیف دل کو بے چین کرنے والی۔ سینہ فراخ اور شکم کے ہموار چنبر گردن سے ناف تک شق الصدر کی علامت ایک پتلی سی دھاری نمودار۔ بغل صاف شفاف سپیدی ڈل گویا ماہتاب کا ٹکڑا۔ بائیں شانہ کی غضروف کے قریب مہر نبوت جس پر کچھ بال مجتمع تھے اور جو وصال کے وقت غائب ہوگئی تھی

ہاتھ سڈول اور بھرے ہوئے ہتھیلی فراخ اور ریشم سے زیادہ نرم۔ انگلیاں مستقیم اور پرگوشت۔ پنڈلیاں شفاف اور لطیف جنپر گوشت مناسب۔ پائے مبارک چکنے اور بلند۔ تلوا کچھ زمین سے اُبھرا ہوا۔ ایڑی پرگوشت کم۔ نہایت خوش الحان۔ تبسم کنان۔ فصیح بلیغ۔ جوامع الکلم۔ مجسم حُسن۔ نمونہ قدرت خداوندی تھے۔ کریم النفس ایسے کہ جس سے ایذا اُٹھائی اسی کے حق میں دعا فرمائی شجاعت و قوت میں مشہور تواضع اور حُسن معاشرت میں ضرب المثل نہایت عقیل و مدبر متواضع اور عادل سخی اور بہادر حلیم و صابر عفت مآب اور شاکر جمیع اوصاف حمیدہ سے متصف اور تمام خصایل رذیلہ سے طبعاً متنفر تھے ایک صحابی کہتے ہیں کہ میں شب چہار دہم کو ایک مرتبہ آنحضرت صلعم کی خدمت میں حاضر تھا کبھی جمال جہان آرا پر نظر ڈالتا اور کبھی آسمان پر ماہ کامل کو دیکھتا تھا حیران تھا کہ دونوں میں کس کو دوسرے پر ترجیح دوں آخرکار میری منصفانہ نگاہ نے جلد فیصلہ کر لیا کہ چودھویں رات کے چاند کو وہ ملاحت اور نمک اور حُسن و چمک حاصل نہیں ہے جو آنحضرت صلعم کے چہرۂ زیبا میں موجود ہے۔ اللّٰھُمّ صل علی محمدؐ و آلہ بقدر حسنہ و جمالہ

حصہ اوّل تمام ہوا

بالخیر

حصہ دوم

باب (۳۲)

مدینۂ طیبہ کی پہلی آبادی اسلام کے عالمتاب آفتاب نے اپنے وطن مالوف یعنی مکہ کی سکونت چھوڑ دی اور جس وقت اس جہانتاب ماہتاب کی روح بخش شعاعوں نے مدینہ کی پاک زمین کو جلوہ بنایا ہے اس وقت مدینہ میں دو قوموں کی آبادی تھی یعنی قبائل انصار جو اوس اور خزرج کی اولاد تھی اور بنی اسرائیل یعنی قوم یہود جن میں اکثر حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد تھی۔ اس لئے مناسب ہے کہ ان دونوں قوموں کی اس خطہ زمین پر آباد ہونے کی ابتدا اور سبب بیان کر دیں جس سے ناظرین کو مختصر طور پر مدینۃ الرسول کی ابتدائی تاریخ معلوم ہو جاوے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے عام طوفان میں جو مسلمان کشتی پر سوار تھے وہ کل چھوٹے بڑے اسی آدمی تھے جس وقت تمام کافر غرق ہو گئے اور کشتی نوح نے کوہ جودی پر لنگر ڈالا تو سطح زمین بالکل صاف و ہموار میدان نظر آئی اور کشتی کی سواریوں نے زمین پر اُتر کر بارہ فرسخ کے پھیلاؤ میں اطراف بابل کے خطہ پر سکونت اختیار کی۔

چونکہ حق تعالیٰ نے ہر ذی حیات مخلوق میں توالد و تناسل کا سلسلہ قائم فرمایا ہے اس لئے پانسو سال میں اس مختصر جماعت نے اتنی ترقی کی کہ یہ قطعہ زمین ناکافی ثابت ہوا اور مجبوراً اس کنبہ کو ایک دوسرے سے جدا ہونا پڑا چنانچہ سام بن نوح کی اولاد نے وہاں سے کوچ کیا اور یہ اس پاک زمین پر آباد ہوئے جس کو مدینۃ الرسولؐ کہتے ہیں۔ یہی قوم بالہام الٰہی زبان عربی کی موجد ہے اور اسی جماعت نے سب سے پہلے یہاں کھیتی باڑی کی اور کھجور کے درخت لگائے اور چونکہ یہ لوگ سام بن نوح کے پوتے یعنی عملاق بن ارفخشد بن سام بن نوح کی اولاد میں تھے اس لئے اس جماعت کا نام عمالیق اور قوم عمالقہ ہے۔ چند ہی روز میں خداداد ترقی سے یہ لوگ عدد اور مال اور قوت میں اپنے ہمعصروں پر فوقیت لے گئے اور رفتہ رفتہ بحرین و عمان کے درمیان اور حجاز کے ملک شام و مصر تک ان کا تسلط ہو گیا۔ تاریخی کتابوں میں شام کے جابر سلاطین اور مصر کے فرعون بادشاہوں کے حالات تم نے بھی پڑھے یا سُنے ہوں گے یہ سب اسی قوم عمالقہ کی اولاد میں تھے جنھوں نے ظلم و تعدی کے دفتر میں اپنے نام سب سے پہلے درج کرائے اور شیطنت و شرارت میں اب تک شہرۂ آفاق ہیں۔

زمین حجاز میں ان کا بادشاہ ارقم بن ابی ارقم نامی ایک شخص تھا جس نے کفر و سرکشی میں مبتلا ہو کر خدا کو بالکل بھلا دیا اور حجازی ملک میں عام طور پر حق تعالیٰ کی معصیت اور نافرمانی ہونے لگی۔ زمانہ رنگ پلٹے بغیر نہیں رہتا ایک دن ہر کمال کو زوال ہوتا ہے ان کی تقدیروں نے بھی پلٹا کھایا اور وہ وقت قریب آگیا جس نے ان کے عیش و تنعم اور مسرت و خوشی پر یکدم غبار ڈالدیا بلکہ سچ پوچھو تو دنیا کی زندگی بھی خاک میں ملا دی کیونکہ جس قدر ان کو عیش نصیب ہوا تھا اسی قدر مصیبت کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کی عمریں اتنی دراز تھیں کہ چار چار سو برس تک جنازے کی صورت نظر نہیں آتی تھی۔ اور چیخنا چلانا یا رونا و پیٹنا کوئی جانتا ہی نہ تھا کہ کیوں ہوتا ہے۔ ہر وقت خوشی و قہقہے ہر دم عیش کے چہچہے تھے قد اس قدر لانبے کہ ساٹھ ساٹھ گز کی پیمائش ہو اور زور و قوت اس قدر کہ درخت جڑ سے اُکھیڑ پھینکیں۔ زمانہ کے اقتضا کے موافق کوئی سامان عیش ایسا نہ تھا جو مہیا نہ تھا یا تو یہ حالت تھی اور یا موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائی ہوئی قوم بنی اسرائیل کے اُس لشکر جرار نے آحملہ کیا جس کو حضرت کلیم اللہؑ نے فرعون مصر کے غرق ہونیکے بعد قوم عمالقہ کی سرکوبی کے لئے حجاز کی جانب بھیجا تھا اور حکم عام دیدیا تھا کہ معصوم بچوں اور عورت ذات مستورات کے سوائے جس کو بھی

پاؤ تہ تیغ کردو کیونکہ حق تعالیٰ کی پاک زمین کفر کی نجاست اور معصیت کی غلاظت سے پاک وصاف ہونی بہتر ہے۔

چنانچہ شاہ حجاز یعنی ارقم بن ابی ارقم بھی مارا گیا اور قوم عمالقہ کی ملک حجاز سے جڑ بنیاد ہی جاتی رہی سوائے ایک خوبصورت جوان کے جو ارقم کی اولاد میں سے تھا کوئی نہ بچا اور وہ بھی صرف اس وجہ سے کہ اُس کے حسن وجمال نے کسی کا ہاتھ اُس پر نہ اٹھنے دیا اور لوگوں نے بارگاہ رسالت سے جدید حکم لینے کے انتظار میں اس نازک اندام کا قتل ملتوی رکھا چنانچہ چند لشکری سپاہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جانب حکم لینے کے واسطے روانہ ہوئے مگر افسوس کہ کلیم اللہ کا ان کے پہونچنے سے قبل وصال ہو چکا تھا۔

ان قاصدوں کی خبر پاکر بنی اسرائیل نے بڑے تپاک سے ان کا استقبال کیا اور سب سے پہلے یہی پوچھا کہ حکم پیغمبری کی پوری تعمیل ہوئی یا نہیں ؟ انھوں نے قصہ بیان کیا اور کہدیا کہ سوائے ایک حسین صورت نوجوان کے جسکا قتل حکم جدید پر ملتوی رکھا ہے اور کوئی مرد زندہ نہیں چھوڑا گیا مگر بنی اسرائیل نے یہ سنکر نہایت افسوس کیا اور بیزار ہو کر جواب دیا کہ جب حکم عام ملچکا تھا تو اس میں تخصیص کیسی اور جدید حکم کے انتظار یا درخواست اور التوا کی کون ضرورت تھی جاؤ تم لوگ یہاں سے نکل جاؤ تم نافرمانوں کا ہم میں ٹھکانا نہیں جدھر مُنہ اور سر سمائے اودھر چلے جاؤ۔ یہودی قاصدوں نے یہ کلمات سُننے اور مایوس ہو کر وہاں سے واپس ہوئے اور باہمی مشورہ سے یہ بات طے کرلی کہ ہمیں اس مقام سے بہتر کوئی جگہ نہیں مل سکتی جہاں تلوار کے زور سے فتح پاچکے اور دشمنوں پر غالب آچکے ہیں ناچار حجاز میں سکونت اختیار کریں اور اس نبی آخر الزماں کے منتظر رہیں جن کے ملک حجاز کے نخلستان میں جلوہ گر ہونیکی بشارت توریت شریف میں دی گئی ہے چنانچہ یہ لوگ ملک حجاز میں رہ پڑے اور اب ملک حجاز بجائے قوم عمالقہ کے قوم یہود سے آباد ہو گیا دنیا کی بیثباتی و ناپائداری کا یہی مقتضا ہے ؎

دنیا کے جو مزے ہیں ہرگز یہ کم نہ ہوں گے ؎ چرچا یہی رہے گا افسوس ہم نہ ہوں گے

ابن زبالہ مؤرخ یوں لکھتے ہیں کہ قوم یہود بخت نصر کے زمانہ میں حجاز کی زمین پر آکر آباد ہوئی ہے جس کی صورت یہ ہوئی کہ جب بخت نصر ظالم پادشاہ نے بنی اسرائیل پر حملہ کیا اور بیت المقدس میں گھس کر طرح طرح کی گستاخیاں کیں اس مقدس گھر کو ویران بنایا اور توریت شریف کو جلادیا تو اس وقت چند یہودیوں نے باہم مشورہ کیا کہ یہاں سے نکل چلو اور کسی ایسی جگہ چل بسو جہاں اطمینان کی زندگی بسر ہو سکے چنانچہ چند علماء و درویش اور زاہد صوفی وہاں سے روانہ ہوئے اور چونکہ توریت شریف میں دیکھ چکے تھے کہ نبی آخر الزماں جنکا حلیہ مبارک اور اوصاف حمیدہ سب لکھا ہوا ہے حجاز ہی کی زمین میں جلوہ گر ہوں گے اور اس شہر میں آکر رہیں گے جس کا نام ذات النخل دکھجوروالی زمین ہے اسلئے حجاز میں

آ اترے اور عرب کے جس قصبہ میں بھی کچھ آثار اور اشتباہ پاتے تھے وہیں ٹھہر جاتے تھے اور آسمانی وحی سے تطبیق دیتے تھے چنانچہ جس وقت اس حصۂ زمین پر پہونچے جس کا نام یثرب تھا اور اب مدینۃ الرسول کہلاتا ہے تو ساری صفات سے متصف پایا اسلئے مطمئن ہوگئے اور یہیں رہ پڑے ان میں سے چند آدمی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے انھوں نے تو خاص یثرب میں اس جگہ رہنا قبول کیا جو اس وقت مسجد قبا کا گرد و نواح کہلاتا ہے اور باقیماندہ یہودی اردگرد خیبر وغیرہ میں قیام گزیں ہوئے اور برابر یہ دستور رکھا کہ جب کوئی مرتا تھا تو اس مضمون کا وصیت نامہ تحریری اپنی اولاد کے حوالہ کر جاتا تھا کہ اگر تم سید البشر خاتم النبیین کا زمانہ پاؤ تو خبردار خبردار ان کی اطاعت سے منہ نہ پھیرنا ورنہ دنیا میں بھی روسیاہ ہوگے اور آخرت میں بھی کافر اٹھو گے۔ مگر تقدیر الٰہی سے کسی کو چارہ نہیں قوم یہود سے پہلے یہ نعمت عظمیٰ قبیلہ انصار کے نام لکھی جا چکی تھی اس لئے وہی آگے بڑھے اور خدا کے پیارے رسولؐ پر جان نثار کی قوم یہود یہاں بڑھتی اور پھلتی پھولتی رہی آخرکار عیش و تنعم میں گرفتار ہونے کی وجہ سے ظلم و تعدی سوجھی اور قبیلہ اوس و خزرج نے ان پر چھاپا مار کر تباہ و برباد کیا جس کا قصہ بیان کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

باب (۳۳)

مدینہ میں انصار کی آبادی۔ سام بن نوح کے دوسرے پوتے یعنی سالخ بن ارفخشذ بن سام بن نوح کی اولاد میں سے یعرب بن قحطان کی اولاد ملک یمن کے اس زرخیز قطعہ میں آباد تھی جس کا نام ارض سبا ہے اور حق تعالیٰ نے کلام مجید میں بھی اس کی تعریف بلدۂ طیبہ (پاکیزہ شہر) کے نام سے فرمائی ہے مآرب سے زمین شام تک تمام قصبات اور شہر متصل متصل آباد تھے اور ہر جگہ اونچی اونچی عمارتیں نظر آتی تھیں۔ لگا تار باغات اور سبزہ درختوں کا سلسلہ کسی جگہ منقطع ہی نہیں ہوتا تھا جس قدر بارونق اور زرخیز یہ سبزہ زار تھا تمام سطح زمین پر کہیں دوسرا نہ تھا اس کی خوشگوار ہوائیں بیمار کو تندرست بناتی اور جنگل کی شادابی و تازگی تھکے مسافروں کو جنت کا مزہ چکھاتی تھی اس حصۂ زمین میں مسافر کو توشہ باندھنے اور زاد راہ ساتھ لینے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ پھل پھول اور میووں کی اتنی کثرت تھی کہ کمزور بوڑھے مرد سروں پر ٹوکریاں رکھکر نکل کھڑے ہوتے تھے اور رسیاں بٹتے ہوئے درختوں کے نیچے سے گذرتے تھے تو چند قدم پر بغیر اس کے کہ درخت کو ہلائیں یا شاخوں کو جھاڑیں ٹوکریاں پھلوں سے لبریز ہو جاتی تھیں ہر جگہ قدرتی سبزہ کا مخملی فرش بچھا ہوا نظر آتا تھا۔ جدھر نظر اٹھتی تھی آنکھوں کو تازگی اور روح کو فرحت حاصل ہوتی تھی۔ اسی کیفیت کے ساتھ اتنا بڑا قطعہ مسلسل آباد چلا گیا تھا جو طول و عرض میں دو مہینہ کی مسافت تھی۔ اس زرخیز ملک کے

باشندے نہایت خوش حال فارغ البال اپنی زندگی امن و اطمینان کے ساتھ گذارتے تھے مگر افسوس کفران نعمت انسان کے خمیر میں رکھا گیا ہے اس کو نعمت کی قدر کرنی نہیں آتی اور آخر ان لوگوں نے بھی حق تعالیٰ سے درخواست کی کہ ہمیں یہ شادابی اور پاس پاس آبادی پسند نہیں ہے ہمیں سفر کا لطف نہیں آتا اگر عمارت و آبادی دور دور ہو تو سفر کا تہیہ کریں اقارب سے رخصت ہوں۔ اونٹوں اور گھوڑوں پر سوار ہو کر منزلیں قطع کریں تو کچھ مزہ بھی آئے اور اب تو سفر اور اقامت دونوں برابر ہیں۔ گھر میں اور باہر میں کچھ فرق ہی نہیں معلوم ہوتا۔ نہ گھوڑے پر چڑھنے کی کیفیت حاصل ہے نہ کوتل گھوڑا اور اسباب سفر کا لدا ہوا اونٹ ساتھ رکھنے کی ضرورت ہے بڑی بدمزگی سے زندگی گذرتی ہے۔ حق تعالیٰ کو یہ ناشکری نہایت ناگوار گذری اور بہت جلد سیل عرم کا عذاب نازل ہوا جس کا قصہ قرآن شریف میں مذکور ہے سیل عرم کے معنی میں مفسرین کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ سخت بارش اور موسلا دھار مینہ تھا اور بعض سیل تھا زبر ملخ بار کہتے ہیں غرض جو کچھ بھی ہو نتیجہ یہ ہوا کہ وہ مضبوط و مستحکم بند جو تمام ولایت یمن کی سیلیں روکنے کو لقمان اکبر نے فرسخ در فرسخ باندھا تھا عذاب کے قدرتی سیل سے یکدم ٹوٹ گیا اور پانی کی رو سے بند کی دیوار کے پتھروں کی یہ حالت ہو گئی کہ جو پتھر پچاس آدمیوں سے بھی پلٹا نہ جا سکتا تھا وہ ایک ملخ نے اکھاڑ پھینکا اللہ پناہ میں رکھے۔ ایک عذاب تھا جو آسمان سے نازل ہوا تھا اس سے کون بچ سکتا تھا چنانچہ ساری آبادی غرق ہو گئی اور ناقدردان مخلوق ڈوب کر ہلاک ہو گئی البتہ ایک شخص عمر بن عامر اور اس کے تیرہ بیٹے مع چند دیگر رؤسا یمن کے بچ نکلے جنکے بچنے کی صورت یہ ہوئی کہ اس آسمانی عذاب سے چند روز پیشتر عمر بن عامر کی بیوی نے جس کا نام طریفہ حمیریہ تھا اور فن کہانت اور پیشینگوئی میں مہارت رکھتی تھی آنے والے عذاب اور سیل عرم سے بند ٹوٹ جانیکا واقعہ اپنے خاوند سے ذکر کیا اور کہا کہ مجھکو علم کہانت کے ذریعہ سے اس کے علامات نظر آ رہے ہیں اس لئے مناسب بلکہ ضروری ہے کہ اس ملک سے نکل چلیں اور بحر فنا میں غرق نہوں۔ عمر بن عامر شہر کا بڑا رئیس اور معزز دولتمند تھا جانے پر آمادہ ہو گیا مگر یہ خیال ہوا کہ بلا سبب جانا معیوب ہے لوگ طعن و تشنہ دیں گے اس لئے کوئی حیلہ کرنا چاہئے جو جلا وطن ہونیکا ظاہری سبب بنجاوے اور وطن چھوڑنیکا موقع ہاتھ لگے چنانچہ عمر نے ایک بے پالک یتیم بچہ کو تنہائی میں بلایا جس کی برسوں سے پرورش کر رہا تھا اور کہا کہ میں رؤسا شہر کی دعوت کروں گا اور سب کو بلاؤں گا جسوقت سب لوگ جمع ہو جائیں اس وقت تم آنا اور مجھ سے کسی بات پر جھگڑا شروع کر دینا اس کے جواب میں اگر میری زبان سے کوئی ناشائستہ کلمہ نکلجاوے تو تم اولٹ کر اس سے سخت مجکو جواب دینا تاکہ مجھے شہر چھوڑنے کا اچھا عذر ہاتھ لگجاوے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ یتیم بے پالک بچہ نے بھرے مجمع میں اپنے محسن اور مربی عمر بن عامر کو

گالی دی بلکہ دست درازی بھی کی اور ایک طمانچہ کھینچ مارا۔ عمر فوراً مجلس سے اٹھ کھڑا ہوا اور بولا کہ اب میں اس شہر میں ہرگز نہ رہونگا کیونکہ جب یتیم اور نمک پروردہ بچہ کا یہ حال ہے تو کسی دوسرے سے کیا امید ہے غرض تمام جائداد اور وہ اسباب جو ساتھ لیجانے کے قابل نہ تھا نیلام ہونا شروع ہوگیا اور آپس والوں نے جو عمر کے شہر بدر ہونے کو حسد کے باعث غنیمت سمجھے ہوئے تھے تمام اسباب جھٹ پٹ خرید لیا عمر بن عامر فارغ البال ہوکر اپنی اولاد کو جو طریفہ حمیریہ کے پیٹ سے تھی اور نیز کہلان بن سبا کی اولاد میں سے چند آدمیوں کو ہمراہ لیکر وہاں سے نکلا اور غرق وہلاکت کے عذاب سے بچ گیا۔ انصار رضی اللہ عنہم جنہوں نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت واعانت کے باعث انصار کا وہ مبارک لقب پایا ہے جو ابدالاباد تک آفتاب کے نور سے زیادہ روشن رہیگا اسی عمر بن عامر کی اولاد میں اور کیا عجب ہے کہ عمر بن عامر کا عذاب سیل سے بچ نکلنا اسی وجہ سے ہوا ہو کہ اس کی صلب میں وہ نطفے تھے جن کو دنیا میں ظاہر ہوکر خاتم النبیین کی مدد کا اعزاز حاصل کرنا تھا۔ قصہ مختصر عمر بن عامر معہ اپنے مختصر گروہ کے ولایت یمن سے باہر نکلا اور راستہ کے شہروں کی تعریفیں اور اوصاف بیان کرتا چلا تاکہ ہمراہیوں میں سے جس کو جہاں انسیت حاصل ہو وہاں رہے اور بود و باش اختیار کرے چنانچہ ہر ایک نے اپنے اپنے میلان طبیعت کے موافق ایک ایک شہر اختیار کرلیا اور وہیں سکونت پذیر ہوئے بڑے بیٹے ثعلبہ بن عمر نے جو انصار کے دو مشہور قبیلوں اوس اور خزرج کے جد امجد ہیں ملک حجاز کو پسند کیا اور یہیں اقامت اختیار کرلی اور چندروز بعد جب نسل بڑھی اور جماعت زیادہ ہوگئی تو یثرب میں آکر قوم یہود کے پاس بود و باش پسند کرلی اور انھیں کے ساتھ تعلق و ارتباط پیدا کیا میل جول بڑھایا یہانتک کہ باہم معاہدہ اور قسماقسمی ہوگئی کہ ایک دوسرے کو ایذا نہ پہونچائیگا۔ اور دونوں مختلف قومیں یکجان دو قالب ہوکر رہیں گی مگر چند سال بعد جب اللہ پاک نے اولاد عامر یعنی قبیلۂ اوس وخزرج کو ثروت عطا فرمائی اور یہ لوگ متمول و مالدار ہوگئے تو قوم یہود کو حسد ہوا اور بنو قریظہ و بنو نضیر یہودیوں نے عہد و پیمان توڑدیا اور اوس وخزرج پر طرح طرح کی زیادتیاں کرنے لگے۔ اوس خزرج تنگ آگئے۔ اور گھبرا اٹھے مگر بیچارے بے دست و پا تھے اتنی طاقت نہ رکھتے تھے کہ سینہ سپر ہوکر لڑیں اور حاسد یہودیوں سے خاطر خواہ انتقام لیں اس لئے مجبوراً اپنے قومی بھائی ابو جبیلہ نامی پادشاہ کو اطلاع دی جو اپنی برادری سے جدا ہوکر ملک شام کیجانب چلاگیا اور وہاں کا بادشاہ ہوگیا تھا۔ ابو جبیلہ نے اپنے مظلوم قوم کی رنج آلودہ داستان سنی اور غصہ میں پیچ و تاب کھاکر پورا لشکر لیکر حجاز پر حملہ آور ہوا اور یثرب میں پہونچکر اپنی قوم کا دلخواہ انتقام لیا اور جو کچھ مال اسباب اوس وخزرج کا ظلماً چھین لیا گیا تھا وہ سب یہود کو واپس دینا پڑا اس طرح پر ان بیچاروں کو

پھر نئے سر سے اطمینان کی زندگی نصیب ہوئی اور یہ مدینہ کے جنوب و شمال کی زمین پر مستقل طور پر آباد ہو گئے اور باہم موافقت و اتحاد کے ساتھ اپنی زندگی گذارنے لگے۔ مگر پر آشوب زمانہ کی نیرنگیاں اپنا اثر دکھائے بغیر نہیں رہتیں انکا باہمی اتفاق بھی قائم نہ رہا اور چند روز بعد آپسمیں ایسی پھوٹ پڑی جو آج تک شہرۂ آفاق ہے۔ اوس و خزرج کا باہمی نفاق اور عداوت کی آگ عرب کی زبان میں ضرب المثل ہے کیونکہ یہ خانہ جنگی پورے ایک سو بیس[۱۲۰] برس رہی جس نے سیکڑوں گھر تباہ کر دئے اسی کی بدولت بیسیوں عورتیں بیوہ ہو گئیں اور سیکڑوں بچے یتیم بن گئے یہ برادرانہ نزاع درحقیقت رفع ہونے والا نہ تھا جس وقت اللہ کا پیارا رسول مدینہ میں آیا ہے یہ منازعت بدستور قائم تھی مگر سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو بلا کر باہم مصالحت کرائی اور اُن دشمنوں کو پھر بھائی بھائی بنا دیا جن میں ہر ایک دوسرے کے خون کا پیاسا اور جان کا خواہاں تھا۔ اس میں شک نہیں کہ یہ رسالت ہی کا اثر تھا جس نے اس قدر جلد اپنا کام کیا اور یہ پیغمبر آخر الزمان ہی کی پاک صحبت تھی جس کی برکت سے اُوس و خزرج جیسے دو مخالف قبیلے ایسے موافق ہوئے کہ ہر ایک دوسرے کو اپنی جان اور اپنے آپ کو اس کا قالب سمجھنے لگا اسی باہمی الفت و اتفاق کا احسان حق تعالیٰ نے کلام مجید میں بھی جتایا ہے جو درحقیقت ختم رسالت کا ایسا قابل قدر معجزہ ہے جس کو عبرت کی نظر اور عدل و انصاف کی نگاہ سے دیکھ کر نصیحت حاصل کرنی چاہئے ۔

باب ۱۴

حضرت ابو ایوب انصاری کا شرف ۔ زمانہ گذشتہ میں ایک بادشاہ تھا جس کا نام تبع تھا۔ تبع بڑا بہادر اور جفاکش عالی حوصلہ شخص تھا۔ مغربی ممالک فتح کرنے کے بعد مشرقی ملک پر قبضہ کرنے کے خیال سے حجاز کی جانب متوجہ ہوا اور مدینہ منورہ میں گذرا تو یہاں اپنے بیٹے کو جانشین بنایا اور خود ملک شام و عراق کی جانب بڑھ گیا مگر افسوس کہ یہاں باشندگان مدینہ نے بدعہدی کی اور تبع کے بیٹے کو جان سے مار ڈالا۔ تبع یہ جانکاہ حادثہ اور بدعہدی کا خونخوار ظالمانہ واقعہ سنکر غصہ میں لرز اٹھا اور فوراً مدینہ پر حملہ آور ہوا۔ اس نے اپنے پیارے مظلوم بیٹے کے انتقام لینے میں کسر نہیں رکھی اور قتل عام کا حکم دیدیا۔ اس لڑائی میں تبع کا گھوڑا بھی مارا گیا اور "یہ سمند ناز پاک اور تازیانہ ہوا" تبع نے قسم کھائی کہ جبتک اس شہر کی اینٹ سے اینٹ نہ بجادوں گا اس وقت تک آگے قدم نہ بڑھاؤں گا۔ یہ کشت و خون کا عالم دیکھکر قوم یہود کے چند علما ہمت کر کے تبع کے سامنے آئے اور کہنے لگے کہ ہمارے پاس آسمانی کتاب توریت شریف موجود ہے اس میں حق تعالیٰ کی دی ہوئی خبر لکھی ہے کہ اس مقدس شہر کا نام طیبہ ہے اور یہ پاک جگہ نبی آخر الزمان کا مسکن اور مدینۃ الرسولؐ ہے اس کا محافظ اور حامی خود ذات باری ہے تم اسکے

ویران وتباہ کرنیکے خیال خام سے درگزرو اور مخلوق خدا پر رحم کرو۔ تبع نے یہ آسمانی بشارت سنکر گردن جھکالی اور غصہ کو شربت کے گھونٹ کیطرح پی لیا اور چند علمار یہود کو ساتھ لیکر یمن کا رخ کیا۔ علمار یہود وقتاً فوقتاً پیغمبر آخرالزمان کے اوصاف سناتے اور حمد و ثنا تبع کے کان میں ڈالتے رہتے تھے یہاں تک کہ تبع کو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غائبانہ ایک خاص اُنس اور محبت ہوگئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چار سو علما، توریت نے زیارت خاتم النبیینؐ کے شوق میں تبع کی رفاقت چھوڑ کر مدینہ کا رہنا اختیار کیا اور تبع نے ان سب کے لئے اپنے اہتمام سے گھر بنوادیئے اور ہر ایک کو ایک ایک لونڈی اور بہت بہت سامال دیا تاکہ اطمینان کی زندگی گذاریں اور آرزو پوری کرسکیں نیز ایک مکان خاص اہتمام سے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی اس نیت سے تیار کرایا کہ جب آپ ہجرت فرماکر یہاں تشریف لائیں تو اس مکان میں قیام فرماویں۔ نیز ایک خط لکھا جس میں اپنے اسلام کا اظہار اور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شوق ظاہر کیا ہے۔ اُس کے دو شعر یہ بھی ہیں۔

شَهِدْتُ عَلَى أَحْمَدَ أَنَّهُ ... رَسُولٌ مِّنَ اللّٰهِ بَارِي النَّسَمْ

فَلَوْ مُدَّ عُمْرِي إِلَى عُمْرِهِ ... لَكُنْتُ وَزِيرًا لَهُ وَابْنَ عَمْ

"میں گواہی دیتا ہوں کہ احمد صلے اللہ علیہ وسلم خالق الخلق اللہ تعالے کے بھیجے ہوئے پیغمبر ہیں پس اگر انکے وقت تک میری عمر پہونچی تو بیشک میں ان کا چچا زاد بھائی اور وزیر بنوں گا۔"

تبع نے خط پر مہر لگائی اور جانیوالی جماعت میں جو شخص بڑا اور سردار تھا اس کے حوالہ کیا نیز وصیت کی کہ اگر نبی آخرالزمان کا زمانہ تمکو نصیب ہو تو میرا یہ عریضہ خدمت اقدس میں ضرور پہونچا دینا ورنہ اپنی اولاد کے حوالہ کرنا اور یہی وصیت کردینا جو میں تمکو کررہا ہوں اسی طرح وہ اپنی اولاد کو پہونچادیں اور وہ اپنی اولاد کو غرض سلسلہ بسلسلہ یہ خط امانت رہے اور جس کو بھی وہ وقت سراپا برکت دیکھنا نصیب ہو وہی اس عریضہ کو حضور رسالت میں پیش کردے۔ تبع نے ایک متدین ومتقی عالم کو اس مکان کا متولی بنایا جو سید البشر کے لئے تیار کرایا تھا چنانچہ انھیں کی اولاد میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ ہیں کہ جنھوں نے یہ شرف حاصل کیا اور اللہ کے پیارے پیغمبر کی محکوم ومطیع ناقہ انہیں کے اُس مکان کے سامنے بیٹھ گئی جو زمانہ گذرا کہ تبع نے اسی نیت سے تیار کرایا تھا اور یہ خوشی خوشی مہاجر پیغمبر کا اسباب اپنے گھر لیگئے۔ کہتے ہیں کہ شاہ تبع کا عریضہ اس وقت تک ان کے پاس موجود تھا اور انھوں نے اپنی جدی وصیت کے موافق اُس خط کو حضور میں پہونچایا واللہ اعلم بالصواب۔ البتہ اتنا پتہ اکثر روایتوں سے چلتا ہے کہ مدینہ طیبہ میں جن لوگوں نے پیغمبر آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت و حمایت کی ہے

وہ سب انھیں علماء کی اولاد میں سے تھے جو اس شوق میں دنیا کے مال و متاع پر خاک ڈال کر اور تبع کی رفاقت چھوڑ کر اس مبارک وقت کے انتظار میں مدنی سرزمین پر آ بسے تھے۔ حضرت ابو ایوبؓ کا مکان دو منزلہ تھا جس کا نیچے کا حصہ سید البشرؐ نے اپنے لئے پسند فرمایا اور ابو ایوبؓ معہ اہل و عیال اوپر کے مکان میں سکونت پذیر ہوئے۔ حضرت ابو ایوبؓ نے عرض بھی کیا کہ یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان مجھے سب سے زیادہ تکلیف یہ ہے کہ آپ نیچے قیام گزیں ہیں اور میں بالاخانہ پر چڑھکر بیٹھتا ہوں اس گستاخی و بے ادبی کو دل گوارا نہیں کرتا مگر آپ نے جواب دیا کہ میرے پاس لوگوں کی آمد و رفت کثرت سے رہتی ہے ہر قسم و ہر خیال کے آدمی آتے جاتے ہیں اس لئے میں نہیں چاہتا کہ تمھاری ماں بہنیں اور بیوی بچے نیچے کے مکان میں رہکر ایذا پائیں تمھارے اہل کا بالاخانہ ہی پر رہنا مناسب ہے۔

حضرت ابو ایوب انصاریؓ اپنی اس خوش نصیبی پر جو کچھ بھی فخر کریں بجا ہے اور جتنا بھی ناز کریں مناسب و زیبا ہے۔ سید البشرؐ نے اس مکان میں سات مہینہ قیام فرمایا اور اس مدت میں اکثر حضرت سعدؓ بن عبادہ اور سعدؓ بن معاذ وغیرہ حضرات سرور عالمؐ کے لئے کھانا تیار کرا کے بھیجا کرتے تھے حضرت ابو ایوب نے ایک مرتبہ خاص اہتمام سے لذیذ کھانا تیار کرایا جس میں لہسن بھی ڈالا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نوش نہیں فرمایا اور صحابہ سے کہا کہ تم کھالو اگرچہ لہسن حرام نہیں ہے مگر مجھے کراہت آتی ہے کیونکہ مجکو اللہ تعالیٰ کے مقبول فرشتے سے سرگوشی کا اتفاق پڑتا ہے اور میں اپنے شفیق ساتھی کو اسکی بو کے باعث ایذا دینی نہیں چاہتا۔ حضرت ابو ایوبؓ فرماتے ہیں کہ اس قصہ کے بعد میں نے بھی کبھی لہسن نہیں چکھا کیونکہ جو چیز میرے محبوب کو ناپسند تھی وہ مجھکو کیونکر گوارا ہو سکتی تھی۔

ایک مرتبہ حضرت ابو ایوبؓ کے بالاخانہ پر پانی کا بھرا ہوا برتن ٹوٹ گیا اور پانی بہنے لگا انھوں نے بیتاب ہو کر فوراً اپنے اوڑھنے کا لحاف اسپر ڈالدیا اور اس اندیشہ سے معاً تمام پانی جذب کر لیا کہ نیچے نہ گرے اور پیارے پیغمبرؐ کو تکلیف نہ ہو۔ اگرچہ اس لحاف کے سوا ان کے پاس اوڑھنے کے لئے کوئی دوسرا کپڑا نہ تھا مگر اپنی تکلیف اس کی بہ نسبت بدرجہا بہتر تھی کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کو کسی قسم کی تکلیف پہونچے۔ ؎

مبارک منزلے کان خانہ را ماہے چنیں باشد ٭ ہمایوں کشورے کان عرصہ را شاہے چنیں باشد

باب (۳۵)

عبداللہؓ بن سلام کا اسلام۔ دوشنبہ ہی کا وہ مبارک دن ہے جس میں سلطان زمین و زمن صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی اور اسی روز روح مبارک قبض اور حق تعالیٰ سے وصال ہوا یہی دن ابتدائے بعثت و نبوت کا ہے اور یہی روز ہجرت کا بھی ہے اور نیز مدینہ طیبہ میں تشریف لانیکا ہے جس وقت پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کی ناقہ مبارک

حضرت ابوایوبؓ کے دروازے پر پہنچی قبیلہ بنی نجار کی کچھ لڑکیاں دف بجاتی اور یہ شعر گاتی نکلیں کہ

نحن جوارٍ من بنی نجار ؛ یا حبذا محمد من جار

"ہم بنی نجار کی لڑکیاں ہیں کیا اچھا ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمسایہ نصیب ہو"

اور انصار کی شریف زادیاں اور پردے والی بیبیاں جوش مسرت اور فرط محبت کے باعث یہ شعر پڑھتی ہوئی کوچہ و بازار میں نکل پڑیں ؎ طلع البدر علینا من ثنیات الوداع ؛ وجب الشکر علینا ما دعا للہ داع

وداع کی گھاٹی سے ہم پر شب چہاردہم نے طلوع کیا ہے اس لئے جبتک کہ دعا مانگنے والا اللہ سے دعا مانگتا رہے یعنی قیامت تک ہم پر شکر ادا کرنا واجب ہے" ثنیات الوداع اس پہاڑ کی مشہور گھاٹی کا نام ہے جو مکہ معظمہ سے چلکر مدینہ منورہ میں داخل ہوتے وقت پڑتی ہے اس کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ چونکہ اہل مدینہ اپنے مسافر مہمان کو اس جگہ تک پہونچانے آتے تھے اور یہاں ایک دوسرے سے وداع و رخصت ہوتے تھے اس لئے ثنیۃ الوداع نام ہے اور بعض کا خیال ہے کہ زمانہ جاہلیت میں یہ بات مشہور تھی کہ مدینہ میں آنے والے کو اس گھاٹی سے آگے تین مرتبہ گدھے کی سی آواز بولے بغیر قدم رکھنا ہلاکت کا باعث ہے چنانچہ عرب میں یہ حرکت مشہور اور شائع تھی لوگوں کا خیال تھا کہ جو شخص بغیر گدھے کی بولی بولے اس گھاٹی سے گذرے گا وہ دنیا سے رخصت اور وداع ہوجائے گا۔ یہانتک کہ زمانہ رسالتؐ میں ایک شاعر عروہ بن ورد نامی نے مدینہ میں داخل ہوتے وقت ایک شعر پڑھا جس کا مطلب یہ تھا "اگر میں موت کے خوف سے اس جگہ حسب عادت عرب گدھے کی بولی بولوں تو مجھ سے زیادہ بزدل اور ڈرپوک کوئی نہیں ہے" چنانچہ بغیر رینگے یہ مدینہ میں داخل ہوا اور کوئی آفت بھی نہ پہونچی اس وقت سے یہ عادت بد متروک ہوگئی مگر نام ثنیۃ الوداع بدستور رہا۔

جس دن نبی آخر الزمانؐ مدینہ منورہ میں تشریف لائے آزاد و غلام۔ چھوٹے اور بڑے۔ مرد اور عورت خوشی کے مارے پھولے نہ سماتے تھے اور ایک دوسرے سے کہتے پھرتے تھے جاء نبی اللہ جاء رسول اللہ "اللہ کے نبی تشریف لے آئے" "رسول اللہ تشریف لے آئے" اور حبشی مرد اپنی عادت کے موافق خوشی میں مست ہوکر نیزہ بازی اور بہادرانہ کرتب دکھانے میں مشغول ہوگئے۔ اس وقت حضرت انسؓ کی عمر نو برس کی تھی فرماتے ہیں کہ مجھے وہ دن خوب یاد ہے کہ آپ کے نور عالم آرا سے مدینہ کی درو دیوار اس طرح روشن ہوگئی تھیں جس طرح آفتاب کے طلوع ہوتے وقت زمین روشن ہوجاتی ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تو بالکل خاموش تھے اور حضرت صدیق عتیقؓ لوگوں سے باتیں کرنے میں مشغول تھے اور چونکہ شاہ و وزیر دونوں کا لباس یکساں تھا اس لئے ناواقف لوگوں کو اشتباہ ہوتا تھا اور

مخلوق کے ازدحام کی جو کچھ کیفیت تھی اس کا بیان نہیں ہو سکتا۔ اس اشتباہ کا یہ نتیجہ ہوا کہ بعض آدمی تو حضرت ابوبکرؓ ہی کو پیغمبر سمجھ گئے لیکن حضرت صدیق نے عقل و فراست کے ذریعہ سے لوگوں کا یہ خیال معلوم کر لیا اور چونکہ کچھ دھوپ بھی آگئی تھی اس لئے اپنی چادر مبارک اٹھا کر حضرت صلے اللہ علیہ وسلم پر سایہ کر کے خادمانہ طور پر کھڑے ہو گئے جس سے لوگوں کا شبہ دفع ہو گیا اور سب کو معلوم ہو گیا کہ یہ بادشاہ ہیں اور یہ ان کے وزیر۔ الغرض لوگ جوق جوق آنے شروع ہوئے اور سید الابرار کی شرف زیارت و بیعت سے انصار کا قبیلہ مالا مال ہونے لگا۔ یہود نا عاقبت محمود کو انصار سے تو حسد تھا ہی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی عداوت پیدا ہو گئی۔ ام المومنین حضرت صفیہؓ بنت حیی جو جنگ خیبر میں اسلام لائی تھیں فرماتی ہیں کہ میرے باپ حیی بن اخطب اور چچا یاسر بن اخطب یہودی توریت کے بڑے زبردست عالم تھے اور دونوں کو مجھ سے کمال درجہ کی محبت تھی جس دن سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تھے اُس دن یہ دونوں بھائی ادھر اُدھر لوگوں کے خیالات اور اسلامی شان و شوکت دیکھنے پھر اور شام کو تھکے ماندے گھر آ پڑے اُس وقت میں پاس گئی اور حال پوچھنے لگی مگر دونوں نے تکان کے باعث یا جوش انسیت کے کچھ شافی جواب نہ دیا اور میری طرف متوجہ بھی نہ ہوئے میں ایک جانب ہو بیٹھی اتنے میں چچا نے میرے باپ سے عربی زبان میں پوچھا "کیا یہ وہی ہیں؟" یعنی آنے والے محمدؐ کیا وہی پیغمبر موعود ہیں جنکی بشارت توریت میں موجود ہے؟ میرے باپ نے جواب دیا کہ بیشک خدا کی قسم وہی ہیں پھر چچا نے کہا کہ تمہارا کیا خیال ہے دل میں محبت ہے کہ عداوت؟ میرے باپ نے جواب دیا کہ واللہ عداوت ہے اور جبتک بھی زندہ رہوں گا عداوت سے ہرگز ہرگز باز نہ آؤں گا۔ اس کے بعد دونوں ازلی بدبخت طرح طرح کی خباثتوں اور مفسدوں میں مشغول ہوئے خود بھی ڈوبے اور دوسروں کو بھی ڈوبایا کیونکہ ان کی دیکھا دیکھی سیکڑوں یہودی گمراہی و حسد اور کجروی و بغض میں گرفتار ہوئے اور اس عناد و دشمنی کی بدولت دنیا و آخرت دونوں جگہ ذلیل و خوار بنے اللہ کی شان ہے ایک زمانہ وہ تھا کہ یہود قبیلۂ انصار سے کسی بات پر جھگڑتے تھے تو طنزاً کہا کرتے تھے کہ چند روز صبر کرو اب نبی آخر الزمان پیدا ہونے والے ہیں ہم اہل کتاب سب سے پہلے ایمان لاویں گے اور ان کے ساتھ ہو کر تمہارا بیج بھی باقی نہ چھوڑینگے اور آج جبکہ وہ وقت آنکھوں سے اس طرح نظر آگیا جس طرح دوپہر کے وقت آفتاب نظر آتا ہے اور اپنی اولاد کے اولاد ہونے میں شک ہو سکتا ہے مگر محمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبیؐ موعود ہونے میں شبہ و شک نہیں رہا تو معاملہ برعکس ہو گیا یہ نعمت غیر مترقبہ انصار کے ہاتھ آئی اور کمبخت یہود بے بہبود محروم رہے۔

ع۔ علیکہ رہ بحق نہ نماید جہالت است ۔ البتہ جن علماء یہود کی تقدیر میں کاتب ازلی نے ہدایت لکھی تھی ان کو ضرور

سعادت نصیب بننا تھا چنانچہ حضرت عبداللہ بن سلام اسی دن جبکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوایوب کے مکان پر قیام فرمایا ہے حاضر خدمت ہوئے اور جمال جہاں آرا پر محبت کی نگاہ ڈالکر عرض کیا۔ **شعر**

مدتے بود کہ مشتاق لقایت بودم ⁂ لاجرم روئے ترا دیدم و از جان رفتم

حضرت عبداللہ اپنے مذہب کے بڑے زبردست عالم اور علماء میں مقتدا سمجھے جاتے تھے جس وقت مشرف باسلام ہو گئے تو عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے اسلام کے ظاہر ہونے سے قبل میرے حالات میری قوم اور ہم مذہب یہودیوں سے دریافت فرمایئے کہ وہ مجھکو کس نظر سے دیکھتے اور کیسا سمجھتے ہیں چنانچہ حضرت نے کچھ یہودیوں کو بلاکر فرمایا کہ اے گروہ یہود تم مجھے خوب پہچانتے اور جانتے ہو کہ میں کون ہوں تمھارے پاس آسمانی کتاب اور غیبی بشارت موجود ہے جس نے میرا پیغمبر ہونا صاف بتلا دیا ہے مگر افسوس کہ تمھاری عقلوں پر پردے پڑ گئے اور اس حسد و بغض کی مہلک بیماری نے تمکو اندھا بنا دیا۔ یہود نے جواب دیا کہ نہیں ہماری توریت میں تمھارا ذکر کچھ بھی نہیں آپ نے فرمایا کہ اچھا عبداللہ بن سلام کی بابت تمہارا کیا خیال ہے اس کو کس نظر سے دیکھتے ہو؟ یہود نے کہا کہ وہ ہمارا سردار ہے سردار کا بیٹا ہے بڑا زبردست عالم ہے زبردست عالم کا بیٹا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر وہ مجھ پر ایمان لے آئے اور میرے سچے پیغمبر ہونے کی گواہی دے تو یقین کروگے یا نہیں یہود نے جواب دیا کہ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا وہ تم پر کبھی ایمان نہیں لا سکتے۔ حضرت نے تین مرتبہ ان کلمات کا اعادہ فرماکر تین ہی مرتبہ جواب لیا اور اس کے بعد حضرت عبداللہ بن سلام کو آواز دی جس کے سنتے ہی حضرت عبداللہ جو چھپے ہوئے سب باتیں سن رہے تھے فوراً باہر نکل آئے اور کہا اشہد ان لا الٰہ الا اللہ و اشہد ان محمداً عبدہٗ و رسولہ۔ اے گروہ یہود نابہبود تم یقیناً جانتے ہو کہ یہ حضرت جو تمھارے سامنے موجود ہیں وہی نبی موعود اور سچے رسول ہیں جنکا ذکر توریت میں لکھا ہوا ہے پھر کیوں انکار کرتے اور شقاوت میں پڑتے ہو سنبھل جاؤ دیکھو گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں پچھتاؤ گے اور ایسے وقت ندامت اٹھاؤ گے جس وقت ندامت کا کچھ نتیجہ نہ نکلے گا۔ گروہ یہود یہ حالت دیکھکر اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ عبداللہ خود برا ہے برے کا بیٹا ہے جاہل ہے اور بڑے جاہل کا بیٹا ہے۔

باب (۳۶)

مبارکباد۔ شاد باش ای خستہ ہجران کہ بلا گرد ہیئے دردِ تو درمان میرسد ⁂ وہ دل افسردہ دے میدمد ہامژدۂ تن را مژدۂ جان میرسد
شوق کن اے بلبل گمزدۂ عشق ⁂ کاں گل نو بہ گلستان میرسد ⁂ تازہ باش اے تشنۂ وادی غم ⁂ کز برایت آب حیوان میرسد
دور شو اے ظلمت شام فراق ⁂ کآفتاب وصل تابان میرسد

اے عمرو بن عوف کے خوش نصیب بیٹو تمہیں مبارک ہو کہ ماہ ربیع الاول کی بارھویں تاریخ دوشنبہ کے دن تمہارے مہربان پردہ دگار کا پیارا پیغمبر اپنے وزیر کو ہمراہ لئے ہوئے تمہارے محلہ میں آکر اترا اور یہ مبارک دن تمکو آنکھوں سے دیکھنا نصیب ہوا جسکا شمار قیامت کے دن تک بھی کوئی شخص نہ بھولے گا کیونکہ اگرچہ حساب کی آسانی کے لئے حضرت عمرؓ کے زمانہ میں علیؓ شیر خدا کی رائے سے متفق ہوکر محرم کے مہینہ سے پہلا سنہ ہجری شروع ہوتا ہے مگر ہجرت کی واقعی پہلی تاریخ یہی ہے جو سب سے پہلے تم کو نصیب ہوئی اور اے عمرو بن عوف کے مبارک منازل تم چرخ چہارم پر بھی فخر کرو تو بجا ہے کیونکہ تمہارا ہی ایک قطعہ اس مسجد کی تعمیر کے لئے منتخب ہوا ہے جس کا نام روز محشر تک قبا کے نام سے مشہور خلایق رہیگا اور جس کی تعریف حق تعالیٰ اپنے پاک کلام میں فرماتے ہیں کہ یہ مسجد ہے جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی ہے۔

اور اے مسجد قبا تجکو مبارک ہو تو پہلی مسجد ہے جو دین اسلام میں تعمیر ہوئی تیری بنیاد کا سب سے پہلا پتھر خاص اس پیغمبر کے مبارک ہاتھوں کا رکھا ہوا ہے جو سب میں پچھلا رسولؐ ہے تیری تعمیر کے لئے مذہب اسلام کے ان پہلے پیشواؤں نے اپنے کاندھوں اور کمر پر پتھر ڈھوئے ہیں جنکو صحابہ کرامؓ کہا جاتا ہے اور جبتک رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس محلہ میں تین یا چار دن قیام فرمایا تیرے ہی اندر نماز پڑھی ہے اور اس کے بعد بھی ہمیشہ ہر ہفتہ کو سوار اور پیادہ تشریف لاتے رہے تو ہی وہ مبارک مسجد ہے جس کو ایک مرتبہ خالی دیکھکر حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا تھا کہ اگر یہ مسجد عالم کے ایک کنارے پر ہوتی تو ہم کو خدا جانے کتنے اونٹوں کے جگر پھاڑنے پڑتے۔ اے مسجد قبا تجکو مبارک ہو تیرے خس وخاشاک کو فاروقؓ اکبر نے اپنے ہاتھوں کھجور کی شاخ سے صاف کیا اور اس جاروب کشی کو فخر و مایۂ ناز سمجھا ہے۔

اے اس برکت والے محلہ میں رہنے والو تمہیں مبارک ہو کہ سب سے پہلے تم ہی اللہ کے حبیب کے ہمسایہ بنے ہو اور پیغمبر خدا کے چچا زاد بھائی علیؓ شیر خدا جو رسول امین کے پاس رکھی ہوئی اہل مکہ کی امانتیں واپس کرنے کو مکہ میں رہ گئے اور حجرہ شریفہ میں چادر مبارک اوڑھ کر دشمنوں کو دھوکہ دینے کی غرض سے پڑ رہے تھے تین دن کے بعد تم ہی میں اپنے مسافر اور مہاجر بادشاہ و وزیر کے ساتھ آملے تھے تمھیں کیا خبر تھی کہ گھر بیٹھے یہ دولت تم کو نصیب ہو جائے گی اگر تمکو فرشتوں پر ناز ہو تو بے موقع نہیں ہے۔

اور اے مدینہ کی مبارک زمین تجھکو مبارک ہو کہ جمعہ کے روز دن چڑھے اللہ کے محبوب نے تجکو اپنے میمنت لزوم قدوم سے عزت بخشی تیری سوئی ہوئی تقدیر جاگ اٹھی اور تجکو سالہا سال انتظار کے بعد آج وہ دن نصیب ہوا جس کی فلک ہفتم اور عرش کو مدتوں تمنا اور آرزو رہی اور صرف ایک شب کے لئے پوری ہوئی۔

اے مبارک شہر تیرا چپہ چپہ رسولؐ کے قدموں کی عزت حاصل کئے ہوئے ہے خدا کی قسم تیرا محلہ محلہ سر گے بلند

کے قابل ہے تیری خاک کا ذرہ ذرہ آنکھوں کا سرمہ بنانے کے لایق اور تجھ پر ایک مرتبہ گذر جانے والی ہوا کا جھونکا جاں بلب بیماروں کی شفا اور لاعلاج مرض کی دوا ہے۔ اے مقدس مدینۃ الرسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے انفاس طیبہ کی خوشبوؤں کے باعث تیری ہوا کی خوشبو مشک سے فوقیت لے گئی ہے اور اسی وجہ سے تیرا نام طَابہ۔ طَیبۃ۔ طَیّبۃ اور طَائبہ ہے۔

ز نسیم جان فزایت تن مردہ زندہ گردد ٭ ز کدام باغ اے گل کہ چنین خوشت بوئیت

تجھکو حق تعالیٰ نے ارض اللہ اور ارض الہجرۃ کا لقب مرحمت فرمایا ہے۔ تیرے مقابلہ پر کوئی شہر شہر نہیں ہے اسی وجہ سے تیرے نام اکالۃ البلدان اور اکالۃ القریٰ ہیں تو ایمان کا مرجع اور مآل ہے اس وجہ سے تیرا نام ایمان بھی ہے اور جس طرح مکہ معظمہ کو خانہ کعبہ کی بدولت بیت اللہ کہا جاتا ہے اسی طرح تیرا نام بیت الرسولؐ ہے

زہے سعادت آن بندۂ کہ کرد نزول ٭ گہے بہ بیت خدا و گہے بہ بیت رسول

چشمہ و باغات کی کثرت اور وسعت فضا اور بلندی مقامات کے ظاہری حسن اور مقصود خلایق یعنی سلطان زمین و زمن کے مستقل قیام گاہ ہونے کے باطنی حُسن کی بدولت تیرا نام حَسنہ۔ حَبیبہ اور محبوبہ بھی ہے۔ خدا کی قسم تو تمام دنیاوی خیرات و برکات اور دینی ثمرات وحسنات کا جامع ہے تیرے بیسیوں مبارک نام ہیں جن کی وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔ تو ہمیشہ سے معصوم و محفوظ ہے تیری حفاظت و حمایت کا حق تعالیٰ نے ذمہ لیا ہے۔ تو ابتدا میں موسائی اور داؤدی لشکروں کی حفاظت میں جابر و ظالم اور متکبر و جفا کار حاکموں کے تسلط سے محفوظ رہا تبع کے قتل عام اور بخت نصر کی ظالمانہ کارروائیوں سے تجھکو صدمہ نہیں پہونچا تو نے اپنے رہنے والوں کو بھی امن دیدی تیرے اندر سیکڑوں ستم رسیدہ مظلوم مسلمانوں نے آرام و امن پایا تو پیغمبر کے قدموں کی بدولت شیاطین کی پرستش اور بتوں کی عبادت سے محفوظ رہا اور قیامت کے قریب سطح زمین کے تیز رفتار سیاح بدنصیب دجال کے فتنہ اور عالمگیر و بائی یعنی سخت مہلک مرض طاعون کی ویرانی سے بھی محفوظ رہے گا اس لئے تیرا نام عاصمہ اور معصومہ بھی ہے تیرے شاداب بار آور خطہ میں جو بھی رہا وہ دوسرے سے دبکر نہیں رہا جو کوئی آیا اُس نے شہرت اور نام آوری اور غلبہ و تسلط پایا قوم یہود نے عمالقہ پر حکومت کی اور یہودیوں پر انصار کے قبیلہ اوس اور خزرج نے غلبہ پایا اور اب مہاجرین حضرات اکثر قبائل انصار پر فوقیت لیگئے اور یہ غلبہ و تسلط جو رسولؐ کی بدولت تجھکو حاصل ہوا ہے قیامت تک بدستور رہیگا اس لئے تجھکو غلبہ کے نام سے پکاریں تو نامناسب نہیں ہے تیرے مبارک نام مومنہ۔ محرمہ۔ محفوظہ اور مسلمہ بھی ہیں مگر سب سے زیادہ مشہور نام مدینہ ہے جس کے معنی مطلق مصر اور شہر کے ہیں اور گو عربی لغت کے اعتبار سے مدینہ ہر شہر کو کہہ سکتے ہیں مگر جس طرح نجم کا اطلاق خاص ثریا پر ہے اگرچہ لغتہً ہر ستارہ پر بولا جا سکتا ہے اسی طرح اب جس وقت بھی کسی کی زبان سے

مدینہ نکلیگا اس سے تو ہی مراد سمجھا جائیگا کیونکہ تیرے مقابلہ میں درحقیقت کسی شہر کو شہر کہنا زیبا ہی نہیں۔ تیرے باشندے مدنی کہلاتے ہیں اور تیرا یہ مبارک نام قرآن شریف میں بھی مذکور ہے مگر ہمیں تیرا نام مدینۃ الرسول سب سے زیادہ پیارا معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس میں اس پیارے محبوب کی نسبت بھی ظاہر ہے جسکی برکت سے تونے بیسیوں مبارک لقب اور اس قدر عزتیں پائیں ہیں جو عرش کو بھی نصیب نہیں ہوئیں۔

اے مبارک شہر تجھکو بیشمار دولت مبارک ہو تیرے اندر ایک خاص ڈہائی گز لانبا ٹکڑا ایسا ہے جو خدائے پاک کی قسم عرش سے بھی بڑھا ہوا ہے وہ مقدس ٹکڑا جس میں خاتم النبیین کا جسم مبارک مدفون ہے بیت اللہ سے بھی افضل ہے کیونکہ یہی پاک ٹکڑا ہے جس کی پاکیزہ مٹی رسالتمآب کے گوہر عنصر کا صدف قرار پائی اور جس کو خدا کی رحمت کے مقدس ومنزہ اور پاک فرشتے ہروقت ڈہانپے رہتے اور مہ جمال محبوب پر بیشمار درود پڑھتے رہتے ہیں۔ اللّٰھم صل وسلم علی محمد وآل بقدر حسنہ وجمالہ۔

اے مدینۃ الرسول تیرے فضائل ومناقب بیان نہیں ہوسکتے اللہ پاک نے اپنے محبوب رسول کو مکہ سے تیری جانب ہجرت کرنے اور ہمیشہ کے لئے یہیں قیام کرنے کا حکم فرمایا جتنے کمالات ظاہری وباطنی چھپے ہوئے تھے وہ سب تجھ ہی میں ظاہر ہوئے تو ہی تمام فتوحات اور برکات کا مبدا ہے تیرا احسان ساری دنیا کی گردن پر ہے جس سے قیامت تک نہ کوئی انسان سبکدوش ہوسکتا ہے نہ کوئی حیوان سر اٹھا سکتا ہے تیرا بیشمار فیضان ابتک بدستور جاری ہے کیونکہ تو ایسے پیغمبر کا مدفن قرار پایا ہے جس کی عامہ رسالت اور کاملہ شریعت قیامت تک جاری رہنے والی ہے اور تجھکو اس خاتم النبیین کا پڑوس حاصل ہے جس کی حیات بعد وصال پر سب کا اتفاق ہے اور جس نے اپنے ظاہری کمالات کے فیضان کی شعاعوں کو محض اس طرح ڈھانپ لیا ہے جس طرح چراغ پر کوئی ہانڈی ڈھکدی جائے۔

اے مبارک شہر تجھ میں وہ مبارک قبرستان ہے جس کی پاک مٹی کے نیچے ہزاروں صحابہ اور لاکھوں شہیدان عشق چھپے لیٹے ہیں جن کے گھوڑے کے پاؤں کے نیچے کی خاک بھی نصیب ہو تو خدا کی قسم سرمہ بنا کر آنکھوں میں لگالی جائے اس مقدس گورستان کا نام جنت البقیع ہے جس کے بھرپور ہوجانے پر حق تعالی کے فرشتے دونوں گوشے پکڑ کر جنت میں جھٹک دیتے ہیں اور دوسری نعشوں کے لئے جگہ خالی کردیتے ہیں۔

اے جنت البقیع میں سونے والو تمکو اللہ کے پیارے رسول کا پڑوس مبارک ہو تم جیسا خوش نصیب دنیا میں کوئی نہیں ہے تمہاری شفاعت کا ذمہ دار اللہ کا وہ پیارا پیغمبر ہے جس کی جانب محشر کے ہولناک میدان میں دنیا بھر کی نظریں اٹھیں گی اور کاربراری ہوگی اے آرام کی نیند سونے والو خدا کی قسم یہ تمہاری موت لاکھ زندگیوں سے بہتر ہے تم جیسے خوش نصیب

بسنے کی لاکھوں دل دادہ عاشقوں نے تمنائیں کی ہیں۔ حضرت امام مالک جیسے عالی تبار شخص نے سوائے حج فرض ادا کرنے کے دوسرا حج نہیں کیا اور صرف اسی ڈر سے مدینہ کے باہر نہیں گئے کہ کہیں موت نہ آجائے اور مدینہ میں دفن ہونے سے محرومی ہو

صبر از دوست محال شود اہلِ شوق را ؎ واز آنکہ در بہشت برین رفتہ جاکنند

اے مبارک شہر تیری کس کس چیز کی تعریف کی جائے۔ تیرے کنویں اور چشمے تیری مسجدیں اور مقبرے تیرے کوچے اور مکانات تیرے پہاڑ اور باغات تیری خاک اور غبار تیرا بازار اور جنگل تیری ہوا اور مٹی سب ہی ثنا وصفت کے قابل ہے۔ کاش مجھ سیاہ کار کی مشتِ خاک کو بھی تیرے مبارک گورستان کے مور و مار کی غذا بننا نصیب ہو جائے اگر ایسا ہو تو میں اپنے آپ کو اتنا خوش نصیب سمجھوں جو حد و حساب کے احاطہ سے بھی باہر ہو جائے۔

اے مدینۃ الرسول کی مبارک زمین تیرے ذکر میں بھی وہ لذت ہے کہ سر کے بل چلنے والا قلم آگے نہیں سرکتا اکثر سفر سے تشریف لاتے وقت تیرے قریب پہونچکر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم خوشی کے باعث ناقہ تیز کر دیتے اور گرد و غبار پڑنے کے لئے چہرہ مبارک کھول دیا کرتے تھے چادر دوش مبارک سے گرا دیتے اور یوں فرمایا کرتے تھے۔ "یہ پاک ہوائیں ہیں اس کی گرد بیماریوں کی شفا ہے" اور بیشک مریضوں نے تجربہ بھی کیا ہے۔ سال سال بھر کی تپ دق کا لاعلاج مریض اور برص و جذام کا مبتلا جس کو اطبا نے جواب دیدیا ہے تیری مٹی گھولکر پینے سے شفایاب ہوا ہے اور یہ تیرا ادنے درجہ کا ظاہری فیضان ہے ورنہ تو تو وہ چیز ہے جس کو حق تعالےٰ کے محبوب نے اپنا محبوب فرمایا۔ تیرے ارد گرد کو حرم شریف قرار دیا اور دست مبارک اٹھا کر یوں دعا فرمائی ہے کہ "مدینہ میری ہجرت کا مقام ہے یہی میری خوابگاہ ہے۔ یہیں سے قیامت کے دن میں اٹھوں گا میرے ہمسایہ کی تعظیم و احترام مسلمانوں پر واجب ہے جو میرے پڑوسیوں کی عزت نہ کرے گا وہ جہنمی ہے حق تعالیٰ اس کو اس طرح گلا دیں گے جس طرح آگ میں سیسا اور پانی میں نمک پگھلجاتا ہے بار الہا جو شخص میرے ساتھ یا میرے شہر کے باشندے یعنی اہل مدینہ کے ساتھ بُرا قصد کرے تو اس کو جلد ہلاک کیجو" چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بشر بن ارطاۃ ظالم حاکم کا اہل مدینہ کو ایذا دینا اور بُری موت مرنا تواریخ میں لکھا ہی ہے اور یزید کے زمانہ میں مسلم بن عقبہ کی مدینہ پر چڑھائی اور حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے ساتھ جانگاہ حادثہ کا پیش آنا اور مسلم بن عقبہ کی قابل عبرت ہلاکت واقعۂ حرّہ کے نام سے مسلمانوں میں مشہور ہے جنہوں نے بددعائے نبوی کا مصداق بنکر اندھوں کو سوانکھا بنا دیا۔

اے مقدس مدینۃ الرسول تجھ ہی میں قبر شریف اور منبر کے درمیان کا وہ قطعہ موجود ہے جو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے تجھ ہی میں جنت کا وہ پہاڑ ہے جس کا نام اُحد ہے اور جس کو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے

محب اور محبوب فرمایا ہے - تیرے ہی اندر سید الشہداء حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا مزار ہے اور تیرے ہی اندر وہ متبرک مسجد ہے جو خاتم النبیین کی طرف منسوب ہے جس میں ایک نماز پڑھنے کا ثواب عام مسجد میں پچاس ہزار اور کسی روایت سے ایک لاکھ نمازوں کی برابر ہے حساب کرنے سے ایک وقت کی نماز کا اجر چھپن برس چھ مہینہ بیس روز کی نمازوں کے اجر کی برابر ہے اور گو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ایک وقت نماز پڑھ لینے سے برسوں کی فرض نمازیں ساقط ہو گئیں مگر اس ثواب کثیر کا کیا ٹھکانا ہے جو کیفیت کے اعتبار سے برکت وعظمت میں اتنا بڑھتا ہے جس سے عقل حیران ہو جاتی ہے۔

اے مبارک شہر تیرے کھجور کے باغات میں ایک سو انتالیس قسم کی کھجوریں پیدا ہوتی ہیں جن میں وہ قسم بھی ہے جو صیحانی کہلاتی ہے کیونکہ اس نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور علیؓ شیر خدا کو دیکھکر صیحہ یعنی چیخ ماری اور بآواز بلند کہا تھا کہ ہذا محمد سید الانبیاء وہذا علی سید الاولیاء (یہ محمدؐ ہیں نبیوں کے سردار اور یہ علی ہیں ولیوں کے سردار) نیز تیری شاداب زمین میں اس کھجور کے بیشمار درخت ہیں جسکو عجوہ کہتے ہیں اور جس کے سات دانہ نہار منہ کھانے سے زہر اور کسی قسم کا جادو اثر نہیں کر سکتا اس کھجور کو اللہ کے پیارے رسول نے بڑی رغبت سے کھایا ہے اور غالباً یہی وہ کھجور ہے جس کی اصل رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دست مبارک سے لگائی ہے - تجکو تیری تازگی مبارک ہو تیری ناپ اور تول میں خاتم النبیین نے برکت کی دعا مانگی ہے۔

اے مبارک شہر تیرے بیشمار اوصاف قیامت تک بھی ختم نہیں ہو سکتے تو جس مرتبہ کا شہر ہے اُس کو خدا ہی جانتا ہے مجبوراً قلم روکتا ہوں اور وہی دعا مانگتا ہوں جو حضرت فاروق اکبر رضی اللہ عنہ نے مانگی تھی۔ اللھم ارزقنی شہادۃ فی سبیلک واجعل موتی فی بلد رسولک " الہٰی مجکو اپنے رستہ میں شہادت نصیب کر اور اپنے رسول کے شہر میں موت دے " خداوندا اس گناہگار بندہ روسیاہ کی یہ دعا خاتم النبیین اور ان کے پیارے خلیفہ یعنی اصل دعا مانگنے والے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے طفیل سے قبول فرما۔ آمین یارب العٰلمین۔

باب (۳۷)

مسجد قبا اور مسجد جمعہ - جب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو قبل از رونق بخشی مدینہ مطہرہ چند روز شہر سے باہر بنی عمر بن عوف کے محلہ میں قیام فرمایا اور چونکہ اس محلہ کے مسلمان جان نثار صحابہ نے مسجد تعمیر ہونے کی درخواست کی اس لئے دست مبارک سے مسجد قبا کی بنیاد رکھی اور اس مبارک مقام کو کئی دن کی نمازوں سے شرف مرحمت فرمایا۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کی طرف اشارہ کیا اور ارشاد فرمایا کہ تم میں سے ایک شخص میری ناقہ پر سوار ہو کر اس کو پھراوے جس جگہ وہ ٹھہر جائیگی اسی مقام پر مسجد کی تعمیر کیجائے گی چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور اونٹنی کی پشت پر سوار ہوئے مگر ناقہ نہ اٹھی پھر حضرت فاروق رضی اللہ عنہ سوار ہوئے اور اونٹنی کے اٹھانے میں کوشش کی لیکن نہ اٹھی ان کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اٹھ کر رکاب میں پاؤں ڈالا ہی تھا کہ حق تعالیٰ کی محکوم و فرمانبردار اور اللہ کے پیارے پیغمبر کے سوار ہونے کی اونٹنی کُود کر کھڑی ہو گئی چنانچہ حضرت اسد اللہ نے حکم رسالتمآب کی بموجب باگ چھوڑ دی اور آخر کار ناقہ مبارک جس جگہ ٹھہری اُسی جگہ مسجد قبا کی بنیاد ڈالی گئی اور صحابہ کو حکم ہوا کہ پتھر جمع کریں اس کے بعد رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے تعین قبلہ کے لئے اپنے دست مبارک سے خط کھینچ دیا اور اپنے ہی ہاتھ سے ایک پتھر اٹھا کر نیو کی جگہ رکھدیا اور پھر صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ ہر مسلمان بترتیب ایک ایک پتھر اپنے ہاتھ سے رکھے چنانچہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے رکھے ہوئے پتھر کی برابر سب سے پہلے خلیفہ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے پتھر رکھا اور پھر خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اور ان کے بعد چوتھے خلیفہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اور پھر باقی صحابہ نے پتھر رکھنے شروع کئے کیونکہ ابھی تک خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جو عرصہ ہوا بحکم رسالتمآب ملک حبشہ کی جانب ہجرت فرما کر چلے گئے تھے حاضر نہیں تھے ورنہ انسانی عقل اور اسلامی فہم قراین دیکھکر چاہتی ہے کہ تیسرا پتھر ان کے مبارک ہاتھوں سے رکھا جاتا۔

چونکہ اس وقت قبلہ بیت المقدس کی جانب تھا اسلئے یہ پہلی تعمیر اسی سمت کو قبلہ رکھکر کیگئی البتہ تحویل قبلہ کے بعد دوسری تعمیر میں اللہ کے مقدس فرشتے حضرت جبرئیل امین علیہ السلام نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ کی جہت بھی دکھائی اور اس وقت بیت اللہ کی جانب قبلہ کا رُخ قرار پایا۔

اس کی بنا کے وقت پتھر ڈھونے میں رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم بھی شامل تھے یہی وہ مبارک مسجد ہے جس کی شان میں آیت قرآنی نازل ہوئی اور حق تعالیٰ نے ان الفاظ میں تعریف فرمائی ہے کہ "اے محمدؐ بیشک وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ اور پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے وہی زیادہ تر اس کے لایق ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو اور نماز پڑھو" اور اسی مسجد والوں کی مدح میں یہ مضمون حق تعالےٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ "اس مسجد میں ایسے آدمی ہیں جو طہارت و پاکی کو پسند کرتے ہیں اور اللہ تعالےٰ پاک بندوں سے محبت فرماتا ہے" اس آیت مقدسہ کے نازل ہونیکے بعد رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا تھا کہ اے قبا میں رہنے والے پاکباز بندو بتلاؤ تو سہی وہ کونسا پاک کام کرتے ہو جس کی تعریف حق تعالیٰ نے اپنے مقدس اور بے ریب کلام مجید میں فرمائی ہے تو ان لوگوں نے جواب دیا

کہ یا رسول اللہ ہم تو کوئی عمل نہیں جانتے البتہ اتنا ضرور ہے کہ ڈھیلے سے استنجا کرنے کے بعد پانی سے اچھی طرح طہارت کر لیتے ہیں۔ اللہ کے برگزیدہ پیغمبر نے فرمایا کہ یہی سبب ہے جس کی بدولت اس منقبت کے ساتھ مخصوص ہوئے ہو چاہئے کہ اس نعمت کی قدر کرو اور اس پاک عمل پر ہمیشہ کاربند رہو۔

اس مقدس مسجد میں نماز پڑھنے کا اجر عمرہ کے ثواب کی برابر ہے اور مسجد قبا ان چار مسجدوں میں داخل ہے جنمیں نماز پڑھنے سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے مکہ معظمہ میں مسجد حرام اور مدینہ منورہ میں مسجد قبا اور مسجد نبوی اور بیت المقدس میں مسجد اقصیٰ کے اندر نماز پڑھی اس کی مغفرت ہو جائے گی اور تمام گناہ بخشدئے جائیں گے۔

یہ مسجد نہایت سادی اور پرانے طرز کی بے تکلف و بلا تزئین تعمیر ہوئی تھی لیکن عمر بن عبد العزیز نے اس کی تجدید میں مسجد نبوی کی طرح زیب و زینت اور تزئین و آرائش کے تکلفات سے آراستہ کیا اور جب امتداد زمانہ کے باعث منہدم ہو گئی تو ہمیشہ ملوک و امراء آفاق قرناً بعد قرن اس کی تجدید کرتے رہے۔

اس مقدس مسجد میں خصوصیت کے ساتھ جس مقام کی زیارت تبرکاً لازمی سمجھی گئی ہے وہ حضرت سعد بن حثمہ کا مکان ہے جو مسجد کے قبلہ میں واقع تھا اور پہلے مسجد کا دروازہ بھی اس گھر کے صحن کی طرف سے تھا مگر بند کر دیا گیا۔ اس پاک مسجد کے مغربی کونے کے قبلہ میں ایک جگہ ہے جس کا نام مسجد علی ہے شاید یہی مسجد حضرت سعد بن حثمہ کا وہ مبارک گھر ہے جس میں اللہ کے پیارے پیغمبر نے آرام فرمایا اور وضو کیا اور نماز پڑھی ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا مقدس مصلی تیسرے ستون کے پاس ہے بشرطیکہ پہلی راہ سے داخل ہوں۔

اسی مبارک مسجد کے مقابلہ میں محض ضد و سرکشی اور اغراض فاسدہ کے لئے منافقین کے نافرمان اور شریر گروہ نے ایک مسجد جداگانہ تعمیر کی تھی جس کا نام مسجد ضرار تھا اور چونکہ یہ مسجد حق تعالیٰ کی مرضی کے بالکل خلاف اور مقدس مذہب اسلام کی مخالفت میں خدا و رسول کے دشمنوں کے ہاتھوں بنی تھی اس لئے کلام مجید میں اُس کی مذمت کیگئی اور نہایت زور شور اور پختگی کے ساتھ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کو وہاں جا کر نماز پڑھنے کی سخت ممانعت کی گئی اور یوں حکم ہوا کہ "اس مسجد میں جس کو منافقوں نے کفر کی تائید اور مسلمانوں کے ضرر پہونچانے کے لئے بنایا ہے ہرگز ہرگز کبھی نہ کھڑے ہونا" یہی مسجد ضرار تھی جس میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سراپا رشاد سے آگ لگا دی گئی اور اس کو جلا کر خاکستر و ویران بنا دیا گیا اس لئے مناسب ہے کہ تضمناً مختصر طور پر اس کا بھی ذکر کر دیا جائے۔

مذہب اسلام کے اقرار کرنیوالوں میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جنھوں نے اپنی عزت و آبرو و جان و مال کو مسلمانوں کے

منافقوں اور اسلامی لشکر کے حملہ و تصرف سے بچانے کے لئے صرف ظاہری طور پر اسلام قبول کیا تھا مگر دلوں میں ایمان نہ تھا زبان سے کلمہ پڑھ لیا تھا اور قلب میں وہ باطنی خباثتیں بھری ہوئی تھیں جن کا انجام ابدی ہلاکت اور دائمی عذاب جہنم ہے اور چونکہ ظاہر و باطن یکساں رکھنے والے کافروں اور منکر اسلام بدنصیبوں سے زیادہ نقصان کا اندیشہ مسلمانوں کو اس بے ایمان و بدطینت دھوکہ باز گروہ سے رہا ہے کیونکہ یہ جو فروش گندم نما بظاہر مسلمانوں سے ملے جلے رہتے اور اسلامی جلسوں اور مشوروں کے مجمعوں میں برابر شریک ہوتے تھے اسلئے وہ اسرار اور مخفی معاملات جو ہر قوم اپنے مخالف دشمنوں سے چھپایا کرتی ہے انپر ظاہر ہو جاتے تھے جس کا نتیجہ یہ پیدا ہوتا تھا کہ بت پرست کافروں کی سازش بڑھتی اور بار آور ہوتی رہتی تھی اس لئے اس منافق گروہ کی کلام مجید میں بہت ہی زیادہ مذمت کی گئی ہے یہانتک کہ قطعی حکم اور اٹل فیصلہ سنا دیا گیا ہے کہ یہ جماعت دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقہ میں جھونکا جائیگی ۔ اللھم احفظنا منھا ولا تجعلنا منھم

اس دوست نما دشمن جماعت کا سردار ابو عامر اسلامی شوکت اور دینی ترقی دیکھکر حسد کی آگ میں جل مرا اور اپنے ہمخیال لوگوں کو اس بات پر آمادہ و برانگیختہ کر کے ملک شام کی طرف گیا تھا کہ "تم لوگ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بناؤ اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حیلہ و نفاق کرتے رہو حکمت عملی اور عقلی تدابیر سے اپنی جان بچاؤ میں قیصر روم کے پاس جاتا ہوں اور اس کا لشکر عظیم ہمراہ لیکر بہت جلد واپس آکر مسلمانوں کی اس مختصر جماعت پر حملہ کرتا ہوں جسنے دند مچا رکھا اور نئے مذہب کو ہمارے ملک میں پھیلانا اور رواج دینا شروع کیا ہے قیصر جرار کی فوج کا شیرانہ حملہ ان مسلمانوں کو شہر سے نکال باہر کریگا اور پھر اطمینان کے ساتھ عیش و آرام کی زندگی نصیب ہوگی۔

نقل ہے کہ جس زمین پر مقدس مسجد قبا تعمیر ہوئی وہ ایک عورت کا مملوکہ قطعہ تھا جس کا نام لینہ تھا اور اس عورت کے پاس ایک گدھا تھا جو خاص اسی جگہ بندھتا تھا جہاں مسجد ہے اس لئے ابو عامر کے روانہ ہوتے ہی منافق گروہ نے یہ عذر پیش کیا اور کہا کہ ہم خدا کے ایماندار نمازی مسلمان گدھے بندھنے کی جگہ کبھی نماز نہیں پڑھ سکتے اور یہ ہو نہیں سکتا کہ ایسی جگہ پیشانی رکھیں جہاں گدھے کا بول و براز پڑا ہو اس لئے اپنی مسجد علیحدہ بنائیں گے اور اُس وقت تک اس علیحدہ مسجد میں تنہا تنہا نماز پڑھیں گے جبتک کہ ہمارا سردار ابو عامر سفر سے واپس نہ آجائے جس وقت ابو عامر ہمارا امام بنے گا تو جماعت کی نماز پڑھیں گے چنانچہ مسجد قبا کے گرد و نواح میں منافقوں کی جداگانہ مسجد تعمیر ہونے لگی اور جب تیار ہوگئی تو یہ دغا باز و مکار بدنصیب کافر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ ہم غلاموں نے چند ضرورتوں کی وجہ سے ایک مسجد علیحدہ بنائی ہے اگر آپ معہ اپنے اصحاب کے ایک مرتبہ اس میں نماز

پڑھ لیں تو اس زمین کی سعادت اور موجب برکت ہے خدام آستانہ کا بھی دل خوش ہو جائیگا اور جگہ بھی مقدس و متبرک بنجائیگی۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ خبر نہ تھی کہ کیا ساز کیا گیا ہے اور کس بنیاد و فاسد اغراض پر اس مسجد کی تعمیر ہوئی ہے اس لئے آپ نے وعدہ کر لیا اور مع صحابہ کرام وہاں تشریف لے جانیکا قصد فرمایا اسی وقت وحی ربانی نازل ہوئی اور حضرت جبرئیل امین ؑ نے ممانعت کا تاکیدی حکم پہونچایا جس کو سُنکر آپ نے گردن جھکالی اور سر تسلیم خم کر لیا اور چند خدام کو حکم فرمایا کہ جاؤ اس مسجد ضرار میں آگ لگا دو چنانچہ فوراً حکم کی تعمیل کیگئی اور اینٹ سے اینٹ بجادی گئی مسجد ضرار آگ کے شعلوں میں جھلسکر خاکستر و ویران کر دی گئی اور ہمیشہ کے لئے اُس کا نشان سطح زمین سے ملیا میٹ کر دیا گیا۔

ایک مستند شیخ کہتے ہیں کہ میں نے مسجد ضرار کو جعفر منصور پادشاہ کے زمانہ میں دیکھا تھا کہ اس سے دھواں نکل رہا تھا مگر اس کے بعد تو کتابوں میں صرف نام ہی نام رہ گیا ہے سطح زمین پر یہ بھی پتہ نہیں کہ کس جگہ پر تھی البتہ اتنی بات ضرور ثابت ہے کہ حوالی مسجد قبا میں تھی۔

ابو عامر اپنی لاطائل امیدوں پر بدمست و نازاں اہل مکہ کے ساتھ ساز کر کے ملکِ شام کی جانب روانہ ہوا اور وہاں پہونچکر مذہب نصرانیت کو اختیار کیا اور اسی منسوخ دین پر راہی ملکِ عدم ہوا۔ اپنے دل کا حوصلہ بھی نہ نکال سکا اور حسرت و ارمان بھرا نفس لیکر داخلِ جہنم ہوا۔

اللہ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے روز چاشت کے وقت قبا سے شہر کی جانب کوچ فرمایا مگر بنی سالم بن عوف کے قبیلہ ہی تک پہنچے تھے کہ جمعہ کی نماز کا وقت آگیا اور آپ نے یہیں قیام فرماکر نماز جمعہ ادا کی۔ زہے تقدیر اس مقدس جگہ کی جہاں ہجرت کے بعد سب سے پہلا جمعہ قائم ہوا اور خوشا نصیب اس مقام کے جہاں مدینہ منورہ میں تشریف لانیکے بعد اول نماز جمعہ پڑھی گئی اس مبارک جگہ پر بعد میں مسجد بنادی گئی جس کا نام مسجد جمعہ اور مسجد عاتکہ اور مسجد وادی ہے اسی مسجد کے قریب ایک وادی ہے جسکی غربی جانب قبیلہ بنی سالم کے مکانات تھے ان متبرک گھروں کے نشان ابتک نظر آتے ہیں جنکو دیکھکر وہ ابتدائی وقت اور اسلام کا پہلا زمانہ یاد آجاتا ہے جبکہ اُن خوش نصیب پاکبازوں کو دولت زیارتِ رسولؐ سے مالامال ہونیکا فخر و اعزاز حاصل ہو رہا تھا۔

اے حسرت بھرے کھنڈرو تمنے کسی مقدس زمانہ میں ایسے جمال باکمال اور اللہ کے محبوب خوبصورت پیغمبر کی زیارت کی ہے جس کا دیکھنا ہم کم نصیبوں کو خواب میں بھی دشوار ہے تمپر جان قربان ہو تمنے ایسے سردار کے قدم لئے اور پاؤں چومے ہیں جس کی تمنا عرش و کرسی کو بھی مدتوں رہی ہے تمھاری خاک بھی ہماری آنکھوں کا نور بڑھانے اور بصارت میں جلا پیدا کر دینے کو کافی ہے تمھارے خس و خاشاک اور اینٹ و پتھر سے وہ خوشبوئیں مہکتی ہیں جو مشک و عنبر کو بے وقعت

بنا دیتی ہے ؎ بہر زمین کہ نسیمے ز زلفِ اوز دہ است ٭ ہنوز از دمِ آں بوے عشق می آید

کاش تم ہی میں آباد ہونا نصیب ہو جائے اور تمہارے ہی سنگریزوں سے سر ٹکرانا مل جائے یہ بھی اپنی نجات کا ذریعہ اور اخروی حیات کا عیش و آرام ہے بشرطیکہ خاتمہ بخیر ہو جائے اور تم میں آنے والے مسافر مہمان اور جانیوالے نازک مزاج پیغمبر کی محبت میں دم نکلجائے۔

اس مقدس وادی میں حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کا گھر تھا جن کا قصہ صحیح بخاری میں آیا ہے کہ انکی بصارت میں ضعف آگیا تھا اور عمر بھی جوانی کے زمانہ سے تجاوز کر گئی تھی ایک مرتبہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ یارسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں چونکہ میں ضعیف البصر ہوں اس لئے جب کبھی بارش ہو جاتی ہے تو پانی کے سیل کی وجہ سے اپنے محلہ کی مسجد میں نہیں آسکتا اور پانی برستے میں قبیلہ کے ہم مذہب مسلمانوں کے ساتھ جماعت کی نماز ادا نہیں کرسکتا میری عرض والتجا یہ ہے کہ غریب خانہ پر قدم رنجہ فرما کر ایک جگہ کھڑے ہو کر نماز ادا فرمالیجئے تاکہ میں اپنی خوش نصیبی پر ناز کروں اور اس متبرک جگہ کو ہمیشہ کے لئے اپنی نماز کا مصلّا بنالوں چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے جان نثار خادم کی درخواست منظور فرمائی اور اس محلہ میں ان کے مکان پر تشریف لاکر نماز پڑھی۔

اس محلہ میں دو مسجدیں ہیں جن میں مسجد جمعہ وہ چھوٹی مسجد ہے جس کا طول قبلہ سے شام کی جانب بیس گز اور عرض شرق سے غرب کی جانب ساڑھے سولہ گز ہے اور بڑی مسجد وہ ہے جس کا ذکر حدیث میں آیا ہے اور مختصر قصہ ہم ناظرین سے ابھی بیان کر چکے ہیں۔

مسجد جمعہ کی عمارت قدیم منہدم ہونے کے بعد سنہ نو سو کے قریب کسی عجمی باہمت دولتمند مسلمان نے اس کی تجدید کی ہے حق تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے کیونکہ مقدس یادگار کے قائم رکھنے کا وسیلہ وسبب قرار پائے ہیں رحمۃ اللہ رحمۃً واسعۃً

مسجد قبا اور مسجد جمعہ دونوں مقدس مسجدیں اُن بائیس مساجد مشہورہ میں شامل ہیں جو زمانہ رسالت سراپا برکت کی یاد دلانیوالی یادگاریں مدینۃ الرسول کی مقدس زمین میں موجود ہیں اور زائرین حرم نبوی ان کی زیارتوں سے مشرف ہوتے ہیں اور یوں تو مساجد خیر القرون کی تعداد چالیس سے زیادہ ہے جنکے متعلق سوائے سمت اور جانب کے جگہ کا بھی تعین معلوم نہیں ہے اگر کسی وقت زمانہ نے مہلت دی اور حق تعالیٰ نے توفیق مرحمت فرمائی تو ان مقامات متبرکہ مشہورہ کی توضیح وتفصیل بھی ہدیۂ ناظرین ہو گی وقت کا تعین یا حتمی وعدہ میں نہیں کرسکتا کیونکہ حق تعالیٰ کا کام ہے وہ جس وقت بھی جس سے چاہیں لیں۔

باب (۳۸) ۱ھ

مسجد نبوی کی تعمیر اور حجرے

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مکان پر قیام فرمایا اور خاطر عاطر مطمئن ہوئی تو حضرت ابو رافع اور زید بن حارثہ کو پانچسو درہم اور دو اونٹ دیکر مکہ معظمہ کو روانہ کیا تاکہ دونوں صاحبزادیوں یعنی سیدہ فاطمہ زہرا اور ام کلثوم رضی اللہ عنہا کو اور ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو اور آپ کے محبوب یعنی زید بن حارثہ کی بیوی حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا اور ان کے صاحبزادے یعنی حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کو مدینہ میں لے آویں اور انہیں دونوں قاصدوں کے ہمراہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ روانہ ہوئے تاکہ حضرت صدیق کے اہل وعیال یعنی دونوں صاحبزادیوں حضرت عائشہ صدیقہ اور حضرت اسمار رضی اللہ عنہا کو اور صاحبزادے یعنی حضرت عبدالرحمن کو اور نیز حضرت عائشہ کی والدہ ماجدہ یعنی ام رومان رضی اللہ عنہا کو یہ تینوں فرستادہ پیک مکہ کی جانب بادصبا کی طرح روانہ ہوئے اور ان تمام حضرات کو بخیر و عافیت مدینہ طیبہ میں لے آئے اس وقت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت عائشہ سے ہو چکا تھا جنکی عمر نو برس کی تھی مگر ابھی تک رخصت نہیں ہوئی تھی۔ رخصت ہجرت کے سات مہینہ بعد ہوئی ہے جس جگہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ناقہ بیٹھی تھی وہ یہی جگہ ہے جہاں مسجد نبوی کا دروازہ ہے اس مقام پر کھجور کے باغ میں دو یتیم بچوں کا خرمن تمر تھا اور اسی جگہ حضرت کی تشریف لانے سے قبل کچھ لوگ نماز پڑھا کرتے تھے یہ دونوں یتیم بچے ایک انصاری کے یہاں پرورش پاتے تھے حضرت نے دونوں بچوں کو بلایا اور اس قطعۂ زمین کو مسجد کے لئے منتخب فرماکر قیمتاً خریدنا چاہا اور گو یتیم بچوں نے بلا عوض اس قطعہ کو نذر کرنے میں ہرچند اصرار کیا مگر آپ نے منظور نہیں فرمایا اور خاطر خواہ قیمت دیکر مسجد کی بنا ڈالی۔ ایک انصاری نے قیمت کے علاوہ اس زمین کے معاوضہ میں ایک نخل بھی اپنے مال میں سے یتیم بچوں کے حوالہ کر دیا اور تمام حضرات مسجد شریف کی تعمیر میں مشغول ہوئے۔ اول زمین کو ہموار بنایا اور نشیب و فراز کو برابر کیا جس قدر درخت بے موقع واقع تھے سب کو اکھاڑ پھینکا اور جنت البقیع میں جو جگہ بیر ابوب کے نام سے موسوم تھی وہاں سے انصار و مہاجرین صحابہؓ اور خود سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پتھر اور اینٹیں ڈھونی شروع کیں۔

سب سے پہلے سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اینٹ اٹھاکر اپنے دست مبارک سے نیو میں رکھی اور پھر آپکے حکم سے دوسری اینٹ اسی کے برابر حضرت ابوبکر صدیق نے رکھی اور ان کے بعد تیسری اینٹ حضرت عمر فاروق نے اور چوتھی حضرت عثمان غنی نے رکھی رضی اللہ عنہم اور پھر عام طور پر لوگ اینٹیں ڈھو ڈھو کر لاتے اور بنیادوں پر ردّے رکھتے رہے یہاں تک کہ سات گز اونچی اور شمالاً جنوباً چون گز چوڑی شرقاً غرباً ترسیٹھ گز لانبی مسجد تعمیر ہو گئی جس میں نقش و نگار

اور تکلف و آرائش کا نام بھی نہ تھا اس مبارک مسجد کی صورت سے سادگی برستی تھی اور جب بارش ہوتی تھی تو چھت کی مٹی نمازیوں کے سروں پر گرتی تھی۔ زمین یہانتک تر ہو جاتی تھی کہ سجدہ میں پیشانی پر اثر نمودار ہو جاتا تھا۔

مسجد نبوی کی یہ پہلی بنا تھی جس کا قبلہ بیت المقدس کی جانب تھا اور سولہ سترہ مہینہ تک اسیطرف رہا اُس وقت مسجد نبوی کے تین دروازے تھے۔ ایک دروازہ بائیں جانب تھا جدھر اب قبلہ ہے اور دوسرا دروازہ مغرب کی طرف تھا جس کا نام اب "باب الرحمۃ ہے" اور تیسرا دروازہ جدھر سے حضرتؐ تشریف لایا کرتے تھے باب آل عثمان تھا جسے اب باب جبرئیل کہتے ہیں یعنی محراب تہجد کے قریب اور جب قبلہ بیت المقدس کی جانب سے منسوخ ہو کر کعبۃ اللہ قرار پایا تو جبرئیل امین نے یہاں سے بیت اللہ تک جس قدر حجاب درمیان میں واقع تھے سب اٹھا دیئے اور بنائے مسجد نبوی اس جگہ پر جہاں کہ اب ہے میزاب کعبہ کی سمت پر درست کی گئی۔

زمانہ سراپا برکت میں مسجد کی محراب اس طریقہ پر نہ بنائی جاتی تھی جیسی کہ اب مساجد میں متعارف ہے اس کی ابتدا تو عمر بن عبدالعزیز حاکم مدینہ کے وقت میں ہوئی ہے اس لئے قبلہ کی تبدیل کے بعد چودہ پندرہ دن تک آنحضرتؐ ذاسطوانہ مخلق کے پیچھے نماز ادا فرمائی جسکو اب اسطوانہ عائشہ کہتے ہیں اور اسکے بعد آپ کا قیام اس جگہ متعین ہو گیا جہاں پر آجکل محراب بنی ہوئی ہے۔ پھر ۷ھ ہجری میں خیبر کی فتح کے بعد دوبارہ از سرنو مسجد نبوی کی تعمیر ہوئی اور اس مرتبہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے سید الموجودات کی مرضی اور خواہش کے موافق وہ مکان دس ہزار درہم میں خرید کر مسجد کی وسعت بڑھانے کو وقف کر دیا جو مسجد شریف کے ہمسایہ میں غریب انصاری کا تھا اور وہ اپنی غربت و عیالداری کے باعث مفت نہ دے سکے تھے۔ اس وقت مسجد نبوی کا عرض وطول سو سو گز ہو گیا تھا۔

تحویل قبلہ سے پہلے چونکہ مسجد کے شمال کی جانب قبلہ تھا اس لئے تحویل کے بعد نماز کا رُخ بیت اللہ کی جانب ہو گیا اور قبلہ اول کا احاطہ اسی حال پر اسغرض سے چھوڑ دیا گیا تاکہ فقرا و مساکین جنکے گھر بار کچھ بھی نہیں ہے وہاں رہیں اور جو طالب دین مسافر مہمان آئیں وہ بھی اسی جگہ قیام کریں یہ سایہ دار جگہ صُفہ کہلاتی تھی اور جو مساکین طالب دین صحابہ متوکل اور زاہد مقبول بندے یہاں پڑے رہتے تھے ان کو اصحاب صفہ کہتے تھے گویا سلطان دین کی یہ خانقاہ تھی جنمیں وہ مجرد عبادت گذار بندے رہتے تھے جن کو نہ نکاح کی استطاعت تھی نہ طلب دین اور زہد و تقوی کی خواہش میں اپنی پیٹ بھر نیکی کچھ سعی کر سکتے تھے کیا عجب ہے کہ صُوفی کا لفظ اسی صفہ سے مشتق ہو جس کے زاویہ نشین موت یا مسافرت یا تزوج و خانہ داری کے باعث کم و بیش ہوتے رہتے تھے بعض محققین نے سو حضرات سے زیادہ اہل صفہ کے نام گنوائے ہیں جن میں حضرت ابوہریرہؓ مشہور صحابی بھی شامل ہیں جو سیکڑوں حدیث نبوی کے ناقل ہیں اور جنگ خیبر میں مسلمان ہو کر شریک

اصحاب صفہ بھوک کی شدت کے باعث اکثر سید کونین کے دروازہ شریف پر پڑ جاتے تھے اور یہ حالت ہوتی تھی کہ دیکھنے والے لوگ دیوانہ اور پاگل سمجھتے تھے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اکثر انھیں شکستہ دلوں کے پاس مجالست فرماتے اور ہمیشہ تسلی وتشفی کے کلمات سنا کر صبر و قناعت کی تلقین فرماتے تھے اور کبھی کبھی ایک ایک دو دو کو متمول حضرات اور اغنیا سے صحابہ کے حوالہ فرمادیتے تھے تاکہ اُن کو مہمان بنالیں اور جو باقی رہتے تھے اُن کو اپنے ساتھ شریک فرمالیتے تھے۔ جو کچھ صدقات آتے تھے وہ سب انہیں اضیاف المسلمین (مسلمانوں کے مہمان) پر تقسیم ہوتے تھے۔ مسجد نبوی کے دو ستونوں میں ایک رسی بھی بندھی رہتی تھی جو صرف اس غرض سے تھی کہ باغوں والے متمول صحابہ کھجور کے خوشے لائیں تو اس میں لٹکا جائیں اور جب پختہ ہو کر کارآمد ہو جاتے تھے تو اصحاب صفہ کو نیچے بٹھا کر خوشوں کو لکڑی سے جھاڑ دیتے تھے تاکہ بے تکلف کھائیں۔

اہل صفہ میں کسی کے پاس سوا ایک ازار کے اور وہ بھی آدھی ساق تک دوسرا کوئی کپڑا پہننے کو نہ تھا مسجد میں جاتے وقت اسی کو گردسے سمیٹ لیتے تھے تاکہ ستر نہ کھل جائے۔ حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں بھوک سے بیتاب ہو کر پیٹ سے پتھر باندھ لیتا تھا اور بیہوش ہو جاتا تھا ایک مرتبہ اسی حالت میں پریشان ہو کر رہگذر پر جا بیٹھا اور حضرت صدیق کو آتے دیکھکر ان کو سنانے اور اپنا حال زار دکھانے کی غرض سے قرآن شریف کی ایک آیت پڑھی تاکہ مجھپر رحم کھائیں مگر انھوں نے التفات بھی نہیں فرمایا ان کے بعد سرور عالم ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور میرا ابتلا حال دیکھکر تبسم فرمانے لگے اور کہا کہ ابو ہریرہؓ! میں نے عرض کیا کہ لبیک یارسول اللہ حضرت نے فرمایا کہ اِدھر آ۔ میں آپ کے پیچھے پیچھے حجرہ مبارک تک پہونچا دیکھا کہ کوئی شخص حضرت فخر عالمؐ کے لئے ایک پیالہ دودھ ہدیۃً لایا تھا وہ رکھا ہوا ہے آپنے فرمایا کہ جا اصحاب صفہ کو بلالا میں نے اپنے دل میں کہا کہ "یہ دودھ ہی کتنا ہے جو اصحاب صفہ بلائے گئے صرف مجھ ہی کو مرحمت ہو جاتا تو بہتر تھا پیکر تھوڑی دیر آرام تو پاتا" مگر حکم کی تعمیل ضرور تھی فوراً گیا اور اصحاب صفہؓ کو حضور میں بلالایا وہ سب آکر بیٹھ گئے حضرت نے فرمایا کہ اے ابو ہریرہؓ دودھ کا پیالہ اٹھا اور میرے دوستوں کو پلا میں نے قدح اٹھایا اور ہر ایک کو پلانا شروع کیا ان میں سے ہر شخص سیر ہو گیا اور دودھ میں سے ایک قطرہ بھی کم ہوتا نہ معلوم ہوا میں حیران ہوا اور حضرت نے تبسم فرماکر کہا کہ اب فقط ہم اور تم باقی رہے بیٹھ جاؤ جتنی بھوک ہو پہلے تم پیٹ بھر کر پی لو چنانچہ میں نے خوب ہی سیر ہو کر پیا اور جو کچھ بچا وہ حضور کے سامنے رکھدیا حضرت نے حقتعالیٰ کے شکریہ کا خطبہ پڑھا اور جتنا دودھ قدح میں باقی تھا نوش فرمایا۔ اللہم بارک وسلم علیٰ رسول اللہ۔

حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد شریف کی بناڈالنے کے وقت دو حجروں کی بھی بناڈالی تھی کیونکہ اس وقت آپ کے دو ہی زوجہ تھیں یعنی ایک زمعہ کی بیٹی حضرت سودہ اور دوسری حضرت صدیق کی صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہؓ

اس کے بعد جتنی ازدواج مطہرات بڑھتی گئیں ہر ایک کے واسطے ایک ایک حجرہ تیار ہوتا گیا کیونکہ مسجد نبوی کے قریب کئی گھر حضرت حارثہ بن نعمان انصاری کے واقع تھے وہ سب چند روز بعد انھوں نے سرورِ عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیش کر دئے تھے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر بیوت دیار عرب کے رواج کے موافق کھجور کی شاخوں کے تھے جنکو کملی سے ڈھانکدیا تھا اور دروازوں پر کملی کے پردے لٹکتے تھے۔ جتنے بھی گھر تھے سب قبلہ اور مشرق کی جانب واقع تھے جانب غرب میں کوئی گھر نہ تھا اور بعضے گھر کچی اینٹ کے بھی بنے ہوئے تھے مگر ہر گھر کے اندر کھجور کی شاخوں کا بنا ہوا ایک حجرہ ضرور تھا جس پر کہگل کی ہوئی تھی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر بیوت شریفہ کے دروازے مسجد شریف کی جانب تھے اور چھت کی بلندی قد آدم سے صرف ایک ہاتھ اونچی تھی۔ حضرت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا حجرہ مبارک اسی جگہ تھا جہاں اب ان کی قبر شریف کی صورت بنی ہوئی ہے اور حضرت سیدہ کے حجرہ اور حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دولتکدہ کے درمیان جو حضرت عائشہ صدیقہ کا حجرہ کہلاتا تھا ایک کھڑکی تھی اکثر اوقات سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اسی کھڑکی کی راہ سے تشریف لایا کرتے تھے اور جب آتے تھے تو حضرت حسنین رضی کی خیر و عافیت پوچھتے تھے مگر کسی بات پر حضرت سیدہ رضی اور حضرت صدیقہ رض کی شکر رنجی ہو گئی تو حضرت سیدہ نے پیارے باپ سے عرض کر کے اُس کھڑکی کو بند کرا دیا تھا۔

جب کبھی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کسی سفر سے تشریف لاتے تھے تو سب سے پہلے مسجد شریف میں داخل ہو کر دو رکعت نماز ادا فرماتے تھے اور پیاری نور نظر خاتون جنت حضرت زہرا کے گھر تشریف لیجاتے اور سب کی خیریت دریافت فرماکر ازواج مطہرات کے حجرات میں رونق افروز ہوتے تھے۔

باب ۳۹ (سنہ ۱ھ)

اذان اور صوم عاشورہ کی مشروعیت۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ میں تشریف لانے سے قبل وقتاً فوقتاً کفار مکہ کی ایذاؤں سے تنگ آکر مسلمان ہجرت کرتے اور مدینہ طیبہ آتے رہتے تھے۔ جو لوگ حبشہ میں ہجرت کر گئے تھے یعنی حضرت عثمان غنی رض وغیرہ وہ بھی سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر پاکر حبشہ سے مدینہ میں چلے آئے اور مکہ سے بھی ہجرت کا سلسلہ برابر جاری رہا یہ لوگ جو اپنے وطن مالوف چھوڑ کر اور کافر عزیز و اقارب سے منہ موڑ کر مدینہ میں آکر رہے تھے مہاجرین کہلاتے ہیں۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور مدینہ کے اصلی باشندوں یعنی انصار میں مواخاۃ کرادی تھی یعنی باہم بھائی چارہ کر دیا اور ایک دوسرے کو علیحدہ علیحدہ دینی بھائی بنا دیا تھا چنانچہ حضرت عبد الرحمٰن رض مہاجر اور سعد رض بن ربیع انصاری دونوں دینی بھائی تھے۔ انصار نے اس دینی برادرانہ تعلق کا پورا حق ادا کیا اور درخواست کی کہ یا رسول اللہ ہماری تمام جائداد و املاک کو نصف نصف تقسیم فرما دیجئے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور نہیں فرمایا البتہ اتنا رہا کہ کھیتی و زراعت

اور باغ کی نگہبانی وحفاظت یعنی محنت مہاجرین کی تھی اور مال انصار کا اور پیداوار و محاصل میں دونوں شریک۔

حضرت سعد بن ربیع بڑے متمول انصاری تھے انھوں نے اپنے دینی بھائی یعنی حضرت عبد الرحمن کا ہاتھ پکڑا اور گھر لاکر کہا کہ سب جانتے ہیں میں انصار میں مالدار شخص ہوں میں نصف جائداد تمہارے نام منتقل کرتا ہوں اور میرے دو بیبیاں ہیں جسکو تم پسند کرو میں طلاق دیئے دیتا ہوں عدت گذرنے کے بعد تم نکاح میں لاؤ حضرت عبد الرحمن نے منظور نہیں فرمایا اور کہا کہ اللہ تمہارے مال اور کنبے میں برکت دے مجھے تو بازار بتادو کہ کدھر ہے چنانچہ شہر کے مشہور بازار بنی قینقاع میں گئے اور معمولی تجارت سے گذر کرنا شروع کیا۔

ہجرت سے قبل نماز کی فرضیت ایسی تھی جیسی اب سفر کی حالت میں ہے یعنی ظہر و عصر و عشا کی دو دو رکعتیں فرض تھیں اسی سال ہجرت کے ایک ماہ بعد دوگانی نمازیں وطن میں قیام کے وقت چہار چہار رکعتیں ہوئیں اور حالت سفر میں بدستور دو رہیں۔

اسی سال اذان کا مروج طریقہ مشروع ہوا کیونکہ جس وقت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے تو مسلمانوں کو نماز کا وقت معلوم کرنے میں بڑی دقت پیش آئی اٹکل اور تخمینہ کرتے تھے اور مسجد میں جمع ہوجاتے تھے مگر پھر بعض حضرات رہجاتے تھے اس لئے ایک دن مشورہ کے لئے جمع کیا اور نماز کی اطلاع کا طریقہ تجویز کرنے کے لئے ہر ایک نے اپنی اپنی رائے دینی شروع کی کسی نے کہا کہ ایک جھنڈا کھڑا کردیا کرو جو کوئی اس کو دیکھے گا دوسروں کو اطلاع دیتا چلا آئیگا کسی نے کہا ناقوس بنوالو کسی نے کہا کہ سنکھ اور بگل بجایا کرو اور کسی نے کہا کہ کسی اونچی جگہ پر نماز کے وقت آگ سلگا دیا کرو جس سے آس پاس والوں کو سبکو خبر ہوجائے کہ نماز تیار ہے مگر رسول مقبول صلعم نے کوئی رائے منظور نہیں فرمائی اور کہا کہ ناقوس نصاریٰ کا فعل ہے بگل یہود میں رائج ہے اور آگ مجوسیوں کا طریقہ ہے اور ہم مسلمانوں کو کسی کافر کی مشابہت جائز نہیں غرض کوئی بات طے نہیں ہوئی اور شب کو خواب میں حضرت عبد اللہ بن زید کو ہاتف غیبی نے ان کلمات کی تعلیم دی جو آج اذان میں پکارے جاتے ہیں چنانچہ صبح اٹھتے ہی حضرت عبد اللہ حاضر خدمت ہوئے اور کہا کہ یا رسول اللہ میں کچھ سوتا تھا کچھ جاگتا تھا کہ کسی کہنے والے نے نماز کی اطلاع کے لئے یہ کلمات مجھکو تلقین کئے آپنے اس کو نہایت پسند فرمایا اور حضرت بلال حبشی کو بلایا جن کی آواز نہایت بلند تھی اور فرمایا کہ اونچی جگہ کھڑے ہوکر اسی طرح اذان دو جسطرح عبد اللہ کو الہام ہوا ہے۔ حضرت عمر فاروق کو بھی اذان بیس دن پہلے خواب میں معلوم ہوئی تھی مگر شرم کی وجہ سے ذکر نہ کیا تھا آج جبکہ یہ کلمات بلال کی آواز میں حضرت فاروق کے کان میں پڑے تو خوشی کے مارے چادر گھسیٹتے دولتکدہ سے باہر نکل آئے اور عرض کیا کہ حضرت یہی اذان مجھے بیس دن ہوئے الہام ہوئی تھی مگر عمر کی

زبان نے حیا کے باعث عرض کرنے کی یاری نہ دی۔

اسی سال محرم کی دسویں تاریخ یعنی عاشورا رکا روزہ فرض ہوا کیونکہ آپ نے یہود کو روزہ دار دیکھکر پوچھا تھا کہ آج کیسا روزہ ہے؟ یہود نے جواب دیا کہ آج ہی کی تاریخ ہمارے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کو فرعون مصر پر غلبہ حاصل ہوا تھا اور آج ہی کے دن فرعون مع اپنی فوج کے دریائے نیل میں ڈوبا تھا آپ نے فرمایا کہ کلیم اللہ کو تو ہمارے ساتھ زیادہ مناسبت ہے ہمیں عاشورا کا روزہ رکھنا چاہئے چنانچہ آپ نے رکھا اور مسلمانوں پر بھی فرض کیا نیز یہ فرمایا کہ آیندہ سال زندہ رہا تو نویں تاریخ بھی روزہ رکھوں گا تاکہ یہودیوں کی مشابہت نہ رہے مگر آیندہ سال رمضان کے روزوں کی فرضیت نازل ہوئی کہ چاند دیکھکر رکھو اور چاند دیکھکر افطار کرو تو عاشورا کے روزہ کی فرضیت ساقط ہوگئی البتہ مستحب ابتک ہے اور قیامت تک رہیگا۔

اسی سال میں ایک بھیڑئے نے مدینہ کے باہر باتیں کیں اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی نبوت اور برحق رسالت سے لوگوں کو مطلع کیا۔

باب ۱ھ (۴۰)

حضرت سلمان فارسی کا اسلام اور مدینہ میں نبوی سیاست و انتظام

اسی مبارک سال میں حضرت سلمانؓ فارسی اسلام لائے جو ملک فارس کے شہر رام ہرمز کے باشندے اور مجوسی المذہب تھے اور حق کی طلب اور سچے دین کی تلاش میں سرگرداں پھرتے تھے۔ آتش پرستی چھوڑ کر نصرانی ہوئے اور پھر علمائے نصاریٰ سے نبی آخر الزماں کے حجاز میں پیدا ہونے کی خبر سنکر عرب کے ریگستانی خطہ میں آرہے اور ظلماً غلام بنالئے گئے اسیطرح وقتاً فوقتاً دست بدست فروخت ہوتے رہے آخرکار یہ سنکر کہ پیغمبر موعود کی جائے سکونت مدینہ ہے اپنے قریشی آقا کی معیت میں مدینہ آئے اور یہاں کے ایک یہودی کے ہاتھ فروخت ہو جانے کو بسا غنیمت سمجھا جب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ میں تشریف لانے کا وقت آیا تو یہ بھی حاضر ہوئے اور کوئی چیز پیش کر کے عرض کیا کہ لیجئے حضرت یہ صدقہ ہے آپ نے انکار کیا اور فرمایا کہ مجھکو صدقہ کا مال حرام ہے۔ اگلے دن پھر آئے اور کوئی چیز سامنے رکھکر عرض کیا کہ یہ ہدیہ ہے قبول فرمایئے چنانچہ آپ نے لے لیا اس کے بعد حضرت سلمانؓ نے پشت مبارک پر مہر نبوت کی زیارت کی اور مشرف باسلام ہوئے کیونکہ علمائے یہود و نصاریٰ سے یہی تین علامتیں سنے ہوئے تھے کہ نبی آخر الزماں صدقہ قبول نہ فرمائیں گے اور ہدیے لیں گے اور پشت پر مہر نبوت ہوگی۔ اس وقت حضرت سلمانؓ کی عمر ڈھائی سو برس سے زیادہ تھی اور طلب دین حق ہی میں گذری تھی یہی عجمی صحابی ہیں جن کی پشت پر ہاتھ رکھکر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا

کہ اگر دین حق ثریا پر بھی ہوتا تو ان کی نسل میں سے ایک شخص اس کو وہاں بھی حاصل کرتا چنانچہ اس بشارت کے مصداق حضرت نعمان بن ثابت امام اعظم ابو حنیفہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ ہوئے جو اسی نسل میں ہیں۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کے یہودیوں کے ساتھ نہایت شفقت و مہربانی کا برتاؤ رکھا ان کو مذہبی معاملات میں آزاد بنایا اور کسی قسم کی دست اندازی نہیں فرمائی بلکہ اُن کو ایک تحریری سند دیدی جس میں ظاہر کر دیا کہ انسانی حقوق کی حفاظت بھی سچے نبی سے زیادہ کوئی نہیں کر سکتا۔ مگر افسوس یہودیوں نے اللہ کے پیارے رسول کی قدر نہیں پہچانی اور دشمنی سے باز نہ آئے سند کے مضمون میں یہ بھی تھا کہ "جو یہودی ہم مسلمانوں کا شریک حال رہیگا وہ کل مصیبتوں اور ذلتوں سے محفوظ رکھا جائیگا اس کے حقوق مسلمانوں کے حقوق کی برابر ہوں گے یہ لوگ اپنے مذہبی امور مسلمانوں کی طرح آزادی سے برتیں اور جو لوگ ان سند یافتہ یہودیوں کی مددگار رہوں یا انکی پناہ اور حفاظت میں آئیں ان کو بھی بلا فرق اسیطرح کے حقوق حاصل ہیں البتہ مجرم و قصوروار جو کوئی بھی ہو ضرور سزا پائیگا۔ مدینہ کے یہودیوں کو چاہئے کہ وہ شہر مدینہ کی محافظت میں مسلمانوں کے شریک حال ہوں اس شہر کو دشمنوں کے شر سے بچانے میں ہماری مدد کریں اور مجرم کیسا ہی عزیز و رشتہ دار کیوں نہ ہو اس کا کوئی پشت پناہ نہوگا اور تمام وہ لوگ جو اس سند کو قبول کرتے ہیں اپنے نام سے جھگڑے اور مقدمات تصفیہ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائیں گے اور حضرت رسول مقبول صلعم اللہ کے ماتحت بنکر ان جھگڑوں کو فیصل کیا کریں گے" اطراف مدینہ کے یہودی یعنی بنی نضیر اور بنی قریظہ اور بنی قینقاع نے ان تمام دفعات کو مجبوراً منظور کر لیا مسلمانوں کو یہودیوں کے علاوہ ایک دوسرے فرقہ سے بھی ہر وقت اندیشہ تھا کیونکہ عبد اللہ بن اُبی جو ایک زمانہ میں بادشاہ ہونیکی کوشش کرتا تھا اور اُس کے ساتھی بت پرستوں کے ساتھ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کے درپے تھے۔ ان لوگوں نے اگرچہ بظاہر اسلام قبول کر لیا تھا لیکن پوشیدہ طور پر کفار قریش کے ساتھ برابر خط و کتابت رکھتے اور ان کو مسلمانوں کی ہر ایک حالت سے آگاہ کرتے رہتے تھے اور یہی حالت زیادہ خوفناک تھی کیونکہ اندرونی آگ اور چھپی ہوئی مخالفت نے دوست نما دشمنوں کے دھوکوں سے بچنا مشکل کر دیا تھا اس فرقہ کو منافقین کہتے ہیں۔

کفار قریش کو خفیہ خط و کتابت سے یہ بھی معلوم ہو گیا تھا کہ یہودیوں نے بھی صرف ظاہری طور پر معاہدہ کیا اور مصالحت کر رکھی ہے اگر ہم مدینہ پر حملہ کرینگے تو وہ سب کے سب ہمارے شریک ہو جائیں گے اور اس طرح ہمکو محمدی گروہ کی جڑ بنیاد کا اکھیڑ پھینکنا آسان ہو جائیگا اور چونکہ کفار قریش صرف اسی تاک میں تھے کہ مکہ کا کارواں جو غلہ لانے کو ملک شام گیا ہوا ہے واپس آجائے تو اس وقت اپنا ساز و سامان درست کریں اور ان نئے مذہب والوں کی میدان کارزار کے ہولناک میدان اور بھیانک منظر میں خبر لیں اس لئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے دور اندیشی اور پیش بینی کو

کام فرمایا اور منا سب سمجھا کہ ضرور کوئی ترکیب کرنی چاہئے کہ اللہ کے تابع دار بندوں اور متعدد مسلمانوں پر کوئی آفت نہ آئے کیونکہ آپ صرف واعظ ہی نہ تھے بلکہ اہل مدینہ کے جان و مال کے محافظ بھی تھے اور ہرگز گوارا نہ تھا کہ مدینہ کے باشندے تباہ ہوں اور ان کی بربادی آنکھوں سے دیکھی جائے اس لئے جہاد کی اجازت اور حکم آسمانی کے موافق آپ نے چاہا کہ دشمنوں کو حملہ کرنے سے پہلے ہی روکیں اور وہ وقت ہی نہ آنے دیں جس میں مخالفین کو قوت و شوکت بڑھنے کی امید یا انتظار ہے چنانچہ آپ نے مسلمانوں کے بہادر لشکر میں سے تھوڑے تھوڑے سپاہیوں کو معتمد اور قوی الاسلام سرداروں کے ساتھ کرکے اِدھر اُدھر روانہ فرمایا تاکہ یہ لوگ جہاں کہیں مخالف جماعتوں سے ملیں دستور کے موافق اپنی اپنی جماعتوں کی تعریف میں ہمتیں بڑھانے کو معمولی اور جائز رجز کے اشعار پڑھیں اور اللہ کے نافرمان گروہ کا زور کم کریں ان لشکریوں کو عربی زبان میں سریّہ کہتے ہیں اور جس اسلامی لشکر کی سپہ سالاری کا جھنڈا خود رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک میں ہوتا تھا وہ واقعہ غزوہ کہلاتا ہے۔ سریہ بھیجنے اور غزوات واقع ہونیکا اتفاق متعدد مرتبہ اور کچھ کم تیس دفعہ ہوا ہے مگر وہ غزوات جن میں جنگ بھی ہوئی ہے صرف نو ہیں جنکا ذکر اپنے اپنے موقع پر ناظرین ملاحظہ کریں گے۔ ہجرت کے گیارہ مہینہ بعد ماہ صفر کی دوسری تاریخ کو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف ساٹھ مسلمانوں کی جمعیت ہمراہ لیکر کفار قریش کی طلب میں مقام اَبوا کی جانب روانہ ہوئے جو مدینہ منورہ کے قریب ہی جگہ ہے اور گو وہاں مقام رمخالفوں کا آمنا سامنا بھی ہوا مگر لڑائی نہیں ہوئی اور مدینہ میں واپس تشریف لائے۔

اپنے چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو تیس مہاجرین کا سپہ سالار بناکر سیف البحر کی جانب روانہ فرمایا کہ ابوجہل ملعون کے قافلہ پر جو تین سو سواروں کی جمعیت کے ساتھ ادھر سے گذرتا تھا حملہ کریں مگر یہاں بھی لڑائی نہیں ہوئی کیونکہ عرب کے ایک گروہ نے درمیان میں پڑکر فریقین کی صلح کرادی۔

اسی سال حضرت نے اپنے بھتیجے حضرت عبیدہؓ ابن حارث کو ساٹھ مہاجرین پر افسر بناکر لواء ہاتھ میں دیکر رابق کی جانب اُس بڑی جماعت پر حملہ کرنیکے لئے روانہ فرمایا جسکا سردار ابو سفیان تھا حضرت عبیدہؓ اپنے چچا یعنی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے دس برس بڑے تھے اور اسلام میں پہلی لواء یہی تھی جو ان کے ہاتھ میں دی گئی۔

اس جگہ بھی لڑائی نہیں ہوئی البتہ حضرت سعد بن ابی وقاص نے جو اس مختصر اسلامی لشکر میں مشہور تیر انداز تھے کافروں کی جانب ایک تیر پھینکا اور یہی پہلا تیر تھا جو اسلام کی جانب سے اللہ کی کافر جماعت کی جانب پھینکا گیا جو کہ حضرت سعدؓ کے مشہور مناقب میں شمار کیا گیا ہے یہ حضرت عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں اور مستجاب الدعوات ہونے میں مشہور و معروف۔ رضی اللہ عنہ۔

باب سنہ ۲ھ (۴۱)

غزوات وسریات - اس مبارک سال کے ماہ ربیع الاول میں اسّی صحابہ ہمراہ لیکر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے بواط کا قصد فرمایا جو ینبع کے قریب جہینہ کی پہاڑیوں میں سے ایک پہاڑ کا نام ہے اور کفار قریش کے اس قافلہ سے ملاقی ہوئے جس میں امیہ بن خلف جمحی بھی تھا جسکی کنیت ابو صفوان ہے اور کفار مکہ کے کارآمد سرداروں میں شمار ہوتا تھا۔ لیکن اس غزوہ میں بھی قتال کی نوبت نہیں آئی اسیطرح مدینہ منورہ کو رجوع فرمایا۔

جمادی الاولیٰ میں ایک سو پچاس صحابہ ساتھ لیکر طلب قریش میں عسیرہ کی جانب سفر کیا جو ینبع کے قریب ایک قصبہ قبیلہ بنی مدلج سے آباد تھا مگر جنگ ہوئے بغیر صرف اولاد مدلج اولاد ضمیرہ سے مصالحت فرماکر واپس تشریف لائے اور اسکے بعد حضرت سعد رض بن ابی وقاص کو آٹھ سوار مہاجرین کے ساتھ بھیجدیا مگر وہ بھی بغیر لڑائی کے واپس آئے۔

شہر مدینہ کے متعلق جو کچھ حفاظت کا انتظام ہونا چاہیئے تھا سب ہی نہایت مضبوطی کے ساتھ کردیا گیا تھا مگر اس بندوبست پر بھی مفسد راہزن بدو اور دھوکہ باز دیہاتی لٹیرے اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے چنانچہ اسی سال میں کرز بن جابر فہری نے مدینہ پر حملہ کیا اور شہر پناہ تک آگیا لیکن کچھ کر نہ سکا البتہ کچھ مویشی لوٹ کر لیگیا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا تعاقب بھی کیا مگر بھاگا ہوا لٹیرا ہاتھ نہ لگا اور مسلمانوں کو صفوان مقام سے کہ مقام بدر کے پاس ہی واپس ہونا پڑا اس واقعہ کا نام بدر اولیٰ ہے کیونکہ بدر ثانیہ اس مشہور غزوے کا نام ہے جس میں زبردست جنگ ہوئی اور مسلمانوں کو فتح وغنیمت سے تمول حاصل ہوا تھا۔

جمادی الثانی کے مہینہ میں اہل مدینہ کو یہ خبر ملی کہ اہل مکہ لڑائی کی بڑی تیاریاں کررہے ہیں اس لئے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے آخر ماہ میں اپنے پھوپی زاد بھائی حضرت عبداللہ بن جحش رض کو آٹھ آدمیوں کے ساتھ اس قافلہ کا حال معلوم کرنے کی غرض سے جو تجارت شام سے آرہا تھا مکہ کی جانب روانہ فرمایا چنانچہ حضرت عبداللہ جس وقت مکہ کے قریب پہونچے اور آنے والے قافلہ سے دوچار ہوئے تو دل للچایا اور حملہ کردیا۔ ماہ رجب کا چاند نکل چکا تھا گویا وہ مہینہ شروع ہوگیا تھا جس میں لڑائی بھڑائی اور لوٹ مار کو عرب کے تمام قبائل ممنوع سمجھتے تھے اور جس کو شہر حرام (معزز مہینہ) کہتے ہیں مگر حضرت عبداللہ رض نے اس شبہ میں کہ ماہ جمادی الثانی کی آخری تاریخ ہے اس لدے پھندے کارواں پر حملہ کرکے ایک شخص عمر حضرمی کو جان سے ماردیا اور خاطر خواہ مال لوٹ کر مدینہ واپس ہوئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عبداللہ رض کی یہ نازیبا حرکت نہایت ناگوار گذری کیونکہ ان کے اس فعل سے قریشی بت پرستوں اور یہودیوں کو مسلمانوں پر طعن کا موقع ملگیا اور منافقین کہنے لگے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے معزز مہینہ میں جنگ کو حلال

کردیا اس لئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مال غنیمت کو بھی قبول نہیں فرمایا مگر جب آیت شریفہ "دیسئلونک عن الشھر الحرام" نازل ہوئی اور وحی کے ذریعہ سے معزز مہینوں میں کافروں سے قتل و قتال کی ممانعت اٹھا دی گئی تو اس مال غنیمت کو جو اسلام میں پہلی غنیمت تھی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرماکر حصہ رسد بانٹ دیا۔

اس درمیان میں قریش اپنی فوج کے جمع کرنے میں سرگرم تھے اور اب وہ کارواں بھی آپہونچا جس کا قریش کو انتظار تھا۔ اور اسی پر فیصلہ کر دینے والی لڑائی ملتوی تھی۔

یہ ایک ہزار اونٹوں کا مال سے لدا ہوا کارواں ابو سفیان بن حرب کی سرداری و حفاظت میں ملک شام سے آرہا تھا جس کی جانب اہل عرب کی آنکھیں لگی ہوئی تھیں مسلمان چاہتے تھے کہ یہ نعمت غیر مترقبہ ہمارے ہاتھ آئے کافر دشمنوں تک نہ پہونچ سکے اور مدینہ والے بھی اس رائے سے متفق تھے کیونکہ سب چاہتے تھے کہ انکا شہر شامی اسباب سے فائدہ اٹھائے چنانچہ رمضان المبارک کے مبارک مہینہ میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے تین سو تیرہ مسلمانوں کو ساتھ لیکر مقام بدر کی جانب رُخ فرمایا کیونکہ خیال تھا کہ اسی جانب سے ہوکر قافلہ گذرے گا مگر ابو سفیان کو خبر ہوگئی کہ مسلمانی گروہ میرے کارواں کو لوٹنے کے لئے مدینہ سے روانہ ہوگیا ہے اس لئے اس نے اہل مکہ سے مدد طلب کی اور قبیلہ غفار کے ایک شخص ضمضم بن عمر نامی کو کچھ اجرت مقرر کرکے فوراً مکہ بھیجدیا جس نے شہر میں پہونچکر اپنے کپڑے پھاڑ لئے اور اونٹ کی ناک کاٹ دی اور نہایت پریشان و خوفناک آواز سے چیخا کہ "اے مکہ والو تمہارا کارواں لٹگیا اور تمہارے بھرپور قافلہ کو محمدؐ نے آلیا چلو چلو جلدی جلدی کرو اور کارواں کی مدد کو وقت پر پہونچو"۔ مکہ میں ہل چل مچگئی۔ اور سرداران قریش کی آنکھوں میں خون اُتر آیا کیونکہ ان کی برسوں کی تمام امیدوں پر پانی پھرا جاہتا تھا ابو جہل نے قریش کے ہر قبیلے کا سردار ساتھ لیا اور ساڑھے نو سو سواروں کی جمعیت لیکر نہایت کروفر کے ساتھ اپنے غرور کی مستانہ چال چلا اور سو گھوڑوں کی جلو میں پورے سامان جنگ کے ساتھ جوشیلے اور متکبرانہ اشعار پڑھتا ہوا مکہ سے باہر نکلا۔ کارواں کا سردار ابو سفیان مسلمانوں کا لشکر بدر میں پڑا ہوا سنکر عام راستہ کترا گیا اور دوسری راہ سے صحیح و سالم مکہ پہونچگیا اور مکہ پہونچکر ابو جہل کے پاس جو ابھی راستہ ہی میں تھا قاصد بھیجدیا کہ کارواں کو کوئی صدمہ نہیں پہونچا مناسب ہے کہ تم لوگ واپس چلے آؤ"۔

مشرکین قریش میں اکثر لوگ چونکہ محمدیؐ کچھار کے شیروں کی بہادری اور آسمانی اعانت و غیبی فتوحات کا اندازہ کئے ہوئے اور اپنا انجام بد خوب سمجھے ہوئے تھے صرف قومی حیا اور وطنی پاسداری و شرم کے باعث ہمعصروں کے لحاظ اور اپنے ملعون سردار کے دباؤ سے قدم اٹھائے جارہے تھے اس لئے انھوں نے اس رائے کو بہت پسند کیا اور چاہا کہ واپس ہوں لیکن مغرور ابو جہل نے نہ مانا اور کہا کہ اب تو جبتک بدر میں پہونچکر نئے مذہب والوں کا قلع قمع نہ کرلوں اور وہاں کے

چشمہ کے پاس ڈیرہ ڈال کر تین دن ناچ رنگ کے بھاری جلسہ سے اپنا دل خوش نہ کروں اس وقت تک باز نہ آؤں گا یہ ملعون اپنے خیال میں فتح کی کامل امید رکھتا اور اس غرہ میں تھا کہ بدر کی راگ رلیاں آیندہ کے لئے یادگار ہوکر تمام عرب کو خوف زدہ بنادے گی اور مسلمانوں کا بے طرح قتل ہونا سارے حجاز پر سکہ جمادے گا اور پھر کوئی ایسے فعل کی جرأت نہ کرسکیگا مگر یہ خبر نہ تھی کہ خدا کو اور ہی کچھ منظور ہے اور یہ خاک گور کی کشش ہے جو کھینچے لئے چلی جاتی ہے اور موت کے خونخوار پنجہ کی باگ ہے جو پیچھے نہیں ہٹنے دیتی اس اسلامی لشکر کے ستتر مہاجرین اور دو سو چھتیس انصار کے ساتھ کل ستر اونٹ دو گھوڑے آٹھ تلواریں اور چھ زرہ تھیں گو یا غنیم کی فوج سہ چند سے بھی زیادہ تھی مگر غیبی فرشتوں کی خدائی لشکر نے اس مختصر جمعیت کو اتنا بڑھایا کہ کافروں کو اپنی جماعت سے دوچند لشکر نظر آیا اور مسلمانوں کی نظروں میں قریشی فوج نصف اور وہ بھی نہایت ضعیف و بے وقعت نظر آئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کمزور مسلمانوں کی ہمت بڑھ گئی اور حق تعالیٰ کا تجویز کردہ معاملۂ جنگ ظہور میں آیا۔

کارواں کے بچ نکلنے کے بعد مسلمانوں کی رائے بھی مختلف ہوئی اور چند لوگوں کا یہ خیال ہوا کہ جب مقصود ہاتھ سے نکل گیا تو واپس ہوجانا چاہئے کیونکہ مالی قافلہ لوٹنے آئے تھے جنگ کے لئے نہیں چلے تھے مگر حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے جنگ کی تھی کیونکہ آپ کے مہربان پروردگار کا منشا تھا کہ کفار قریش کے سردار چھانٹ چھانٹ کر قتل ہوں اور اسلام کو وہ غلبہ و شوکت حاصل ہوجاوے جو ہمیشہ کے لئے مخالف کو پسپا اور بے ہمت بنادے اس لئے صحابہ کرام نے اپنے سپہ سالار کا میلان طبیعت پاکر ثابت قدمی کے ساتھ جانفروشی کا اظہار کیا اور کہا کہ یا رسول اللہ ہم موسیٰؑ کی قوم جیسے نہیں ہیں جنہوں نے جہاد کے وقت اپنے پیغمبر سے کہدیا کہ "تم اور تمہارا پروردگار جاکر لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں" خدا اس دن موت دے جسدن ایسا خیال بھی آئے ہم بے بضاعت غلام آپ کے تابعدار ہیں جہاں آپ کا پسینہ گرے وہاں اپنا خون بہانے کو موجود ہیں ہماری جانیں آپ پر قربان آپ بسم اللہ کیجئے اور جنگ کا حکم فرمایئے یقین ہے کہ اسلام کا بول بالا رہیگا اور مسلمانوں کو فتح اور غلبہ کے ساتھ مال و دولت بھی اتنی ہاتھ آئے گی جس سے انکی شکستہ کمر مضبوط اور نازک حالت افلاس قوت کے ساتھ بدلجائے گی۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے رفقاء کے یہ کلمات نہایت پسند آئے اور طرفین سے جنگ کی تیاریاں شروع ہوئیں۔

باب ۴۲ (۲ ھ)

بدر میں جنگ اور اس کا نتیجہ۔ ادہر اور ادہر دونوں طرف کسی بھاری جنگ کی تیاری ہورہی ہے ابوسفیان بھی کارواں کو مکہ پہونچا کر قومی ہمدردی اور اخوت کی بنا پر واپس ہوا اور لشکر کفار میں موجود ہے مکہ کے سرداروں میں

کوئی سردار ایسا نہیں ہے جو آج اس میدان میں نہ ہو یہاں تک کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ بھی موجود ہیں جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے خدا کی اس نافرمان جماعت میں گو دلوں کے اندر قدرتی ہیبت اور غیبی خوف سمایا ہوا ہے مگر ظاہر تو ایسا کر رہے ہیں گویا بیلتن ہیں جن کو بکریوں کا مقابلہ کرنا ہے اور ہر شخص رستم ہے کہ پشہ کے مارنے کو بلایا گیا ہے ہر ایک کی مستانہ چال اور مغرور بہادر کی طرح جھوم جھوم کر چلنا اور نخوت آمیز دلخراش کلمات بتا رہے ہیں کہ یہ ادائیں اچھا نتیجہ نہیں پیدا کریں گی کیونکہ حق تعالیٰ کو مٹی سے پیدا ہوئے پتلہ کا یہ تکبر بھاتا نہیں ہے اور ادھر اللہ کے پیارے پیغمبرؐ کی مختصر جماعت خدا کے نام پر قربان ہونے اور رسولؐ پر جان نثاری کا امتحان دینے کو مستعد اور آمادہ ہے جو عرب کے ریگستانی خطہ میں تقدیر سے ایسی نیچی زمین پر قیام کئے ہوئے تھے جہاں ریت کے تودوں اور کمزور مٹی کی وجہ سے پاؤں جمنے بھی مشکل ہیں ان بیچاروں کے پاس پانی بھی موجود نہیں حالانکہ پیاس غالب ہے پپڑیاں جمی ہوئی ہیں اور پھر اپنے پاک خدا کے آگے ماتھا ٹیکنے کے لئے وضو کرنے کی بھی ضرورت ہے اور اتفاق سے بعض جوان مسلمانوں کو نہانے کی بھی حاجت ہے۔ یہ بے سروسامان لشکر پریشان خاطر اور صرف خدا پر بھروسہ کئے ہوئے اس کا منتظر کھڑا ہے کہ تلواریں اور برچھیاں کھا کر اپنے آقا کے سامنے حاضر ہوں تو کاش صاف ستھرے نہائے دھوئے پاک اور باوضو حاضر ہوں چشم بد دور کسی کی نظر نہ لگے کیونکہ یہ عاجزانہ ادا اللہ کو بھی نہایت پسند ہے اور بہت جلد بہتر انجام دکھانیوالی ہے یہی وجہ ہے کہ ادھر یہ پریشانی بڑھتی جاتی تھی اور ادھر سے پانی کے بھرے ہوئے بادلوں نے استقبال کو قدم آگے بڑھایا اور اتنا مینہ برسا کہ پاؤں تلے کی زمین بھی جم کر سخت ہو گئی اور ضرورتوں سے فارغ ہو کر جو کچھ بھی برتن اور مشکیزے ساتھ تھے پانی سے لبریز ہو گئے یہی نیک فال بتلا رہی ہے کہ جس کا اول اچھا ہے اُسی کا آخر بھی بہتر ہوگا کیونکہ "اول را باآخر نسبتے دارد" یہی وہ مبارک وادی ہے جس میں مقدس مذہب اسلام کو عزت و شوکت اور دشمن کافروں کو خواری و ذلت کی ابتدا ہوئی ہے یہیں اسلامی سپہ سالار اور اللہ پاک کے محبوب پیغمبر کی فرودگاہ کے لئے خرمے وغیرہ کی شاخوں سے ڈھانپا ہوا چھپر اور جھونپڑی کی طرح مقدس عریش تیار کیا گیا تھا جس میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا تھا اور اب اس کی جگہ ایک مسجد تعمیر کر دی گئی ہے جو مسجد بدر کے نام سے مشہور ہے اور زائرین حرم مصطفوی اُس کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں۔

باعزت سپہ سالار اور خدا کے نازک مزاج محبوب پیغمبرؐ کی تضرع وزاری اور حق تعالیٰ کی بے پرواہ سرکار کی بے نیازی کا خوف کچھ نہ پوچھو آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی جاری ہے اور دونوں مبارک ہاتھ دعا کے لئے اتنے اونچے اُٹھے ہوئے ہیں کہ چادر مبارک شانہ سے گر گئی ہے اور یہ الفاظ زبان سے نکل رہے ہیں کہ اے میرے پروردگار اپنے وعدہ کو

پورا فرما آج مدد کا دن ہے اگر یہ چھوٹی جماعت تباہ ہو جائے گی تو کوئی بھی تیری خالص عبادت کرنے والا نہ رہیگا تجھکو ایک سمجھنے والے یہی تیرے غلام چند آدمی نظر آتے ہیں جو تیرے کہلاتے ہیں ان کی اعانت بھی تیرے ہی ذمہ ہے اور مقدس مذہب اسلام کی عزت بھی تیرے ہاتھ ہے"

صبح ہوئی اور آفتاب عالمتاب نے اپنی برچھی نما شعاعوں کو چاروں طرف پھیلا دیا دلیر اور بہادر پہلوانوں کی امتحان کا وقت آگیا اور ہر ایک کے دل میں اس امنگ و آرزو نے جوش مارا کہ کاش سب سے پہلا جان نثار میں کہلاؤں اور میری ہی صیقلدار تلوار کو آج وہ عزت نصیب ہو جو دشمن کو دہکتی ہوئی آگ میں جھونکدے یا مجھکو بہشتی حوروں کا ہمکنار بنائے اور پیارے ذوالجلال کے دیدار کا نظارہ کرائے اتنے میں قریش کے تین جوان میدان جنگ میں قدم بڑھاتے ہوئے آکھڑے ہوئے اور اس زمانہ کی جنگ اور ملکی رسم کے موافق مسلمانوں کی طرف دیکھکر للکارے "کہ ہے کوئی جو میدان میں آکر مقابلہ کرے" ان میں سے دو بہادر ربیعہ کے بیٹے یعنی عتبہ اور شیبہ ہیں اور تیسرا نوجوان عتبہ کا بیٹا ولید ہے چنانچہ یہ کلمہ سنتے ہی تین بہادر انصاری آگے بڑھے مگر حریف نے منظور نہیں کیا اور کہا کہ ہمیں اپنی قوم کے قریشی النسل مسلمانوں اور اپنے کنبہ یا برادری کے بھائیوں سے لڑنا منظور ہے کسی دوسرے قبیلہ کے سامنے آنا ہماری ہتک عزت اور ننگ و عار کا باعث ہے کیونکہ شریف اور بہادر کا مقابلہ شریف دبہادر ہی کرسکتا ہے۔

محمدی کچھار کے شیر تو سب ہی میدان کے متمنی اور کارزار کے خواہشمند تھے اس لئے فوراً حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ عتبہ کے مقابل ہوئے اور حضرت علیؓ شیبہ کے سامنے آئے اور حضرت عبیدہ رضؓ نے ولید کا مقابلہ کیا۔ تلوار سے تلوار ٹکرانے لگی اور ہر ایک اپنے دل کا حوصلہ نکالنے اور جنگی کرتب دکھانے میں مشغول ہوگیا۔ جنگی طاقت اور عمر کی مناسبت کے اعتبار سے بعض محدثین کی رائے یہ ہے کہ حضرت علیؓ جوان تھے اس لئے ولید کے مقابلہ میں آئے کیونکہ وہ بھی جوان ہے اور حضرت عبیدہؓ نے اس ولید کے باپ عتبہ کا مقابلہ کیا اور حضرت حمزہؓ نے ولید کے چچا یعنی شیبہ کا کیونکہ جس طرح یہ دونوں ضعیف العمر اور بوڑھے تھے اسیطرح عتبہ و شیبہ دونوں حقیقی بھائی پیری کو پہونچ گئے تھے بہرحال جو کچھ بھی ہو حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ نے اپنے حریف کو مہلت ہی نہ دی اور پلک جھپکتے گاجر اور کھیرے کی طرح کاٹ کر ڈالدیا تلوار کیا تھی بجلی کی چمک اور برق کی تڑپ تھی کہ ادھر کوندی اور اُدھر دو پہلوانوں کی نعش زمین پر تڑپتی ہوئی خون آلودہ دکھائی دی البتہ حضرت عبیدہؓ کو اپنے حریف کے مقابلہ میں وقفہ ہوا اور دونوں فریق کو زخم آئے مگر حضرت علیؓ نے اپنے کام سے فارغ ہو کر انکا ہاتھ بٹایا اور دشمن کو دونوں ہمراہیوں کے ساتھ ہمیشہ کی نیند سلادیا اگرچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی حضرت عبیدہؓ نے گھٹنے میں تلوار بھی کھائی اور اس

کاری زخم سے جانبر نہ ہوسکے کیونکہ واپسی میں صفرا مقام پر راہی ملک بقا ہوگئے مگر میدان میں محمدی کچھار کے شیروں نے گرنا پسند نہیں کیا اور تینوں بہادر مظفر و منصور لشکر اسلام میں واپس آئے۔

عتبہ بن ربیعہ چونکہ اپنی قوم میں بڑا تجربہ کار اور بوڑھا شخص تھا اس لئے یہ سمجھے ہوئے تھا کہ تقدیر ہی موت یہاں کھینچکر لائی ہے اور چونکہ اپنے غلام عدّاس کی زبانی جو کہ مذہب نصرانیت سے تائب ہوکر مسلمان ہوچکے تھے سن بھی چکا تھا کہ اس لڑائی کا انجام بُرا ہے تم لوگوں کو قتل ہونے کے لئے موت لئے جاتی ہے اس لئے یہ دونوں بھائی اس جنگ سے نہایت درجہ ناخوش تھے اور ہمیشہ نفرت کی باتیں کہتے رہتے تھے مگر ابوجہل کے طعنہ اور تشنیع سے معذور تھے کیونکہ اس نے ان کو بزدل اور عورت خصلت کا خطاب دیدیا تھا اسی بُرے لقب کی عار دھونے کو جبرًا و کرہًا ان بدنصیبوں نے آج جنگ میں پیش قدمی بھی کی اور سب سے پہلے گدھے کی مردار لوتھ کی طرح بدر کے ریگستان پر ہمیشہ کی نیند سو گئے

اس جنگ میں امیہ بن خلف بھی موجود تھا جو تجارتی ترقی اور تمول میں مشہور ہے یہ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کا پہلا دوست اور زمانہ جاہلیت کا قدیمی رفیق تھا کیونکہ جب حضرت عبدالرحمٰنؓ مکہ جاتے تھے اسی کے مکان پر ٹھیرتے تھے اس واقعہ جنگ سے چند ہی ماہ قبل کا قصہ ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ مکہ گئے اور دوپہر کے قریب حرم شریف خالی پاکر بیت اللہ کا طواف کرنے لگے وہاں سے واپس ہورہے تھے کہ ابوجہل نے دیکھ پایا اور امیہ کو للکارا کہ اس بددین شخص کو اطمینان کے ساتھ طواف کرنا کیوں نصیب ہوا اور تم لامذہب کے پشت پناہ کیوں بنے اور اے عبدالرحمٰن اگر تو میرے دوست امیہ کے ساتھ نہ ہوتا تو گھر تک سلامت واپس نہیں ہوسکتا تھا یہ سخت کلمات سنکر حضرت عبدالرحمٰنؓ کو نہایت طیش آیا اور کہا کہ تو مجھکو اگر طواف سے روکتا ہے تو واللہ میں تجھپر مدینہ کا راستہ بند کردوں گا جو تجھکو مفلس و محتاج بنا چھوڑے گا دونوں کی گفتگو بڑھ گئی اور طرفین کا غیظ و غضب دیکھکر اُمیہ بن خلف کانپ اٹھا اور گھبرا کر حضرت عبدالرحمٰنؓ سے کہا کہ چپ ہورہو یہ یعنی ابوجہل شہر کے سردار ہیں ان کے ساتھ زبان درازی نہ کرو ورنہ مجھے اور تمھیں دونوں کو نقصان پہونچے گا مگر حضرت عبدالرحمٰنؓ غصہ میں بیتاب ہورہے تھے اس لئے جواب دیا کہ اے امیہ تیری قدیمی رفاقت کا لحاظ ہے اور آج میں تجھکو جتائے دیتا ہوں کہ وہ دن بہت جلد آنے والا ہے جس میں تمکو ذلیل و خوار ہونا پڑے گا اور یہی ابوجہل تمکو موت کے کھلے میدان میں کتے کی موت مروانے لے جائیگا الغرض بات رفع دفع ہوگئی لیکن امیہ کے دل میں یہ دہشتناک خبر اثر کرگئی اور گو وہ زبان سے کچھ نہ بولا معمولی بات کی طرح اس بات کو بھی ٹالدیا اور قصہ رفت گذشت ہوا مگر جس وقت ابوجہل نے بدر کے سفر کے لئے لوگوں کو جمع کیا تو اُس وقت امیہ کو اپنے پُرانے دوست کی چند مہینہ پیشتر دی ہوئی خبر یاد آئی اور اُسنے جانے میں عذر و معذرت

اور حیلہ بہانہ کیا یہ حالت دیکھ کر ابو جہل نے نہایت تحقیر کے ساتھ طعنہ دیا اور ایک سرمہ دانی دیکر کہا کہ عورتوں کی طرح سنگار کر اور اوڑھنی اوڑھ کر گھر میں بیٹھ جا تو ننگ خاندان اگر پیدا نہ ہوتا تو بہتر تھا۔ اُمیہ حقارت آمیز جملے نہ سُن سکا اور مجبور ہو کر بیوی سے کہا کہ سامان سفر تیار کرو مجھے اپنے دوست کا کلمہ یاد ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے سب میری نظر کے سامنے ہے مگر کیا کروں جس جبر و اکراہ کے ساتھ جاتا ہوں میرا ہی دل خوب جانتا ہے۔ حضرت بلال اسی امیہ کے غلام تھے اور اس ظالم نے بیچارے بے دست و پا مسلمان کو جو ایذائیں دی تھیں ان کے ذکر سے رونگٹا کھڑا ہوتا ہے آج جبکہ مسلمانوں کو اپنے دشمنوں سے انتقام لینے کا موقع ہاتھ آیا تو حضرت بلال اپنے پرانے آقا مگر بے رحم ستمگار کی تلاش میں اِدھر اُدھر نظریں دوڑاتے پھر رہے ہیں اور گو حضرت عبدالرحمٰن ایسے نازک وقت اور انتقام لینے کی یادگار جنگ میں بھی اپنی قدیمی رفاقت کا نباہ چاہتے اور اس کوشش میں ہیں کہ امیہ کو پناہ ملجائے مگر نہیں آج کسی کو پناہ نہیں نہ آج کسی مسلمان کو اس کا مجاز ہے کہ وہ کسی کافر کو اپنے ذمہ اور پناہ میں لیلے اور نہ آج اس میں امتیاز ہے کہ کون سردار کس شخص کے ہاتھوں قتل ہو کر جہنم کا ایندھن بنتا ہے۔

حضرت بلال کی تجسسانہ نظر امیہ پر جا پڑی اور انھوں نے انصار کو بآواز بلند پکار کر کہا "امیہ یہ رہا دیکھو جانے نہ پائے اگر آج اسکو نجات ملی تو گویا میں مرگیا چلو چلو دیکھو جانے نہ پائے"۔ انصار کے چند بہادر جوان لپکے اور حضرت عبدالرحمٰن نے یہ دیکھکر کہ امیہ کی خیر نہیں ہے امیہ کے بیٹے علی کو پیچھے چھوڑا اور اس کو آگے بڑھا لیگئے تاکہ اسلامی لشکر کے جوانمرد سپاہی اس نوجوان کے مقابلہ میں مشغول ہو جائیں اور اسی پر قصہ طے ہو جائے مگر یہ اسلامی جوش اور جوشیلہ حملہ ایسا نہ تھا جو اتنے پر قناعت کرتا اسلامی تلوار نے اس کچھیرے جوان کا خون پیا مگر پیاس نہیں بجھی اور سیر ہونے کی امید پر آگے بڑھی امیہ اپنے نور نظر کو بے یار و مددگار خاک پر پڑا ہوا اور ریتلی زمین پر ہمیشہ کی نیند سونے کو لیٹا ہوا دیکھ کر چیخ اٹھا جسکی گونج اور دل ہلا دینے والی کریہ آواز کا جواب بدر کی پہاڑیوں نے دیا اور حضرت عبدالرحمٰن مسلمان بہادروں کو امیہ کے سر پر کھڑا دیکھکر گھبرا گئے اور اُسکے اوپر اس طرح پڑ گئے جس طرح مرغی اپنے بچوں کو دبا لیتی یا چادر اپنے اندر لپٹنے والے کو چھپا لیتی ہے مگر افسوس امیہ کا وقت برابر ہو چکا تھا اور موت اس کے سر پر کھڑی ہنس رہی تھی انصاری کی صیقلدار تلوار حضرت عبدالرحمٰن کے پاؤں کے نیچے سے آئی اور اپنا کام کر گئی حضرت عبدالرحمٰن کے پاؤں میں بھی خفیف سا زخم آیا جس کا نشان عمر بھر رہا اور جس کی قصاص یا دیت سے کوئی تلافی نہیں کی گئی مگر امیہ تو اپنے پیارے بیٹے سے فوراً جا ملا اور اسی کے پہلو میں ہمیشہ کے لئے سو گیا جس کے فراق میں ابھی چند منٹ ہوئے نہایت درد آمیز آواز میں چیخا اور چلایا تھا۔

افسوس امیہ جبتک بھی زندہ رہا لشکر سے الگ الگ اور اسی تلاش میں رہا کہ کوئی حیلہ ہاتھ آئے یا موقع ملے تو مکہ واپس بھاگ جائے مگر تقدیر سے چارہ نہیں کیا خبر تھی کہ اس پیاری بی بی کو بیوہ بنانے جا رہا ہے جس کا نام صفیہ اور کنیت ام صفوان ہے اور یہ رخصتی سلام وہ سلام نہیں ہے جس کے بعد ایک کو دوسرے کی صورت دیکھنی نصیب ہو اور نہ یہ سفر وہ سفر ہے جس سے واپسی ممکن ہو کیونکہ سفر بدر سفر آخرت کا مقدمہ تھا جس نے وہ عمر بھر کے غرور خاک میں ملادئے جنہوں نے بلال جیسے ستم رسیدہ مسلمانوں کو ریت کے گرم ٹیلہ پر لٹوایا اور کئی روز تک متواتر چابک لگوائے تھے آج دنیا کا تمول اور جمع کیا ہوا خزانہ کچھ کام نہ آیا اور وہ معاملہ آنکھوں سے دیکھ لیا جس کا رسول مقبولؐ جیسے مہربان پیغمبر نے خوف دلایا تھا۔

میدان کارزار جوش پر تھا اور لڑائی اپنے موسم شباب کا جوبن دکھلا رہی تھی حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے دونوں بازو پر دو خوبصورت جوان حقیقی بھائی یعنی بی بی عضراء کے بیٹے معاذ اور معوذ کھڑے ہوئے کسی شکار کو مشتاق نظروں سے ڈھونڈھ رہے ہیں اور گو حضرت عبدالرحمٰن سے نسبی رشتہ نہیں رکھتے مگر عمر میں بڑے اور بزرگ ہونے کی وجہ سے چچا کے خطاب سے پکارتے ہیں اور پوچھ رہے ہیں کہ چچا جان آپ ابو جہل کو بھی پہچانتے ہیں؟ حضرت عبدالرحمٰن نے جواب دیا کہ ہاں خوب پہچانتا ہوں کیوں تمہارا کیا مطلب ہے؟ ایک بھائی نے جواب دیا "میں سنتا ہوں کہ وہ ہمارے پیشوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بہت گستاخانہ کلمات بکتا اور بیبا کانہ ناشائستہ الفاظ زبان سے نکالتا ہے اگر میں اسکو دیکھ پاؤں تو واللہ فوراً جا چپٹوں اور جبتک کہ موت کا زبردست اور اٹل ہاتھ ہم دونوں میں سے کسی ایک پر قبضہ کر کے جدا نہ کرائے میں ہرگز جدا نہ ہوں" اتنے میں ابو جہل گھوڑا کدا تا ہوا میدان جنگ میں نظر آیا اور حضرت عبدالرحمٰن نے انگلی کے اشارے سے بتایا کہ وہ دیکھو جس کو تم ڈھونڈتے ہو گھوڑے پر سوار جا رہا ہے یہ مژدہ روح افزا سنتے ہی دونوں بھائیوں نے قدم بڑھایا اور تیر کی طرح ابو جہل کیطرف اس طرح لپکے جیسے باز اور شکرا اپنے شکار پر جھپٹتے ہیں۔

یہ انصاری نونہال جو درحقیقت دو قالب اور یکجان تھے تلوار کو نیام سے باہر نکالے مشہور دشمن خدا کے سر پر یک اجل بنکر جا کھڑے ہوئے اور شیر کی طرح للکار کر بہادرانہ حملہ اور تلوار کا ایسا وار کیا جس سے ابو جہل گھبرا گیا اور چونکہ موت کھیل رہی تھی اس لئے بچاؤ کی کوئی تدبیر نہ کر سکا "نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن" وحشت زدہ اور حیران ادھر اُدھر تکتا دشمن کا حملہ بچاتا اور کاوا دیتا رہا مگر معاذ کا حملہ وہ حملہ نہ تھا جس سے گریز ممکن ہوتا اس لئے تلوار کھا کر گھوڑے سے نیچے گرا اور ایسا کاری زخم کھایا جس نے ٹھنڈا کر کے بھی پیچھا نہ چھوڑا۔ آج ابو جہل نے اپنے غرور کی پوری سزا پائی اور بچوں کے نازک ہاتھ کی تلوار سے زمین پر لوٹتا ہوا حسرت ناک لہجہ میں کہنے لگا "کاش مجھے معلوم ہو جاتا کہ کس بہادر شخص کے ہاتھ اور کس شریف نطفہ کی تلوار سے مارا جاتا ہوں" مگر اپنے قاتل کا نام اور عمر سنکر شرمندہ ہو گیا اور موت کی جانکنی کے صدمہ سے

کروٹیں بدلنے لگا۔ ہونہار بہادر قاتل واپس ہوئے اور تھوڑی دیر بعد رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اسکی تلاش میں حضرت عبداللہ بن مسعود یہاں پہونچے جہاں یہ نخوت کا پتلہ پڑا جان توڑ رہا تھا کیونکہ ابھی تک اللہ کے پیارے پیغمبر کو امت محمدیہ کے اس فرعون کا مارا جانا معلوم نہیں ہوا تھا حضرت عبداللہ رضہ نے دیکھا کہ ابھی رمق باقی ہے اس لئے آگے بڑھے اور اپنا پاؤں اسکی گردن پر رکھکر ڈاڑھی کو پکڑا اور جھٹکا دیکر فرمایا کہ تو ہی ابوجہل ہے جس نے شرارت و جہالت میں نام پایا اور خدا و رسول کی دشمنی میں آخرت کی دائمی حیات کو برباد کیا ہے ابوجہل خون آلودہ ریت پر پڑا وقت کے لمحے شمار کر رہا تھا سسکتے وقت بھی جواب دیئے بغیر نہ رہا اور بولا کہ "کیا ہوا ایک ہی آدمی کو توقتل کیا ہے نہ تمہارے لئے کوئی قابل فخر بات ہے نہ میرے لئے کوئی باعث ننگ و عار" حضرت عبداللہ رضہ نے اس آخری وقت کے نزع کی سخت تکلیف دیکھکر اسپر اتنا احسان کیا کہ تلوار نکالکر گردن کاٹ لی اور اس کی جان کو نکلنے کی قابل عبرت مصیبت سے نجات دی مگر افسوس اب جس مقام پر جا پہنچا ہے اس کی تکالیف سے ابدالاباد تک بھی چھٹکارا نہیں مل سکتا۔

اس مغرور سردار نے سر کاٹے جانے کے وقت بھی تکبر نہیں چھوڑا جس وقت حضرت عبداللہ کو ننگی تلوار ہاتھ میں لے ہوئے اپنے سینہ پر چڑھے دیکھا تو کہا کہ "اے بکریاں چرانے والے چرواہے تیرے لئے فخر کا موقع ہے کہ تو بڑی اونچی جگہ بیٹھا ہوا ہے دیکھ میرا سر کاٹے تو کندھوں کے پاس سے کاٹیو تاکہ کٹے ہوئے سروں میں رکھا جائے تو بڑا معلوم ہو اور ہر دیکھنے والا شخص سمجھ جائے کہ کسی بڑے سردار کا سر ہے"

حضرت عبداللہ رضہ نے اس کا سر تن سے جدا کیا اور رسالتمآب کے حضور میں لا ڈالا اور اسی صلہ میں بیش قیمت وہ تلوار پائی جس کا قبضہ ابھی تھوڑی دیر ہوئی ابوجہل کے ہاتھ میں تھا اور ابوجہل کا باقی مال و متاع اصلی قاتل صرف معاذ رضہ بن عفراء کو دیا گیا جن کی اس بہادرانہ کارروائی کا تذکرہ صفحہ روزگار پر قیامت تک قائم رہیگا۔ کیونکہ انکے بھائی معوذ رضہ اس واقعہ سے فارغ ہوکر لڑائی کے گھمسان میں دوبارہ گھس گئے تھے اور شربت شہادت نوش فرماکر حوران جنت کی آغوش میں جا سوئے تھے۔

جنگ کا ہنگامہ شباب پر تھا اور دھوپ کی تیزی لڑنے والے بہادروں کو پریشان بناتی جاتی تھی کہ اتنے میں سپہ سالار لشکر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی خاک اٹھاکر کافروں کی فوج میں پھینکی اور فرمایا کہ شاهت الوجوہ یعنی یہ مونہہ ذلیل و خوار ہوں۔ یہ مشت خاک حقیقت میں رسول کے ہاتھ سے نہیں پھینکی گئی تھی بلکہ دست قدرت کی پھینکی ہوئی تھی جس کا اثر دشمن کی ساری فوج پر ہوا اور کوئی آنکھ ایسی نہیں بچی جسمیں غبار نہ پہونچا ہو اس کے بعد دشمن کی جمعیت میں بھگی پڑ گئی۔

کفار قریش کی شکست و ہزیمت اور اس بڑے لشکر کا یوں بے سرو سامانی کے ساتھ بھاگنا ایسا نہ تھا جس کو لوگ کھڑے تماشہ کی طرح دیکھا کرتے اس لئے بہادر شیروں نے قدرتی سیل کی طرح قدم بڑھائے اور لوٹ مار پکڑ دھکڑ شروع کی اور دم کے دم میں خاطر خواہ مال غنیمت کے علاوہ ستر آدمیوں کو زندہ گرفتار کر لائے جنہیں حضرتؐ کے چچا عباس بن عبدالمطلب بھی تھے اور حضرت علی رضؓ کے بھائی عقیل بن ابی طالب بھی تھے اور نیز رسول اللہؐ کے داماد یعنی دختر نیک اختر بی بی زینبؓ کے خاوند ابوالعاص بھی تھے جو ابتک ایمان نہیں لائے تھے۔ جو کافر مارے گئے ان کی تعداد بھی ستر ہے جن میں اکثر قریش کے سردار تھے البتہ ابولہب بچ نکلا اور بھاگ کر مکہ پہونچا لیکن مرض عطسہ میں بتلا ہو کر سات دن کے بعد مر گیا۔ حق تعالےٰ کا سچا وعدہ پورا ہوا اور اسلام کے دشمن اہل مکہ نے ایسی سخت اور فاش شکست کھائی جس کے بعد ان کو پنپنا نصیب نہ ہوا البتہ اتنا افسوس رہا کہ ابوسفیان بچگیا جس کو کینہ نکالنے کا آیندہ موقع ہاتھ لگا اور پھر کئی مرتبہ جنگ کی نوبت آئی۔

اس جنگ میں تند ہوا اور گرد اور بالو کے جھونکوں کی غیبی اعانت کے علاوہ فرشتوں کی فوج سے بھی کھلی مدد کیگئی جس کے چند واقعات لوگوں کی آنکھوں کے دیکھے ہوئے ہیں چنانچہ ایک صحابی رضؓ کسی کافر کا تعاقب کر رہے تھے یکایک کوڑے کی پٹخار اور یہ آواز سنائی دی کہ "ہاں اے حیزوم آگے بڑھ" آدمی تو کوئی نظر نہ آیا مگر اس کافر کو جس کے قتل کے درپے تھے اپنے آگے مرا ہوا پڑا پایا جس کی ناک پھٹ گئی اور کوڑے کی ضرب سے نیلی پڑ گئی تھی اسی طرح حضرت عباس رضؓ کو جس شخص نے گرفتار کیا وہ نہایت ہی کمزور آدمی تھے جب ان سے پوچھا گیا کہ تمنے عباس جیسے قوی ہیکل اور بہادر پہلوان کو کیونکر قید کیا تو کہنے لگے کہ ایک ایسے شخص نے اسوقت میری مدد کی جسکو نہ میں نے پہلے کبھی دیکھا تھا نہ پھر کبھی دیکھا اور یہ تو اکثر صحابہؓ نے دیکھا کہ کافروں کے سر کٹ کٹ کر ان کے سامنے گرتے تھے مگر سر کاٹنے والا کوئی نظر نہیں آتا تھا۔

اس مبارک جنگ میں آٹھ انصار اور پانچ مہاجر مسلمان شہید ہوئے جن کو خون آلودہ کپڑوں میں لپیٹ کر نماز پڑھ کر دفن کیا گیا یہی وہ مقدس حضرات ہیں جن کو اسلام کی ابتدائی دنیا میں شہادت عظمیٰ کا شرف حاصل ہوا اور یہی قبور شہدا رضوان اللہ علیہم اجمعین مقامات بدر کے اُن مشہور مقامات متبرکہ میں سے ہے جس کی یہ عجیب و غریب بات مشہور ہے کہ مقدس مزارات کے اوپر سے ایک نقارہ کی سی آواز ابتک سنائی دیتی ہے جسکو ہر شخص محسوس کرتا ہے۔

مقتول کافروں کی لاشیں بدر کے بڑے اور نجس و متعفن جھیرے میں ڈالدی گئیں تاکہ ان مرداروں کی بدبو سے اللہ کی چرند و پرند مخلوق کو ایذا نہ پہونچے۔ اسلامی لشکر نے تین دن اس میدان میں آرام کیا اور چوتھے دن رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کنوئیں پر جس میں چوبیس سرداران قریش کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں کھڑے ہوکر فرمایا کہ "اب

تو تمنا کرتے ہوگے کہ کاش اللہ و رسول کی اطاعت کرتے اللہ پاک کا جو کچھ ہم سے وعدہ تھا ہم نے تو اس کو حق پایا تم نے بھی اپنے وعدہ کو ٹھیک پایا؟ اسکے بعد اسلامی لشکر سالماً غانماً مدینہ طیبہ کو واپس ہوا۔

باب ۴۳ (۴۳)

بدر کے قیدی اور مال غنیمت۔ اس لڑائی میں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ شریک نہ تھے کیونکہ انکی بی بی یعنی رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضؓ سخت علیل تھیں ان کی تیمارداری کے لئے حضرت عثمانؓ اور حضرت اسامہ رضؓ بن زید حکماً مدینہ میں چھوڑ دیے گئے تھے جس روز رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں پہونچے ہیں اس سے ایک دن پہلے آپ کی پیاری بیٹی کا انتقال ہو چکا تھا اور جس وقت حضرت زیدؓ بن حارثہؓ نے مدینہ میں اس فتح عظیم کی بشارت سنائی ہے اس وقت حضرت عثمان اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہما بی بی رقیہ رضی اللہ عنہا کے دفن میں مشغول تھے اور اسی دن شاہ روم نے شاہ فارس پر فتح پائی اور مسلمانوں کو اس سے نہایت خوشی حاصل ہوئی کیونکہ شاہ روم کا اہل کتاب ہونا اور آتش پرست پارسیوں پر غلبہ پانا مسلمانان اہل کتاب کے قریشی بت پرستوں پر فتح پانے سے ایک خاص مناسبت رکھتا تھا اور گویا فال نیک تھی جسکا تطابق تھوڑے ہی دنوں میں فریقین نے آنکھوں سے دیکھ لیا۔

حضرت عثمانؓ بن عفان اس ضرورت کی وجہ سے چونکہ حکماً پیچھے رہے اور جنگ کی شرکت سے روکے گئے تھے اس لئے آسمانی ثواب اور دنیاوی مال و متاع یعنی مال غنیمت میں ان سپاہیوں کے مساوی سمجھے گئے جو بدر کی فتحیابی کا جھنڈا لہراتا ہوا اپنے ہاتھوں میں لائے تھے یا آخرت کی دائمی زندگی پاکر بدر ہی کے میدان میں پڑکر سو رہے تھے حضرت رقیہ رضؓ خاتون کے انتقال کے بعد رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے آیندہ سال یعنی ۳ھ میں اپنی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ کا نکاح بھی حضرت عثمانؓ کے ساتھ کر دیا جس کی وجہ سے ان کے ذوالنورین (دو نور والے) کا خطاب ملا اور یہ شرف کہ پیغمبر کی دو بیٹیاں کسی امتی کے نکاح میں آئیں سوائے ان کے گذشتہ امتوں میں بھی کسی کو حاصل نہیں ہوا۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمانؓ سے اس قدر خوش تھے کہ حضرت ام کلثوم کے انتقال ہو جانے پر یوں فرمایا تھا کہ اگر میری تیسری بیٹی ہوتی تو میں عثمان ہی کے نکاح میں دیتا۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی چار صاحبزادیوں میں تیسری صاحبزادی یعنی بی بی زینبؓ کا نکاح حضرت ابوالعاصؓ سے ہو چکا تھا جو آج بدر کے قیدیوں میں گرفتار ہیں اور اپنے خاوند کی رہائی کے لئے پیاری بیٹی نے کچھ مال بھیجا ہے جس میں وہ گلے کا ہار بھی موجود ہے جو مہربان مرحومہ ماں یعنی خاتون جنت حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے بیٹی کو جہیز میں دیا تھا جسکو دیکھکر

مقبول صلعم کو رفیق بی بی یاد آگئیں اور آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ چوتھی صاحبزادی حضرت سیدہ فاطمہ زہرہؓ تھیں جنکا نکاح اسی سال میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ ہوا تھا۔ اسوقت حضرت سیدہؓ کی عمر سولہ سال کی تھی اور حضرت علیؓ شیرخدا کی عمر اکیس برس پانچ مہینہ کی۔ ان کے علاوہ کوئی صاحبزادی نہ تھیں جو حضرت ام کلثوم کے انتقال ہوئے پیچھے حضرت عثمان کے نکاح میں جاتیں۔

جنگ بدر میں جو کچھ مال غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگا وہ جمع کیا گیا اور چونکہ تقسیم میں مسلمان سپاہیوں کے درمیان کچھ جھگڑا پھیلا اس لئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے جھگڑا مٹانے کو سارا مال سب پر برابر بانٹ دیا لیکن آیندہ کے کل فساد کی جڑ کاٹنے کو قرآن مجید کی سورہ انفال میں مال غنیمت کی تقسیم کا عام قاعدہ آسمانی وحی نے مقرر کردیا جسمیں تصریح کردی گئی کہ "مال غنیمت کا بانٹنا امیر اور سردار کے اختیار میں رہے اور پانچواں حصہ جسکو خمس کہتے ہیں بیت المال یعنی خزانہ میں جمع ہو اور باقی مال لشکری سپاہیوں پر تقسیم کردیا جاوے اور یہ پانچواں حصہ جو خزانہ میں داخل کیا گیا ہو غریب مسلمانوں اور یتیم بچوں کی پرورش اور مسافر مہمانوں اور نیز رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے گذران کے لئے ہے رسول کو اختیار ہے کہ جہاں مناسب سمجھیں خرچ کریں"

گرفتاران مصیبت یعنی اسیران بدر کے معاملہ میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہئے چنانچہ حضرت صدیق نے رائے دی کہ چونکہ ان قیدیوں میں زیادہ تر متمول اور معزز رؤسا رشتہ ہیں۔ اس لئے اگر مالی فدیہ اور جان کا بقدر وسعت وحسب حیثیت معاوضہ لیکر ان کو رہا کردیا جائے تو مناسب ہے کیونکہ مسلمانوں کی مالی حالت اسوقت ضعیف اور قابل لحاظ ہے نقد ہاتھ آئے گا تو اسلام کو قوت وشوکت حاصل ہوگی اور کیا عجب ہے کہ ان لوگوں کو بھی مذہب اسلام کی توفیق نصیب ہو اور آیندہ مسلمان ہوجاویں اور اگر مسلمان نہوئے اور سرکشی کے ساتھ پھر شرارت بھی کی تو "ہیں میداں ہیں چوگاں ہیں گوے" ان کے لئے یہی شکست وذلت پھر موجود ہے جو آج حاصل ہے مگر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس رائے سے موافقت نہیں کی اور کہا کہ میرے خیال میں ان سرداران کفر کا قتل کردینا مناسب ہے کیونکہ ہمارا مقدس مذہب یعنی اسلام مال کا محتاج نہیں ہے البتہ حق تعالےٰ کی معصیت کے قلع قمع کرنے اور اپنے مفسد دشمنوں کے خون کا پیاسا ہے اور یہی اللہ ورسول کی محبت کے امتحان کا وقت ہے اس لئے آپ تو اپنے قریبی رشتہ دار کو لیں اور علیؓ کے حوالہ ان کے بھائی عقیل کو کریں اور حضرت حمزہؓ کے ہاتھ میں ان کے بھائی عباس کا ہاتھ دیں اور میرے سپرد میرا فلاں عزیز کریں اور حکم دیں کہ ہر شخص اپنے خاص رشتہ دار کی گردن اپنے ہاتھ سے اڑائے تاکہ پلک جھپکاتے ان کافروں کے خون کی ندی بہجائے اور اللہ کے سچے مذہب کی

مخالفت کا بیج کٹھائے مگر چونکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نہایت حلیم اور رحمدل پیغمبر تھے آپ کی شان رحمۃ للعلمین تھی اسلئے حضرت صدیق کی رائے کو پسند فرمایا اور حسب حیثیت جان کا معاوضہ مقرر فرماکر حکم دیدیا کہ فدیہ دیتے جاؤ اور رہا ہوتے جاؤ اسی موقع پر آپ کی صاحبزادی حضرت زینبؓ نے اپنے خاوند ابو العاص کے فدیہ میں بدن کا زیور اُتار کر بھیجا جسمیں جہیز کا ہار بھی تھا رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم چشم نم ہوئے اور صحابہؓ سے مخاطب ہوکر کہا کہ اگر تمہاری رائے ہو تو یہ فدیہ واپس کردیا جائے کیونکہ یہ ہار بیچاری زینبؓ کے پاس اس کی مادر مرحومہ بی بی خدیجہؓ کی یادگار رہے جس کو وہ اپنے پاس رکھتی ہے چنانچہ صحابہؓ کے دل بھی لرز اٹھے اور بخوشی اپنی رضا مندی کا اظہار کیا اس کے بعد ابو العاص اس شرط پر چھوڑ دیئے گئے کہ مکہ پہونچتے ہی صاحبزادی زینبؓ کو مدینہ میں بھیجدیں کیونکہ یہ کافر خاوند کی وجہ سے باپ کے ساتھ ہجرت نہ کرسکی تھیں چنانچہ ابو العاص رخصت ہوئے اور وعدہ وفا کیا۔

عباس بن عبد المطلب اگرچہ اس وقت تک مسلمان نہوئے تھے مگر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خون کے جوش اور اُس محبت کے باعث جو عموماً چچا کو اپنے بھتیجے کے ساتھ ہونی چاہئے مسلمانوں کے خیر خواہ تھے اور لشکر کفار کے ساتھ بھی بکراہت محض قومی ہمدردی کے ظاہری خیال سے آئے تھے یہ بھی انہیں قیدیوں میں ہاتھ بندھے پڑے تھے جو بدر سے قید ہوکر کشاں کشاں یہاں لائے گئے تھے مگر چونکہ ان کے ہاتھ بہت سختی کے ساتھ باندھے گئے تھے اس لئے رات کے وقت کراہ رہے تھے جن کی کراہ اور حسرتناک آواز سے سننے والوں کا دل تڑپا جاتا تھا خود رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم بھی بیقرار تھے یہاں تک کہ آپکو نیند نہیں آئی مگر کوئی خاص ایسا احسان چچا کے ساتھ کرنا آپکو گوارا نہ تھا جس میں رشتہ داری یا تعلق یگانگت کا الزام قائم ہوسکے اور جب ایک صحابیؓ نے ترس کھاکر حضرت عباسؓ کے بند ڈھیلے کردیئے ہیں اسیوقت آپ نے دوسرے قیدیوں کے بھی بند کو فوراً ڈھیلا کرادیا تاکہ سب میں مساوات قائم رہے۔

حضرت عباس نے فدیہ میں اپنے بے مائیگی کا عذر کیا اور کہا کہ "اے محمدؐ شرم کی بات ہے کہ تمہارا چچا مال فدیہ کا چندہ جمع کرنے کو قریش کے آگے ہاتھ پھیلائے اور بھیک مانگتا پھرے" مگر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ بدر کا سفر پیش آنے کے وقت جو سونیکی ڈلی اپنی بی بی ام الفضل کو چپکے سے دے آئے ہو منگالو اور فدیہ میں دیکر رہا ہوجاؤ۔

حضرت عباس یہ سنکر حیران ہوگئے کیونکہ چلتے وقت یہ سونے کی ڈلی بی بی کو اس طرح چھپاکر دی تھی کہ بیٹے کو بھی خبر نہ تھی اور کہہ آئے تھے کہ خدا جانے تقدیر میں کیا لکھا ہے نہیں معلوم زندہ آؤں یا وہیں مرکر رہجاؤں اس لئے اسکو امانت رکھیو اگر تو بیوہ ہوگئی تو چندروز کا گذارا ہوجائیگا اپنی برادری کے آگے ہاتھ پھیلانا نہ پڑے گا۔ اور اگر میں واپس آگیا تو جس طرح مناسب سمجھوں گا خرچ کروں گا۔

عباس کے قلب پر ایمان کے نور کی شعاعوں نے پھیلکر اپنا قبضہ کر لیا اور یہ فوراً اسلام لے آئے اور کہنے لگے کہ بیشک تم سچے نبی ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس مخفی معاملہ کو تم پر منکشف کر دیا اور یہی تمہارے پیغمبر خدا ہونے کی دلیل میرے لئے کافی ہے۔

حضرت عباسؓ کے ایمان لانے سے تمام مسلمانوں کو ایک خاص خوشی حاصل ہوئی اور چونکہ حضرت رسول مقبول صلعم کی رائے میں حضرت عباسؓ کا مکہ ہی میں رہنا مصلحت تھا اسلئے ان کو پھر مکہ چلے جانیکی اجازت مل گئی۔ ان قیدیوں کے ساتھ نہایت مہربانی کا برتاؤ اور قابل تعجب سلوک کیا گیا کیونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں پر تاکید کر دی تھی کہ ان کی ضرورتوں اور مصیبتوں کا خیال رکھنا چنانچہ مسلمان لوگ ان قیدیوں کو وہی کھلاتے تھے جو خود کھاتے تھے غرض قیدیوں میں جو امیر تھے وہ فدیہ دیکر آزاد ہوئے اور جو غریب و نادار تھے وہ اس وعدہ پر چھوڑ دیئے گئے کہ پھر کبھی مسلمانوں سے نہ لڑیں گے۔

اسیران بدر کی رہائی کا واقعہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا اجتہادی فعل تھا جس میں آپ سے باقتضائے بشریت خطا واقع ہوئی کیونکہ قیدیوں کے چھوٹ جانے کے بعد جو وحی نازل ہوئی اس میں پیارے پیغمبر پر محبوبانہ عتاب تھا اور ارشاد فرمایا گیا تھا کہ "خطأ اجتہادی پر ہماری عادت مواخذہ کی نہیں ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو اس فدیہ لیکر سرداران قریش کے رہا کر دینے میں تم پر عذاب نازل ہو جاتا" رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم اس آیت کے نازل ہونے پر روئے گڑگڑا کر توبہ کی اور فرمایا کہ اگر عذاب نازل ہوتا تو سوائے عمرؓ اور سعد کے جو عمرؓ کے ہمراہی تھے اور کوئی بھی نہ بچتا۔

باب ۲ سنہ ۲ھ مطابق ۶۲۴ء

بقیہ واقعات اور غزوہ بنی قینقاع اور غزوہ سویق

جنگ بدر سے فارغ ہو کر مدینہ میں پہونچنے سے سات دن کے بعد رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنی سلیم پر غزا فرمانے کیلئے تشریف لے گئے اور مقام کدر تک پہونچکر تین دن اقامت فرمائی اور لڑائی واقع ہوئے بغیر واپس تشریف لائے پھر نصف شوال کو شنبہ کے دن یہود کے قبیلہ بنی قینقاع پران کی بدعہدی اور کفار سے خفیہ سازش کی بنا پر جہاد کی غرض سے تشریف فرما ہوئے اور پندرہ روز تک ان کو محاصرہ میں رکھا اور آخر کار عبداللہ بن ابی منافق کی سفارش سے جو بظاہر اسلام لے آیا تھا یہودیوں کے قتل سے دست کشی کی لیکن جلاے وطن کرنے کا اتفاق ہوا۔

یہ قوم بنی قینقاع دوسرے یہودی فرقوں کی طرح کاشتکار نہ تھی بلکہ دستکاری سے اوقات بسری کرتی تھی یہ قوم بہت ہی لڑاکا اور ہر وقت جھگڑے اور فساد کو آمادہ تھی ان لوگوں کی اخلاقی حالت بھی نہایت خراب تھی انکو اپنے عہد و پیمان کا بھی کچھ لحاظ یا پاس نہ تہا ایک دن شوال کے مہینہ ۲ھ ہجری یعنی فروری ۶۲۴ء میں ایک نوجوان لڑکی

دیہات سے دودھ بیچنے کے لئے بنی قینقاع کے مشہور بازار میں آئی تھی عیاش اور نوجوان یہودیوں نے اس لڑکی کے ساتھ بڑی بدسلوکی کی ایک مسلمان صحابی رضؓ جو اس راستہ سے چلے جاتے تھے اس مسافر و بے وطن لڑکی کے طرفدار بن گئے اور بالآخر مسلمان صحابی اور نوجوان یہودیوں میں لڑائی شروع ہوگئی اور اس لڑکی کا ظالم دشمن مارا گیا۔ اس کے بعد کل یہودیوں نے ملکر لڑکی کے مددگار مسلمان کو مار ڈالا مگر جب مسلمانوں نے یہ بات سنی تو نہایت غصہ ہوئے اور یہودیوں پر چڑھ آئے اس بلوہ میں دونوں جانب کے کئی آدمی ضائع ہوگئے جس وقت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو آپ بنفسِ نفیس وہاں تشریف لائے جہاں بلوہ ہو رہا تھا اور مسلمانوں کے غصہ کو ٹھنڈا کیا چونکہ یہودیوں نے جان بوجھ کر تحریری معاہدہ کے خلاف کام کیا تھا اس لئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم قوم بنی قینقاع کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ "یا تم مسلمان ہو جاؤ یا مدینہ چھوڑ دو" کیونکہ تمکو مناسب تھا کہ اگر تمہارا ہم قوم رشتہ دار ظلماً بھی مارا جاتا تو تحریری معاہدہ کی بنا پر میرے پاس مقدمہ لاتے اور منصفانہ فیصلہ پر کاربند ہوتے مگر تم نے عام بلوہ سے ثابت کر دیا کہ اگر تمہاری چندروز یہی حالت رہی تو مدینہ میں کسی شخص کو بھی چین اور امن کی زندگی نصیب نہ ہوگی ان مغرور یہودیوں نے نہایت گستاخانہ جواب دیا اور کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم قریش پر فتحیاب ہو جانے سے مغرور نہ ہو جاؤ تم نے ان لوگوں پر فتح پائی ہے جو جاہل محض اور لڑائی کے عنوان سے بالکل ناواقف تھے اگر تم ہم لوگوں سے لڑو گے تو معلوم کر لوگے کہ لڑائی کس کا نام ہے اور بہادری کسے کہتے ہیں اس کے بعد ان لوگوں نے اپنے قلعہ کا دروازہ بند کر لیا اور رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم کو نہ مانا - بالآخر مسلمانوں نے بھی ان کا محاصرہ کیا اور پندرہ روز کے بعد جب یہ لوگ مغلوب ہو کر عاجز آگئے تو دروازہ کھولدیا اور مسلمانوں کے قبضہ میں آگئے مسلمانوں کا ارادہ بھی ہوا کہ ان کو سخت سزا دیجائے لیکن اللہ کے پیارے پیغمبر کی رحمت آمیز رائے عبداللہ بن ابی کی سفارش سے یہ ہوئی کہ یہ بنی قینقاع صرف جلاوطن کر دئے جاویں چنانچہ ایسا ہی ہوا اور اس واقعہ نے بتلا دیا کہ صرف زبان سے کلمہ پڑھ لینے والوں کی بھی مقدس مذہب اسلام کو اس قدر رعایت منظور ہے کہ مفسدہ پرداز شریروں کے خون معاف ہو جاتے ہیں جیسا کہ عبداللہ بن ابی منافق کی رعایت سے یہود بنی قینقاع کی جان بخشی ہوئی۔

اسی سال عید الضحیٰ کی نماز پڑھی گئی اور اسی سال عصما بنت مروان ماری گئی جو رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کو ایذا دیتی اور مسلمانوں کی ہجو کیا کرتی تھی۔

اسی سال حضرت سیدہ فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے چار سو دینار نقرہ مہر پر ہوا جو ڈیڑھ سو تولہ چاندی ہوتی ہے اور جو سامان خانہ داری جہیز میں دیا گیا تھا وہ یہ تھا ایک پلنگ - دو نہالی کتاں کی - دو چادریں

ایک تکیہ۔ چاندی کے دو بازو بند۔ ایک مشکیزہ اور مٹی کے دو گھڑے اور ضرورت کی چند چیزیں اسی قسم کی۔

اسی سال امیہ بن الصلت شاعر کا انتقال ہوا یہ مشہور شاعر ایام جاہلیت میں کتب سابقہ پڑھ کر نصرانی ہوگیا تھا بت پرستی چھوڑ بیٹھا تھا۔ اور علمائے اہل کتاب سے نبی آخرالزماں کی خبر سنکر اس مبارک زمانہ کا منتظر تھا مگر تقدیر سے لاچار تھا اس کو اپنی ذات میں خوبیاں دیکھکر خاتم النبین کے اوصاف سے متصف ہونیکا اپنے اوپر گمان تھا اس لئے جب وہ وقت آیا تو حسد کی وجہ سے یہ بدنصیب ایمان کے شرف سے محروم رہا۔

جوں ہی قریش کے قیدی رہائی پاکر اپنے گھر واپس گئے ابوسفیان کو بدر میں اپنے ساتھیوں کے مقتول ہونے کا صدمہ تازہ ہوگیا اور اسنے انتقام کا خیال پختہ کرکے قسم کھائی کہ اس مرتبہ ضرور بالضرور رسول اللہ سے بدلہ لونگا اور جبتک دل کھولکر انتقام نہ لیلوں گا اپنی جگہ آرام سے نہ بیٹھوں گا چنانچہ دوسو مسلح سوار لیکر مکہ سے باہر نکلا اور اس جگہ پہونچا جہاں سے مدینہ صرف تین میل باقی تھا یہاں ایک انصاری کو شہید کردیا اور تھوڑے سے گھر جو گرد و نواح میں آباد تھے لوٹ لئے درخت جلا دیئے اور بھاگ گیا رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے دو سو سواروں سے اس کا تعاقب کیا مگر یہ ایسا بھاگا تھا کہ ہاتھ نہ آیا مکہ کے یہ مسلح جوان اپنے ساتھ ستّو کی تھیلیاں زاد راہ لیتے آئے تھے لیکن جب مدینہ کے اسلامی لشکر کے خوف سے بھاگنا پڑا تو جانیں بھی گراں گذرنے اور دوبھر معلوم ہونے لگیں۔ یہ لوگ بھاگتے جاتے تھے اور گھوڑوں کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے ستّو کی تھیلیاں پھینکتے جاتے تھے۔ اس لئے اس لڑائی کا نام غزوۃ السویق (ستّو والی لڑائی) ہے پانچ روز کے بعد رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ واپس تشریف لائے اور بقیہ ذی الحجہ یہاں تشریف رکھکر غزوہ نجد کے قصد سے برآمد ہوئے اور صفر کے مہینہ تک وہیں قیام فرمایا مگر بغیر قتال و محاربہ رجوع فرمایا اور ماہ ربیع الاول کا اکثر حصہ مدینہ منورہ میں گذار کر پھر قریش کی طلب میں نجران کی جانب تشریف لے گئے اور بقیہ ربیع الاول اور تمام ربیع الثانی اور ماہ جمادی الاولی اسی سفر اور اقامت میں ختم فرمایا یہاں سے بھی بلا محاربہ و جنگ مدینہ منورہ واپس تشریف لائے۔

ماہ شعبان ۳ھ میں حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا۔ خبریں وارد ہے کہ وطن مالوف سے مدینہ طیبہ ہجرت کرنے والے مہاجرین مسلمانوں میں سب سے پہلا انتقال یہی ہے اور یہی قابل افتخار وہ صحابی ہیں جو سب سے پہلے بقیع الغرقد میں دفن کئے گئے۔

بقیع مدینہ طیبہ کا وہ مقدس و مشہور قبرستان ہے جس میں آج لکھوکھا مقبولان خدا آرام کی نیند پڑے سوتے ہیں اس مقدس گورستان میں دفن ہونے والے خاصان خدا کی شمار دشوار ہے جس زمانہ کا ہم تذکرہ کررہے ہیں

اس وقت اس جگہ پر غرقد کے کانٹے دار درخت کثرت سے پھیلے ہوئے تھے مگر جب حضرت عثمانؓ بن مظعون رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا اور صحابہ نے دینی شاہنشاہ سے دریافت کیا کہ باعزت مسلمان اور مقتدائے امت صحابی کو کہاں دفن کریں تو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جان نثار پیارے دوست اور انتقال کر جانے والے مخلص صحابی کی پیشانی کا بوسہ لیا اور فرمایا کہ میدانِ بقیع میں دفن کرو چنانچہ غرقد درختوں کو کاٹ کر زمین نکالی گئی اور ایک قبر کی جگہ صاف کر کے قابل افتخار مہاجر کو مشفق و مہربان مادرگیتی کی گود کے حوالہ کیا گیا۔

یہ مقدس مشہد دارعقیل یعنی اس مقام سے جہاں اب حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کا قبہ قائم ہے یورپ کی طرف ہو اور یہ جگہ وسط بقیع ہے جس کا نام رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے اوحد رکھا تھا۔

ان ہر دلعزیز صحابی کی تجہیز و تکفین میں دینی شاہنشاہ شریک تھے بلکہ اپنے دست مبارک سے ایک وزنی پتھر اٹھا کر ان کی قبر پر رکھدیا تھا اور یوں فرمایا تھا کہ میں اپنے دوست کی قبر کا نشان اور علامت قائم کرنے کے لئے اس پتھر کو رکھتا ہوں تاکہ میرے اہل وعیال میں جسکا بھی انتقال ہو اسکو عثمان بن مظعون کے پہلو میں سلاؤں اور اسی جگہ دفن کروں مگر افسوس یہ مبارک پتھر مروان بن حکم والی مدینہ نے اپنے عہد حکومت میں یہاں سے اٹھایا اور کہا کہ میں نہیں چاہتا کہ عثمان بن مظعون کی قبر پر کوئی خاص ایسی علامت رہے جس سے انکو امتیاز حاصل ہو اور گو بنو امیہ نے اس جفا کار حاکم پر ملامت بھی کی اور کہا ہائے افسوس جس پتھر کو رسول اللہ صلعم نے اپنے دست مبارک سے اٹھا کر رکھا تھا اس کو تو نے اٹھوا ڈالا مگر اس نخوت پسند والی مدینہ نے کچھ پرواہ نہیں کی اور صاف جواب دیدیا کہ ہمارا حکم زبان سے نکلے پیچھے واپس نہیں لیا جا سکتا۔

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر شریف سلطان زمین وزمن صلے اللہ علیہ وسلم کے دولتسرا کے بالکل سامنے تھی یہانتک کہ اگر کوئی شخص اس مقدس مزار کی جگہ کھڑا ہوتا تھا تو اس کی نظر بے حجاب دولتسرا پر پڑتی تھی اور اگر انصاف سے دیکھو تو فخر و ناز کے لئے یہی بہت ہے کہ اللہ کے پیارے پیغمبر نے اپنے جان نثار محبوب کو انتقال کے بعد بھی نظر سے اوجھل نہیں ہونے دیا اور اسرار معنوی کے فیضان باطنی کا تو ذکر نہیں مگر عاشق کی قبر بھی نگاہ کے سامنے ہی رکھی گئی۔

اسی مقدس مزار کے قریب رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم سوتے ہیں اور یہیں آپکی صاحبزادیاں حضرت رقیہؓ اور ام کلثومؓ اور حضرت زینبؓ آرام فرماتی ہیں کیونکہ حضرت نے وعدہ فرمایا تھا کہ اپنے انیس و غمخوار صحابی کے پہلو میں اہل بیت کو جگہ دوں گا اور ان کے علاوہ چند مقتدا حضرات جنکا نام

پینے سے روح کو تازگی حاصل ہوتی ہے اسی جگہ مدفون ہیں انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

اسی مشہد مقدس کے پاس حضرت سعد بن زرارہ انصاری رضی اللہ عنہ کا مزار ہے جو مسجد نبوی کی تعمیر کے وقت ہجرت کے پہلے سنہ میں انتقال کر چکے تھے اور انہیں کے قریب حضرت خنیس بن حذافہ سہمی بدری کا مشہد ہے جو ام المومنین حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ کے پہلے شوہر تھے اور حبشہ و مدینہ طیبہ کی ہجرت کا دوہرا اجر حاصل کئے ہوئے تھے یہ مشہور صحابی جنگ احد میں کاری زخم کھا کر ماہ شوال ۳ھ میں مدینہ طیبہ کے اندر راہی ملک بقا ہوئے ۔

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کا سن وفات ہم نے حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا لکھا ہوا بیان کیا ہے اگرچہ بعض قرائن اسکے خلاف ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کی وفات شعبان ۳ھ سے پہلے ہو مگر چونکہ اس کی تائید کسی معتبر روایت سے نہیں ملی اس لئے اسی تحریر پر اکتفا کیا گیا واللہ اعلم ۔ بہرحال صرف تاریخ وصال کے تعین کا اختلاف ہمارے اصل مقصود کے لئے کچھ مضر بھی نہیں ہے ۔

پھر اس کے بعد ماہ رمضان میں حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب بنت خذیمہ سے نکاح کیا جو فقراء کو کثرت سے کھانا کھلانے کے باعث ام المساکین (محتاجوں کی ماں) مشہور تھیں ۔ مگر اٹھارہ ہی دن کے بعد اور بروایتے دو ماہ اور بقولے تین ماہ بعد انکا انتقال ہو گیا انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

اسی سال نصف رمضان میں حضرت سیدہ فاطمہ زہراؓ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسن علیہ السلام پیدا ہوئے اور شوال کے مہینہ میں حضرت زید بن حارثہؓ مقام ذی قرد کی جانب بھیجے گئے جنہوں نے قریش کے اس قافلہ پر حملہ کیا جس میں ابو سفیان بھی موجود تھا اور بہت سی چاندی لوٹ کر لائے اور مدینہ میں کامیاب واپس ہو کر مال غنیمت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھدیا ۔

باب ۳ھ (۴۵)

کعب بن اشرف اور ابو رافع ۔ اسی سال حضرت محمد بن مسلمہ کے ہاتھ سے کعب ابن اشرف یہودی مارا گیا جو اکثر مسلمانوں کی ہجو کیا کرتا اور کشتگان بدر پر رویا کرتا تھا اور مشرکوں کو مسلمانوں سے لڑنے کی ترغیب دیا کرتا تھا یہودیوں کی دشمنی جو مسلمانوں کے ساتھ تھی اس کے سمجھنے کے لئے ابتدائی واقعات پر ذرا غور کرنا چاہئے کیونکہ جس دن رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں قدم رکھا اسی روز ان کے گمراہ دلوں میں حسد اور عناد نے عداوت کی آگ سلگا دی تھی یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے امتی مسلمانوں کی ہجو لکھتے اور آیات قرآنی کا مخول اڑاتے تھے کیونکہ اسطرح منہ ٹیڑھا کر کے پڑھتے تھے جس سے بُرے معنی پیدا ہو جاتے تھے مثلاً جن لفظ کے معنی یہ

ہیں کہ "مجھ پر رحم کی نظر سے دیکھئے اور رعایت کیجئے" اس کو اس طور سے پڑھتے تھے جس کے معنے یہ ہوجاتے تھے کہ "اے ہمارے چرواہے اور کمینہ" یہ عربی زبان کی وسعت کا باعث ہے کہ ایک لفظ کے ذرا لہجہ بدلنے یا حرکات کو بڑھا کر حروف پیدا کر لینے سے معنی میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے اور مطلب کچھ کا کچھ بن جاتا ہے جس کو اس مقدس زبان کے سمجھنے والے خوب سمجھتے ہیں۔

یہ بدطینت قوم اسی پر اکتفا نہیں کرتی تھی بلکہ اپنی چرب زبانی سے رسولؐ کی شان میں بھی ایسے الفاظ کا زیادہ استعمال کرتی تھی جن کو سننے والا معمولی توجہ میں سمجھ بھی نہیں سکتا تھا مثلاً ملاقات ہوتی تو السلام علیکم کی جگہ السام علیکم کہتے تھے جس کے معنے ہیں "تم پر موت" اور اس لیاقت پر فخریہ خوش ہوتے اور کہا کرتے تھے کہ اگر یہ سچے نبی ہیں تو ان حرکتوں سے ہم پر آسمانی عذاب کیوں نہیں نازل ہوجاتا؟

یہ شریر یہودی زیادہ تر تعلیم یافتہ اور ذہین ہونے کے باعث اس پر بھی قناعت نہیں کرتے تھے بلکہ مذہب اسلام کے لئے ایک بڑی مزاحمت کی جڑ قائم کر رہے تھے کیونکہ جبتک قوم کی حالت پوری ترقی پر نہیں آتی اس وقت تک شعر و شاعری اور نظم کے موزوں کلام سے وہی کام نکلتا ہے جو تہذیب کے زمانہ میں مہذب اخبارات اور لائق اڈیٹر کی موثر تقریر کے رسالوں سے نکلتا ہے چنانچہ اسوقت یہودی اپنی شعر گوئی کی لیاقت کے سبب اہل مدینہ کے دلوں پر گویا قبضہ کئے ہوئے تھے اور چاہتے تھے کہ جادو بیان اشعار اور سحر اثر نظم کے ذریعہ سے مسلمانوں کے درمیان تفرقہ ڈالدیں اور قریشی بت پرستوں کو مقابلہ کے لئے ہر وقت آمادہ اور برسر پرخاش رکھیں تاکہ ان کی قوت آپس ہی کی لڑائیوں سے ضعیف و کمزور ہوجائے اور ہم تک پہونچنے یا توجہ کرنے کا وقت نصیب نہ ہو۔

بدر کے میدان میں کافروں کی شکست کا افسوس اور رنج جیسا کچھ اہل مکہ کو تھا اسی کے قریب قریب یہودیوں کو تھا چنانچہ لڑائی کے بعد قوم نضیر کا ایک شخص جسکا نام کعب ابن اشرف تھا لشکر کفار کی ناکامیابی پر برملا افسوس ظاہر کرتا ہوا مکہ گیا اور دیکھا کہ اہل مکہ شکست پانے کی وجہ سے بہت مغموم ہیں اس لئے اس نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور اس ہزیمت خوردہ گروہ کا جوش بڑھانے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اس نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحابؓ کی ہجو میں اشعار تصنیف کئے اور جو کفار میدان بدر میں مارے گئے تھے ان کا نوحہ اور مرثیہ لکھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قریشی جماعت کی عداوت کی آگ اور زیادہ بھڑک اٹھی یہانتک کہ اس عداوت کی آگ نے اپنا پورا زور اُحد کے میدان میں دکھلایا جس کا ذکر عنقریب ناظرین کے ملاحظہ سے گذریگا

یہ دغاباز یہودی اس فرقہ میں داخل تھا جس نے معاہدہ کی شرائط کو قبول اور سند مصالحت کی دفعات کو منظور کرلیا تھا جب یہ ستمگار مکار مدینہ میں پہونچا تو اپنے کردار کی سزا کو پہونچا کیونکہ اس بدطینت یہودی شاعر کی ایذارسانی اور بدعہدی سے تنگ آکر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ "ہے کوئی جو کعب بن اشرف کو قتل کر آئے" چنانچہ یہ ارشاد سراپا ارشاد سنکر فوراً حضرت محمدؓ بن سلمہ انصاری کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ میں اس کام کے لئے حاضر ہوں البتہ اتنی اجازت چاہتا ہوں کہ کوئی تعریضی کلمہ جس کے ظاہری معنی سے کعب مجھکو اپنا ہمخیال سمجھے اگر کہدوں تو معاف کردیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درخواست منظور فرمائی اور محمدؓ بن سلمہ اپنے دوست ابونائلہؓ انصاری کو جو کعب کے دودھ شریک بھائی بھی تھے ساتھ لیکر اس محفوظ قلعہ اور مضبوط محل کی جانب روانہ ہوئے جس میں کعب بن اشرف رہا کرتا تھا۔

محمد بن مسلمہ نے کعب سے ملاقات کی اور میٹھی میٹھی باتیں بنانے لگے اثنا گفتگو میں کہا کہ "مدعی نبوت نے ہمسکو مصیبت میں ڈالدیا ہے ہمیشہ صدقات وخیرات کا مطالبہ رہتا ہے" یہ کلمات سنکر کعب نے کہا کہ ابھی کیا ہے دیکھتے رہو کہانتک نوبت پہونچتی ہے تنگ آؤگے کہ گھبرا اٹھوگے اس کے بعد محمدؓ بن مسلمہ نے کہا کہ ہماری یہاں تو آج کھانے کو بھی نہیں ہے کچھ اناج قرض دیدیجئے۔ تاکہ چند روز گذارا کریں اسپر یہودی نے جواب دیا کہ ہاں قرض دے سکتا ہوں مگر اطمینان کے لئے کچھ گرو رکھدو۔ محمدؓ بن مسلمہ نے جواب دیا کہ ہاں اپنا اطمینان ضرور کرلیجئے کیا چیز آپ رہن رکھنی چاہتے ہیں؟ کعب نے کہا کہ اپنی عورتوں کو رہن رکھدو۔ محمدؓ بن مسلمہ کو یہ کلمہ سنکر طیش آیا مگر مصلحت وقت دیکھکر ضبط کرگئے اور جواب دیا کہ یہ تو نہیں ہوسکتا کیونکہ ایک خوبصورت اور وجیہہ وشکیل جوان آدمی کے پاس عورتوں کا رہن رکھنا شرم وحیا اور عزت وآبرو کے بالکل خلاف ہے کعب نے کہا کہ اچھا اپنی اولاد کو رہن کردو۔ محمدؓ بن مسلمہ نے کہا کہ حمیت اسکو بھی گوارا نہیں کرسکتی کیونکہ اولاد کو ہمیشہ کے لئے اس طعنہ کا نشانہ بننا پڑے گا کہ تم وہی تو ہو جو تھوڑے سے غلہ میں رہن رکھے گئے تھے البتہ اپنی زرہ یا جنگ کے دوسرے ہتیار رہن کرسکتا ہوں جبتک آپ کے قرض سے سبکدوش نہ ہوجاؤں اس وقت تک اس سامان جنگ کو واپس نہ دیجئے۔ کعب بن اشرف نے منظور کرلیا۔ اور یہ اپنا سامان لانے کے بہانے سے اپنے گھر روانہ ہوئے اور کہہ گئے کہ میں ابھی آتا ہوں

آفتاب غروب ہوگیا اور رات کی اندھیری چادر نے عالم کو ڈھانپ لیا اتنے میں محمد بن مسلمہ نے دروازہ آکھڑکھڑایا۔ کعب بن اشرف نے قلعہ میں بیٹھنے کی اجازت دی اور باہر آنیکا قصد کیا کعب کی بی بی عقیلہ نامی یہودیہ کا ماتھا ٹھنکا اور اس کا ہنہ نے آثار اچھے نہ پائے اس لئے چپٹ گئی اور دامن پکڑکر کہا کہ رات کے وقت کہاں جاتے ہو

مجھکو تو ان پکارنے والوں کی آواز میں خون ٹپکتا نظر آتا ہے کعب نے کچھ توجہ نہیں کی اور یہ کہکر کہ میرا رضاعی بھائی ابونائلہ اور محمدؓ بن مسلمہ ہے کوئی غیر نہیں ہے باہر آگیا دیکھا کہ محمد بن مسلمہ کے ساتھ چار آدمی ہیں یعنے ابونائلہ اور ابوعبس اور حارث بن اوس اور عباد بن بشر رضی اللہ عنہم۔

ان چاروں ساتھیوں کو محمد بن مسلمہ نے سمجھایا تھا کہ میں اس منحوس یہودی کے سر میں پڑا ہوا خوشبودار تیل سونگھوں گا اور سر کو مضبوط پکڑ لوں گا جس وقت قبضہ کرلوں تم فوراً کام تمام کردینا چنانچہ محمدؓ بن مسلمہ نہایت خندہ پیشانی سے ملے اور آگے بڑھ کر کہا کہ "عربی سردار کے بدن سے خوشبو کی لپٹیں دماغ معطر کئے دیتی ہیں کیسا خوشبودار تیل ہے جسکی تعریف نہیں ہوسکتی اگر آپ اجازت دیں تو قریب سے سونگھوں؟ کعب بن اشرف کو یہ خبر نہ تھی کہ موت سر پر آپہونچی ہے یہ پھولا نہ سماتا تھا کیونکہ اس کے عطر کی تعریف ہو رہی تھی اس لئے فوراً سر آگے کردیا اور کہا کہ ہاں ہاں اچھی طرح سونگھیے محمد بن مسلمہ نے سونگھا اور خوب تعریف کی اور پھر کہا کہ دل سیر نہیں ہوتا ایک مرتبہ اور سونگھنے کی اجازت دیجئے اس نے سر کو پھر آگے سرکا دیا اور محمد بن مسلمہ نے خوب مضبوطی کے ساتھ سر پکڑ لیا اور بالوں کو ہاتھ کے شکنجہ میں دبا کر منہ اوپر اٹھایا اور للکار کر ساتھیوں سے کہا کہ ہاں دیر نہ کرو چاروں رفیق تو منتظر ہی بیٹھے تھے تلوار کا وار کیا اور کمبخت یہودی کی گردن بھٹا سی کٹکر الگ جا پڑی محمد بن مسلمہ اپنے چاروں اصحاب کے ساتھ خوشی خوشی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا قصہ کہہ سنایا۔

کعب بن اشرف کے بعد خاندان بنی نضیر کا دوسرا یہودی بھی مارا گیا جس کا نام عبداللہ تھا اور ابورافع کی مشہور کنیت سے پکارا جاتا تھا اس نے یہ کوشش کی تھی کہ آس پاس کی قوموں کو مسلمانوں کا دشمن بنائے چنانچہ اس کے قتل کرنے کے لئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے چند انصار کو متعین کیا جن پر حضرت عبداللہ بن عتیک انصاری حاکم و سردار بنائے گئے تاکہ اس کو جہاں اور جس حال میں پائیں مار ڈالیں کیونکہ اس کے ایمان سے مایوسی ہوچکی تھی اور وحی آسمانی اور قرائن حال سے معلوم ہوچکا تھا کہ اس کی حالت اصلاح پر آنے والی نہیں ہے حضرت عبداللہ معہ اپنے ہمراہی جوانوں کے اسکے قلعہ کی جانب روانہ ہوئے اور راس اصطبل میں جا چھپے جو بڑے پھاٹک کے اندر اس رئیس یہودی کے آرامگاہ کے مقفل و محفوظ مکان کے متصل واقع تھا شب کو اصطبل میں سے سواری کا گدھا چھوٹ گیا اور اس کے پکڑنے کے لئے جو ملازم سائیس قلعہ سے باہر نکلے ان میں حضرت عبداللہ رضؓ بھی شامل ہوگئے اور پھر اندر گھس آئے۔ اس فطرت کا یہ منشا تھا کہ قلعہ کے دربان نے یہ بھی نہ سمجھا کہ کوئی غیر آدمی اندر آگھسا ہے اس لئے اسس نے مطمئن ہوکر پھاٹک بند کرلیا اور قفل لگا کر تمام مکانات کی کنجیوں کا گچھا سامنے والے طاق پر

رکھدیا جس کو عبداللہؓ نے اچھی طرح دیکھ لیا اور جگہ کو ذہن میں جما لیا تھا۔ حضرت عبداللہؓ اپنے ہمراہیوں سے علیحدہ ہو گئے تھے کیونکہ حیلہ و تدبیر سے تنہا اصطبل کے اندر آچھپے اور رفقا پھاٹک کے باہر اپنے سردار کے محافظ و نگہبان اور کامیابی کی خوشخبری کے سننے کو ہمہ تن گوش بنے کھڑے رہے یہانتک کہ جس وقت سب سوگئے اور سناٹا چھا گیا تو مسلمان بہادر سپاہی اٹھا اور کنجیاں طاق پر سے اٹھا کر دروازے کھولتا اور اندر کی جانب قفل لگاتا ہوا اس انتہائی بالاخانہ پر جا پہنچا جہاں ابورافع اطمینان کے ساتھ مسہری پر لیٹکر قصہ گو ملازموں سے دلچسپ کہانیاں سنا کرتا اور سنتے سنتے آرام کی نیند سو جایا کرتا تھا۔

حضرت عبداللہ نے خوابگاہ میں پہونچکر دیکھا کہ اندھیرا چھایا ہوا ہے اور ابورافع یہودی اپنے اہل و عیال میں اس طرح پڑا سوتا ہے کہ پوری طرح شناخت نہیں ہوسکتی اور بآسانی یہ نہیں معلوم ہوسکتا کہ ان سوئے ہوئے لوگوں میں ابورافع کونسا ہے تاکہ اسپر حملہ کیا جائے اور مقصود حاصل ہو اس لئے اندر داخل ہوئے اور آواز دی کہ "ابورافع"! جواب ملا "کون ہے"؟ یہ آواز کی جانب قدم اٹھائے آگے بڑھے اور تلوار کا وار کیا مگر چونکہ اندھیرا چھایا ہوا تھا صورت نظر نہیں آتی تھی اس لئے وار خالی گیا اور ابورافع حیران و پریشان مخبوط الحواس کی طرح پلنگ سے اٹھتا ہوا محسوس ہوا۔

حضرت عبداللہ کو اپنی ناکامی کا افسوس ہوا اور باہر نکل آئے تاکہ حیلہ کا دوسرا رخ بدلیں چنانچہ چند ہی لمحے گذرے تھے کہ پھر اندر قدم رکھا اور آواز بدلکر غمخوار غلام اور فریاد رس مہربان کے لہجہ میں پوچھا کہ "ابورافع کیا ہوا"؟ ابورافع کو اپنے مددگار کی آواز سنکر تسلی ہوئی اور کہا کہ "تیری ماں تجھ پر روئے کوئی شخص گھر میں گھس آیا ہے اس نے ابھی مجھپر تلوار کا وار کیا تھا ذرا دیکھ اور اس کی خبر تو لے"۔

حضرت عبداللہ نے اتنی آواز سے اپنا مطلب پالیا اور آواز کی طرف قدم بڑھائے جھپٹے چلے گئے اور لپک کر صیقلدار شمشیر کا ایسا ہاتھ مارا کہ قلعہ کا مالک اور رئیس یہودی چکر کھا کر گر گیا اور فوراً ہی اس نے دیکھا کہ دشمن نے تلوار کی تیز نوک کو پیٹ پر رکھکر اتنا بوجھ دیا کہ کمر سے باہر نکل گئی اور روح پرواز کر گئی۔

حضرت عبداللہؓ فائز المرام واپس ہوئے اور مکان کے مقفل دروازے کھولتے ہوئے زینہ کی سیڑھیوں سے اترتے دکھائی دیئے مگر افسوس ابھی ایک سیڑھی باقی تھی کہ پاؤں پھسلا اور گدسے زمین پر آگرے جس کی وجہ سے پیر میں موچ آگئی اور قریب تھا کہ ہڈی ٹوٹ جائے کیونکہ آخری سیڑھی کو زمین کی سطح سمجھکر بیخبری میں پاؤں اس طرح پڑا تھا جس کی ضرب کے صدمہ سے اٹھنا مشکل پڑ گیا تھا مگر بہادر سپاہی نے کچھ پروا نہیں کی بلکہ فوراً سر کا عمامہ اتار پاؤں کو باندھا۔ اور دروازوں کے قفل کھولتے باہر نکل آئے اور عین اسوقت روانہ ہوئے جب صبح ہوتے قلعہ کی اونچی دیوار

اس شخص کی غمزدہ آواز سن لی جو رئیس یہودی کی موت کا اعلان کر رہا اور پکار پکار کر چیخ رہا تھا کہ "ہائے افسوس آج حجاز کے مشہور تاجر ابو رافع کا انتقال ہوگیا"۔

حضرت عبد اللہ رضہ بن عتیک یہ آواز سنکر دشمن پر حملہ کرنے کے خاطر خواہ نتیجہ نکل آنے سے مطمئن ہوگئے اس لئے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ کامیابی پر خوش ہوتے ہوئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا قصہ کہہ سنایا اللہ کے پیارے پیغمبر نے خوش ہوکر چوٹ کا صدمہ اٹھائے ہوئے پاؤں پر مبارک ہاتھ پھیرا۔ حضرت عبد اللہ رضہ کہتے ہیں کہ موچ کی تکلیف اسی وقت جاتی رہی اور پھر کبھی اس پاؤں میں درد بھی نہیں اٹھا۔ ان دو دغابازوں کے قتل اور قوم بنی قینقاع کے جلاوطن کئے جانے سے قوم بنی نضیر کی دشمنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور بھی زیادہ بڑھ گئی اور وہ موقع ڈھونڈھنے لگے کہ اللہ کے پیغمبر کو شہید کریں یہانتک کہ انپر بھی مسلمانوں کو محاصرہ کرنے کی ضرورت ہوئی اور غزوہ بنی نضیر واقع ہوا جسکا تذکرہ چند صفحہ بعد ناظرین کے ملاحظہ سے گذریگا۔

باب (۴۶) ۳ھ

دوسری اسلامی جنگ یعنی غزوۂ اُحُد - یہ چھوٹی چھوٹی لڑائیاں جو مسلمانوں اور کافروں میں ہوا کرتی تھیں وہ آیندہ کی بڑی بڑی لڑائیوں کی بسم اللہ اور تمہید تھیں کیونکہ اُدھر کافر بدلا لینے کے لئے اپنے دلوں میں پیچ و تاب کھارہے تھے اور ان کو خیال انتقام چین سے بیٹھنے نہیں دیتا تھا اور ادہر مسلمان بھوکے شیر کی طرح شکار کے منتظر اور اس پر آمادہ تھے کہ یا دین کو غلبہ ہو اور یا دنیا کی زندگی کو رخصت چنانچہ کفار قریش نے دوسری لڑائی کے لئے خوب خوب تیاریاں کیں اپنے کامداروں قاصدوں کو ہر جانب متفرق لوگوں اور مختلف قبیلوں کے پاس بھیجدیا کہ قومی اور وطنی ہمدردی کریں اور مذہبی جنگ میں شریک ہوکر داد شجاعت دیں دو قومیں یعنی کنانہ اور تہامہ انکے شریک حال ہوئیں اور سب ملاکر تین ہزار مسلح سپاہی جن میں سات سو زرہ بکتر سے آراستہ تھے اہل مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے مستعد ہوئے اور نہایت کروفر کے ساتھ مکہ سے نکلکر مدینہ کے اُتر اور پورب جانب جہاں پر احد کی پہاڑی واقع ہے ٹڈی دل کی طرح پھیل پڑے اور اسی جگہ سے کھیتوں اور کھجور کے باغوں کو برباد کرنا شروع کیا جسپر مدینہ کے باشندوں کا گذارا تھا۔

مسلمانوں میں ہلچل مچ گئی اور کثرت رائے اس جانب ہوئی کہ مدینہ سے باہر نکلکر لڑنا چاہئے اگرچہ بعض تجربکار انصار نے کہا بھی کہ ہمنے بارہا دیکھا ہے جب کبھی کسی دشمن نے مدینہ پر حملہ کیا اور اہل مدینہ نے مدینہ ہی میں قائم رہکر مدافعت کی ہے تو لامحالہ فتح پائی ہے مگر کسی نے انکی بات پر توجہ نہیں کی اور گو رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کا بھی میلان خاطر اسی جانب تھا مگر جب اکثر رفقا کو ایک خیال پر مصر پایا تو دولتکدہ میں جاکر سلاح جنگ زیب

بدن کئے اور تیار ہوکر باہر تشریف لائے اس وقت چند حضرات نے یہ سوچکر کہ جناب رسالتمآب میں خلاف مرضی مبارک اصرار نامناسب تھا عرض بھی کیا کہ یا رسول اللہ اگر مرضی مبارک نہیں ہے تو مدینہ ہی میں ٹھیر کر لڑائی کیجائے۔ مگر آپ نے فرمایا کہ اب میں ہتھیار نہیں اتاروں گا کیونکہ اللہ کا پیغمبر جب سلاح جنگ بدن پر لگالے تو لڑنے سے پہلے آسمانی اجازت حاصل ہوئے بغیر اس کو ہتھیار کھولنے جائز نہیں ہیں چنانچہ ایک ہزار سواروں کا اسلامی لشکر مدینہ سے باہر نکلا اور جبل احد کی جانب روانہ ہوا۔

عبداللہ بن ابی منافق اپنے تین سو آدمیوں کی جماعت کے ساتھ مسلمانوں سے عین وقت پر علیحدہ ہوگیا اور اس کمبخت کی اس دغابازی کے باعث اب مسلمانوں کی فوج صرف سات سورہ گئی جنمیں کل دو ہی سوار تھے باقی سب پیادے لیکن تاہم ان کی عالی ہمتیں اور جوشیلے خیالات ان کو دلیرانہ رفتار سے آگے بڑھائے لئے چلے گئے اور رات کو پہاڑی کے پاس مقیم رہکر صبح کی نماز کے بعد میدان میں اتر آئے تاکہ فیصلہ کر دینے والی تلوار دو خیالوں کی باہمی منازعت کا تصفیہ کرے اور کاتب ازل نے لاکھوں برس پہلے آج کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ آنکھوں سے نظر آجائے۔

شوال کے مہینہ کی چوتھی تاریخ ہے اور اسلامی ہر دلعزیز سپہ سالار اپنے بھولے بھالے سپاہیوں کی صف بندی میں مشغول ہے یہ مختصر اور سادہ فوجی گروہ کیسا خوش قسمت اور صاحب نصیب ہے جسکا ترتیبی انتظام اللہ کے پیارے پیغمبر نے اپنے ہاتھ میں لے رکھا ہے اور کیا اچھی تقدیر ہے اس ریگستانی زمین اور پتھریلے پہاڑ کی جسکی تلہٹی میں اسلام کے پہلے جان نثار ہمیشہ کی میٹھی نیند سو جانیکے انتظار میں سرتاپا شوق بنے ہوئے کھڑے ہیں۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ کے نیچے کھڑے ہوئے اور اپنے عشاق کی جماعت کی صف بندی کردی اور پچاس تیر انداز جنپر حضرت عبداللہ بن جبیر افسر مقرر کئے گئے تھے فوج کے پیچھے کوہ عنین پر بٹھا دئے گئے جو پہاڑی درہ کے قریب واقع تھا اور چونکہ اندیشہ تھا کہ دشمن کی فوج ادھر سے نکلکر پشت کی جانب حملہ کرسکتی ہے اس لئے ان تیر اندازوں کو سخت تاکید کردی گئی تھی کہ کچھ ہی کیوں نہو فتح ہو یا شکست تم لوگ اپنی جگہ سے نہ ہلنا اور جو کافر اس درّے سے حملہ کرنیکا قصد کرے اس کو تیروں کی بوچھار سے پسپا کرنا اور ناکامیاب رکھنا۔ اس پہاڑی کا نام اسی مناسبت سے جبل رماۃ (تیر اندازوں کی پہاڑی) ابتک مشہور ہے۔ مابعد زمانہ میں اس مقدس پہاڑی پر ایک مسجد تیار کردی گئی جو مسجد عنین کہلاتی ہے اور آجکل امتداد زمانہ کے باعث شکستہ اور منہدم ہوگئی ہے اور یہ مسجد مشہد سید الشہداء سے قبلہ کیطرف واقع ہے کہتے ہیں کہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے اسی مقام پر برچھی لگی تھی اور اسی پہاڑی پر اسلامی لشکر نے جنگ کے بعد مصلےٰ نماز ظہر ادا کی ہے واللہ اعلم بالصواب۔

جنگ کا ہولناک منظر جھانکنے کیلئے آفتاب نے افق مشرق پر منہ نکالا اور جھلکتی ہوئی تلواروں نے پہاڑی کے ریگستانی نشیب کو خون کے فواروں اور انسان کے سرخ پانی سے لالہ زار بنانا شروع کیا کفار اپنی تعداد کثیر پر بھروسہ کئے ہوئے تکبر و نخوت میں بدمست آگے بڑھے ان کے دیوتاؤں کی مورتیں جنکو اپنے خیال میں فتح و نصرت کا ذریعہ سمجھے ہوئے تھے فوج کے بیچ میں تھیں اور سرداروں کی خوبصورت بیبیاں اور خوش الحان بیٹیاں رجزیہ گانی اور ڈھولک بجاتی تھیں .... تاکہ بہادرانہ مادہ میں ابال آئے اور اس فوری جوش میں جان کا دیدینا ننگ خاندان بننے سے بہتر سمجھا جائے ۔ یہ قریش کا پہلا حملہ نہایت خوفناک تھا کیونکہ سردار لشکر ابو سفیان کے ان حسرتناک واقعات کے یاد دلانے پر ہوا تھا جو سال گذشتہ میدان بدر میں گذر چکے تھے مگر مسلمانوں نے نہایت بہادری سے حملہ روکا اور دشمنوں کو پیچھے ہٹا دیا غنیم نے کئی مرتبہ پشت کے درے سے داخل ہونا اور مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہا مگر بہادر تیراندازوں کی کارروائی سے پسپا ہونا پڑا اور درحقیقت کافروں کے جی چھوٹ گئے کیونکہ ان کو ہر طرف سے ناکامیابی کی بھیانک صورت نظر آتی تھی اور اس کی عار علیحدہ منہ کالا کر رہی تھی کہ خود ہمت باندھ کر چڑھے اور ناکامیاب واپس چلے ۔

اسلامی لشکر کے بہادر سردار حضرت امیر حمزہ رضؓ نے دیکھا کہ آفتاب چڑھتا چلا جاتا ہے دھوپ کی تمازت بڑھتی جاتی ہے اور ابھی تک کوئی نتیجہ قابل اعتبار پیدا نہیں ہوا اس لئے للکارے اور شیر کی طرح کفار کے انبوہ میں گھسے چلے گئے جن کی دیکھا دیکھی ماتحت فوجی گروہ نے بھی غنیم پر حملہ کیا اور سمجھ لیا کہ بس جو ہونا ہے اس فوری اور جوشیلے حملے میں ہوجائے یا ہم شہید ہوں اور یا دشمن واصل جہنم ہوں ۔ مسلمانوں کے اس خطرناک حملہ نے کافروں کی جمعیت میں انتشار ڈالدیا اور ہر شخص کو یقین ہوگیا کہ میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا کیونکہ کفار قریش کے پاؤں اکھڑ گئے ۔ بددین دشمن منہ کی جگہ کمر پر زخم کھاتے ہوئے بے سروسامان جدھر سے آئے تھے ادھر کو بھاگے اور مسلمانوں نے مال پر قبضہ کرنا شروع کیا ۔

اس وقت کافروں کو پوری شکست ہو چکی تھی اور اسلامی فاتح لشکر نے دشمن کو بھگا دیا تھا مگر افسوس کہ چند مفلس مسلمانوں کو مال غنیمت کی طمع اور حرص نے اپنے مہربان سپہ سالار کی ہدایت بھلا دی اور کافروں کو بھاگتا دیکھکر وہ تیرانداز جوان بھی اپنی جگہ چھوڑ کر مال لوٹنے میں مصروف ہوگئے جو پشت کے درہ کی حفاظت کے لئے اونچی جگہ پر بٹھائے گئے تھے اور ہر چند کہ ان کے سردار حضرت عبداللہؓ بن جبیر نے ان کو روکا تھا مگر سوائے دس آدمیوں کے کسی نے ان کا کہنا نہ سنا اور آخرکار مسلمانوں کو وہ برا وقت دیکھنا نصیب ہوا جسکا پہلے سے اندیشہ تھا یعنی قریشی سردار خالد بن ولید نے جو اس وقت تک کافر تھے بھاگی ہوئی فوج کو اس رخ پر لاڈالا جس طرف حضرت عبداللہ اپنی مختصر جماعت کے دس آدمیوں کے

ساتھ درہ کی حفاظت کر رہے تھے یکدم حملہ کر دیا۔

خالد بن ولید کا بہادرانہ حملہ کوئی نہ روک سکا یہ تیر اندازوں کی مختصر جماعت شہید ہوئی اور اسلامی لشکر پر بےخبری کی حالت میں عین اسوقت جبکہ وہ خوش خوش دشمنوں کا چھوڑا ہوا مال لوٹ رہے تھے یکایک سخت حملہ ہوا جس نے سب کو حیران بنادیا۔

مسلمان اس دھوکے کے اتفاقیہ حملہ کی تاب نہ لاسکے اور مسلمانوں کو جمنا مشکل پڑ گیا۔ لڑائی کا پہلو بالکل بدلگیا کیونکہ یا تو ابھی کافروں کی عورتیں ایسی پریشان حال ہو کر بھاگی تھیں کہ سردار لشکر ابوسفیان کی پیاری بی بی ہندہ کی پنڈلیاں کھل گئیں اور لوگوں کو خلخال نظر آگئے تھے اور یا اب وہ مسلمان بھاگنے لگے جنکا استقلال مشہور اور بہادرانہ ثابت قدمی مخلوق کی ورد زبان ہے آج میدان جنگ نے بہت ہی جلد رُخ پھیرا۔ یہ شاید اس کا نتیجہ ہے کہ اپنی رائے کو صائب اور بالکل درست سمجھکر اللہ کے پیغمبر کو خلاف مرضی مبارک مدینہ سے باہر میدان جنگ میں لائے اور سال گذشتہ کی نمایاں فتح دیکھکر اپنی قوت و بہادری پر نازاں تھے یہ نہ سمجھے کہ بے نیاز خدا کی بے پرواذات کو کسی کا کوئی ناز اور گھمنڈ پسند نہیں ہے اور وہ چاہتی ہے کہ اس کے پیارے پیغمبر پر جان دینے والے مسلمانوں کی نظر ہر وقت ہماری قدرت و اعانت پر رہے اور رسول کے منشا کی کسی طرح بھی مخالفت نہو۔

اس پشت کی جانب کے سخت حملہ کے باعث سوائے چند اولوالعزم حضرات یعنی ابوبکرؓ و عمرؓ اور علیؓ و طلحہؓ جیسے بہادر اور ثابت قدم صحابہ کرام کے اور کوئی نہ جم سکا کیونکہ دو طرفہ فوج کا مقابلہ کرنا پڑا اس لئے سب میں تشویش پھیلگئی اور اکثر مسلمان ادھر اُدھر بھاگ نکلے۔ بڑے بڑے جاں باز سپاہی کام آئے یعنی ستر صحابہؓ شہید ہوئے جنمیں بہادر سردار حضرت امیر حمزہؓ بھی داخل تھے اور حضرت جابر کے مہربان باپ حضرت عبداللہ بھی شامل تھے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

اس وقت کفار کی یہی کوشش تھی کہ جسطرح ہو اسلامی لشکر کے سپہ سالار پر حملہ کیا جائے چنانچہ عتبہ بن ابی الوقاص نے ایک پتھر کھینچ مارا جس کی ضرب سے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے نیچے کا دندان مبارک شہید ہوگیا اور نیچے ہی کا ہونٹ زخمی ہوا جس میں سے خون بہنے لگا ابن قمیہ کافر آپ تک پہونچگیا اور تلوار کا جی توڑ کر وار کیا جس کے صدمہ کی اللہ کے نازک پیغمبر تاب نہ لاسکے اور چونکہ جسم مبارک پر دو آہنی زرہ کا بوجھ تھا اس لئے آپ ایک غار میں گر گئے جس سے باہر نکلنا دشوار پڑ گیا۔ زرہ کی کڑیاں پیشانی مبارک میں گھس گئیں اور اللہ کے پیارے پیغمبر کا چہرہ خون آلودہ ہوگیا راوی کا بیان ہے کہ چہرہ مبارک کا زخمی کرنے والا شخص عتبہ بن ابی وقاص زُہری تھا جس نے بعد میں اسلام قبول کیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

جنگ کی اس نازک حالت میں جو کچھ بھی مسلمانوں پر گذری اس کے بیان سے قلم لرزتا ہے حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلیمؓ جیسی عفت مآب شریف زادیاں اپنی نازک کمر پر مشکیزے بھر بھر کر لاتیں اور جان توڑنے والے زخمیوں اور تھکے ماندے سپاہیوں کے منہ میں پانی ڈالتی پھرتی تھیں مسلمان شربت شہادت نوش کرتے اور کٹ کٹ کر گرتے جاتے تھے۔ اسلامی سپاہ میں ایک سناٹا اور پریشانی کا عالم تھا کیونکہ اپنا مبارک جھنڈا نظر نہیں آتا تھا اور یہ سمجھے ہوئے تھے کہ ہمارا مہربان سپہ سالار دنیا سے رخصت ہوگیا کہ یکایک حضرت کے چچازاد بھائی علیؓ بن ابی طالب نے یہ سوچکر کہ اپنی آنکھوں کے نور اور سینہ کی روح یعنی شفیق پیغمبر کے بغیر دنیا میں جینا سخت ناگوار ہے اپنے ماتحت سپاہیوں کو للکارا اور یکدم کافروں کے غول میں گھسے چلے گئے یہانتک کہ دشمنوں کی فوج کو چیرتے پھاڑتے اور کافروں کو مارتے کاٹتے اس پہاڑی غار پر آپہونچے جس کے کنارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے کیونکہ حضرت طلحہؓ نے نیچے بیٹھکر رسول اللہ صلعم سے عرض کیا تھا کہ آپ میرے کاندھوں پر پاؤں رکھکر غار سے باہر نکل آویں چنانچہ حضرت نے منظور فرمایا اور اوپر چڑھکر طلحہ کو جنت کی بشارت کا سچا اور کارآمد پروانہ مرحمت فرمایا۔

پیارے پیغمبر کے چہرۂ مبارک سے خون برابر جاری تھا زخموں سے چُور اور ضعف سے نڈھال تھے رخسار مبارک میں زرہ کے آہنی حلقے گھسگئے تھے جنکو حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح نے اپنے دانتوں سے زور کر کے نکالا اور اپنے دو دانت اس خدمت میں رسولؐ پر نثار کئے حضرت علیؓ اپنی ڈھال میں پانی بھر کر لائے اور چہرۂ مبارک کا خون دھویا مگر جب خون کسی طرح بند نہوا تو آپ کی پیاری بیٹی فاطمہ زہراؓ نے بوریہ کا ٹکڑا جلاکر ریشم کی جگہ زخم میں بھرا اور مسلمانوں کو یقین دلایا کہ انکا ہونہار سپہ سالار زندہ اور مشفق و مہربان پیغمبر بدستور اپنی حمایت کا صحابہ کے سروں پر سایہ کئے ہوئے ہے۔ آپ نے اپنے صحابہ کے ساتھ ظہر کی نماز جبل عنین پر قنطرہ کے قریب پڑھی کیونکہ اب سارے مسلمان سمٹ کر اپنے سردار کی زیارت کے شوق میں اسی جگہ آگئے تھے۔ اور لڑائی کا زور کم ہوچکا تھا۔ بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ جس جگہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی اب وہاں ایک مسجد تعمیر کر دی گئی ہے جس کا نام مسجد فسح ہے یہ مقدس مسجد سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے مشہد سے شمال کی جانب جبل احد کی جڑ میں واقع ہے۔

زائرین مشاہد مقدسہ اور خوش نصیب مسلمان حاضر ہوں تو زیارت کرتے وقت سیہ کار مؤلف کو بھی دعامیں یاد رکھیں۔

مسلمانو! حق تعالیٰ کی بے نیازشان کا نظارہ کرو اور ذرا آنکھیں کھولکر عبرت کی نگاہ سے دیکھو کہ اُس کے چاہیتے محبوب اور پیارے پیغمبر پر کیا کیا زیادتیاں ہورہی ہیں اور اسکی قادر و مختار سرکار سے دشمنوں کو کوئی فوری نتیجہ

اور غصہ میں نیست و نابود کر دینے کا بدلہ نہیں دیا جاتا کیا یہ واقعات دیکھ کر بھی کہو گے کہ اللہ کے مقبول بندوں علماء وصوفیاء کرام کی شان میں گستاخی کرنا اور بیباکانہ جو چاہا کہدینا جیسا کہ اکثر جاہل اور خصوصاً نیچری خیالات کے لوگوں کی عادت ہے اگر حق تعالیٰ کو ناپسند ہے تو کیوں نہیں منہ بند کر دیا جاتا اور اللہ پاک ناراض ہے تو کیوں نہیں سزا دیجاتی۔ خوب سمجھ لو کہ آج بویا ہوا آج ہی نہیں کاٹا جاتا اللہ کی بے پرواہ ذات نے تو اپنے سب سے پچھلے برگزیدہ رسولؐ پر حملہ کرنے والوں اور پیارے مقبول صحابہؓ کے خون بہانیوالوں کو بھی ایسی جلد سزا نہیں دی جس سے حق و باطل میں اسیوقت امتیاز کر دکھایا جائے درحقیقت وہ باتیں ہی اور ہیں جنسے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ اور علیحدہ نظر آجاتا ہے مارنا پچھاڑنا غریب بنا دینا جلاوطن کر دینا دنیاوی مال و متاع چھین لینا یا اور کوئی دنیا میں تکلیف پہونچانا صراط مستقیم کا موقوف علیہ یا سیدھی راہ معلوم کرنیکا مدار نہیں ہے ورنہ سب سے پہلے خدا جانے کس شدت اور سختی کی موت وہ شخص مارا جاتا جس نے ایسے نازک پیغمبر کے مبارک چہرہ کو آج زخمی بنایا ہے جس کو کافروں نے بھی خدا کے سامنے پیش کر کے دعا مانگی اور قحط سالی میں بارش کی درخواست کی ہے چنانچہ جسوقت آپ کے زمانہ طفولیت میں مکہ قحط سالی کے باعث تباہ ہوا اور ہڈیاں کھانے تک کی نوبت آگئی تو آپ کے چچا ابو طالب نے آپ کا ہاتھ پکڑا اور میدان میں لے گئے پھر رو رو کر وہ اشعار پڑھے اور بارش ہونے کی دعا مانگی جنمیں ایک شعر یہ بھی تھا ؎ وابیض یستسقی الغمام بوجھہ ✤ ثمال للیتامی عصمۃ للارامل

"خداوندا ایک خوبصورت اور گوری شکل کے بچہ کا چہرہ تیرے سامنے پیش کیا جاتا ہے اور ایسے ہونہار بچہ کے طفیل میں بادلوں سے پانی مانگا جاتا ہے جو یتیموں کا پشت پناہ اور رانڈ بیوہ عورتوں کی عصمت ہے"

یاد رکھو جو کام بُرا ہے وہ بہر حال بُرا ہے اور جو شریعت محمدی میں حرام ہے وہ ضرور حق تعالیٰ کی مرضی کے خلاف اور عذاب و عتاب کا ذریعہ ہے خواہ دنیا میں سزا دیجائے یا نہ دیجائے بلکہ اگر یہاں عتاب نہو تو یہ اور زیادہ اندیشہ کی بات ہے کیونکہ زہر کا پچنا اور ہضم ہو جانا موت سے بچا ہی نہیں سکتا یہ بھی غنیمت ہے کہ قے ہو جائے اور کچھ تنبہ ہو کر علاج معالجہ یا مخالف دوائیں پیکر اصلاح کر لیجائے۔

مسلمانوں کا یہ فرار بہت تھوڑی دیر کا تھا کیونکہ فوراً ہی امیر حمزہؓ کی للکار سے بھاگتے ہوئے رک گئے اور لوٹ کر اپنی جانیں نثار کرنے میں مشغول ہو گئے تھے اس جنگ میں بائیس مشرک واصل جہنم ہوئے اور گو ابھی تھوڑی دیر ہوئی مسلمانوں کے سپید کپڑے پر شکست کا دھبہ لگچکا ہے مگر یکجائی قوت نے کافروں کی جماعت کو بھی اس قابل نہیں رکھا کہ دل کا پورا حوصلہ نکالنے کی جرأت کریں اور اس قسم کو پورا کر کے دکھائیں جو مکہ سے کھاکر چلے ہیں۔

کفار قریش کو پھر حملہ کرنے اور کوہ احد پر چڑھ آنے کی ہمت نہ ہوئی اور مجبور ہو کر مسلمان شہیدوں کی نعشوں کے ساتھ بے ادبیاں کر کے اپنی فرودگاہ پر واپس چلے گئے۔ ابوسفیان کی بی بی ہندہ بنت عتبہ نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے چچا حضرت امیر حمزہؓ کے جگر کو چبا ڈالا کیونکہ اس کے باپ عتبہ کو سالگذشتہ کی جنگ بدر میں حضرت حمزہ ہی نے قتل کیا تھا۔ اور بے رحم قریشی عورتوں نے شہداء کے ناک اور کانوں کا ہار بنا کر پہنا۔ اس وحشیانہ حرکت کا نام عربی زبان میں مثلہ ہے اور یہ وحشیانہ و بے رحمانہ حرکت حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی ہوئی۔ یہ ظالمانہ حرکات دیکھکر مسلمانوں کو قریش سے سخت نفرت ہوئی یہانتک کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شدت رنج وغم کے باعث چاہا کہ قریشیوں کو اس کا بدلہ انہیں حرکتوں میں دیا جائے مگر جناب باری سے وحی نازل ہوئی جس میں اس کی ممانعت کی گئی کیونکہ اس کا مضمون یہ تھا کہ "ظلم کو صبر سے سہو" یہ ہے اسلامی شفقت اور دشمنوں کے ساتھ مہربانی سلوک کا نمونہ جس کی نظیر کسی دوسری قوم میں نظر نہیں آتی کیونکہ یہودی جسکو قید کرتے تھے اوسکو زندہ جلا دیتے تھے اور یونانی اور رومی اور ایرانی بھی ایسا ہی سیکھے ہوئے تھے اور عیسائی بھی سولھویں صدی تک ایسا ہی عمل میں لاتے رہے چنانچہ کتب تواریخ نے ان تمام حالات کو کھول کھول کر واضح طور سے بیان کر دیا ہے۔

ہمیں اپنی مختصر کتاب کے طویل ہونے کا اندیشہ ہے ورنہ ہم ان مستند و معتبر تواریخ سے حوالہ دے دے کر بتلاتے جنکو مخالفین بھی صحیح مانے ہوئے ہیں کہ مقدس مذہب اسلام نے ذرہ برابر ایذا دینی تسلیم نہیں کی بلکہ ہمیشہ اور ہر موقع پر ظلم پر صبر کیا ہے اور زیادتی و تشدد پر اپنی حلیم طبیعت کو غالب رکھا ہے جسکی مثال چار دانگ عالم میں مل نہیں سکتی خدا کی قسم جن مصائب اور سختیوں کو اہل اسلام نے شربت کے میٹھے گھونٹ کی طرح پیا ہے اگر کسی ایسی قوم پر پڑیں جنکو تحمل و بردباری کا دعوٰی اور اپنے انصاف و رحمدلی پر ناز ہے تو وہ بھی پھسل جائیں اور لغزش کھا کر بےچین و بیتاب ہو کر خدا جانے کیا کر دکھائیں مگر اللہ اکبر عقل حیران ہوتی ہے کہ ان حضرات میں کس بلا کا تحمل تھا کہ باوجود قدرت و اختیار کے کبھی کوئی وحشیانہ حرکت کرنی جانتے ہی نہ تھے۔

چلتے وقت لشکر کفار کے افسر ابوسفیان نے اسلامی لشکر کی طرف منہ کر کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو نام لیکر آواز دی مگر حضرت نے حکم فرمایا تھا کہ کچھ جواب نہ دو اس لئے کوئی کچھ نہ بولا پھر اُس نے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو نام لیکر پکارا اور تینوں مرتبہ جواب نہ پاکر بولا کہ "معلوم ہوتا ہے یہ تینوں سردار مارے گئے" اسپر حضرت فاروقؓ سے ضبط نہ ہوسکا اور جواب دیا کہ بحمداللہ تمہارا سر کچلنے کو تینوں صحیح و سلامت موجود ہیں ابوسفیان نے کہا کہ اچھا سال آئندہ مقام بدر ہماری تمہاری لڑائی پھر ہوگی اور جب تک زندہ ہیں سالانہ جنگ کرتے رہیں گے۔ اسلامی لشکر سے جواب

ملاکہ ہمیں منظور ہے یہاں کوئی ڈرنے یا گھبرانے والا نہیں ہے مرد میدان ہیں ہر وقت اور ہر جگہ جنگ کے لئے موجود ہیں کیونکہ ہمارا بھروسہ خدا پر ہے۔ پھر ابو سفیان نے دو تین کلمات طنز اور کفر کے کہے جنکا جواب توحید اور اسلامی عقائد میں دیا گیا اس کے بعد ابو سفیان اپنے لشکر کو لیکر مکہ روانہ ہوا۔

باب ۳ھ (۴۷)

حضرت امیر حمزہؓ کی شہادت اور جنگ کا نتیجہ۔ اسلامی لشکر پہاڑ سے نیچے اُترا اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مقتولین کی نعشوں میں اپنے پیارے چچا حضرت امیر حمزہؓ کو اس حالت میں دیکھکر نہایت غمگین ہوئے کہ سینہ چاک تھا اور جگر نکال لیا گیا تھا ناک اور کان قطع کر لئے گئے تھے اور ہر قسم کی وحشیانہ حرکت کیگئی تھی پھر شہداء کو بے غسل وکفن ان ہی خون آلودہ کپڑوں میں دفن کر دیا اور ایک ایک قبر میں دو دو چار مردوں کو اس طرح لٹایا کہ جسکو قرآن شریف زیادہ یاد تھا اُسکو ذرا سرکا کر آگے رکھا اور فرمایا کہ میں انکا قیامت کے دن شفیع اور جنت میں لیجانے کا ذمہ دار ہوں۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ اپنے پیارے باپ حضرت عبد اللہؓ کے پاس بیٹھکر آنسو بہانے لگے کیونکہ کسی کافر کی تلوار نے دونوں باپ بیٹوں کو دنیا میں ہمیشہ کے لئے جدا کر دیا تھا۔ باپ کے مُنہ سے کپڑا اٹھاتے اور دیکھ کر روتے تھے کیونکہ یہ نورانی صورت دنیا کی زندگی میں پھر نظر آنے والی نہ تھی اور ان کی پھوپھی فاطمہؓ بھی آنسو بہا رہی تھیں جنکو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلی دی اور فرمایا کہ رُومت دیکھو اس وفادار شہید پر خدا کے فرشتے اپنے پروں کا سایہ کئے ہوئے ہیں اور وحی کے ذریعہ سے آپکو یہ بھی معلوم ہوا کہ "حق تعالیٰ نے حضرت عبد اللہ کو اپنے حضور میں بلاکر بالمشافہہ کلام کیا اور پوچھا کہ تمہیں کسی چیز کی خواہش ہو تو بیان کرو انھوں نے عرض کیا کہ بار الٰہا سب کچھ موجود ہے البتہ اتنی خواہش ہے کہ اگر ایک مرتبہ دنیا میں بھیجدیا جاؤں تو تیرے راستہ میں شہید ہوکر پھر وہ مزہ پاؤں جو کو احد کی تلیٹی میں جان دیتے وقت اٹھایا تھا" حضرت عبد اللہ نے نو بیٹیاں چھوڑیں جن کی کفالت بھائی جابرؓ نے کی اور درحقیقت حق ادا کر دیا کیونکہ انھیں بہنوں کے خیال سے اپنی شادی بھی کی تو ایک بیوہ عورت سے کی تاکہ ان ناسمجھ لڑکیوں کی غور و پرداخت کر سکے حضرت عبد اللہؓ مقروض بھی تھے جسکو سعادتمند بیٹے نے ادا کیا جسوقت ان کے باغ میں چھوارے پک گئے اور توڑ کر خرمن لگا دیے گئے تو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو لیگئے کیونکہ اپنے مرحوم باپ کا پورا قرض ادا ہونیکے لئے اس کو ناکافی سمجھتے تھے اور خیال تھا کہ حضرت کے لحاظ سے قرض خواہ کچھ رعایت کر جائیں گے۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور خرمن تمر کے گرد تین بار چکر لگا کر برکت کی دعا فرمائی اور ان قرض خواہوں کو پیمانہ سے ناپ ناپ کر دینے کا حکم فرمایا جو طیش کھا رہے اور اس غصہ میں بھرے ہوئے خاموش بیٹھے

دیکھ رہے تھے کہ اتنے سے چھوارے ہمارے قرض کو کیونکر بھر دینگے مگر وہ تو پیغمبر خدا کی دعا ہو چکی تھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جبوقت حبہ حبہ تمام قرض ادا ہو گیا ہے وہ خرمن سالم اور بھر پور نظر آرہا تھا جس میں سے قرضہ ادا ہو رہا تھا یہ حالت دیکھ کر حضرت جابرؓ خوشی کے مارے پھولے نہ سمائے کیونکہ مال کا مال سالم بچ گیا اور باپ کے اُس قرض سے سبکدوش ہو گئے جس کے بار میں ایک ایک دن گراں گذر رہا تھا۔

انہیں شہدا میں حضرت مصعب بن عمیر پڑے سوتے تھے جن کے ابتدائی اور انتہائی حال کا فرق و امتیاز دیکھنے والوں کو بیتاب کئے دیتا ہے کیونکہ ایک دن وہ تھا جب کہ یہ حضرت نہایت متمول و مالدار اور اپنی قوم کے رئیس کہلاتے تھے نہایت عیش و آرام سے زندگی گذارتے تھے حالتِ کفر میں کوئی دنیاوی آسائش ایسی نہ تھی جو ان کو حاصل نہ ہو اور یا ایک یہ دن ہے کہ کفن کے لئے چادر بھی پاس نہیں ہے جس میں بدن چھپ سکے اگر سر ڈھانپا جاتا ہے تو پاؤں کھل جاتے ہیں اور پاؤں چھپائے جاتے ہیں تو سر ننگا ہو جاتا ہے آخرکار سپہ سالار لشکر کے حکم سے چادر سر کی جانب سرکا دیگئی اور پاؤں پر وہ گھاس ڈالدی گئی جو اذخر کہلاتی ہے اور عرب کی ریگستانی زمین میں زیادہ تر یہی پیدا ہوتی ہے۔ اے مصعب بن عمیر تمکو مبارک ہو تمہارے زہد اور تمہاری وفاداری نے تمہارے نام کو آفتاب سے زیادہ روشن کر رکھا ہے تمنے اپنی آخرت کے بیش قیمت صلہ کے مقابلہ میں دنیا کے مال و متاع پر یہانتک خاک ڈالی کہ پورا کفن بھی لینا پسند نہیں کیا۔ تمہارا بھر پور اجر تمہارے اس خدا نے تمکو مرحمت فرمایا جس سے ملنے کے شوق میں اُحد کی تلیٹی میں آئے تھے تمکو اُس حقیقی معشوق کا پائدار وصال مبارک ہو جس کی آرزو میں سر کٹائے لیتے ہو۔ تمہاری مبارک نعش پر کھڑے ہو کر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مسلمانو آؤ اور شہدائے اُحد پر سلام پڑھو جبتک آسمان و زمین قائم ہے جو شخص بھی ان پر سلام پڑھے گا یہ اللہ کی راہ میں گردن کٹانے والے شہید اسکو سلام کا جواب دیں گے چنانچہ ان حضرت کی قبور شریف پر کھڑے ہو کر سلام کرنے والوں نے بارہا جواب سلام سُنا ہے علی الخصوص سید الشہدا کے مزار مقدس سے جواب سلام کی آواز کا سُنائی دینا سلف کی خبروں میں کثرت سے وارد ہے جس کا جی چاہے تلاش کرے اور اہل باطن جو نور بصیرت رکھنے والا ہو تو تجربہ کر دیکھے۔

اس مقدس مذہب اسلام پر جان نثار کر دینے والے ستر شہیدوں میں کس کس کا ذکر کیا جائے۔ حضرت حذیفہؓ کے باپ حضرت یمان بھی انھیں میں داخل ہیں اور نضر کے بیٹے حضرت انسؓ بھی انھیں میں شامل ہیں۔

یوں تو سب ہی اس قابل ہیں کہ ہر ایک کا جدا جدا تذکرہ کیا جائے اور آٹھ آٹھ آنسو رویا جائے کیوں کہ ان جان نثار شہیدوں نے بڑے مبارک زمانہ میں خدا اور خدا کے رسول پر گلے کٹوائے ہیں اور نہایت ضرورت

کے وقت وہ ابدی حیات حاصل کی ہے جس کا اظہار حق تعالیٰ اپنے پاک کلام میں اس طرح فرماتا ہے کہ جو لوگ خدا کے راستہ میں قتل کیئے جاتے ہیں ان کو مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ تو زندہ ہیں ان کو ہمارے پاس سے رزق ملتا ہے اور اس دائمی نعمت میں ہشاش بشاش ہیں جو ان کو حق تعالیٰ نے مرحمت فرمائی ہیں" مگر سب سے زیادہ حسرتناک واقعہ حضرت حمزہ رضی کی شہادت کا ہے جن کا سید الشہدا کا مبارک خطاب ابد الاباد تک مردہ مسلمانوں میں تازہ روح پھونکتا رہیگا ان مبارک شہیدوں کی پاک روحیں سبز جانوروں کے لباس میں جنت کے میوے کھاتی اور بہشتی نہروں پر پہنچکر پانی پیتی پھرتی ہیں اور اُن زریں قندیلوں میں جاکر ٹھیرتی ہیں جو عرش کے نیچے معلق ہیں انھیں کی درخواست کے موافق حقتعالیٰ نے ان کی اُخروی حیات وتنعم کا تذکرہ کلام مجید کی آیت کے ذریعہ سے پس ماندہ اولاد اور رشتہ دار اقارب کو سنایا ہے اور آیندہ آنے والے مسلمانوں کو مژدہ پہونچایا ہے۔

سید الشہدا رض کا قاتل ایک سیاہ فام غلام حرب کا بیٹا ہے جس کا نام وحشی ہے وحشی اپنے آقا یعنی طعیمہ کے بھتیجے جبیر بن مطعم کی غلامی سے گھبرا گیا اور اپنے آپ کو آزاد کرانا چاہتا تھا جبیر بن مطعم اپنے چچا طعیمہ کے جنگ بدر میں قتل ہوجانیکا اس قدر صدمہ اٹھائے ہوئے تھا کہ اس کو کسی کروٹ چین نہ ملتا تھا۔ جبیر نے اپنے وفادار اور بہادر غلام وحشی کو بلاکر کہا کہ مجھے اپنے پیارے چچا کی مفارقت کا نہایت رنج ہے اور ان کے قاتل سے انتقام لینے کے خیال نے مجھے بیتاب بنا رکھا ہے کھانا زہر معلوم ہوتا ہے اگر تو میرا یہ خیال پورا کرے اور حمزہ رض کو قتل کردے تو فوراً آزاد ہوجائے اور قید غلامی سے سبکدوش ہو اور ادہر ابو سفیان کی بی بی ہندنے وحشی کو خاطر خواہ انعام دینے کا وعدہ کیا کیونکہ اس عورت کا شفیق باپ عتبہ بھی طعیمہ کے ساتھ حضرت امیر حمزہ رض ہی کے ہاتھ سے جنگ بدر میں مارا گیا تہا چنانچہ وحشی کو اپنی آزادی کے شوق اور مال کی طمع نے اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے چچا پر اس نیزہ کا حملہ کرے جس کے بہادرانہ کرتب میں مشاق اور حجازی ریگستان میں مشہور تہا۔

کوہ اُحد کے نیچے میدان کارزار جوش پر اور قتل کا بازار گرم ہورہا تھا کہ ایک شخص کی آواز سنائی دی وہ کہہ رہا تھا کہ "ہے کوئی جو مقابلہ پر آئے" یہ مغرور کافر عبد العزیٰ کا بیٹا سباع تھا جسکی ماں ام انمار مکہ میں ملکی رسم کے موافق عورتوں کی ختنہ کیا کرتی تھی یہ آواز حضرت حمزہ رض کے کان میں پڑی اور وہ شیر کی طرح جست مارکر اس کے سامنے آکھڑے ہوئے صرف یہ کہکر کہ "اے ام انمار کے بچے تجھکو بھی اللہ ورسول کی مخالفت کا حوصلہ ہوگیا" ایک تلوار کھینچ کر ماری جسنے بجلی کا کام دیا کیونکہ وہ شخص جو ابھی بہادروں کی طرح للکارتا نظر آرہا تھا خون آلودہ پڑا مچھلی کیطرح تڑپتا دکھائی دیا مگر افسوس جس جگہ یہ قصہ ہورہا تھا وہیں پہاڑی پتھر سے چھپا ہوا دھوکہ باز وحشی بیٹھا تھا جو نیزہ ہاتھ میں لئے ہوئے

سی کا منتظر تھا کہ کب مسلمان بہادر کی نظر بچے اور کب میں حملہ کروں۔ محمدی کچھار کے شیر کو کچھ خبر نہ تھی کہ پتھر کے نیچے سے
یا ظاہر ہونیوالا ہے یہانتک کہ وحشی کا نیزہ اڑتے ہوئے سانپ کی طرح حضرت حمزہؓ کی ناف کے نیچے آلگا اور
بنا کام کرتا ہوا کئی انگشت نیچے اترا چلا گیا۔ بہادر پہلوان نے کاری زخم کھا کر بھی اپنے دشمن پر جست کی مگر نیزہ کی تیز
ل نے ایسے نازک مقام کو زخمی کیا تھا جس سے سنبھلنا مشکل تھا چنانچہ حضرت حمزہؓ دو چار قدم چلکر گر پڑے اور وحشی
رحاں و شاداں اپنے کارآمد حربہ کا نتیجہ دیکھنے کی غرض سے پاس آکھڑا ہوا۔ حقیقت میں حربہ اپنا کام کر چکا تھا کیونکہ
ول مقبول کے پیارے چچا شربت شہادت کے لذیذ گھونٹ کا مزہ لے رہے تھے ستمگار عورت ہند بنت عتبہ بھی یہ
ر پاتے ہی دوڑی آئی اور نعش پر بیٹھکر ناک کان قطع کئے اور پیٹ چیر کر جگر نکالا اور دانتوں سے چبا کر کہا کہ آج کلیجہ
ا ٹھنڈک پڑی کیونکہ باپ کے قاتل کا خون پینے کو ملا ہے۔

اس جنگ میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے بھی ایک کافر مارا گیا جس کا نام اُبی بن خلف تھا اس
یشی سردار نے ایک گھوڑا پال رکھا تھا جسپر سوار ہو کر طنز کیا کرتا اور رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم سے کہتا تھا
اس گھوڑے کو اسی غرض سے پرورش کر رہا ہوں تاکہ اسپر سوار ہو کر ایک دن تمکو قتل کروں۔ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا تھا کہ انشاء اللہ میں ہی تجھ کو قتل کروں گا چنانچہ آج وہ وقت آیا کہ یہ بے ادب سوار اپنے
ے کی سزا پائے کیونکہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کے ہاتھ سے نیزہ لیکر اس کے گلے میں مارا ہے
ر گو نیزہ بہت آہستگی کے ساتھ چھوایا گیا ہے جس کے اثر سے صرف خراش آگئی ہے مگر خدا کے پیارے پیغمبر کا مارا
ا ہے اس لئے بیتاب و بےچین چیختا اور چلاتا ہوا بھاگا اور لشکر کی واپسی میں سرف مقام پر پہونچکر روح ملک الموت
ے حوالہ کی۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کی روایت مشہور ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے اس مقام پر پہونچکر جہاں اُبی بن خلف
تھا دیکھا کہ ایک شخص آگ کی زنجیروں میں بندھا ہوا چلا رہا ہے کہ "مجھے پانی پلادو" مگر ایک شخص پاس کھڑا ہوا لوگوں
منع کر رہا ہے کہ خبردار اس کو پانی نہ دینا کیونکہ یہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کا قتل کیا ہوا ابی بن خلف کافر ہے

مدینہ میں جنگ احد کے متعلق جو وحشتناک خبریں پہونچ چکی تھیں انھوں نے مدینہ کی مسلمان عورتوں اور ناسمجھ بچوں
ضعیف و کمزور بوڑھوں میں ایک عجیب ہراس پیدا کر دی تھی ہر شخص اسلام کے عالمتاب آفتاب کے نظارہ کا آرزومند
اللہ کے پیارے پیغمبر کی خیریت مزاج کا مژدہ سننے کا متمنی و خواستگار تھا حالانکہ ان پس ماندہ باشندوں کے
س رشتہ دار اور اکثر اقارب شریک جنگ تھے مگر کسی کو اپنے کسی عزیز کا اتنا خیال نہ تھا جتنا اپنے دینی سردار کے

زندہ و سلامت دیکھنے کا فکر تھا یہانتک کہ جب پندرہ شوال ۳ھ کو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اسلامی لشکر کے ساتھ مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو رافع کی ... عفت مآب بیٹی حضرت کلثومؓ دریافت حال کے انتظار میں بیتاب ہوگئیں اور یہ کہکر باہر نکل کھڑی ہوئیں کہ جب تک جمال مبارک اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لوں گی مجھے چین نہ آئیگا اور حالانکہ ان کے پیارے بیٹے عمرؓ بن معاذ بھی جنگ احد میں شریک تھے اور شربت شہادت نوش فرما چکے تھے مگر اس مستقل مزاج پاکباز عورت نے اف نہیں کی بلکہ جس وقت جھپٹ کر راستہ میں پہونچیں اور جمال مبارک دیکھا تو بیساختہ بول اٹھیں کُلُّ مُصِیبَۃٍ بَعْدَكَ یَا رَسُوْلَ اللہِ جَلَلٌ کہ آپ کی خیریت کے بعد ہر مصیبت محض بے حقیقت ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے شہید بیٹے کی تعزیت فرمائی اور بشارت دی کہ خوش ہو" اے بنت رافع تمہارا لخت جگر جنت میں پہونچا۔

باب (۴۸) ۳ھ

حمراء الاسد۔ جنگ احد میں جن صحابہ سے بھاگنے اور پیارے رسولؐ کا ساتھ چھوڑنے کی خطا صادر ہوئی چونکہ ان کا قصور حق تعالیٰ نے معاف فرما دیا اس لئے وہ لوگ مخلص جان نثار سمجھے جاتے ہیں۔ کیونکہ بمقتضائے بشریت ہوگیا تھا اس کی معافی کا پروانہ اللہ کے سچے کلام قرآن مجید میں موجود ہے۔ اسیطرح قریشی لشکر کے کافروں میں جو لوگ اللہ کے پیارے پیغمبر پر حملہ کرنے کو چڑھکر آئے تھے ان میں سے بھی ایسے ایسے بہادر جوان آیندہ زمانہ میں مسلمان ہوگئے ہیں جنہوں نے اس جنگ احد میں مسلمانوں پر بے طرح زیادتیاں اور ظلم کئے تھے چنانچہ وحشی بھی مسلمان ہوئے جنہوں نے امیر حمزہؓ جیسے سردار کو شربت شہادت پلایا تھا اور اس کی تلافی میں اسلام کے بعد مسیلمہ کذاب کو قتل کیا جس نے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ پر نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا۔ کیا عجب ہے کہ مسلمان سردار کے خون کی تلافی اس جھوٹے مدعی نبوت اور مفتری و کذاب و دغاباز کے خون سے حق تعالیٰ نے منظور فرمائی ہو بلکہ وہ خالد بن ولید بھی مشرف باسلام ہوگئے ہیں۔ جن کی بہادرانہ ہمت نے یہ نتیجہ دکھایا تھا کیونکہ یہی تھے جو کافروں کے بھاگے ہوئے لشکر کو ہمت دلا کر پشت کے پیچھے پہاڑی درہ سے مسلمانوں پر چڑھا لائے تھے اور اسلام کے بعد وہ وہ کارنمایاں کر کے دکھلائے جن کا قابل فخر و ناز تذکرہ کسی طرح صفحہ روزگار سے محو نہیں ہو سکتا اس لئے جنگ کی کارروائیاں اور لڑائی کے واقعات دیکھکر بے تکان کسی کے بارہ میں کوئی لفظ نکالنا آسان بات نہیں ہے البتہ اس مبارک تذکرہ سے یہ بات خوب ظاہر ہوگئی کہ یہ بات جو عوام میں مشہور ہے کہ "شب برات کا حلوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید ہے کیونکہ آپ نے دندان مبارک شہید ہونیکی وجہ سے حلوا کھایا تھا" محض بے اصل اور لغو بدعت ہے کیونکہ جنگ احد ماہ شوال کے شروع میں واقع ہوئی ہے اور شب برات پندرھویں شعبان کی شب کا نام ہے۔

اللہ جل جلالہ نے شہداء احد کی تعریف میں کئی آیتیں نازل فرمائیں گویا ان جان دینے والوں کے پسماندہ اقارب اور

کنبہ کے رشتہ داروں کی تعزیت فرمائی اور نیز ان شکستہ دل مسلمانوں کی ڈھارس بندھائی جنکو اس اتفاقیہ شکست اور یکایک پیش آجانے والی ہزیمت کا سخت صدمہ تھا کیونکہ جو وحی نازل ہوئی اس کا یہ مضمون تھا کہ "حق تعالیٰ کو تمہارا امتحان لینا اور اپنے مقبول اور پیارے بندوں کو شہادت کا اجر دینا مقصود تھا اور یہ بات جتانی منظور تھی کہ دنیا کے محبوب مال اور مرغوب متاع پر ریجھنا اور رسول کا کہنا نہ ماننا دنیا میں بھی بُرا نتیجہ دکھاتا ہے خیر جو ہوا وہ معاف کر دیا گیا۔ شہید ہو جانے والوں کو مردہ نہ سمجھو وہ زندہ ہیں اور ہمارے دربار سے رزق پاتے ہیں"

شوال کے مہینہ کی سولہ تاریخ تھی اور ابوسفیان مع لشکر کفار مکہ کے قریب پہونچ گیا تھا مسلمان سپاہی مدینہ میں سفر کی ماندگی اور جنگ کی صعوبتوں کے باعث تھکے ماندے پڑے ہوئے تھے کہ شہر میں منادی ہوئی اور معلوم ہوا کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم قریشی لشکر کا تعاقب کیا چاہتے ہیں اور صرف انہیں صحابہ کو ہمراہ لیجائیں گے جو جنگ احد میں شریک تھے کیونکہ یہ خبر سنی گئی تھی کہ ابوسفیان میدان جنگ سے واپس ہو کر پشیمان ہوا اور مقام روحا میں پہونچکر ساتھیوں سے کہنے لگا کہ غلبہ تو خاطر خواہ ہمکو حاصل ہو چکا تھا پھر محمدؐ کو کیوں نہ قتل کیا چلو پھر واپس چلیں اور دل کا غبار نکال کر پوری طرح کامیاب ہو کر مکہ آئیں اس لئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے مناسب سمجھا کہ کافروں کا تعاقب کیا جائے تاکہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ مردان دین نے ضعف و شکستگی کا اثر قبول کر لیا۔

اسلامی لشکر اگرچہ خستہ و زخمی تھا مگر فوراً آمادہ و تیار ہو گیا کیونکہ اپنے سپہ سالار کی اطاعت اُن کو اپنی جانوں سے بدرجہا عزیز تھی چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بہادر سپاہیوں کو ہمراہ لیکر مدینہ سے آٹھ میل باہر مقام حمراءالاسد تک پہونچے اور تین روز قیام فرمایا مگر ابوسفیان کی جرأت نہ ہوئی کہ واپس ہو کیونکہ وہ تھکے ماندے مسلمانوں کا یہ دلیرانہ کام دیکھکر ڈر گیا اور سمجھ گیا کہ اب تو فتح کا نام حاصل ہو چکا ہے ایسا نہ ہو کہ بات پلٹ جائے کیونکہ جنگ کے میدان کو رُخ بدلتے اور پلٹا کھاتے دیر نہیں لگتی اسلئے وہ سیدھا مکہ پہونچا اور مدینہ کی جانب رُخ پھیر کر بھی نہ دیکھا اسلامی لشکر باشوکت و عظمت مدینہ واپس آیا اور ہتھیار اتار کر تکان رفع کرنے اور آرام پانے میں مشغول ہوا۔

مسلمانوں کا یہ مبارک سفر محض اس لئے تھا کہ قریشی دشمن مسلمانوں کی عارضی شکست اور اتفاقیہ ہزیمت پر نازاں نہوں اور یہ خیال نہ کریں کہ اس جنگ میں غلبہ پانے سے مسلمانوں کے دل پر دھاک بیٹھ گئی اور محمدی کچھار کے شیر دل سپاہیوں کی ہمتیں پست ہو گئی ہیں کیونکہ اگر خدانخواستہ ایسا ہوتا تو غنیم کے میدان کارزار میں لوٹ آنے پر بھی کسیکو باہر نکلنے کی جرأت نہوتی چہ جائیکہ تعاقب میں آٹھ میل کا سفر کرنا اور سخت لڑائی کے اگلے ہی دن مدینہ سے باہر نکل کھڑا ہونا یہ تو صاف بتلا رہا تھا کہ روز گذشتہ کا فرار محض بمقتضائے بشریت اور نظم و تدبیر جنگ میں خلل

واقع ہوجانے کا نتیجہ تھا جس کو مدبر ہوشمند بہادر اور لڑائی کے ہولناک منظر دیکھے ہوئے سپاہی بھی قابلِ اعتبار نہیں سمجھتے اور نہ وقعت کی نظر سے دیکھتے ہیں جس کا نام بہادری ہے وہ کوئی دوسری چیز ہے اور جسکو جرأت و شجاعت کہا جاتا ہے وہ کچھ اور ہی بات ہے۔ ؎

گرتے ہیں شہ سوار ہی میدانِ جنگ میں ؛؛ وہ طفل کیا گرے کہ جو گھٹنوں کے بل چلے

ان واقعات پر غور کی نظر ڈالئے اور معتبر کتابیں کھولکر دیکھئے معلوم ہوجائیگا کہ مسلمانوں نے کبھی جنگ میں ابتدا نہیں کی اور جبتک اپنے دینی ارکان میں کسی کو خلل انداز نہیں پایا اس وقت تک ہاتھ نہیں بڑھایا البتہ جب مجبور ہوگئے اور دشمن سر پر چڑھ آیا تو اپنے جان و مال کی حفاظت اور دین وایمان کے قائم رکھنے میں میدان کے اندر نکلنا پڑا اور نہ ہر عاقل سمجھ سکتا ہے کہ جس وقت کسی کی جان یا آبرو پر آن بنے تو سوائے جان دیدینے یا دشمن کو مار کر اطمینان حاصل کرنے کے کوئی سبیل نظر نہیں آتی اور فی الحقیقت مقدس مذہب اسلام نے تلوار کے زور سے ترقی نہیں کی بلکہ اس کا عروج ان عمدہ خصائل اور پاک اصول کے ذریعہ سے ہوا ہے جن کو اسلامی سپہ سالار کے شمائل ظاہر کر رہے ہیں یہ پاک شریعت اس خونخوار دھبہ کو پاس نہیں آنے دیتی کہ لوگوں کے گلے پر چھری رکھکر اپنا محکوم بنایا جائے ہاں البتہ اگر متین و سنجیدہ مسافر کو اپنی سیدھی راہ پر چلتے چلتے دامن پکڑنے والی جھاڑیاں یا الجھانے والے خاردار درخت روکنا چاہیں گے تو مجبوراً انکو کاٹنا پڑے گا اور شارع عام کو صاف اور بے اندیشہ بنا دینے کے لئے سدِّ راہ اور حائل و مانع الجھاؤ کو دور کرنا ضروری ہوگا تاکہ دوسرے چلنے والوں کو تکلیف نہ اٹھانی پڑے باقی میدان کارزار کی فتح و شکست خدا کے قبضہ و اختیار میں ہے اور یہ بھیانک منظر کا غلبہ ایک کنوئے کا ڈول یا ہرٹ میں بندھا ہوا مٹی کا لوٹا ہے کہ کبھی اوپر نظر آتا ہے اور کبھی وقت نیچے۔

دنیا عالم الاسباب ہے اور یہاں اکثر موجودات کا وجود کسی ظاہر یا مخفی سبب پر موقوف رکھا گیا ہے اس میں یہ سمجھنا عقلمندی سے نہایت بعید ہے کہ مسلمانوں کو شکست کیوں ہوئی کیا فرشتے اعانت کو موجود نہ تھے یا احکم الحاکمین حق تعالےٰ کی مدد ناکافی تھی کہ اسلامی لشکر کے مقدس حضرات کو بھی ہزیمت اٹھانی پڑی۔

پیارے مسلمانو! یہ تو دنیاوی واقعات ہیں جنہیں قریب قریب سبکو اسباب کے اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور جیسے اسباب و ذرائع جمع کئے جائیں یا تدبیر و نظم و نسق سے پیش آجائیں انپر انہیں کے موافق نتائج اور مسبب متفرع ہوجاتے ہیں اگر خرق عادت اور محض قدرت بلا واسطہ سے ہر وقت کام لیا جائے تو پھر مذہب اسلام پر وہی الزام و اعتراض موجود ہے کہ اسلام لانے پر لوگوں کو مجبور کیا گیا اور فرشتوں یعنی غیبی مخلوق کے ہاتھوں پریشان و تنگ کر کرکے اپنا بنایا گیا ہے اور ہم کہہ چکے ہیں کہ ہرگز نہیں ہرگز نہیں ہمارے پاک مذہب نے تو اپنی ذاتی خوبیوں اور مقدس اصول و ارکین کی بدولت سمجھدار مخالفوں کے دلوں میں

گھر کیا اور دشمنوں کو دلی دوست بنایا ہے یہی تو وہ مذہب ہے جسمیں صاف ارشاد ہے کہ دین میں کچھ جبر و اکراہ نہیں ہے ہدایت و گمراہی ظاہر ہو چکی ہے جس کو نجات پانی ہو وہ لپکے اور آگے قدم بڑھائے اور جس کو آخرت کی ابدی ہلاکت میں رہنا پسند ہے وہ جہاں چاہے بھٹکتا پھرے البتہ یہ ضرور ہے کہ دوسروں کا سدّ راہ نہ بنے ورنہ ناقص عضو کی طرح لائق و ہوشیار طبیب کے ہاتھوں قطع کر دیا جائیگا۔

اسی سال میں امام حسن علیہ السلام کی ولادت کے پچاس دن بعد ان کے چھوٹے بھائی حضرت حسین شہید کربلا رضی اللہ عنہ صلب علیؓ سے بطن فاطمہؓ زہرا میں آئے۔

باب (۴۹) ۴ھ

میدان رجیع اور وہاں کے گرفتار مصیبت مسلمان - ابوسفیان اپنے ماتحت لشکر کفار کو لیکر مکہ پہونچا تو خالد کا بیٹا سفیان چند آدمی قبیلہ عضل اور قارہ کے اپنے ہمراہ لیکر قریش کو فتح کی مبارکباد دینے کی غرض سے مکہ میں آیا اور سنا کہ سعد کی بیٹی سلافہ نے اشتہار دیا ہے کہ جو شخص مجھکو اُس مسلمان سپاہی کا سر لا دے جس کا نام عاصمؓ بن ثابت ہے تو میں اُس کو سَو اونٹ انعام دوں گی کیونکہ عاصمؓ نے میرے دو بیٹوں کو جنگ اُحد میں مارا اور ہمیشہ کے لئے غمخوار ماں سے جُدا کر دیا ہے اور اس صدمہ کے باعث میں نے منت مانی ہے کہ عاصمؓ کے کاسہ سر میں شراب پیوں گی" سفیان کو سو اونٹوں کی طمع نے اکسایا اور اسپر آمادہ کیا کہ جس طرح ہو سکے سلافہ کو عاصمؓ کا سر حوالہ کرے اور مشتہرہ انعام لیکر باقی زندگی آرام کے ساتھ گذارے اس لئے اسنے اپنے مکان پر واپس ہو کر قبیلہ عضل اور قارہ کے سات آدمیوں کو مدینہ کی جانب اس غرض سے روانہ کیا تاکہ مسلمان واعظوں کو یہ کہہ کر کہ "ہمارے ملک میں وعظ کہنے چلو شاید وہاں کے لوگ مسلمان ہو جائیں" یہاں لے آئیں اور اس کی کوشش پوری طرح کریں کہ ثابت کا بیٹا عاصمؓ بھی آنے والے واعظوں میں شامل ہو چنانچہ یہ ساتوں دغاباز مسلمانوں کی صورت بنا کر مدینہ میں پہونچے اور خاص حضرت ثابتؓ ہی کے مکان پر ٹھیر کر رسولؐ کے مخلص معتقد ہونیکا اظہار کیا اور حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ یا رسولؐ اللہ چند آدمی ہمارے ساتھ کر دیجئے تاکہ ہماری قوم کو قرآن مجید پڑھائیں۔ دینی تعلیم دیں اور کیا اچھا ہو کہ ہمارے پیارے دوست عاصم بن ثابت بھی ہمارے ساتھ بھیجے جائیں کیونکہ ان کے بااثر وعظ اور خوش الحان قرأت سے جلد کامیابی کی امید ہے۔

ان دھوکہ بازوں نے حضرت عاصمؓ کی منت و سماجت اور خوشامد میں بھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا انتہا درجہ کی محبت اور خالص الفت کا اظہار کیا اور آخرکار رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے دس مسلمان واعظ ان لوگوں کے ساتھ کر دیئے جنپر حضرت عاصمؓ بن ثابت کو افسر بنایا اور یہ حضرات پیارے پیغمبر سے رخصت ہو کر ہتھیلی میں مدنی چھوارے زاد راہ بھر کر مکہ کی

جانب روانہ ہوئے مگر جس وقت قبیلہ ہذیل کی آبادی کے اُس موضع کے پاس پہونچے جس کا نام رجیع ہے تو تصویر کا رخ بدلا ہوا پایا کیونکہ ان سات دغابازوں میں سے ایک شخص نے سفیان بن خالد سے مخبری کر دی تھی اور یہ بدطینت حریص سو تیر اندازوں کی جماعت کو ہمراہ لیکر مدنی کھجوروں کی گٹھلیاں پڑی دیکھتا اور پاؤں کے نشان لیتا ہوا یہاں آ پہونچا تھا اور مسافر و بیخانماں واعظوں کو زندہ گرفتار کرنے کی نیت سے اور غلام بناکر اہل مکہ کے ہاتھ فروخت کرنے کی غرض سے چڑھ آیا تھا تاکہ قریشی کافر میدان بدر میں قتل کئے ہوئے اپنے رشتہ داروں کا ان بیچاروں سے انتقام لیں اور دل کی سوزش بجھائیں۔

حضرت عاصم غنیم کی بدنیتی سے واقف ہوکر ہوشیار ہو گئے اور دسوں ہمراہیوں کو لیکر اس اونچے ٹیلہ پر جا چڑھے جسکو فدفد کہتے ہیں اور تیر و کمان سامنے کر لئے اور جب دشمن قریب آ پہونچے تو عاصمؓ نے اپنے ساتھیوں کو للکار کر کہا کہ پیارے دوستو شہادت کو غنیمت سمجھو تمہارے ساتھ دھوکہ کیا گیا مگر کچھ گھبرانے کی بات نہیں ہے تمہارا پیارا محبوب ہر وقت تمہارے ساتھ ہے جنت کی حوریں تمہاری منتظر اور راہ دیکھ رہی ہیں لو ہوشیار ہو جاؤ اور ہمیشہ کے لئے آرام کی نیند پڑ کر سونے کو مستعد و تیار ہو جاؤ"۔

سفیان بن خالد چونکہ مال کا حریص تھا عاصم کا کاسۂ سر سُلافہ کی شراب کا پیالہ اور دوسرے واعظوں کو اہل مکہ کا زرخرید غلام بنانے کی طمع میں یہانتک پہونچا تھا اس لئے بولا کہ اے لامذہب واعظو لڑنے کا قصد نہ کرو تمہاری مختصر جماعت ہمارا کچھ بھی نہیں کر سکتی اگر تم مان جاؤ گے تو ہم امان و پناہ دینے کے ذمہ دار ہیں اور نہ مانوگے تو کھیرے ککڑی کی طرح کاٹ کر ڈالدیئے جاؤ گے اپنی جوانی پر رحم کھاؤ اس میدان کو اپنے خون سے سرخ نہ بناؤ کمانوں کو ہٹاؤ اور قیدی بنکر نیچے اتر آؤ۔ مگر حضرت عاصمؓ نے جواب دیا کہ "مجھے کافر کی پناہ میں آنا گوارا نہیں ہے ہمیں مارے جانیکا کوئی خوف نہیں ... کیونکہ ہمارا سر خدا کی نذر ہے۔ جس وقت اور جہاں چاہے لے لے ہم خدا کی اس امانت کو خوشی کے ساتھ ادا کرنے کے لئے ہر وقت موجود ہیں" یہ کہکر کمان پر ہاتھ ڈالا اور کفار کی جانب تیر پھینک مارا لڑائی ہونے لگی اور تیر اندازوں نے تیروں کی بوچھاڑ سے غبار اڑانا شروع کیا۔

حضرت عاصمؓ نے خدا کی جانب توجہ کی اور اپنے ناز بردار آقا کی جناب میں التجا کی کہ میں نے سنا ہے کہ سلافہ میری کاسۂ سر میں شراب پینا چاہتی ہے یا اللہ میرا سر تیرے راستہ میں کاٹا جاتا ہے تو ہی اسکا محافظ و نگہبان ہے میرا جسم کافروں کے حوالہ نہ کیجو یا اللہ تو ہمارے حال کی اپنے مقبول پیغمبر کو خبر دے کہ تمہارے شیدائی چند کافروں کی دغابازی کے باعث اپنے سے کئی گونہ زیادہ جماعت سے لڑ رہے ہیں"۔

حضرت عاصمؓ نے دل کھولکر سفیان کا مقابلہ کیا تیر ختم ہو جانیکے بعد نیزہ ہاتھ میں لیا اور جب نیزہ بھی ٹوٹ گیا تو تلوار کے پے درپے وار کئے یہاں تک کہ گر پڑے اور شہادت کا میٹھا شربت پیتے ہوئے جان بحق تسلیم ہوئے انا للہ و انا الیہ راجعون۔ سفیان نے چاہا کہ انکا سر کاٹ لے تاکہ سلافہ کے نذر کرے مگر اللہ تعالیٰ نے شہد کی مکھیوں کا

لشکر بھیجدیا جنھوں نے اس مستجاب الدعا شہید وفا کے مبارک بدن کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور ایسا جھرمٹ باندھا کہ کسی کافر کو پاس پھٹکنے کی جرأت نہ ہوئی اور جب رات ہوئی تو ایک سیلاب آیا جو حضرت عاصمؓ کی نعش کو بہا لیگیا اور کافروں کو اس بہادر مقتول کا پتہ بھی نہ لگا کہ کہاں گئے۔

سفیان کی حرص کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا کیونکہ جس وقت اس قاتل نے انعامی سو اونٹ کے مطالبہ کو آدمی بھیجا تو سلافہ نے صرف اتنا جواب دیکر مایوس بنا دیا کہ میری شرط پوری نہیں ہوئی تم انعام کے مستحق اس وقت ہو سکتے تھے جب عاصم کا سر لاتے یا اس کو زندہ گرفتار کر کے میرے پاس پہونچا دیتے۔ حضرت عاصمؓ کی دونوں دعائیں قبول ہوئیں کیونکہ جس وقت رجیع میں یہ واقعہ گذر رہا تھا اسی وقت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ سے مدینہ میں ذکر فرما رہے تھے کہ عاصمؓ معہ اپنے ہمراہیوں کے دغاباز منافقوں کی فتنہ پردازی سے گرفتار مصیبت اور مبتلائے قتال ہیں عاصم کے چھ ہمراہی بھی انہیں کے ساتھ شہادت میں شریک ہوئے اور اب صرف تین آدمی یعنی خبیبؓ بن عدی اور عبداللہؓ بن طارق اور زیدؓ بن دثنہ باقی رہ گئے جنھوں نے اپنے آپ کو کمزور پاکر مقابلہ سے عاجز سمجھا اور مجبوراً ہتیار ڈالکر کافروں کی پناہ میں آگئے رضی اللہ عنہم۔

جس وقت یہ تینوں حضرات فدفد کے بلند ٹیلے سے نیچے اترے فوراً کافروں نے اپنے قبضہ میں لے لیا اور کمانوں کے چلے اُتار کر ان بیچاروں کے ہاتھ باندھنے لگے۔ حضرت عبداللہؓ کا اُن کی بدعہدی دیکھکر چہرہ تمتمایا اور کہا کہ "اے جعل ساز دغاباز و جب ابھی سے تمہاری یہ بے ایمانی ہے تو آیندہ کیا امید ہے" یہ کہکر جھٹکے سے اپنے بندھے ہوئے ہاتھ کھول لئے اور تلوار کھینچکر سامنے کھڑے ہوگئے اور للکارے کہ اے غدر کرنے والے بدنصیب کافرو میں تمہارا قیدی بننا نہیں چاہتا۔ سفیان کی جماعت اس بہادر مسلمان سپاہی کا فیرانہ حملہ دیکھکر حیران ہوگئی اور جب کسی طرح قابو نہ پایا تو پتھروں کا مینہ برسا کر حضرت عبداللہ کو شہید کیا یہ بھی اپنے ساتوں رفیقوں کے پہلو میں پڑکر سو گئے اور دونوں مسلمان قیدیوں کو لیکر سفیان مکہ کی جانب روانہ ہوا انا للہ وانا الیہ راجعون ۵

سفیان نے سلافہ کے مشتہرہ انعام سے مایوس ہو کر ان دونوں قیدیوں کو مکہ کے بازار میں بیچدیا حضرت خبیبؓ کو حارث بن عامر کے بیٹوں نے سو اونٹ دیکر خریدا تاکہ اپنے باپ حارث کے معاوضہ میں قتل کریں کیونکہ انہیں حضرت نے جنگ بدر میں حارث کو قتل کر کے ان بچّوں کو یتیم بنایا تھا جن کی غلامی میں آج آئے ہیں اور حضرت زید کو پچاس اونٹ کے بدلے صفوان بن امیہ نے مول لے لیا تاکہ اپنے باپ عتبہ کے بدلے میں ان کو قتل کرے کیونکہ عتبہ کے قاتل یہی حضرت زید تھے۔

باب (۵۰) ۵۰ھ

سولی اور اُس کا انجام۔ یہ زمانہ ان بزرگ مہینوں کا تھا جن میں عرب کے باشندے قتل وقتال کو حرام سمجھتے تھے اس لئے دونوں قیدیوں کا قتل ملتوی رکھا گیا اور ماہ حرام گذر جانے کے بعد دونوں مسلمان حرم مکہ سے باہر اُس جگہ لائے گئے جہاں مسجد تنعیم بنی ہوئی ہے اور عمرہ کا ابتک احرام اہل مکہ وہیں سے باندھ کر آتے ہیں۔

اس میدان میں پھانسی گڑی ہوئی ہے اور لوگوں کے اژدہام میں دونوں مسلمان قیدی ہشاش بشاش نظر آتے ہیں حالانکہ یہ سولی دینے کی غرض سے لائے گئے ہیں مگر ان کے چہرے پر کسی قسم کے خوف یا ہراس کا اثر نہیں ہے کیونکہ ایک قیدی جنکا نام خبیبؓ ہے کافروں سے مسکرا کر کہہ رہے ہیں "مجھکو اتنی مہلت دو کہ میں دو رکعت نماز پڑھ لوں اور اپنے محبوب سے راز و نیاز کی دو باتیں کرلوں کیونکہ وصال کا وقت قریب آپہونچا ہے اور میں اپنے مہربان آقا کے حضور میں پاک صاف ہوکر جانا چاہتا ہوں"

جس شخص کو سولی دی جاتی ہے مرنے سے پہلے اُس کی جو درخواست ہوتی ہے پوری کی جاتی ہے بشرطیکہ نقصان دینے والی نہو اس لئے خبیبؓ کو اجازت مل گئی اور یہ وضو کرکے خدا کے حضور میں ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوگئے دو رکعت پر سلام پھیر کر کہنے لگے کہ شاید تم یہ سمجھو کہ خبیبؓ موت سے ڈرتا ہے اور وقت ٹالتا ہے اس لئے میں دو ہی رکعت پر اکتفا کرتا ہوں ورنہ ضرور عبادت کی پوری لذت حاصل کرتا۔ لو اب جو کچھ کرنا ہے کر گذرو۔

خبیبؓ نے ایک رباعی پڑھی جس کی پوری لذت اصل زبان کے سمجھنے والے عربی داں حاصل کرسکتے ہیں اور اردو کی ترجمہ میں کسی طرح وہ ذائقہ آنہیں سکتا۔

ولست ابالی حین اقتل مسلماً ؛ علیٰ ایّ شقٍّ کان للہ مصرعی
وذٰلک فی ذات الالٰہ وان یشأ ؛ یبارک علیٰ اوصال شلوٍ ممزّعٖ

"جبکہ میں بحالت اسلام قتل کیا جارہا ہوں تو مجھے کچھ پروا نہیں کہ خدا واسطے میرا پچھڑنا کس کروٹ کے بل ہے۔ اور آج میرا قتل ہونا محض اللہ کے لئے ہے اگر خدا چاہے تو میرے پارہ پارہ کئے ہوئے عضو کے ٹکڑوں میں برکت مرحمت فرمائے"

تماشائیوں کے جھرمٹ نے حضرت خبیبؓ کو تعجب کی نگاہ سے دیکھا کیونکہ ایسا مستقل مزاج آدمی دیکھنے میں بھی نہیں آیا تھا اور پھر پکڑ کر سولی پر چڑھا دیا اس وقت حضرت خبیبؓ کا منہ جبراً قبلہ کی طرف سے پھیر دیا گیا تھا جس کی اس شہید وفا مسلمان نے کچھ بھی پروا نہیں کی اور کہا کہ " فاینما تولوا فثم وجہ اللہ جدھر بھی منہ پھیرو اُدھر اللہ موجود ہے۔

ایک کافر نے کہا کہ اے خبیبؓ اگر مذہب اسلام کو چھوڑ دو تو ہم تمکو چھوڑ دیں اور اگر پسند کرو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے بدلہ سولی پر چڑھائے جائیں تو اس شرط پر بھی تم اپنے گھر کو واپس جاسکتے ہو مگر رسولؐ کے وفادار صحابی نے جواب دیا

کہ اگر روئے زمین کی سلطنت بھی دوگے تب بھی پیارا اور پاک مذہب اسلام نہ چھوڑوں گا۔ اور یہ تو ممکن ہی نہیں کہ میرے سردار رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں میں کانٹا چبھے اور خبیبؓ گھر میں بیٹھا رہے چلو اپنا کام کرو ایسے ناگفتہ بہ کلمات سے آخری وقت میں میرا دل نہ دکھاؤ۔

جنگ بدر میں قتل ہونے والے قریشی کافروں کے رشتہ داروں میں سے چالیس کافروں نے نیزے ہاتھوں میں لیکر خبیبؓ کو ہر طرف سے گھیر لیا اور مارنا شروع کیا اس وقت بہادر مسلمان کا منہ قبلہ کی طرف ہو گیا اور یہ کلمات زبان سے نکلے "خدا کا شکر ہے جس نے میرا منہ اُس قبلہ کی جانب پھیر دیا جو اس نے اپنے رسول اور اُن کے خادم مسلمانوں کے لئے پسند فرمایا ہے یا اللہ اس وقت میرا سوائے تیرے کوئی دوست نہیں ہے جو تیرے حبیبؐ کو میرا اسلام پہونچا دے میری آخری التجا یہی ہے کہ کسی طرح میرا آخری سلام میرے دینی سردار کو پہونچا" اس کے بعد جان بحق تسلیم ہوئے۔

جس وقت تنعیم کے میدان میں یہ حادثہ ہو رہا تھا اسی وقت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے آثار نمودار ہوئے تھے چنانچہ آپ نے اپنا چہرہ مبارک اٹھا کر غائب شخص کے سلام کا جوابی کلمہ یعنی وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کہا اور صحابہؓ سے فرمایا کہ جبریلؑ امین کھڑے ہوئے ہیں اور خبیبؓ کا سلام پہونچا رہے ہیں جن کو کافروں نے سولی پر چڑھا دیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت خبیبؓ کے بعد حضرت زیدؓ سولی پر چڑھائے گئے اور وہی باہمی گفتگو اور سوال وجواب ہوئے جو حضرت خبیب کے ہوئے تھے اور پھر حضرت خبیب کی نعش چالیس سپاہیوں کے پہرہ میں سولی پر لٹکا دی گئی تاکہ دیکھنے والوں کو عبرت ہو۔ یہ ان بے رحم کافروں کی عادت تھی کہ انتقال کے بعد بھی اپنے کینہ ور قلب کو ٹھنڈا نہیں پاتے تھے اور اسی نجس اور پلید خصلت کے باعث نعش کے ساتھ بے ادبی اور ظالمانہ کارروائی کیا کرتے تھے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا تھا کہ "ہے کوئی جو خبیبؓ کی نعش کو سولی سے اُتار لائے" چنانچہ حضرت زبیرؓ اور مقدادؓ روانہ ہوئے اور دونوں چھپتے راتوں چلتے اس جگہ پہونچے جہاں مسلح سوار کے پہرہ میں خبیبؓ کی نعش سولی پر لٹک رہی تھی۔ دونوں بہادروں نے آہستہ سے نعش کو اُتارا اور گھوڑے کی پشت پر رکھکر لے چلے اس وقت حالانکہ حضرت خبیبؓ کو قتل ہوئے چالیسؓ دن گذر چکے تھے لیکن بدن ایسا ہی تازہ تھا گویا ابھی قتل ہوئے ہیں بدن کے زخموں سے خون ٹپک رہا تھا اور مشک کی خوشبو آرہی تھی۔ ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

صبح ہوئی اور قریشی کافروں نے اپنے مردہ قیدی کی نعش کو گم پاکر مدینہ کی راہ پر شتر سوار دوڑا دیئے تاکہ ایسی حرکت کرنے والوں کو گرفتار کر لائیں اور وہی سزا دیں جو پہلے مجرم قیدی کو دی گئی چنانچہ سانڈنی سوار دوڑے اور ان دونوں بہادر سپاہیوں کو پکڑ لیا جو خبیبؓ کی نعش کو مدینہ کی جانب لئے جا رہے تھے۔

حضرت زبیرؓ نے دیکھا کہ کافر پکڑنے کے لئے آپہونچے اس لئے نعش کو فوراً زمین پر رکھ دیا اور سنبھلکر تیر کمان ہاتھ میں لیلی اور

جب سانڈنی سوار پاس آگئے تو للکار کر بولے کہ میں مکہ کے سردار عبدالمطلب کی بیٹی صفیہ کا بہادر بیٹا زبیر ہوں اور یہ میرے رفیق حضرت مقداد بن الاسود ہیں تمہارا جی چاہے تو تیروں سے لڑو اور کہو تو نیچے اتر کر تلوار اور نیزہ سے لڑیں غرض جس طرح چاہو دل کا حوصلہ نکال لو اور اگر اپنا بھلا چاہو تو جس طرف سے آئے ہو اسی طرف واپس چلے جاؤ۔"

حضرت خبیبؓ کی مبارک نعش کو زمین نے اپنی سطح پر پاتے ہی نگل لیا گویا مہربان ماں نے چالیس دن کے بچھڑے ہوئے سعادتمند اور پیارے بیٹے کو آغوش میں دبا لیا اور کافروں کو محمدی کچھار کے شیروں پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی اس لئے وہ خائب و خاسر مکہ کی جانب اور یہ حضرات مدینۃ الرسول کی طرف روانہ ہوئے اور تمام ماجرا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا اسی وجہ سے حضرت خبیبؓ کو بلیع الارض (زمین کا نگلا ہوا) کہتے ہیں۔ حضرت جبریل امینؑ نے مجلس نبوی میں حاضر ہو کر عرض بھی کیا تھا کہ آپ کے دونوں یاروں کی فرشتوں میں تعریف ہو رہی ہے۔

کیا کوئی شریف طبیعت اس دغابازی کی مذموم خصلت کو گوارا کر سکتی ہے کہ اپنی مخالف جماعت کے چند سپاہیوں کو دھوکہ دیکر وطن سے باہر نکالا جائے اور سنسان میدان میں ایک ایک کے مقابلہ پر دس دس بلکہ اس سے بھی زیادہ چڑھ آئیں بھلا کوئی پوچھے کہ یہ کونسی بہادری ہے جس پر مسرت اور خوشی کی جائے کہ پردیسی مسافروں کو قتل کر کے دل کے پھپھولے پھوڑے اور بیچارے واعظوں کے خون سے میدان کے ریت کو رنگدیا اگر قومی شرافت کا خیال نہ رہا تھا تو انسانی مروت ہی کا لحاظ کیا ہوتا یہ تو نہایت چھچھورا اور سفلہ پن ہے کہ میدان میں قتل کئے ہوئے بہادروں کا انتقام یوں لیا جائے جس کو سنکر ہر شریف طبیعت آدمی کی زبان سے نفرین نکلتی ہے۔ اے کاش کوئی ان کو سمجھاتا کہ یہ مکر و فریب کی حرکت تو ذاتی نجابت اور شجاعت کی اس جدی میراث کے بھی بالکل مخالف ہے جس پر ناز کیا کرتے اور بھرے جلسوں میں فخریہ اشعار اور قصیدے پڑھا کرتے ہو آج وہ حمیت اور عالی ظرفی کہاں گئی کہ مظلوم قیدیوں کو سولی پر چڑھا کر احد یا بدر میں مارے جانے والوں کا انتقام لیا جاتا ہے ہائے افسوس اسپر بھی اکتفا نہ کیا گیا اور نعش کو دار پر بے گور و کفن لٹکا کر دل کا غبار نکالا گیا۔ پیارے مسلمانو! یہی وہ بے رحمانہ واقعات جن کی تلافی و انتقام کے لئے مسلمانوں کو تلوار ہاتھ میں لینی پڑی اور ایسے معاملات پیش آئے جن کو بظاہر سختی پر محمول کیا جاتا ہے ورنہ اس عنوان کا نام لئے بغیر اسلام جو کچھ ترقی کرتا اس کو بھی عالم نظر حیرت سے دیکھتا اور تعجب کرتا مگر اس پر بھی جو منصف نگاہ طرفین کے حالات کو سامنے رکھکر مقابلہ کرے گی وہ بیشک بول اٹھے گی کہ درحقیقت اسلام نے انتقام لینے میں بھی عدل و انصاف اور تدبیر و سلیقہ کو ملحوظ رکھا ہے۔

باب (۵۱) ۴ھ

سفیان کا قتل اور بیر معونہ۔ حضرت عاصم اور ان کے ہمراہیوں کا اس طرح عذر و فریب سے مظلومانہ شہید ہو جانا ایسا

حادثہ نہ تھا جس کا صدمہ اور رنج رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ ہوتا حضرتؐ اس جانکاہ حادثہ کو سن کر بے چین ہو گئے اور عبداللہؓ بن انیس انصاری کو سفیان ملعون کے قتل کرنے کے لئے مامور فرمایا اور چونکہ حضرت عبداللہ نے سفیان کو کبھی دیکھا نہیں تھا اس لئے شناخت کے لئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کا حلیہ بتایا اور یہ علامت ارشاد فرمائی کہ اس کو دیکھتے ہی تمہارے دل میں خوف پیدا ہو جائیگا جاؤ بسم اللہ کرو اور ہوشیاری کے ساتھ کام کر لاؤ۔

حضرت عبداللہؓ تلوار لیکر روانہ ہوئے اور اس کی اجازت لیلی کہ ظاہری طور پر باتیں بنانے میں کوئی شرعاً ناجائز کلمہ زبان سے نکلے تو چونکہ مصلحت وقت ہے اس لئے مواخذہ کا باعث نہو۔

یہ مسلمان صحابیؓ منازل قطع کرتے ہوئے میدان عرفات کے اُس نشیب میں پہونچے جس کا نام بطن عرنہ ہے اور وہیں سفیان کو دیکھ کر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی نشان دہی کے موافق پاکر آگے بڑھے اور اس کے پاس جا کھڑے ہوئے۔ سفیان نے دریافت کیا کہ تم کون ہو اور کیوں آئے ہو؟ حضرت عبداللہ نے جواب دیا کہ میں قوم خزاعہ کا ایک مسافر شخص ہوں میں نے سنا تھا کہ آپ محمدؐ سے جنگ کی تیاری کر رہے ہیں اس لئے حاضر ہوا ہوں تاکہ میں بھی شریک ہو کر بہادری دکھاؤں کیونکہ مجھے فوجی معاملات سے زیادہ دلچسپی ہے۔

سفیان یہ مطلب کی باتیں سنکر نہایت محظوظ ہوا اور عبداللہ کو اپنے خیمے میں لیگیا تاکہ جو کچھ موجود ہو اپنے نو وارد مہمان کے سامنے رکھے اور حق ضیافت ادا کرے حضرت عبداللہ خیمہ میں گئے اور چکنی چپڑی باتوں سے سفیان کو بہلاتے پھسلاتے اور اپنے آپ کو معتمد اور معتبر مددگار جتلاتے رہے یہاں تک کہ موقع پاکر تلوار سے اس کا سر کاٹ لیا اور مدینہ کی جانب روانہ ہوئے۔

راستہ میں ایک تنگ و تاریک غار میں جا چھپے کیونکہ اس کا قوی اندیشہ تھا کہ سفیان کے رشتہ دار میری تلاش میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑیں گے اور درحقیقت یہ خیال بالکل صحیح تھا کیونکہ غار میں گھستے ہی ان لوگوں کے پاؤں کی آہٹ اور گھوڑوں کی ہنہناہٹ سنائی دی جو حضرت عبداللہؓ کے تعاقب میں روانہ ہو چکے تھے مگر غار ثور کی طرح حق تعالیٰ نے اس غار کی بھی حفاظت فرمائی یعنی مکڑی نے غار کے منہ پر جالا پور دیا جس کے باعث تعاقب کرنے والے جاسوسوں کو غار میں جھانکنے کی جانب توجہ بھی نہیں ہوئی اور اسی طرح چاروں طرف جھپٹ جھپٹا کر تھک گئے اور حریف کی گرفتاری سے مایوس ہو کر واپس ہو گئے۔ حضرت عبداللہ غار سے نکلکر روانہ ہوئے اور منازل قطع کرتے ہوئے مدینہ پہونچے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سفیان ملعون کا دھڑ سے جدا کیا ہوا سر پائے مبارک کے نیچے ڈال دیا۔

سفیان کو اپنی دغا کا معاوضہ مل گیا مثل مشہور ہے "کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے"۔ اگر اس پر بھی نظر انصاف ڈالو تو ایک آدمی کا مقابلہ ایک ہی شخص کر رہا ہے اور وہ بھی دشمن کے گھر پہونچکر۔ بھلا مقابلہ ہی کر دیکھو کہ اس قتل اور

رجیع کے معرکہ میں کتنا فرق ہے ! یہاں اصل دشمن کا ایک شخص مقابل تھا اور وہاں دس مظلوم واعظوں پر سو تیر اندازوں کا حملہ تھا یہاں انتقام تھا اور وہاں ظلم کی ابتداء اور پہلی زیادتی یہاں مقتول کے مددگاروں اور کنبہ میں واقعہ قتل ہوا اور وہاں سنسان جنگل میں بے یارو مددگار مسلمانوں کو فدفد کے ٹیلے پر تیروں کا نشانہ بنایا جا رہا تھا" یہ ہیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا!

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کامیابی پر نہایت مسرت ہوئی اور آپ نے اس صلہ میں بہادر صحابی کو ایک عصا مرحمت فرمایا اور جنت کی بشارت دے کر فرمایا کہ "تو اس لاٹھی کو جنت کے وسیع باغکی سیر کے وقت ہاتھ میں رکھیو" یہ عصا ہر وقت حضرت عبداللہؓ کے ساتھ رہتا تھا یہانتک کہ انتقال کے وقت اپنے ساتھ کفن میں رکھوالیا اور مرنے کے بعد بھی اسکی علیحدگی پسند نہیں کی

اسی سال میں دوسرا جانکاہ حادثہ پیش آیا جسمیں ایک جھرنے کے پاس جسکا نام بیر معونہ ہے ستر مسلمان صحابی شہید کر ڈالے گئے جنکو قراء کہتے ہیں کیونکہ یہ تمام حضرات قرآن مجید پڑھے ہوئے تھے اور سوائے چند مہاجرین کے اکثر انصار تھے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کو ان منتخب اور بزرگ اصحاب کے ساتھ نہایت محبت تھی کیونکہ یہ لوگ رات بھر نماز اور ذکر الٰہی اور قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول رہتے تھے اور دن کو نبی کی ازواج مطہرات کے حجروں میں لکڑی اور پانی پہونچایا کرتے تھے۔

ان مقبول صحابہ کو نجد کا رہنے والا قوم بنی عامر کا ایک شخص دھوکہ سے اپنے ساتھ لے گیا تھا جس کا نام عامر بن مالک تھا اور ابو براء کی کنیت سے زیادہ مشہور تھا جس وقت یہ دغا باز ظالم مدینہ میں پہونچا اور اسلام کی تبلیغ سنی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگا کہ مجھے اسلام سے محبت ضرور ہے مگر اپنی قوم کے خوف سے ایمان لاتا ہوا ڈرتا ہوں اگر آپ کچھ سمجھدار واعظ میرے ساتھ کر دیں جو میرے وطن میں وعظ کہیں اور میری معزز قوم بنی عامر کو اس پاک شریعت کی رغبت دلائیں تو کیا عجب ہے کہ یہ بہادر قوم بھی اخروی نجات حاصل کرے اور ایک دن آپکی مددگار بنکر بت پرستوں کا مقابلہ کرے اور اس کا میں ذمہ لیتا ہوں کہ ان قاصدوں واعظوں کو کسی قسم کی ایذا انہیں پہونچیگی کیونکہ یہ سب میری پناہ میں ہوں گے اور میرے امن دئے ہوئے لوگوں کو بری نظر سے دیکھنا ہمارے قول شرافت کے بالکل خلاف ہے چنانچہ رسول اللہ صلعم نے ستر صحابہ پر حضرت منذر بن عمرؓ کو امیر بناکر اسکے ہمراہ کر دیا اور نجد کے روسا و معزز باشندوں اور قوم بنی عامر کے نام ایک نامہ لکھدیا جس میں پاک مذہب اسلام کی ترغیب اور سچے دین کی دعوت تھی مسلمان واعظوں کی مختصر جماعت مکہ اور عسفان کے درمیان اس جھرنے کے پاس ٹھیر گئی جسکا نام بیر معونہ ہے اور حضرت حرام بن ملحان دو رفیقوں کو اپنے ہمراہ لیکر عامر بن طفیل کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک پہونچانے قوم بنی عامر کی جانب روانہ ہوئے اور قریب پہونچکر اپنے ہمراہیوں سے کہا کہ تم یہیں ٹھیرو پہلے میں جاتا ہوں اگر امان ملی اور کسی قسم کی دغا نہیں کی گئی۔ تو تم بھی چلے آنا ورنہ یہیں سے واپس ہو جانا کیونکہ تینوں کے مارے جانے سے ایک کا مارا جانا بہتر ہے۔

عامر بن طفیل نجدی اس عامر بن مالک کا حقیقی بھتیجا تھا جو ان ستر صحابہ کو لیکر یہانتک آیا ہے اس کو مسلمان کی صورت سے

نہایت نفرت تھی اور اہلِ اسلام کے ساتھ خاص عداوت رکھتا تھا۔ غرض حضرت حرامؓ بن ملحان آگے بڑھے اور پکار کر کہا کہ میں قاصد ہوں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک پیغام پہونچانے آیا ہوں اگر امان پاؤں تو پیغام پہونچاؤں"۔

یہ الفاظ زبان سے نکلے ہی تھے کہ ایک بدبخت ظالم نے پیچھے سے آکر ایسا نیزہ مارا کہ پار نکل گیا اور حضرت حرام صرف اتنا کہکر کہ "فُزْتُ بِرَبِّ الْکَعْبَۃ" یعنی قسم ہے خدائے کعبہ کی کہ میرا مقصود حاصل ہو گیا" زمین پر گر پڑے اور جاں بحق تسلیم ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

عامر بن طفیل نے اپنی قوم بنی عامر کو لڑائی پر آمادہ کیا اور بھڑکایا کہ ان مسلمانوں کو زندہ نہ جانے دو مگر کسی نے حامی نہ بھری کیونکہ اس مختصر جماعت کو عامر کے چچا ابوالبرا کی امان و پناہ میں سمجھے ہوئے تھے اس لئے عامر بن طفیل نے اِدھر اُدھر قاصد بھیجے اور گرد و نواح کے کافر قبیلوں سلیم و عصیہ اور رعل و ذکوان کے بہادر سپاہیوں کو بلا بھیجا اور پوری جمعیت لیکر بیر معونہ کو آگھیرا جہاں قرار کا چھوٹا سا گروہ پڑا ہوا تھا۔ غرض دونوں فریق آمادہ جنگ ہوئے اور لڑائی شروع ہوگئی یہانتک کہ واعظوں کی ساری جماعت شہید ہوگئی البتہ دو آدمی بچ گئے جن میں سے ایک کا نام حارثؓ بن صمہ تھا اور دوسرے کا نام عمر بن امیہ کیونکہ یہ دونوں رفیق اپنی جماعت کے اونٹوں کو چرانے کے لئے جنگل لیگئے تھے اور اس میدان جنگ میں موجود نہ تھے جس وقت یہ دونوں بہادر سپاہی اونٹوں کو لیکر لوٹے ہیں اُس وقت لڑائی کے گھمسان میں غبار اڑ رہا اور کافروں کے سوار ننگی تلواریں خون آلودہ ہاتھوں میں لئے ہوئے اِدھر اُدھر پھر رہے تھے اس لئے دونوں وہیں رُک گئے اور مشورہ کرنے لگے کہ کیا کرنا چاہیئے؟ عمرؓ بن امیہ نے کہا کہ چلو مدینہ واپس چلیں اور رسول مقبول صلعم کو اس بدعہدی و غدر کی اطلاع کریں مگر حضرت حارث نے جواب دیا کہ خبر سب ہو رہیگی آج شہادت مفت ملتی ہے اس کو چھوڑنا گوارا نہیں ہے چلو قدم بڑھاؤ اور کوچ کرجانے والے قافلہ کے رفیقوں میں جاملو" الغرض نظر بخدا دونوں جانباز پہلوان آگے بڑھے اور میدانِ کارزار میں کود پڑے حضرت حارثؓ نے دو کافروں کو قتل بھی کیا مگر افسوس کہ دونوں دینی بھائی قید کرلئے گئے اور زندہ گرفتار ہوگئے اس پر بھی حضرت حارث کو شوقِ شہادت نے چین نہیں لینے دیا انھوں نے ہاتھ پاؤں چلائے اور دو کافروں کو اس حالت میں بھی جہنم میں پہونچایا اور خود شربت شہادت کا ذائقہ دار گھونٹ پیکر آرام کی نیند پڑ کر سوگئے۔

ان ستر صحابہ میں سے صرف ایک قاری زندہ بچے جن کا نام عمرؓ بن امیہ تھا اور عامر بن طفیل کی قید میں آچکے تھے اور چونکہ عامر بن طفیل کی ماں کے ذمہ کسی بات پر ایک غلام کا آزاد کرنا ضروری تھا اس لئے عمر بن اُمیہ کو چھوڑنا اُس منت کے ایفا میں محسوب ہوا اور حضرت عمرؓ قید غلامی سے آزاد ہوکر مدینہ کی جانب روانہ ہوئے مگر ان کی پیشانی

کے بال کاٹ لئے گئے تاکہ رسم کے موافق بردہ کی آزادی کا نشان ہو جائے۔

انہیں شہدا میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے وہ وفادار غلام بھی شہید ہوئے تھے جن کو ابتدا اسلام میں حضرت صدیقؓ نے خرید کر آزاد کر دیا تھا ان کا نام حضرت عامرؓ بن فہیرہ تھا اور یہ ہجرت کے وقت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور مہربان آقا حضرت صدیقؓ کے رفیق بھی رہے ہیں۔ اس میدان میں شہید ہوتے وقت ان کی یہ کرامت نمایاں ہوئی کہ ان کی نعش کو فرشتے آسمان کی جانب اٹھا کر لیگئے اور یہ بات کافروں نے بھی دیکھی۔ ان کے قاتل یعنی جابر بن سلمیٰ کا بیان ہے کہ جب ان کی نعش کو میں نے آسمان پر اڑتے ہوئے دیکھا تو حیران ہو گیا اور جس وقت میں نے نیزہ مارا ہے تو وہ عامر کے پار ہو گیا اور زمین پر گرتے وقت بہادر مقتول کی زبان سے میں نے ایک کلمہ سُنا جس کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں نہ آیا یعنی عامر نے کہا "فزت واللہ" کہ بخدا میں نے پالیا میں حیران تھا کہ کس چیز کو پالیا اور مرتے وقت ایسی کونسی شے ہاتھ آئی جس پر خوشی کا اظہار ہے جب ضحاک بن سفیان سے اس کا مطلب پوچھا اور انہوں نے سمجھایا کہ جنت کا پالینا مراد ہے۔ تو میرے قلب میں ایمان کے نور کی شعاعوں نے اپنا رنگ جمایا اور میں مسلمان ہو گیا۔

حضرت عمرؓ کی عُمر جس وقت شہید ہوئے چالیس سال کی تھی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی عامر کے غدر اور قبیلہ رعل وذکوان اور عصیہ کی بدعہدی اور خلاف معاہدہ کفار کی اعانت کرنے پر نہایت افسوس ہوا اور آپ نے صبح کی نماز میں چالیس روز تک قنوت پڑھی جس میں اُن چاروں قبائل کے حق میں بد دعا کی کیونکہ اگرچہ بنی لحیان سے معاہدہ نہ تھا مگر ان کے تینوں مددگار قبائل سے عہد و پیمان تھا۔

ابوالبرار کو اس قصہ سے نہایت رنج پہونچا کیونکہ اس کے بھتیجے نے چچا کے ذمہ اور پناہ میں فتور ڈالا اور اسکو اس قابل نہیں رکھا کہ کسی کو منہ دکھائے اس رنج وصدمہ نے اس کے قلب پر اتنا اثر کیا کہ یہ جاں بر نہو سکا اور انہیں دنوں میں مر گیا۔ عامر بن طفیل کے بر سر مجلس ربیعہ بن ابی برار نے نیزہ مارا جسکو اس سخت دل ظالم نے جھیل لیا مگر چند روز بعد مرض طاعون میں مبتلا ہوا اور طاعونی گلٹیوں سے جان نہ بچا سکا اور حسرت وارمان بھرا ہوا دل لیکر دنیا سے رخصت ہوا اس بدنصیب احمق نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو یوں کہلا کر بھیجا تھا کہ "مجھکو چھوٹا آدمی نہ سمجھو یا تو ملک بانٹ دو۔ نرم زمین یعنی دیہات وجنگل پر تم قبضہ رکھو اور شہر میرے حصہ میں دیدو یا اپنے انتقال کے بعد مجھکو خلیفہ بنا جاؤ ورنہ ایک سخت لڑائی کے لئے تیار ہو جاؤ کیونکہ میرا ارادہ تم پر غطفان کے بہادر بدوؤں کی جماعت سے زبردست لشکر کشی کا ہے۔"

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو بد دعا دی اور یہ فرمایا کہ "اللھم اکفنی عامرا" یعنی یا اللہ تو خود ہی عامر کو سلٹ لے مجھ تک نوبت بھی نہ آئے اور اس کا کام تمام ہو جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور طاعون کے مہلک مرض میں مر گیا۔

باب ۵۲ ۔ ۴ھ

بنی نضیر پر چڑھائی - ہم بتا چکے ہیں کہ بیر معونہ کے ستر قراء میں حضرت عمر بن امیہ ضمری زندہ بچے تھے جنکو عامر بن طفیل نے قید کر کے چھوڑ دیا تھا یہ حضرت مدینہ کو لوٹے آرہے تھے کہ راستہ میں اسی قوم بنی عامر کے دو مشرک عربوں کو دیکھا جس نے ان ستر صحابہ کے ساتھ غدر کیا تھا اس لئے ان کو تاب نہ رہی اور ظالم وجفا کار عامر بن طفیل سے انتقام لینے کے جوش نے ان کی آنکھوں میں خون اتار دیا چنانچہ انھوں نے تلوار نکالی اور آگے بڑھ کر ان دونوں مسافروں کو دشمن سمجھکر مار ڈالا مگر افسوس ان کو یہ خبر نہیں تھی کہ یہ مشرک مسافر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی طرف سے راہ داری کا پروانہ اپنے ساتھ رکھتے تھے یہاں تک کہ جس وقت حضرت عمر مدینہ منورہ میں پہونچے اور تمام قصہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو کہہ سنایا تو حضرت نہایت مغموم ہوئے اور فرمایا کہ وہ دونوں مسافر تو میری پناہ اور محافظت میں تھے تم نے ان کو کیوں مار ڈالا؟ حضرت عمر نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ میں اس حال سے واقف نہ تھا بیخبری میں ایسا کر بیٹھا اور اب اس کی تلافی کچھ ہو نہیں سکتی۔

بنی عامر نے اپنے دونوں مقتول مسافروں کی دیت مانگنے کے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آدمی بھیجا اور چونکہ اس قتل خطا میں دیت کا مال بھرنا ضروری بھی تھا اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تشویش ہوئی کہ یہ مال کس طرح ادا کیا جائے۔ چونکہ آپ سمجھتے تھے کہ کل وہ لوگ جنہوں نے تحریری سند اور معاہدہ کو قبول کیا ہے اور ہر مسلمان بلکہ تمام اہل مدینہ کا یہ فرض ہے کہ خون بہا کا روپیہ جمع کریں اس لئے آپ سب سے پہلے اپنے کئی صحابیوں کیساتھ قوم بنی نضیر کے پاس گئے اور اُن سے روپیہ طلب کیا کیونکہ بنی عامر کے دونوں مقتول عربوں کے خوں بہا کی بڑی رقم کے ادا کرنے میں معاہدہ کے بموجب سب ہی کو مدد کرنی ضرور تھی۔ یہود بنی نضیر نے ظاہرا قبول کیا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ٹھیرنے کے لئے کہا کہ آپ تشریف رکھیں ہم لوگ کھانے وغیرہ سے فارغ ہو کر باہم مشورہ کر لیں اسکے بعد اس امر کا قطعی جواب دیں گے جس کے لئے آپ نے یہاں تشریف لانے کی تکلیف گوارا فرمائی ہے چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جان نثار اصحاب حضرت صدیق و فاروق اکبر اور شیر خدا وغیرہ حضرات کو لیکر ایک دیوار کے نیچے بیٹھ گئے اور ادھر یہود بنی نضیر نے مشورہ کیا کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیوار کے اوپر سے پتھر گرا کر شہید کر دیں مگر آپ وحی کے ذریعہ سے ان دغاباز مکاروں کی بدنیتی سے واقف ہو گئے اور وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔

ہماری گذشتہ تحریر سے معلوم ہو چکا ہے کہ کعب بن اشرف اور ابورافع کے قتل ہونے اور یہود بنی قینقاع کے جلا وطن کئے جانے سے قوم بنی نضیر کے دل میں عداوت کی آگ بھڑک اٹھی تھی اور وہ صرف موقع ڈھونڈھتے تھے کہ مسلمانوں کا بیج اکھاڑ پھینکیں مگر حق تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی موت وحیات کا اختیار کسی بشر کے ہاتھ میں نہیں دیا اور نہ مذہب اسلام کا ہونہار پھلدار درخت کسی کے کاٹے کٹ سکتا تھا اس لئے یہ ظالم یہودی کچھ نہ کر سکے اور سوائے اپنی دنیا و آخرت تباہ کرنیکے کوئی خوش آیند پھل نہ پا سکے۔

اب اس وقت قوم بنی نضیر نے اپنی حالت کو بالکل ایسا بنالیا تھا جیسا کسی گذرے ہوئے وقت میں بنی قینقاع کے بدنصیب یہودیوں کا حال تھا وہی دغابازی تھی اور وہی فریب وجعلسازی وہی شرائط عہدنامہ کی مخالفت تھی اور وہی پیارے پیغمبر کی عداوت ودشمنی اس لئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں واپس آتے ہی ان کو بھی وہی حکم کہلا بھیجا جو بنی قینقاع کو کہلا بھیجا تھا یعنی یہ کہ "یا اسلام لے آؤ یا مدینہ چھوڑ دو" مگر افسوس اس بدنصیب قوم بنی نضیر نے بھی ویسا ہی گستاخانہ جواب دیا جیسا پہلی قوم نے دیا تھا کیونکہ ان کو عبداللہ ابن ابی اور دوسرے منافقوں کی مدد پر پورا بھروسہ تھا اور سمجھے ہوئے تھے کہ عبداللہ اپنے خفیہ طور پر کئے ہوئے وعدوں کو ضرور پورا کرے گا لیکن ان کی جو امید تھی وہ برنہ آئی اور وقت پڑے پر کسی نے مدد کا نام بھی نہ لیا۔

رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کی غدر وخیانت اور بدعہدی دیکھکر اور گستاخانہ جواب سنکر لشکر کشی کی اور ربیع الاول سنہ ہجری میں اُن کی اُس گڑہی کو جا گھیرا جس میں یہ قوم آباد تھی اور کامل چھ روز محاصرہ میں اُن کو محصور رکھا ان کی مرغوب جائیداد یعنی قرب وجوار کے باغات میں آگ لگادی اور درختوں کو کاٹ ڈالا تاکہ روح پر صدمہ کھاکر اور رات ودن کی قید سے گھبرا کر تنگ آئیں اور نیچے اتر کر قصہ طے کریں آخرکار یہودی گھبرا اٹھے اور صلح کی درخواست بھیجی جسپر حکم ہوا کہ "ہتیار جس قدر بھی ہوں سب چھوڑ جاؤ اور باقی اشیا منقولہ میں سے جو کچھ لیجا سکو لیکر مع اہل وعیال چلے جاؤ" اس طرح پر قوم بنی نضیر بھی جلا وطن ہو گئی۔ اور مدینہ سے نکلتے وقت اپنے مکانوں کو صرف اس نیت سے توڑ ڈالا کہ مسلمانوں کا قدم ان کے مکان میں نہ آنے پائے اور اہل اسلام ان ٹوٹے پھوٹے کھنڈروں میں آرام نہ پائیں البتہ کڑی تختہ اور کواڑ وچوکھٹ میں کوئی کوئی چیز ایسی بھی تھی جس کو بیش قیمت یا خوبصورت وکارآمد سمجھکر اپنے چوپایوں پر لاد کر ساتھ لے گئے۔

یہ بھی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ترحم اور عالی ظرف متحمل پیغمبر کا دشمنوں کے ساتھ مہربانی وعنایت کا احسان فرماتا تھا جس کی وجہ سے دشمن یہودیوں کی جائیداد منقولہ تک پر قبضہ نہیں کیا گیا ورنہ کونسی خود مختار سلطنت ہے کہ وہ اپنے دشمن ومفسد قوم پر فتح پائے اور یوں مال اسباب لیجانے دے ہمارا خیال تو یہ ہے کہ گستاخ اور مکار دشمنوں کو علی الخصوص

ایسے مفسد و سرکش یہودیوں کے ساتھ جو مار آستین بنے ہوئے اسلام کی بیخ کنی میں ہر وقت مشغول ہوں، سوائے رسالت مآب کی محسن ذات کے کوئی حاکم یا سلطنت کا پادشاہ ایسی رعایت نہیں کر سکتا۔

اس محاصرہ کے زمانہ میں جس جگہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ دن تک نماز پڑھی ہے اُس جگہ مسجد تعمیر کر دی گئی ہے جس کا نام مسجد شمس ہے اسی مسجد کے قریب اسلامی سپہ سالار کا مبارک قبہ نصب کیا گیا تھا۔ یہ چھوٹی سی مسجد طولاً و عرضاً تخمیناً گیارہ گز مربع سیاہ پتھروں سے بنی ہوئی بلا چھت مسجد قبا کے قریب پورب کی جانب اونچی زمین پر واقع ہے اس کا پہلا نام مسجد فضیخ ہے مگر اب مسجد شمس ہی کے نام سے زیادہ مشہور ہے اگرچہ اس جدید نام کی وجہ تسمیہ سوائے اس کے اور کوئی سمجھ میں نہیں آئی کہ بہ نسبت ان دوسرے مکانات کے جو اس کے قریب واقع ہیں اس مسجد کا مکان مرتفع اور بلند ہے طلوع شمس اس پر پہلے ہوتا ہے اور آفتاب کی شعاعیں سب سے اول اسی پر پلکوں کی جھاڑو دیتی ہیں مگر پہلا نام یعنی مسجد فضیخ کچھ عجیب نہیں کہ اس وجہ سے رکھا گیا ہو کہ حضرت ابو ایوبؓ انصاری مع اپنے رفقا اور احباب کے اس مقام پر فضیخ کا استعمال کرتے تھے جو مشروبات میں سے ایک قسم کا منشی شربت سمجھنا چاہئے اور شروع اسلام میں حلال تھا مگر جس وقت شراب کی حرمت نازل ہوئی اور ان کے کان تک پہونچی تو مشکیزوں کے منہ کھولدیئے اور جسقدر فضیخ جلسہ کے لئے منگائی گئی تھی سب گرادی اس مناسبت سے جس وقت اس جگہ پر مسجد تعمیر ہوئی تو اس کا نام بھی مسجد فضیخ رکھا گیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ان یہودیوں کی زمین و جائداد اور لڑائی کا تمام جنگی سامان جس کو وہ اپنے ساتھ نہ لیجا سکے تھے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی رضامندی سے مہاجرین صحابہ میں تقسیم کر ڈالا کیونکہ اس زمانہ تک تمام مہاجرین اہل مدینہ کے انصارؓ کی سخاوت و امداد کے سہارے پر بسر اوقات کرتے تھے اور اگرچہ مہاجرین و انصار کے درمیان بڑی محبت تھی مگر پھر بھی مہاجرین کو اپنی عالی ہمتی کے باعث انصار پر زیادہ بار ڈالنا گوارا نہ تھا اس لئے انصار نے یک زبان ہوکر نہایت خوشی کے ساتھ عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ یہودیوں کا سارا مال ہمارے مہاجرین بھائیوں کو دیدیجئے بلکہ ہم لوگ بھی ان کو کچھ اپنے پاس سے دیتے ہیں تاکہ ہماری طرح اطمینان کی زندگی بسر کر سکیں غرض اس طرح پر مہاجرین کے بار معیشت سے انصار کو سبکدوشی حاصل ہوگئی اور بنی نضیر کے خانمان خراب یہودی زیادہ تر خیبر کے پاس جا بسے اور کچھ ادھر ادھر ملک شام اور ضمیر کی طرف چلے گئے۔

اسی محاصرہ کے وقت شراب کی حرمت نازل ہوئی اور اسی سال شوال کے مہینہ میں ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں کیونکہ ان کے خاوند ابوسلمہ کا انتقال ہو چکا تھا اور انہوں نے یہ حدیث سنکر اپنے ہر دلعزیز پیارے شوہر کے مرتے وقت کلمہ "انا للہ وانا الیہ راجعون" پڑھا تھا کہ جو شخص کسی مصیبت پر اس آیت

کو پڑھیگا اس کو دنیا میں بھی نعم البدل ضرور ملے گا اس کے بعد یہ اس انتظار میں تھیں کہ ابو سلمہؓ سے بہتر کون ہے جس کی زوجیت کا مجھکو فخر حاصل ہو اور اس کو مرحوم خاوند کا نعم البدل سمجھوں چنانچہ وہ خیال آج پورا ہوا اور فرمان سراپا اذعان کی تصدیق ہوئی کہ دین و دنیا کے سردار نے زوجیت میں قبول فرمایا -

اسی سال ام المومنین حضرت زینبؓ بنت خزیمہ کا انتقال ہوا اور اسی سال میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی والدہ فاطمہ بنت اسد نے وفات پائی - انا للہ وانا الیہ راجعون -

اسی سن میں حضرت زید بن ثابت نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے یہود کی اصل زبان کی خط و کتابت سیکھنی شروع کی تاکہ ان کے مخفی معاملات اور اسرار و رموز کو معلوم کر سکیں اور اسی سال یہودی و یہودیہ کی سنگساری کا قصہ پیش آیا جس کو اختصار کی غرض سے چھوڑا جاتا ہے -

باب (۵۳) ۴ھ

بدر صغریٰ اور ذات الرقاع - ہم بیان کر چکے ہیں کہ قریشی لشکر کا سردار ابو سفیان جنگ احد سے واپس ہوتے وقت کہہ گیا تھا کہ سال آئندہ بدر کے میدان میں ہماری تمہاری لڑائی پھر ہوگی چنانچہ جب وہ زمانہ قریب آیا تو ابو سفیان کو اپنا وعدہ یاد آیا مگر اتنی جرأت کہاں سے لاتا کہ وعدہ وفا کرتا اور میدان جنگ میں قدم دھرتا لیکن اس کے ساتھ ہی اس کو اپنی مطعونیت کا بھی اندیشہ ہوا کہ سننے والے بزدل اور بے وفا کہیں گے اس لئے اس نے چاہا کہ مسلمانوں کو خوف زدہ بنائے اور ایسا حیلہ کرے کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہی کسیطرح بدر میں نہ آئیں - اور جو کچھ ہونا ہو اسلامی لشکر کے سر دھر کر ہو تاکہ میری بدنامی نہ ہونے پائے اور خجالت نہ اٹھانی پڑے چنانچہ اس نے نعیم بن مسعود کو بیس قراضہ زر دینے کا وعدہ کیا اور کہا کہ "تم مدینہ جاؤ اور اسلامی لشکر کو خوف دلاؤ کہ ابو سفیان نے تمہارے مقابلہ کے لئے بڑا بھاری لشکر جمع کیا ہے اور بدر میں آیا چاہتا ہے اس ٹڈی دل بہادر لشکر کا تمسے مقابلہ ہرگز نہیں ہوسکیگا اگر تم بدر میں گئے تو نیست و نابود کر دیئے جاؤگے" نعیم مدینہ میں آیا اور اہل اسلام کے دلوں میں خوف اور ہیبت پیدا کرنی چاہی مگر یہ مسلمان وہ مسلمان نہ تھے جن کو دشمن کی فوج کے زیادہ ہونے سے ہول و ہراس ہوتی یا ڈرتے اور گھبرا جاتے اس لئے نعیم کا منشا پورا نہوا اور اس نے جس مسلمان سپاہی سے بھی سنا یہی سنا کہ "حسبنا اللہ ونعم الوکیل" ہمیں اللہ کافی ہے اور وہی بہتر کام سنوارنے والا ہے -

چوتھے سنہ ہجری کا ماہ ذی قعدہ شروع ہوا اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایفائے وعدہ کی غرض سے بدر کے میدان میں پہونچنے کی تیاری شروع کر دی ڈیڑھ ہزار بہادر سپاہیوں کا اسلامی لشکر اپنے مہربان سپہ سالار اور حق تعالیٰ کے سچے پیغمبر کی ماتحتی میں مقام بدر پر پہونچا جہاں ابو سفیان سے مقابلہ کا وعدہ تھا مگر میدان بالکل خالی نظر آیا کیونکہ یہ تو محض

دہکی ہی دہکی تھی اور خلاف وعدہ و بزدلی کے دہبہ سے بچنے کے لئے ٹٹی کی اوٹ شکار کھیلنا مقصود تھا ورنہ کافروں کے دلوں میں خوف بیٹھا ہوا تھا اس نے تو مکہ سے قدم بھی باہر نکالنا دشوار کردیا تھا الغرض رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے مع اسلامی لشکر کے چند روز وہاں قیام فرمایا اور پھر سالماً غانماً مدینہ منورہ واپس تشریف لائے۔

ہجرت کا پانچواں سال آگیا اور محرم کے مہینہ میں غزوہ ذات الرقاع ہوا اس غزوہ کا نام ذات الرقاع (چیتھڑوں والی لڑائی) اس لئے ہوا کہ صحابہ کے پیادہ پا اور ننگے پاؤں ہونے کی وجہ سے پاؤں زخمی اور ناخون ٹوٹ گئے تھے اس لئے پاؤں میں چیتھڑے لپیٹ لئے تھے کیونکہ سات سات سپاہیوں میں ایک سواری تھی جسپر باری باری سوار ہوتے اور چڑھتے اترتے چلے جاتے تھے اسی غزوہ میں صلوٰۃ خوف شروع ہوئی ہے کیونکہ یہاں محاربہ وقتال کچھ نہیں ہوا صرف فریقین نے ایک دوسرے کو اپنی جماعت اور بہادرانہ ہمت دکھاکر ڈرایا تھا بعض روایتوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ غزوہ خیبر کی ساتویں جنگ کے بعد ہوا ہے واللہ اعلم بالصواب۔

ذات الرقاع اس غزوہ کا نام ہے جو نجد کی جانب ہوا ہے اور چونکہ نجد کی جانب اسلامی لشکر کو کئی دفعہ سفر کرنے کا اتفاق پیش آیا ہے اس لئے ممکن ہے جو راوی جنگ خیبر کے بعد کا واقعہ لکھ رہے ہیں وہ دوسرا سفر ہوا اور یہ غزوہ نجد کی جانب پہلی مرتبہ سفر کرنیکا واقعہ ہو اور یہ بھی ضرور نہیں کہ وجہ تسمیہ صرف ایک ہی ہو بلکہ ہوسکتا ہے کہ ایک نام کئی کئی وجوہ سے رکھا جائے چنانچہ ذات الرقاع ایک مقام کا نام بھی ہے جسکی زمین پر پڑے ہوئے ریت میں کئی کئی رنگ ہیں گویا پیوند معلوم ہوتے ہیں اور رقاع عربی زبان میں رقعہ کی جمع ہے جس کے معنی رنگ کے اختلاف اور پیوند کے ہیں اسی طرح ذات الرقاع اس سفر اور لشکر کشی کے غزوہ کا بھی نام ہوسکتا ہے جس میں مختلف رنگ کے گھوڑے موجود ہوں بہرحال یہ تینوں وجوہ کتابوں میں نظر سے بھی گذرے ہیں اور یہ بھی معتبر تواریخ سے ثابت ہے کہ نجد کی جانب تین مرتبہ اسلامی لشکر کو سفر کرنیکا اتفاق پیش آیا اس لئے قیاس اور قرینہ اسی بات کو چاہتا ہے کہ جنگ خیبر کے بعد وہ سفر پیش آیا جس کی انتہا مقام ذات الرقاع تک تھی اور یہ قضیہ جنگ خیبر سے قبل ۵ سنہ ہجری میں پیش آیا ہو جس کو زخمی پاؤں کے چیتھڑوں کی مناسبت سے ذات الرقاع کہا گیا ہے بہرحال جو کچھ بھی ہو غزوہ ذات الرقاع اور اسی میں صلوٰۃ خوف کی بطریق مشہورہ امام کے پیچھے ایک ایک رکعت میں شرکت جس طرح کتب فقہ میں مذکور ہے مشروع ہوئی ہے اور تاریخ وسنہ کا واقعی اور سچا علم سب سے بہتر حق تعالیٰ کو ہے۔

اس غزوہ میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام مقام نخل میں جو مدینہ سے دو یوم کی مسافت ہے اُس وادی میں ہوا تھا جس کا نام شدخ ہے۔

واپسی میں اسلامی لشکر کا گذر ایک کانٹے دار جھاڑیوں کے جنگل میں ہوا جس میں دو پہر کا وقت ہو جانے کی وجہ سے مسلمانوں نے پڑاؤ کیا اور تھوڑی دیر پڑ کر سو رہنے اور آرام لینے کی غرض سے ادھر اُدھر دیکھکر سایہ دار درختوں کے نیچے منتشر ہو گئے اور قیلولہ کرنے لگے۔ اسلامی سپہ سالار یعنی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خیمہ سے کچھ دور ایک کیکر کے درخت پر تلوار لٹکا دی اور اُسی کے نیچے آرام کی نیند پڑ کر سو گئے یکایک آنکھ کھلی اور دیکھا کہ ایک کافر بد و تلوار سونتے سرہانے کھڑا ہے اور کہہ رہا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اب بتاؤ کون ہے جو اس وقت تمہاری جان بچائے؟

سب جانتے ہیں کہ تیز رفتار گھوڑے گھوڑ دوڑ کے وقت اور بہادر پہلوان امتحان کے وقت پہچانے جاتے ہیں اور وقت پڑے پر ہی اندازہ ہو سکتا ہے کہ توکل کس کا نام ہے اور قدرتی استقلال و شجاعت کس کو کہتے ہیں یہ ایسا وقت تھا کہ بڑے بڑے بہادر اور ہمت والے دلیر سرداروں پر ہیبت چھا جاتی اور پاؤں لڑکھڑا جاتے ہیں کیونکہ تنہائی کا عالم تھا اور ہاتھ خالی۔ دشمن سر پر کھڑا تھا اور تلوار سونت رہا تھا کون ہے جس کو اپنی پیاری جان عزیز نہیں ملے یہاں تو اُن تمام خوبیوں کا مجسم نمونہ تھا جو ہر دلعزیز اور قابل تعریف مردمیں ہونی چاہئیں اس لئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر مطلق بھی خوف کا اثر نہیں ہوا اور آپ نے نہایت استقلال کے ساتھ جواب دیا کہ "خدا بچائیگا" اس سچے جواب اور با اثر لفظ کا دشمن پر ایسا اثر ہوا کہ خوف کے مارے تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ پڑی اور بدن کپکپانے لگا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس گری ہوئی تلوار کو اٹھا لیا اور اس کے سامنے گھوما کر پوچھا کہ اب تو بتلا کہ اس وقت تیرا بچانے والا کون ہے؟ اس نے کہا "افسوس کوئی نہیں" آپ نے فرمایا کہ رحیم ہونا مجھ سے سیکھ اور یہ فرما کر تلوار کو نیام میں کر لیا گویا آپ نے اپنی فضیلت و برتری کی کھلی سند اُسکو دکھلا دی اور بتلا دیا کہ درحقیقت شفقت و رحمدلی اور خدا پہ بھروسہ واعتماد خدا کے پیغمبر ہی سے سیکھنا چاہئے اس ارشاد سراپا ارشاد کا اس بدو کے دل پر اتنا بڑا اثر ہوا کہ وہ مسلمان ہو گیا اور آیندہ یہ حضرت بڑے پکے دینداروں میں شمار کئے گئے جنسے مخلوق کو بہت فیض پہونچا اور مشہور ہوئے۔

اسی ہجری کے پانچویں سنہ میں صلوٰۃ خسوف مشروع ہوئی اور اسی سال حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم گھوڑے پر سے گرے اور ران میں چوٹ آئی تھی جس کے صدمہ سے پانچ روز تک دولتسرا کے اندر نماز بیٹھ کر ادا کی اور مسجد نبوی میں تشریف نہ لا سکے اور اسی سال حج کی فرضیت نازل ہوئی مگر چونکہ یہ فرض موقت نہیں ہے کہ فوراً ادا کیا جائے اس لئے آپ نے ادا نویں سال میں کیا ہے جو حجۃ الوداع کے نام سے مشہور ہے اور بعض روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ فرضیت و مشروعیت بھی بعد ہی میں ہوئی ہے واللہ اعلم بالصواب۔

باب ۵۴ ۵ ہجری

اسلام کی تیسری جنگ مریسیع - پانچویں سنہ ہجری کے مبارک مہینہ ربیع الاول میں غزوہ دومۃ الجندل واقع ہو چکا تھا جس میں قبیلہ بنی کلب کے ان کا فریدوں کا سر کچلنے کے لئے اسلامی فوج روانہ ہوئی تھی جو دومۃ الجندل کے پاس رہتے تھے اور اہل مدینہ پر کئی مرتبہ حملہ کر چکے اور ڈاکہ ڈال چکے تھے مگر بھگوڑے کافر سامنے نہیں پڑے اور بلا مقاتلہ وحرب مسلمانوں کو واپس ہونا پڑا۔

شعبان کی دوسری تاریخ کو غزوہ مریسیع واقع ہوا جسکا دوسرا نام "بنی المصطلق کا غزوہ" ہے یہی وہ مشہور جنگ ہے جس میں حضرت عائشہ صدیقہؓ پر تہمت لگائے جانے کا مشہور واقعہ گذرا ہے جسکو امت محمدیہ قیامت تک بھی نہیں بھول سکتی اسی اسلامی جنگ میں حارث کی بیٹی حضرت جویریہؓ قید ہو کر کے لائی گئی تھیں جنکا پہلا نام برّہ ہے اور جنکو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم آزاد کر کے اپنے نکاح میں لائے اور پیغمبر کی زوجیت کا شرف مرحمت فرمایا تھا۔

مریسیع ایک چشمہ کا نام ہے جو قبیلہ خزاعہ کے بدوؤں کا کہلاتا ہے اور مقام فرع سے ایک دن کی مسافت پر واقع ہے اور مصطلق جذیمہ بن سعد کا لقب ہے جس کی برادری سے یہ جنگ ہوئی تھی۔

ایک مؤرخ کا یہ بھی بیان ہے کہ تیمم کی آیت اسی غزوہ میں نازل ہوئی تھی کیونکہ راستہ میں ایک ایسے مقام پر اسلامی لشکر نے چھاونی ڈالی تھی جہاں پانی کا نام نہ تھا کوئی کنواں قریب تھا نہ کسی چشمہ کی سرسراہٹ تھی اس جگہ زیادہ ٹھیرنے کا باعث صرف حضرت عائشہؓ کی گردن کا ہار تھا جو گم ہو گیا تھا اور اس کو تلاش کیا جا رہا تھا نماز کا بھی وقت آ گیا اور پیاس کی تکلیف نے بھی مسلمانوں کو پریشان کر دیا مگر گم شدہ ہار نہ ملا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنی لخت جگر اور پیاری بیٹی حضرت عائشہؓ صدیقہ کے پاس آئے اور خفا ہو کر کہنے لگے کہ اس تکلیف کا سبب تم ہی بنی ہو تم نے ذرا سی بے احتیاطی اور غفلت سے ہار کھو دیا اور اسلامی لشکر کو ایسے لق و دق میدان میں لا ڈالا جہاں پانی ملتا نہیں اور مسلمانوں کو تشنگی کے علاوہ نماز کی سخت حیرانی ہے باپ کا بیٹی پر یہ غصہ ہو ہی رہا تھا کہ آثار وحی نمودار ہوئے اور جبریل امین وحی ربانی لیکر اُترے اور تیمم کی آیت حوالہ کی حضرت اسیدؓ بن حضیر انصاری یہ آسمانی نعمت اور حق تعالیٰ کی اپنے مسلمان بندوں پر شفقت دیکھکر کہنے لگے کہ اے ابوبکرؓ کی اولاد یہ بھی تمہاری برکتوں میں سے ایک برکت ہے جس کی بدولت مسلمانوں کو ہمیشہ کے لئے آسانی حاصل ہو گئی اور اذن ملگیا کہ جہاں بھی پانی نہ ملے یا خوف ہو وہاں زمین پر دو مرتبہ ہاتھ مار کر ہاتھوں اور منہ پر پھیر لو اور وضو کے قائم مقام سمجھو۔

تھوڑی ہی دیر بعد محل اٹھایا گیا تو گم شدہ ہار بھی مل گیا کیونکہ اس تھوڑی دیر کی پریشانی میں تو حق تعالیٰ کو حضرت صدیقہؓ کا تمام مسلمانوں کی گردن پر اس سہولت ورخصت کا احسان ہی رکھنا منظور تھا جس سے امت محمدیہ کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی۔

چونکہ اس غزوہ کا سب سے زیادہ مشہور واقعہ قصۂ افک ہے یعنی حضرت عائشہ پر بہتان کا باندھا جانا اس لئے اسی کو بیان کرکے آگے چلتے ہیں البتہ اس مقام پر اتنا بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مذہب اسلام کے ابتدائی محققین اور بعض مؤرخین نے اس غزوہ مریسیع اور قصہ افک کو ہجری کے چھٹے سال کا قصہ بیان کیا ہے اور چونکہ غزوات اور اسلام کے ابتدائی واقعات کی تاریخ و سال کے تقرر میں بہت ہی کچھ اختلاف ہے اس لئے اشارۃً اس اختلاف کے بیان کر دینے میں ہم معذور بھی ہیں۔

جو شخص فن تاریخ کے لکھنے یا انتخاب کرنے کی صعوبت سے واقف ہے اور پھر اس کے ساتھ ہی مقدس مذہب اسلام کے ان واقعات پر نظر ڈالے جو ایسے وقت میں ہوئے ہیں جبکہ کسی کو کتابت و تدوین کی جانب توجہ نہ تھی اور سال و مہینہ کا یاد رکھنا کوئی قابل اعتبار بات نہیں سمجھی جاتی تھی اور نہ فن تاریخ کو کسی نے مفید یا کارآمد کام سمجھا تھا وہی شخص خوب اندازہ کر سکتا ہے کہ سچے قصوں کا تذکرہ کس قدر مشکل ہے اور اس وقت مؤرخ کو کن کن دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور کیسی کیسی دماغی قوت سے کام لینا پڑتا ہے اس لئے کہ یہ واقعات وہ تاریخی کہانیاں نہیں ہیں جنہیں جس طرح چاہا بے باکانہ قلم اُٹھا دیا اور جب چاہا دل میں بیٹھے ہوئے من گھڑت مضمون کا ناول بنا کر لکھدیا اور بچوں کو سلانے کے لئے لوریاں دینے اور تھپکنے کے عوض یا ضعف دماغ کے باعث زیادہ جاگنے والے کو میٹھی نیند سلانے کے لئے رات کو مسہری پر لیٹ کر سنا دیا۔ یہاں مؤرخ کو رک رک کر قلم چلانا پڑتا ہے اور اس کو متعدد احادیث اور کئی کئی معتبر و مستند کتابوں کی تحریر پر نظر ڈالنی پڑتی ہے اور ہر قول کے سیاق و سباق کو ملحوظ رکھنے اور مختلف روایتوں اور متفرق اقوال میں تطبیق دینے اور مناسبات و اشارات سے خلاصہ کے طور پر اپنا مطلب اخذ کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔

اس وقت میری نظر کے سامنے صحاح احادیث کی معتبر کتابیں اور مغازی و سیر کی کئی تاریخیں رکھی ہوئی ہیں جن کے متعدد بیانات پر میری نظر ہے اور میں تاریخ و سنہ کے اختلافات میں جس وقت گھبرا اٹھتا ہوں تو خلجان رفع کرتے وقت اپنے مستند شیخ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تقلید کرکے ان کی تحریر اور ترجیح پر کاربند ہوتا ہوں باقی اسمیں شک نہیں کہ صحیح اور سچا علم خدا کا ہے اور وہی سب سے بہتر جاننے والا ہے انسان جو کچھ جانتا اور سمجھتا یا لکھتا اور سناتا ہے اپنی سعی اور کوشش کے مطابق اور لیاقت و قابلیت کے موافق اسی بحر ذخار سے اپنا برتن لبریز کرتا ہے جس کے کنارہ کا آج تک کسی کو پتہ نہیں لگا اور نہ قیامت تک لگ سکے۔

باب (۵۵) ۵ ھ

حضرت عائشہؓ پر بہتان - اس مشہور واقعہ کا نام قصہ افک ہے کیونکہ افک کے معنی کسی پر بہتان باندھنے اور جھوٹی تہمت لگانیکے ہیں اور اس قصہ میں منافقوں نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی سب میں زیادہ پیاری بی بی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو زنا کی تہمت لگائی تھی اور چند مسلمان بھی نادانی وناواقفیت کے باعث ان کے ہمزبان ہوگئے تھے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ سفر کے وقت ازواج مطہرات کے ناموں پر قرعہ ڈالتے تھے اور انہیں کو ساتھ لیجاتے تھے جن کے مبارک نام پر قرعہ نکلتا تھا چنانچہ حسب دستور غزوہ مریسیع کے سفر کے وقت بھی قرعہ ڈالا گیا اور حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی حضرت عائشہؓ کے نام نکلا اور یہ رسول اللہ کے ہمراہ گئیں۔

جنگ سے فراغت ہوچکی اور اسلامی لشکر نے واپسی میں ایک پڑاؤ پر قیام کیا جہاں صبح ہوتے حضرت صدیقہؓ قضائے حاجت کو جنگل میں ذرا فاصلہ پر نکل گئیں اور جھٹ پٹے کا وقت تھا صبح صادق نے اچھی طرح روشنی کی جھلک نہیں دکھائی تھی کہ ان کی واپسی میں گلے کا ہار ٹوٹ گیا اور راستہ میں گم ہوگیا جس کی خبر ان کو اس وقت تک بھی نہیں ہوئی جبتک کہ اپنے خیمہ کے پاس نہ پہونچلیں۔ آکر کھڑی ہوئی تھیں کہ گلے پر ہاتھ جا پڑا اور مہرہ گم پاکر حیران ہوگئیں اور اس کی تلاش میں الٹے پاؤں اسی جنگل کی جانب لوٹیں جہاں قضائے حاجت کے لئے ابھی تشریف لے گئیں تھیں۔ گم شدہ ہار کی تلاش میں دیر لگ گئی اور آکر دیکھا تو قافلہ کوچ کرچکا تھا اور سوائے دور سے گرد وغبار نظر آنے کے ہمراہیوں میں سے کسی کا اسباب بھی نہیں رہا تھا کیونکہ عرصہ ہوا کوس رحلت ہوتے ہی کارواں اٹھ کھڑا ہوا تھا اور حضرت صدیقہؓ کا خالی محمل بھی اس غلط گمان سے اونٹ پر لادیا گیا تھا کہ حرم محترم اس کے اندر بیٹھی ہوئی ہیں اور چونکہ عفت مآب خاتون کم عمر اور نہایت دبلی پتلی ہلکی پھلکی عورت تھیں اس لئے محمل اٹھانے والے کو خالی اور بھرے ہوئے میں مطلق امتیاز نہوا اور اس جانب وہم وخیال بھی نہیں گیا کہ شاید بی بی عائشہؓ کسی ضرورت کے لئے باہر گئی ہوئی ہوں۔

حرم محترم نے گم شدہ ہار تو پالیا مگر یہ دیکھ کر کہ میں لق ودق میدان میں تن تنہا کارواں سے بچھڑی ہوئی کھڑی ہوں حیران وپریشان ہوگئیں اور مجبور اس خیال سے اسی جگہ بیٹھ گئیں کہ اگلے پڑاؤ پر جس وقت میرے پیارے شوہر مجھکو گم پائیں گے تو ضرور میری تلاش میں کسی آدمی کو بھیجیں گے اور فرستادہ قاصد سب سے پہلے یہیں آئے گا جہاں میرا محمل اتارا گیا تھا اور درحقیقت کوئی ہونہار عفت مآب کم سن وناتجربہ کار عورت ذات اس سے زیادہ عقلمندی اور ہوشیاری کی تدبیر ایسے وقت کر بھی نہیں سکتی جبکہ پاؤں میں چلنے اور کارواں کا تعاقب کرنے کی طاقت نہ پائے اور بچھڑے ہوئے مسافر کو اپنے قافلہ کے ہمراہیوں میں جا شامل ہونے کی قوت وقدرت نہو اس لئے بی بی عائشہؓ نے چاروں طرف کو

چادر سمیٹ کر اپنا سارا بدن اچھی طرح چھپا لیا اور کپڑا اوڑھ کر منہ سر لپیٹے وہیں پڑ کر سو گئیں۔

ہر تجربہ کار قافلہ کے پیچھے ایک ہوشیار سپاہی اس غرض سے رکھا جاتا ہے کہ قافلہ کی گری پڑی چیز اٹھاتا رہے۔ اور کچھ فاصلہ پر رہے تاکہ کوچ کر جانے والے قافلہ کے پڑاؤ پر کارواں کی روانگی کے تھوڑی دیر بعد جا پہونچے اور قافلہ کا اسباب ضائع نہونے دے چنانچہ اس قافلہ کے وہ نیکدل بہادر سپاہی جو اس خدمت پر تعینات تھے ایک سادہ لوح پکے دیندار مسلمان تھے جن کا نام صفوان بن معطل تھا۔

حضرت صفوان اپنی مقررہ خدمت کی سرانجامی کے لئے ادہر اُدہر نظر دوڑاتے اونٹنی پر سوار چلے آتے تھے کہ ایک گٹھری سی پڑی ہوئی نظر پڑی اور یہ اس کی جانب قافلہ کا گرا ہوا سامان سمجھکر لپکے اور پاس آکر دیکھا تو معلوم ہوا کہ نظر نے غلطی کی کیونکہ یہ کپڑوں یا اسباب سفر کی گٹھری نہ تھی بلکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری بی بی حضرت عائشہؓ تھیں جو منہ لپیٹے پاؤں سکیڑے پڑی تھیں اور جنکو پردہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے کبھی کبھی صفوان نے دیکھا بھی تھا اور یہی وجہ اسوقت اسقدر جلد پہچان لینے کی بھی ہوئی۔

حضرت صفوان کی آنکھوں کے تلے اندھیرا چھا گیا اور کمال حسرت وافسوس کے لہجہ میں یہ چلا اٹھے کہ "انا للہ و انا الیہ راجعون" اس آواز نے بی بی عائشہ کو جگا دیا اور وہ بیدار ہو کر فوراً اٹھ کھڑی ہوئیں اور چادر سے منہ چھپا لیا کیونکہ پردہ کا حکم نازل ہوئے پیچھے کسی نامحرم مرد کو دیکھنا یا چہرہ دکھانا حرام تھا۔

صفوانؓ اپنی اونٹنی سے نیچے اتر پڑے تھے اور مہار تھامے کھڑے کہہ رہے تھے کہ آپ اس پر سوار ہو جائیں تاکہ نیازمند غلام سواری کی مہار تھام کر لیکا ہوا چلے اور اپنے سپہ سالار کی حرم کو قافلہ میں تشویش وفکر لاحق ہونے سے پہلے پہونچا دے چنانچہ حضرت عائشہ اونٹنی پر سوار ہوئیں اور دوپہر سے پہلے پہلے اپنے پیارے شوہر اور دینی ودنیاوی سردار سے آملیں۔

بات تو صرف اتنی تھی جو ہمنے بیان کی مگر منافقوں کو زبان درازی کا موقع ہاتھ آگیا اور ان بے حیا اور بدنصیب لوگوں نے عفت مآب خاتون کو نیک نیت ایماندار مسلمان حضرت صفوانؓ کے ساتھ بری حرکت سے متہم کیا اور اس افواہ کو مدینہ کے کوچہ و بازار میں بہت جلد پھیلا دیا جدہر دیکھو یہی چرچا پھیلا ہوا تھا اور جہاں سنو اسی لغو اور بے اصل قصہ کا تذکرہ تھا اس بلا میں تین مخلص مسلمان بھی مبتلا ہو گئے تھے جن میں دو مرد تھے یعنی حضرت حسانؓ بن ثابت اور مسطح بن اثاثہؓ اور ایک عورت تھیں جنکا نام حمنہؓ بنت جحش تھا۔

بیچاری حضرت عائشہؓ کو کچھ خبر نہ تھی کہ مدینہ میں ان کے متعلق کیا مشہور ہو رہا ہے اور منافقوں کے سردار عبداللہ

بن ابی نے کیا افترا باندھا ہے۔ ان کو سفر سے واپس آکر بخار چڑھ آیا تھا جس کی اکثر اوقات تیزی کے باعث بیہوش پڑی رہتی تھیں اور اس حال میں اپنے پیارے شوہر کا رُخ بدلا ہوا پاکر رنج کے باعث اور زیادہ نڈھال ہوگئیں تھیں کیونکہ دیکھتی تھیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محبت سے بات ہی نہیں کرتے اور کبھی تشریف بھی لاتے ہیں تو عیادت کرتے وقت خطاب ہی نہیں فرماتے صرف پاس بیٹھنے والی تیمار دار سہیلیوں سے اتنا پوچھکر تشریف لیجاتے ہیں کہ "انکا کیا حال ہے"۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خبر بد نے نہایت صدمہ پہونچایا اور اس افواہ کی شہرت نے سمندِ ناز پر تازیانہ کا کام دیا آپ نے اپنے معتمد صحابہ سے مشورہ بھی لیا اور سب نے عفت مآب خاتون کی پاکدامنی کا اظہار کیا البتہ چند حضرات نے خاطر عاطر کا صدمہ دیکھکر یہ بھی عرض کیا کہ اگر حضرت کو رنج زیادہ ہے تو چھوڑ دیجئے۔ دوسری پاکدامن عورتیں اس فخر کو حاصل کرنے کے لئے موجود ہیں۔ مگر جو رنج رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بدشہرت پر ہوا تھا وہ کسی طرح رفع نہ ہوا اور آپ نے یکلخت محبت کے وہ علاقے قطع کر دیئے جو حضرت صدیقہؓ کے ساتھ وابستہ تھے اور آپ نے اس بے تعلقی سے ثابت کر دیا کہ آپکو بی بیوں کے ساتھ جو کچھ بھی محبت ہے وہ محض اللہ واسطے اور صرف اس غرض سے ہے کہ نصف دین جو انسان کے نوعی آدھے ٹکڑے یعنی عورتوں کی صنف کے ساتھ تعلق رکھتا ہے وہ متعدد بی بیوں کے ذریعہ سے پورا ہو جائے۔ اور اسکے علاوہ تعدد ازدواج سے کوئی دنیاوی غرض مقصود نہیں ہے جیسا کہ دشمنوں کا خیال ہے ورنہ اس قصہ کا خیال نہ کرنا اور نفس کے مقتضا کے موافق اصل محبت کا قائم رکھنا کوئی بڑی بات نہ تھی۔

اس قصہ سے یہ امر اچھی طرح ظاہر ہوگیا کہ آپ کسی بشر کی محبت میں مجبور نہیں ہیں اور نہ آپ کو کسی صحابی یا رشتہ دار یا پیاری اور چاہیتی بی بی کے ساتھ ایسا انسیت کا علاقہ ہے جو دینی مضبوط علاقہ پر غالب آجائے اور محبوب کے عیوب ونقائص کو بھی محاسن وخوبیاں بنا کر دکھانے لگے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کی معتمد اور نگراں حال باندی حضرت بریرہ کو بھی علیحدہ بلا کر حالات کی تفتیش کی اور اس دیندار سچی عورت سے پوچھا کہ عائشہؓ کے چال چلن اور عادات کے متعلق بے کم وکاست قصہ خدا کو حاضر ناظر جانکر سچ سچ بیان کرو تا کہ مجھے اپنے پریشان خیالات کو یکجا کرنے کی تائید ہاتھ آئے۔

چنانچہ حضرت بریرؓہ نے قسم کھا کر عرض کیا کہ بجز اس کے کہ بھولی بھالی اور ناتجربہ کار بچی ہیں خدانخواستہ اور کوئی عیب نہیں ہے۔ مزاج میں بچپن اور بے پروائی البتہ موجود ہے۔ آٹا رکھا ہوا ہو تو خبر نہیں لیتیں پڑ کر سو جاتی ہیں۔ خمیر گوندھ کر رکھدیتی ہیں بکری آئے اور کھا جائے تب بھی کچھ پرواہ نہیں کرتی۔ خانہ داری کے معاملات میں چھل بل اور ہوشیاری وفطرت کا مادہ بیشک کم ہے اور اس کے سوائے خدا کی قسم کوئی ایسی بات نہیں ہے جس پر بدگمانی کیجائے

یا کسی کو شبہ کا موقع ہاتھ آئے۔ مگر اسپر بھی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا دل بی بی عائشہ رضہ کی طرف سے صاف نہیں ہوا اور آپ منتظر تھے کہ جبتک علام الغیوب اور دلوں کے مخفی حالات کا جاننے والا خدا آسمانی وحی کے ذریعہ سے اس قصہ کو طے نہیں فرمائے گا اس وقت تک میں اس عورت سے کوئی ربط و ضبط کا علاقہ نہ رکھونگا جس کے متعلق مدینہ میں ایسی بُری خبر مشہور ہو چکی ہے۔

بی بی عائشہ رضہ مرض کی نقاہت کے علاوہ اس رنج میں گھلی جاتی تھیں کہ پیارے شوہر کی وہ محبت بھری نظر بالکل پھری ہوئی ہیں جو ہمیشہ سے ان پر قائم رہی ہیں اور وہ لطف و کرم اور الفت کا برتاؤ نام کو بھی نہیں جو چند روز پہلے تہا خدا جانے کیا سبب ہے جس کی وجہ سے یوں کایا پلٹ گئی یہانتک کہ ایک روز مرض سے کچھ افاقہ ہوا اور حضرت عائشہ اپنی سہیلی یعنی مسطح کی والدہ کے ساتھ قضائے حاجت ضروری کے لئے جنگل روانہ ہوئیں کیونکہ اس وقت تک آبادی میں گھروں کے اندر پاخانہ اور قدمچہ بنانیکا بالکل رواج نہ تھا اور تمام شریف زادیوں کو شب کے وقت یا اندھیرے منہ صبح کے جھٹ پٹے کے وقت روزانہ بضرورت جنگل جانا پڑتا تہا۔

گھر کو واپس ہوتے وقت راستہ میں مسطح کی والدہ کا پاؤں چادر میں الجھا اور انھوں نے جھٹکا کھاتے وقت اپنے بیٹے کا نام لیکر ایسا کلمہ کہا جو کوسنا اور بد دعا ہے یعنی "تعس مسطح" (مسطح ہلاک ہوجیو)

اس نازیبا کلمہ کو حضرت عائشہؓ نے سنکر کہا کہ ایسے شخص کو کوسنا کب جائز ہے جو بدر کی مشہور جنگ اور اسلام کی پہلی لڑائی میں شریک ہوا ہے۔ جس کے جواب میں اس مہربان ساتھن نے ٹھنڈا سانس بھرا اور کہا تمہیں کیا خبر کہ تمپر کیا تہمت لگائی گئی ہے اور مدینہ کے کوچہ و بازار میں کیسا طوفان بدتمیزی اٹھا ہوا ہے جس میں مسطح بھی شریک ہے اللہ اُسپر رحم کرے اس کو ایسا مناسب نہ تہا۔

حضرت عائشہؓ کے مسطح کی والدہ سے تمام قصہ سنکر ہوش اڑ گئے آنکھوں کے نیچے اندھیرا چھا گیا دنیا نظر میں تاریک معلوم ہونے لگی بخار زیادہ چڑھ آیا اور رنج و صدمہ کے مارے گھر پہونچنا مشکل پڑ گیا کیونکہ پاکباز حرم کو ایسا واقعہ سننے کا کیوں اتفاق ہونے لگا تہا غرض افتاں و خیزاں مکان پر آئیں اور روتے روتے برا حال کیا۔ آنسوؤں کے تار تھے کہ ٹوٹنے ہی میں نہیں آتے تھے اور آنکھوں سے پانی کی لڑی جاری تہی جس کا کنارہ ہی معلوم نہ ہوتا تہا تمام شب اسی بے چینی و صدمہ میں گذر گئی۔ کروٹیں بدلتے بدلتے رات ختم ہوگئی اور تارے گنتے گنتے صبح نے اپنا منہ دکھایا جو وقت حسب عادت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دولتکدہ میں تشریف لائے اور اُسی بے التفاتی سے بیمار کو پوچھا کہ " اب ان کا کیا حال ہے " ؟ تو بی بی عائشہؓ نے اپنے میکے جانے کی اجازت چاہی اور عرض کیا کہ میں اپنے ماں باپ کے گھر جانا چاہتی

ہوں چنانچہ حضرت نے بے تکلف فوراً اجازت دیدی اور بی بی عائشہؓ صدمہ بھرا دل ہاتھوں سے تھام کر روتی ہوئی اپنے گھر روانہ ہوئیں اور میکے پہونچکر اپنی مہربان ماں سے چپٹکر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ ماں نے چھاتی سے لگالیا اور ہرچند تسلی وتشفی کی مگر اس بے قرار دل کو کس طرح صبر آسکتا تھا جس کا اضطراب ایسے ناشدنی بہتان اور ناگفتہ بہ افواہ اور لغو وبے اصل تہمت کے باعث پیدا ہوا ہو جسکا بیان کرتے ہوئے قلم کانپتا ہے۔

باب (۵۶) ۶ھ

قصہ کا نتیجہ اور بہتان کا انجام۔ حضرت عائشہؓ صدیقہ کو رات و دن سوائے رونے اور منہ سر لپیٹے پڑی رہنے کے کوئی کام نہ تھا ان کو اپنی کسی سہیلی کا آنا اچھا نہیں معلوم ہوتا تھا کوئی بیمار پرسی کے لئے بھی آتا تھا تو ناگوار گذرتا تھا اور اگرچہ ماں باپ بہتیرا سمجھاتے اور تسلی دیتے تھے مگر بیقرار دل کو قرار نہ آتا تھا کلیجہ تھا کہ اُمڈا چلا آتا تھا اور حالت تھی کہ لحہ بہ لحہ غیر ہوتی جاتی جو عورت بھی آتی تھی ان کو روتے دیکھکر خود بھی رونے لگتی تھی اور اس بیہودہ افواہ کے صدمہ میں انکی شریک حال بنجاتی تھی۔ کامل ایک دن اور دو شب اسی حال میں گذر گئیں کہ آنکھوں سے آنسو نہیں تھما یہانتک کہ ایکدن رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ان کو روتا دیکھکر افسوس کرنے لگے اور پاس بیٹھ کر فرمانے لگے کہ "اے عائشہؓ اگر تم بے گناہ ہو تو حق تعالیٰ تمہارا بے قصور اور پاکدامن ہونا ظاہر کردے گا اور اگر تم سے خطا ہوگئی ہے تو توبہ کرو اور حق تعالیٰ سے معافی چاہو اس کی ذات غفور رحیم ہے اسکو اپنے گناہگار بندوں کا بخشنا اور توبہ کرنے والوں کی توبہ کا قبول کرنا محبوب وپسندیدہ ہے" اس وقت حضرت عائشہؓ کی والدہ بھی بیٹھی ہوئی تھیں اور پیارے باپ حضرت ابو بکر صدیقؓ بھی گھر ہی میں موجود تھے اور ایک انصاری عورت بھی اسی قصہ پر بیٹھی رو رہی تھیں۔

حضرت عائشہؓ نے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد سُنا اور باپ کی طرف منہ کرکے کہا کہ اس کا جواب دیجیے مگر حضرت صدیقؓ نے صاف انکار کر دیا اور کہا کہ بھلا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بات کا میں کیا جواب دوں آپ جو کچھ فرماتے ہیں سچ فرماتے ہیں میری کیا مجال کہ دخل دے سکوں۔ اس کے بعد حضرت صدیقہؓ نے اپنی ماں سے کہا کہ آپ ہی کچھ جواب دیں۔ مگر ماں نے بھی وہی جواب دیا جو ابھی ان کے خاوند دے چکے تھے اور جب دونوں سے مایوس ہوگئیں تو مجبور خود بولیں اور کہا کہ "میں کم عمر بچی ہوں مجھے قرآن بھی زیادہ یاد نہیں ہے بخدا مجھے معلوم ہے کہ جو کچھ تم لوگو نے اس قصہ کے متعلق سُنا ہے اس کا تمکو یقین آگیا ہے اور یہ ناشدنی بہتان تمہارے دلوں میں جگہ کر چکا ہے اس لئے اب اگر میں کہوں بھی کہ بے قصور ہوں بے گناہ ہوں تو تم کو ہرگز یقین نہیں آئیگا اور اگر ایسے گناہ کا اقرار کرلوں جس کے دھبہ سے میرا دامن بالکل پاک ہے اور خدا ہی خوب جانتا ہے کہ میں بری اور بے خطا ہوں مگر تمکو یقین نہ آئیگا۔ واللہ

ہیں اپنی اور تمہاری کوئی مثال نہیں پاتی جو بیان کروں بجز اس کے کہ یوسف کے باپ کی طرح یوں کہوں" فصبر جمیل واللہ المستعان علی ما تصفون" (صبر ہی بہتر ہے اور تمہاری بنائی ہوئی باتوں پر اللہ ہی کی مدد چاہیئے۔)

جس وقت بی بی عائشہؓ یہ تقریر کر رہی تھیں اس وقت غصہ کے مارے کپکپا رہی تھیں آنکھ سے آنسو تھم گئے تھے اور رنج و صدمہ کے جوش و خروش کے باعث تن بدن کا بھی ہوش نہ تھا اور رنج و غم ہی کا باعث تھا کہ اس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کا مشہور نام بھی یاد نہ رہا اور مجبور یوسف کے باپ کا کلمہ نکالا اور اس لقب کے اظہار سے بڑی مشکل کے ساتھ بیتاب ہو ہو کر اپنا مافی الضمیر ادا کیا مگر اتنا جواب دیکر بستر پر جا پڑیں کیونکہ غم کی گھٹا چھائی ہوئی تھی اور ایک مہینہ کے مرض کی نقاہت کے علاوہ صدمہ کے باعث کھانا پینا چھوڑ دینے سے نڈھال ہو رہی تھیں۔ تین دن سے روتے روتے بُرا حال تھا اور رنج نے گھن کی طرح اندر ہی اندر چر لیا تھا خدا جانے اتنی بات بھی کس جوش میں زبان سے ادا ہو گئی ورنہ سلام کا جواب دینا اور اٹھکر بیٹھنا بھی دشوار ہو گیا تھا۔

ابھی گھر کا مجمع بدستور موجود تھا اور سب بحالت خود سکتہ کے عالم میں خاموش بیٹھے ہوئے تھے کہ آثار وحی نمودار ہوئے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ مدہوشی طاری ہوئی جو اکثر جبریل امین کے وحی ربانی لاتے وقت ہوا کرتی تھی پیشانی مبارک پر عرق آگیا اور آسمانی حکم کی شدت کے باعث پسینہ آنے لگا کیونکہ ایسے وقت پر ہمیشہ مصدر و مہبط وحی کی ایسی حالت ہو جاتی تھی جس سے لوگ نزول وحی کو پہچان جاتے تھے اور بسا اوقات جاڑے کے موسم میں بھی حضرت پسینہ پسینہ ہو جاتے تھے چنانچہ جبریل امین آئے اور سورۂ نور کی وہ اٹھارہ آئتیں لائے جنمیں حق تعالیٰ نے بڑے زور و شور اور نہایت شد و مد کے ساتھ بی بی عائشہؓ کی برات اور پاکدامنی کا اظہار فرمایا ہے اور اس بہتان کے باندھنے والوں اور غلط افواہ کے پھیلانے والوں کو دھمکایا اور سزا کا مستوجب بنایا ہے۔ وحی کے ختم ہونے پر جب حالت اصلی نے عود کیا تو رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے وحی آسمانی کو سنایا اور مسکرا کر فرمایا کہ خوش ہو اے عائشہؓ حق تعالیٰ نے تمہارے عفت و عصمت کا اظہار فرمایا اور تمہارا بے گناہ ہونا قرآن مجید کی آیتوں میں سنایا ہے جو قیامت تک مصحف سے جدا نہیں ہوسکتیں اور نہ قیامت تک پیدا ہونیوالا کوئی حافظ قرآن مسلمان ان کو بھول سکتا ہے۔

حضرت عائشہؓ سے ان کی والدہ نے کہا کہ لو اٹھو منہ دھو اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ بی بی عائشہؓ خوشی کی ماری پھولی نہ سماتی تھیں اور جتنی غمزدہ تھیں اس سے زیادہ خوشی کی خبر یک لخت کانوں میں پڑی تھی اس لئے کہنے لگیں کہ کیوں جاؤں میں تو خدا ہی کا شکریہ ادا کروں گی جس نے مجھ پر یہ بیشمار احسان فرمایا ہے بی بی عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میرا یہ خیال ہرگز نہ تھا اور نہ ایسی امید تھی کہ حق تعالیٰ حرم نبوی کی اتنی وقعت کریں گے اور اس خبر بد کے دور

کرنے میں قرآن کی تلاوت ہونے والی آیتوں کو نازل فرما دیں گے البتہ یہ یقین تھا کہ مجھ بے قصور کا بیگناہ ہونا فوراً
ثابت ہوگا اور سچی خواب یا الہام کے ذریعہ سے نبیؐ کا دل صاف کر دیا جائیگا تا کہ میرا پاکدامن ہونا متحقق ہو جائے۔
اور پھر وہی مہر کی نظر ہونے لگے۔جو ابتداسے ہے مگر درحقیقت اللہ پاک کو بی بی خاتون کی ایسی پاسداری تھی کہ اس
قرآن پاک میں برات اتاری جس کو بے وضو ہاتھ لگانا بھی حرام ہے شاید اس میں یہ بھی مصلحت ہو کہ یہ قصہ اس برحق مصحف
میں موجود رہے تو بہتر ہے جس کا برحق ہونا یقینی ہے اور جس کی حفاظت ہمارے ذمہ ہے اور جس کی ایک آیت کا بھی کوئی
مسلمان انکار نہیں کرسکتا تا کہ آیندہ مسلمانوں اور اسلام کے آنے والے فرقوں میں کسی قوم کو بھی شبہ کا موقع اور حرم نبی پر
اشتباہ یا بدگمانی کا وقت نہ ملے مگر افسوس جسکی خاطر حق تعالیٰ کو اسقدر عزیز ہو مسلمانوں کا ایک فرقہ شیعہ پھر اس کی
منزلت کو نہ سمجھے اور عین دوپہر کے وقت کھلے آفتاب پر غبار ڈالنا چاہے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ممبر پر چڑھ کر خطبہ پڑھا اور مسلمانوں کے بھرے مجمع میں سورۂ نور کی ان آیتوں کو
پڑھ کر سنایا اور حق تعالیٰ کے فرمان واجب الاذعان کی بموجب اس طوفان کے برپا کرنیوالوں کو بلاکر حد قذف لگوائی
یعنی اس سزا میں اسّی اسّی درے مارے جو منکوحہ مسلمان شریف زادیوں پر بہتان باندھنے والوں کے لئے اسلامی
شریعت میں مقرر ہے۔

مسطح بن اثاثہؓ اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ میں قرابت ورشتہ داری کا بھی تعلق تھا اور حضرت صدیقؓ ہمیشہ مسطح
کے ساتھ سلوک اور مالی اعانت کیا کرتے تھے مگر چونکہ افک کا قصہ مشہور کرنے والوں کے یہ بھی ایک رکن بنے تھے اسلئے
رنج وغصہ کی وجہ سے حضرت صدیقؓ نے ہاتھ کھینچ لیا اور ان کا مقررہ نفقہ بند کر دیا۔ لیکن اللہ پاک نے وحی کے ذریعہ
سے اطلاع دی کہ "جو لوگ اللہ کی مغفرت وخوشنودی کے طالب ہیں ان کی خطاؤں سے درگذر اور معاف کرنے کی عادت
اختیار کرنی چاہیئے" یہ آیت سنکر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت مسطح پر مقررہ سلوک پھر نافذ کر دیا اور کہا کہ میں اللہ
تعالیٰ کی مغفرت کو ہر طرح ترجیح دیتا ہوں اور اس تمنا سے کسی طرح مستغنی وبے نیاز نہیں ہوسکتا۔

ہماری تحریر سے ظاہر ہوگیا کہ اس ایک غزوہ میں حضرت عائشہؓ کا ہار دو مرتبہ گم ہوا ایک دفعہ آیت تیمم کے نازل ہونیکا
سبب ہوا اور دوسری مرتبہ اس قصہ افک اور برات وعفت کا واقعہ مگر بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس غزوہ میں قصہ
افک ہی واقع ہوا ہے۔ اور تیمم کے نازل ہونے اور اس وقت میں ہار کھوئے جانیکا قصہ غزوہ ذات الرقاع یا کسی
دوسرے سفر میں پیش آیا ہے واللہ اعلم بالصواب۔

باب ۵۷ ۵ھ

مذہب اسلام کی چوتھی جنگ یعنی خندق کی تیاری۔ اس درمیان میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن بھی غافل نہ تھے بلکہ اس کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ ایک دفعہ ادہر ادہر کے عام بہادر بدوؤں کو جمع کریں اور مدینہ پر یکدم یورش کر کے دلوں کا حوصلہ نکال لیں تاکہ امنگ باقی نہ رہے اور ایک دفعہ کو دل کی آرزو پوری ہو جائے چنانچہ ان بدنصیبوں نے اپنے قاصدوں کو چاروں طرف روانہ کیا تاکہ گرد و نواح کی قوموں اور مختلف قبیلوں کے بت پرستوں کو مسلمانوں کے خلاف پر برانگیختہ کریں اور اس مرتبہ ہزار ہا ہزار سپاہیوں کی فوج اسلامی مختصر لشکر پر اس غرض سے چڑھ جائے کہ اس نئے مذہب کی جڑ و بنیاد اکھیڑ پھینکے۔ ادہر قبیلہ بنی نضیر کے چند یہودی جوان جو خیبر کے پاس جا کر رہے تھے وہ الگ مسلمانوں سے لڑنے کے لئے لوگوں کو بھڑکا اور بہکا رہے تھے انہیں میں سے ایک مفسدہ پرداز یہودی یعنی اخطب کا بیٹا حُیّی تقریباً بیس یہودیوں کو اپنے ساتھ لیکر مکہ گیا ہوا تھا اور اپنی کثیر جماعت کی مدد اور فتح کی مفید و کارآمد تدابیر کے بھروسہ پر کفار قریش کو لشکر کشی کے لئے آمادہ کر رہا تھا چنانچہ اس کو اپنے خیال میں کامیابی ہو گئی اور ان یہودیوں کا کفار قریش سے اس یورش کے متعلق معاہدہ مستحکم و مضبوط ہو گیا جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ فوراً کفار قریش کے سردار ابوسفیان نے چار ہزار مسلح سپاہیوں کا لشکر مرتب کیا۔

ناظرین کو معلوم ہو چکا ہے کہ بنی نضیر کے یہودی ایک اٹل اور باقوت حکم سے جلاوطن ہوئے اور نہایت بے سر و سامانی کے ساتھ مدینہ سے نکال باہر کئے گئے تھے اس ذلت و خواری کے ساتھ وطن کو مجبور ہو کر چھوڑ دینے سے انکی عداوت مسلمانوں کی طرف سے بہت بڑھ گئی تھی اور یہی وجہ تھی جس نے ان کو مضطرب و بیچین کر رکھا تھا اور وہ عرب کی پہاڑیوں کے بدوؤں کی خوشامدیں کرتے حرص و طمع دلاتے ان کے آبا و اجداد کے مشہور اور بہادرانہ کارنامے سناتے اور گذشتہ خونریزی کے واقعات یاد دلاتے پھرتے تھے تاکہ یہ وحشی و دہقانی بہادر ایک مرتبہ جھرجھری لیں اور جس طرح ممکن ہو یکجائی قوت کے ساتھ مسلمانوں پر حملہ کر بیٹھیں چنانچہ یہ چاروں طرف پھرنے والے مفسد یہودی قبیلہ غطفان کے بت پرست سردار کے پاس بھی گئے اور اس لالچ پر کہ خیبر کی سال بھر کی پیداوار تمکو ملے گی اور اس قطعہ کے لذیذ چھوارے برس دن میں جس قدر بھی پیدا ہوں تمہارے پاس پہونچا دیئے جائیں گے انکو بھی اپنا ہمخیال بنا لیا اور اس سردار کی کوشش سے اپنے ہم عہد اور حلیف قبیلوں کے سپاہیوں کو ہمراہ لیکر مقام مرالظہران میں اُس لشکر سے آملے جو ابوسفیان کی ماتحتی میں مکہ سے چل پڑا تھا اور اب یکجا ہو کر دس ہزار کافروں کی جماعت مدینہ کی جانب روانہ ہوئی۔

زمین و آسمان نے خلعت وجود پہنا ہے اور مسلمانوں کا وہ محسن شفیق اور مربی و روحانی باپ بھی خندق کھودنے میں مشغول ہے جس کا پیارا نام لینے سے روح تازہ ہوتی ہے اور قلب میں ٹھنڈک پہنچتی ہے مگر بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر بندھا ہوا ہے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فاقہ کی تکلیف سے کمر کو پٹی باندھ کر کس لیا ہے تاکہ کسل نہ معلوم دے اور خالی معدہ ہاتھ پاؤں میں ضعف کا اثر نہ پیدا کرے کیونکہ مدینہ کی سخت اور پتھریلی زمین کے کاٹنے میں بڑی قوت درکار ہے اور گہرا خندق کھودنے میں سخت محنت کی ضرورت ہے

یہ وہ دینی بادشاہ اور مسلمانوں کے سرتاج سپہ سالار ہیں جنکی طرف ہم اور تم سب منسوب ہیں اور اس نسبت پر فخر کرتے ہیں اور درحقیقت فخر بجا ہے کیونکہ اسی ایک بندہ کی خاطر ساری مخلوق پیدا ہوئی اور انہیں کے وجود باوجود کے طفیل ہم سب دنیا میں انسان بنکر آئے ہیں انہیں کے مبارک قدموں کے نیچے جنت ہے اور انہیں کی سنت کے اتباع میں وہ اخروی نجات منحصر ہے جس کی طلب و آرزو ہر شخص کو ہے گو اسکا سیدھا اور واقعی راستہ اختیار کرنے میں بہتیروں نے غلطی کھائی ہے۔

فاقہ کش مسلمانوں اور کئی وقت کے بھوکے جواں مرد بہادر سپاہیوں نے اسی حالت میں تمام دن گذار دیا ان اللہ والوں کو زمین کھودنے اور مٹی نکال نکال کر باہر ڈالنے میں اس کا بھی ہوش نہیں کہ فاقہ مست بچے کہاں ہیں اور دست نگر پردہ نشین عورتیں کدھر اور کیا کر رہی ہیں۔ یکایک ایک عاشق رسول صحابی حضرت جابر کی نظر اسلامی لشکر کے سپہ سالار پر جا پڑی اور اس مشقت پر پیٹ سے بندھا ہوا پتھر دیکھ کر بیتاب ہو گئے۔ اور چپکے سے اپنے گھر آکر بیوی سے کہنے لگے کہ میرے روحانی باپ اور پیارے سردار کو فاقہ ہے اور پیٹ سے پتھر بندھا ہوا ہے جو کچھ گھر میں موجود ہو جلدی نکالو اور پکا ریندھکر تیار کرو تاکہ میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو بلالاؤں اور سب سے علیحدہ بٹھا کر کھانا کھلادوں۔

حضرت جابرؓ کی بی بی بھی تو اسی رسول کی شیدا تھیں جنپر جابرؓ فریفتہ تھے اسلئے بیچین ہو گئیں اور فوراً گھر کی پلی ہوئی بکری کے گلے پر چھری پھیر دی اور ذبح کر کے گوشت ہانڈی میں ڈال کر چولھے پر چڑھا دیا۔ جو کا پونے چار سیر آٹا جو اس وقت موجود تھا سب گوندھ کر خمیر کر لیا اور حضرت جابرؓ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت سراپا برکت میں حاضر ہو کر آہستہ سے عرض کیا کہ میں نے کھانا پکوایا ہے حضور تنہا تشریف لے چلیں اور ما حضر تناول فرمائیں۔

لشکر کے سپہ سالار کو یہ بات کب گوارا تھی کہ میرا پیٹ بھرے اور جفاکش سپاہی بھوکے رہیں۔ اس لئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے بآواز بلند پکار دیا کہ "اے خندق کھودنے والے فاقہ مست سپاہیو جابرؓ نے تم سبکی دعوت کی ہے چلو کھانا کھالیں اور سیر ہو کر پھر کام میں مصروف ہوں" اور جابرؓ سے فرمایا کہ تم چلو اور گھر میں ہدایت

کردو کہ میرے آنے تک ہانڈی چولھے سے نیچے نہ اتاری جاوے میں ابھی آتا ہوں اور دیکھو آٹا بھی میرے سامنے ہی پکایا جائے۔

حضرت جابرؓ بمقتضائے بشریت گونہ پریشان ہوئے اور بی بی سے آکر کہا کہ تمنے کھانا ایک شخص کے قابل پکایا ہے ورسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سارے لشکر کو ہمراہ لاتے ہیں بھلا اس میں کیا ہوگا۔

جابرؓ کی بی بی نہایت مستقل مزاج اور پارسا عورت تھیں کہنے لگیں کہ گھبراتے کیوں ہو کیا حضرت کو یہ علوم نہیں ہے کہ ہماری حیثیت کس قدر ہے تم اپنا کام کرو اور دیکھو کہ حق تعالیٰ کی قدرت اور مقبول رسولؐ ے قدموں کی برکت کیا نتیجہ دکھاتی ہے۔ اتنے میں دینی سردار آپہونچے اور اندر تشریف لاکر گوشت کی چولھے چڑھی ہوئی ہانڈی اور خمیر کئے ہوئے آٹے میں دہن مبارک کا لعاب ڈالدیا اور کہدیا کہ ایک روٹی پکانے ے کو اور بلالو اور کھانا اُتارنا شروع کرو۔ روٹی پکتی جائے اور مہمان سیر ہو کر کھاتے جائیں۔ چنانچہ برؓ نے پیالوں میں بھر بھر کر گوشت نکالنا اور مہمانوں کو کھلانا شروع کیا۔ ایک ہزار مہمان سیر ہو کر اچکے اور ہانڈی چولھے پر بدستور جوش مارتی رہی۔ آٹا اسیقدر نظر آیا جتنا مخلص و عقیدتمند عورت خمیر کیا تھا اور گوشت بھی اسیقدر موجود تھا جتنا ہانڈی میں چڑھایا گیا تھا یہ برکت دیکھ کر حضرت رُحیران ہوگئے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مع اسلامی لشکر کے پھر خندق کھودنے میں جا مصروف ہوئے۔

مقبول رسولؐ کے جان نثار اصحاب خندق کھود رہے تھے کہ ایک سخت پتھر نمودار ہوا جو نہ کُدال سے ٹوٹ نہ پھاوڑے سے نکل سکا بہادر پہلوان عاجز آگئے اور ہمت والے زبردست مسلمان گھبرا گئے کیونکہ ہرچند مش کی اور زور آزمائے مگر پتھر کو نہ ہلنا تھا نہ ہلا اور کئی زور آور سپاہیوں کے زور کرنے سے بھی پتھر نے بلکہ سے جنبش نہ کی مجبور ہو کر صحابہ کرامؓ اپنے سپہ سالار کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ پتھر نے تھکا دیا ہے نہ نکالے نکلتا ہے نہ توڑے ٹوٹتا ہے بہتیرا زور کرتے ہیں مگر پتھر سرکتا نہیں ذرا تشریف لے اور فرمایئے کہ کیا تدبیر کیجائے۔

ہمارے دینی سردار نے کُدال ہاتھ میں لی اور وہاں تشریف لائے جہاں بیسیوں پہلوان زور آزما چکے مگر ہمت باندھکر اور بسم اللہ کہکر ایک چوٹ ماری جس سے تہائی پتھر ٹوٹ کر الگ جا پڑا اور بجلی کی طرح ایک پیدا ہوئی جو سب نے دیکھی مگر اس روشنی سے ملک شام کی عمارتیں صرف اللہ کے پیارے پیغمبر کو نظر پڑیں شارہ کر رہی تھیں کہ چشم بددور ان باہمت بازوؤں کے قبضہ میں ایک دن ہمکو بھی آنا ہے اور اسی عالی

حوصلہ لشکر کا عالمگیر مبارک جھنڈا اس ملک میں بھی بہت جلد لہرانیوالا ہے۔ چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حق تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا اور اللہ اکبر کہکر صحابہ سے فرمایا کہ حق تعالےٰ نے ملک شام مجھکو مرحمت فرمایا اور پھر پتھر پر دوسری ضرب ماری جس کے صدمہ سے نصف پتھر ٹوٹ گیا اور اس مرتبہ روشنی کی چمک میں ملک فارس کی عمارتیں دکھائی گئیں اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اسکی بھی بشارت دی یہانتک کہ تیسری چوٹ میں پتھر کے ٹکڑے اڑ گئے اور بجلی کی سی چکا چوند میں ملک یمن کے مکانات نظر آئے اور پھر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح مژدہ سنایا جس طرح پہلے سنایا تھا غرض پتھر پاش پاش ہو گیا اور اللہ کے رسولؐ کی تینوں پیشین گوئیوں کا پورا ظہور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مبارک زمانہ میں اس وقت ہوا جبکہ ملک یمن و ملک شام اور ملک فارس پر مسلمانوں کا پورا قبضہ و تسلط ہو گیا اور ان زبردست سلطنتوں اور زرخیز ولایتوں کے مستحکم قلعوں کی اونچی دیواروں پر اسلامی پھریرا ہوا میں مستانہ جھونکے لیتا اور ناز و انداز کے ساتھ خراماں حرکت کرتا ہوا دکھلائی دیا۔

جفاکش اور محنتی سپاہیوں کی کوشش پوری ہوئی اور خواطر خواہ خندق کھُد گیا جس پر اسلامی لشکر تعینات ہو گیا۔ اتنے میں غنیم کا لشکر بھی آپہنچا اور مسلمانوں نے شہر پناہ کی دیواروں پر کھڑے ہو کر دشمن کی مدافعت اور شہر کی حفاظت میں سرگرمی دکھائی کیونکہ دس ہزار کافروں کے مقابلہ کے لئے مسلمان صرف تین ہزار آدمی جمع کر سکے اور ایسی حالت میں مصلحت و تدبیر کا بھی یہی اقتضا تھا کہ باہر میدان میں نکلکر مقابلہ نہ کیا جائے۔

باب (۵۸)

جنگ اور اس کا نتیجہ اول تو مسلمانوں کی تعداد ہی کم تھی دوسرے ان میں سے بھی منافقین کے نفاق کا الگ خوف تھا اس لئے یہی مناسب سمجھا گیا کہ اسلامی لشکر اپنے بال بچوں کو محفوظ مکانوں میں چھوڑ کر خود شہر سے باہر خیمہ زن ہو اور خندق کے اندر اندر رہکر دشمن کے حملہ کو روکے اور سپہ سالار کی رائے کے مطابق وقت دیکھکر جیسا بھی مناسب حکم دیا جائے اس کی تعمیل کرے چنانچہ ذی قعدہ کے مہینہ کی دوسری تاریخ کو بت پرستوں کا ٹڈی دل نظر آیا اور مسلمانوں نے ہوشیاری کے ساتھ اپنے شہر کی حفاظت میں اپنا اپنا متعلقہ کام انجام دینا شروع کیا۔ چونکہ خندق مرتب ہو چکی تھی اس لئے لشکر کفار کو شہر کے باہر ہی رکنا پڑا اور ان بدبخت شریروں نے اپنے آپ کو خندق عبور کرنے سے مجبور پاکر وہیں خیمے نصب کئے اور چھاونی ڈالدی۔

اس وقت مدینہ کے یہودیوں میں صرف ایک قوم یعنی بنی قریظہ مدینہ میں باقی رہ گئی تھی اور اسی پر مسلمانونکو

اعتماد بھی تھا کہ یہ کافروں کی شریک نہ ہو گی اور اپنے معاہدہ پر پابند رہکر حسب وعدہ وقت پر ہماری مدد کریگی لیکن افسوس یہودیوں میں وفا کا نام بھی نہ تھا اور اس بدنصیب قوم کے ہر قبیلہ میں غداری و فریب کوٹ کوٹکر بھرا گیا تھا ان کو وقت پر دغا دینا اور اپنی مصیبت کے وقت مسلمانوں کی خوشامد کرا لینا نہایت ہی آسان تھا یہ کمبخت اس وقت بھی اپنی خباثت سے باز نہ آئے۔ قصہ مختصر جب مسلمانوں نے دیکھا کہ کافروں نے ان یہودیوں کو بھی جنکے قبضہ میں چند قلعے تھے اپنی طرف ملا لیا ہے۔ کیونکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ظاہری خیال کے موافق جس وقت ان کے پاس مدد کے لئے بلانے کو آدمی بھیجا اور حضرت کے فرستادہ قاصد حضرت سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما ان کے پاس گئے تو انھوں نے صاف جواب دیدیا اور ایسے انجان بن گئے گویا کچھ جانتے ہی نہیں سخت کلامی سے پیش آئے اور یوں جواب دیا کہ "ہم نہیں جانتے محمدؐ کون ہیں اور خدا کے رسولؐ کون ہیں۔ ہم کسی کے غلام نہیں ہیں جس کی تابعداری کریں اور ہم لوگوں کے درمیان کوئی معاہدہ نہیں ہے جس کا پاس یا لحاظ رکھیں۔ جاؤ اپنا کام کرو۔"

یہ سارا فتور حیی بن اخطب یہودی کا مچایا ہوا تھا کیونکہ یہ راستہ ہی میں ابوسفیان سے علیحدہ ہو کر بنی قریظہ کو اپنا ہمخیال بنانے کے لئے اس محلہ میں پہونچکر اپنی فطرتی سازش کا رنگ جما گیا اور ان بدنصیب یہودیوں کو مکرو فریب کی باتوں سے پھسلا کر اور حرص و طمع کا سبز باغ دکھا کر کفار کی موافقت اور مسلمانوں کی مخالفت پر مستحکم بنا چکا تھا جس کا نتیجہ آج ظاہر ہوا اور مسلمانوں کو نہایت قلق و رنج کے علاوہ پریشانی بھی لاحق ہوئی کیونکہ یہ ہموطن یہودی مسلمانوں کی پوشیدہ جگہوں اور خطرہ کے مقاموں سے پورے واقف تھے اور یہ گھر کے بھیدی یہودی مخالف لشکر کافروں کو پوری طرح مدد دے سکتے تھے مگر اس خدا پر بھروسہ کرنے والی مسلمان قوم کا فکر چونکہ بالکل عارضی اور محض بمقتضائے بشریت ہوتا تھا جس کو پائیداری یا استقلال ہرگز نہ تھا اس لئے اسلامی لشکر نے اس خدشہ کا خیال کیا اور نہ منافقوں کی دغابازی کا اندیشہ و ڈر بلکہ اسی استقلال کے ساتھ لشکر کفار سے جنگ کے لئے آمادہ ہوئے جو حق تعالیٰ نے ان کو مسلمان ہوتے ہی مرحمت فرما دیا تھا۔

کافروں کو دس ہزار سپاہیوں نے یہودیوں کے مشورے سے مسلمانوں کا محاصرہ کر لیا اور بیس دن تک ان کو چاروں طرف سے گھیرے پڑے رہے مگر جبہ برابر کامیابی نصیب نہ ہوئی آخر کار ریگستان کے میدان میں بیکار پڑے پڑے اکتا گئے اور دیکھا کہ مسلمان میدان میں آتے ہی نہیں تو مجبور خود حملہ کرنے کا ارادہ کیا اور کوشش کی کہ کسی طرح خندق کے پار اتریں مگر اس ارادہ میں ناکام رہے کیونکہ مستعد مسلمانوں کے تیروں کی بوچھاڑ او

پتھروں کی بارش نے قدم آگے نہیں بڑھانے دیا اور اس عظیم الشان لشکر کو پسپا ہو کر پیچھے لوٹنا پڑا۔

حق تعالیٰ کی مدبر وحکیم ذات کے قدرت والے ہاتھ نے اسلامی مختصر جماعت پر سایہ کر رکھا تھا پھر غنیم کی کیا مجال تھی کہ اپنے بُرے خیال میں کامیاب ہوسکے اور چونکہ بے نیاز خدا کی خفیہ تدبیروں اور قدرت کی خالص مصلحتوں نے کسی وقت میں مسلمانوں کا ساتھ نہیں چھوڑا اس لئے جنگی تدبیر کا رنگ بدلنا شروع ہوا اور سب سے پہلی بات جو کافروں کے حق میں مضر ثابت ہوئی وہ یہ ہوئی کہ ان میں سے ایک شخص اسلامی لشکر میں آکر مشرف باسلام ہوگئے۔ اور کافروں میں پھوٹ ڈالنے اور باہم تفرقہ پیدا کرنے کے باعث ہوئے یہ بزرگ شخص قبیلہ غطفان کے معزز رئیس تھے جن کا نام نعیم بن مسعود تھا۔

رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے لشکر کفار کی مختلف جماعتوں میں مخالفت پیدا کرنے کی یہ تدبیر سوچی تھی کہ خرمائے مدینہ کی تلث پیداوار عرب کے دو زبردست قبیلوں یعنی غطفان و فزارہ کو دیدیجائے اور ان حریص قوموں کو اس طمع اور لالچ سے اس بات پر آمادہ کر دیا جائے کہ ابو سفیان کی مدد نکریں اور اس لشکر کفار کا ساتھ چھوڑ کر اپنے وطن کو واپس ہوجائیں مگر انصار رضی اللہ عنہم نے اس کو منظور نہیں کیا اور مؤدبانہ طریقہ سے اپنے آقا کی خدمت میں عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ جس وقت ہم مشرک و کافر تھے اس وقت بھی ان حریص وطماع بدوؤں کی اتنی ہمت نہیں ہوئی کہ ہم پر دباؤ ڈالکر کچھ لیجائیں یا ہم شرفا عرب خوف زدہ ہو کر اپنے مال و زر ان کے حوالہ کریں اور آج تو ہمکو مقدس مذہب اسلام کی غیبی تائید حاصل ہے اب ان خبیث کافروں کی کیا حقیقت ہے کہ مدینہ کے چھواروں پر دندان طمع دراز کریں ہمیں مسلمان بنکر یہ ذلت گوارا نہیں ہوسکتی ہمارے پاس ان دشمنان دین و ایمان کے لئے سوائے تلوار کے کچھ نہیں ہے آئندہ حضور کو اختیار ہے جو رائے عالی ہو غلاموں کے سر تابعداری کے لئے جھکنے کو ہر وقت موجود ہیں۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی رائے کو قبول فرمایا اور کہا کہ میرا خیال اس تدبیر سے ان میں تفرقہ الدینے کا تھا کیونکہ اس وقت سارا عرب ایک ہو کر تم پر یورش کرنے آیا ہے اگر تمہاری رائے نہیں ہے تو کچھ ضرورت ہیں مجھکو بھی تمہاری رائے سے اتفاق ہے۔ اللہ پاک ہماری فتح و کامیابی کی دوسری سبیل پیدا فرمائیگا۔

اس قریشی لشکر میں عرب کا مشہور پہلوان عبدِ وُد کا بیٹا عمر نامی بھی موجود تھا جس کو اہل عرب ایک ہزار دمیوں کا مقابلہ کرنے والا کہا کرتے تھے اور اس کی شجاعت و دلیری کا آوازہ تمام حجاز کے پہاڑی خطہ میں گونج رہا تھا کیونکہ ایک مرتبہ جبکہ قریشی قافلہ پر قزاق آپڑے تھے اور ڈاکو بدوؤں کی بہادر جماعت نے اس مال سے

لدے ہوئے کارواں کو لوٹنا چاہا تھا تو اس ایک بہادر نے تن تنہا اُن پچاس راہزنوں کا مقابلہ کیا اور سبکو پسپا کرکے بے نیل ومرام بھگا دیا تھا اور یہ مشہور قصہ بچہ بچہ کی زبان پر جاری تھا جس نے اس بہادر کو عرب کے ملک میں رستم سے زیادہ شہرت دے رکھی تھی مگر افسوس خدا جانے وہ شجاعت وبہادری اسلامی لشکر کے مقابلہ میں کہاں چلی گئی یہی تو وہ پہلوان تھا جس نے بدر کی لڑائی میں کئی زخم کھائے تھے اور خیال انتقام کے غصہ میں قسم کھائے بیٹھا تھا کہ جبتک بدلہ نہ لیلونگا اس وقت تک سر میں تیل نہ ڈالوں گا اور اسی خیال خام اور موہوم امید پر آج ابوسفیان کی ماتحتی میں خندق پر آیا ہوا ہے۔

عرب کا مشہور پہلوان عمر کوشش کر رہا ہے کہ سر میں تیل ڈالے ہوئے مدت گذر چکی ہے آئے ہوئے وقت کو جانے دینا حماقت ہے جس طرح بن پڑے خندق کو عبور کرنا چاہئے اور اپنی قسم پوری کرلینی چاہئے کیونکہ سوکھے ہوئے بالوں نے پریشان ہو ہو کر تنگ کردیا ہے مگر چونکہ اہل عرب نے کبھی یہ صورت دیکھی نہ تھی اور وہ جانتے ہی نہ تھے کہ خندق کیسی ہوتی ہے اور کیوں کھودی جاتی ہے اس لئے عمر بار بار یورش کرتا تھا مگر تیر و سنگ کی بوچھار سے پسپا ہوکر پیچھے ہٹ آتا اور اپنے قصد میں ناکام رہتا تھا یہانتک کہ ایک مرتبہ خندق کی تنگ جگہ پاکر جرأت کے ساتھ حملہ کر بیٹھا اور اندر گھسکر للکارا کہ "ہے کوئی جو مقابلہ پر آئے"

اس مشہور پہلوان کے مقابلہ کے لئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حیدر کرار شیر خدا حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کو طلب فرمایا اور اپنے دست مبارک سے وہ صیقلدار تلوار جسکا نام ذوالفقار ہے انکی کمر میں باندھی اور دعائے فتح ونصرت دیکر جلد رخصت کیا کیونکہ غنیم کا مبارز اور مقابل طلب کرنا اور کسی کا سامنے نہ آنا عرب کے نزدیک نہایت معیوب اور مغلوبیت کی کھلی ہوئی دلیل سمجھا جاتا تھا اس لئے حضرت اسد اللہ نہایت عجلت کے ساتھ سامنے آکھڑے ہوئے اور للکار کر کہا کہ سنبھل اے دشمن خدا سنبھل اور دیکھ کہ کیا بکتا ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ چونکہ کم عمر نوجوان تھے اس لئے انکو اپنا مقابل دیکھ کر عمر مسکرایا اور بولا کہ " اے لڑکے تو میرے دوست ابوطالب کا بیٹا ہے میں تجھکو اپنے بھتیجے کی برابر سمجھتا ہوں اور تجھ جیسے بچہ کو قتل کرتا ہوا شرماتا ہوں جا اپنی جوانی پر رحم کر اور اس خیال خام سے درگذر کیونکہ تیرے جوان خون سے اس پتھریلی زمین کو لالہ زار بناتے مجھکو رنج ہوتا ہے۔

شیر خدا کو اتنی تاب کہاں تھی کہ فضول گفتگو میں وقت ضائع کریں اس لئے صرف اتنا کہکر کہ " میں تو حق تعالیٰ کی رضا میں تجھکو قتل کرنا چاہتا ہوں تو چاہے یا نہ چاہے لے محمد کچھار کے شیر کا حملہ روک" جھپٹکر

حملہ کر دیا۔ دونوں پہلوانوں میں لڑائی شروع ہو گئی اور جنگ کے ہتیار اپنا اپنا کرتب دکھانے لگے۔

عمر حیران تھا کہ کس بلا کا بہادر اور پھرتیلا جوان ہے جس پر کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی اور مجھ جیسے شیر کے پنجوں کے قابو سے باہر ہوا جاتا ہے کیونکہ عمر دانت پیس پیس کر حملہ کرتا اور غصہ میں سرخ ہو ہو کر جھپٹتا تھا مگر پھر ناکام رہجاتا تھا اس لئے غصہ اور طیش میں بیتاب ہو گیا اور شرم و ندامت کے فوری جوش میں بیرحمانہ حملے کرنے لگا جن کو حضرت اسد اللہ نے بڑی عقلمندی و چالاکی سے روکا اور اپنے حریف مقابل کو بار بار نادم و پشیمان بنایا یکایک کافر پہلوان کو جوش آیا اور اس نے جی توڑ کر پوری قوت کے ساتھ شیر خدا کے سر پر تلوار کا آخری وار کیا جس کو حضرت علیؓ نے سپر پر روکا مگر افسوس کمبخت کا کیسا زور آور ہاتھ پڑا تھا جس کے صدمہ سے ڈھال کٹ گئی اور سر میں بھی کچھ زخم پہنچا مگر اس وار نے غضب کیا کیونکہ اسلامی سبزہ زار کے رہنے والے بہادر شیر کو تاب نہ رہی اور جواب میں اس زور کی تلوار ماری کہ قریشی پہلوان کا سر تن سے جدا ہو گیا۔ اور گردن کٹ کر اس طرح الگ جا پڑی جیسے کوئی کاشتکار پکے ہوئے بھٹے کو اپنے کھیت میں توڑ کر ڈالدیتا ہے۔

اس تلوار کے حملے نے دشمن کا بہت جلد کام تمام کر دیا اور عمر جیسا مشہور پہلوان پراگندہ بال ہمیشہ کے لئے دنیا سے رخصت ہو گیا۔ جس کا اظہار شیر خدا حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے نعرۂ اللہ اکبر سے کیا گویا ان منتظر مسلمانوں کو اپنا مظفر و منصور ہونا جتا دیا جو میدان مبارزت میں اڑنے والے گرد و غبار کی وجہ سے کچھ دیکھ نہ سکے اور اپنے بہادر شیر کے دلیرانہ حملہ کا نتیجہ دیکھنے یا سننے کے انتظار میں سرتا پا شوق بنے ہوئے ادھر اُدھر کھڑے تھے

ادھر تو ان دو پہلوانوں کی کشتی نے مسلمانوں کی روح تازہ کرنے کے ساتھ ہی کافروں کے لشکر کی کمر توڑ دی کیونکہ اس مرنے والے پہلوان کا عرب کے وسیع ملک میں ثانی او رمثل نہ تھا اور ادھر نو مسلم حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ کی عاقلانہ تدبیر نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے قریشی کافروں اور یہودی مددگاروں میں پھوٹ ڈالدی اور ایسا تفرقہ ڈالا کہ بنی قریظہ نے ابو سفیان کو اپنی مدد سے بالکل مایوس بنا دیا اور کہلا بھیجا کہ "تم اپنا ستیاناس کر چکے اب ہمکو تباہ و برباد کرنے آئے ہو ہم تمھارے ساتھی نہیں ہیں تمھیں ہماری اعانت کا خیال رکھنا بالکل حماقت اور بے وقوفی ہے جاؤ اپنا منہ کالا کرو اور ہم سے اس امر میں کوئی گفتگو نہ کرو" اس تفرقہ نے ابو سفیان کی تمام امیدوں پر پانی پھیر دیا اور اس کو ہر طرف سے مایوسی کی گھنگھور گھٹائیں اُمنڈتی نظر آنے لگیں۔

دانشمند و سمجھدار صحابی اور عقیل و مدبر نو مسلم نے اپنی دور اندیش تدبیر میں پوری کامیابی حاصل کی اور اس کا اسقدر

جلد نتیجہ اس وجہ سے پیدا ہوا کہ ابھی تک یہودیوں اور کافر قریشیوں کو ان کا مسلمان ہو جانا معلوم نہیں ہوا تھا وہ یہی سمجھے ہوئے تھے کہ نعیم ہمارا قدیمی رفیق اور خیر خواہ شفیق ہے جس کی عاقلانہ رائے پر پورا اعتماد و بھروسہ ہے۔

جس زمانہ میں یہ جنگ ہوئی تھی سرما کا موسم تھا دن بدن جاڑے کی شدت بڑھتی جاتی تھی اور لق و دق میدان میں پڑا ہوا قریشی لشکر تباہ ہو رہا تھا۔ محاصرہ کے بیس دن گذر چکے تھے آپس میں پھوٹ پڑ گئی تھی باہمی مخالفت و تفرقہ نے مایوس بنا دیا تھا۔ مدینہ کے یہودیوں کی بے وفائی سے دل سرد ہو چکا تھا بلا پر بلا اور مصیبت پر مصیبت یہ نازل ہوئی کہ یکایک شب کو ایک تند و تیز پروائی ہوا چلنی شروع ہوئی اور سخت آندھی آئی جس نے خیموں کی رسیاں توڑ ڈالیں میخوں کو اکھیڑ پھینکا۔ سپاہیوں کے مسافرانہ چولھے اور ہانڈیاں توڑ ڈالیں اور چھاونی میں ایک طوفان بے تمیزی برپا کر دیا جس نے رہا سہا ارادہ بھی ملیامیٹ کر دیا اور تکبر و نخوت کے نشہ میں مست و سرشار کافروں کو سوائے بھاگنے اور اپنا سامنہ لیکر ذلیل و خوار اور ہزیمت خوردہ جہاں منہ سر سمائے چلدینے کی کوئی صورت نظر نہ آئی غرض صبح ہوتے وہ میدان بالکل خالی نظر آیا جہاں دس ہزار جوان پڑے دکھائی دیتے تھے اور گھوڑوں کی ہنہناہٹ سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی اور جب عالمتاب آفتاب نے افق مشرق سے مُنہ نکالکر جھانکا ہے تو اس سبزہ زار کو ہُو کا عالم اور ایک سناٹا برسا ہوا پایا جہاں مغرب میں مُنہ چھپاتے وقت کچھ عجیب چہل پہل کا سماں دیکھکر رخصت ہوا تھا۔

اس غزوہ میں چھ مسلمان شہید ہوئے اور تین کافر مارے گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ عظیم الشان جماعت جو دنیاوی اسباب پر نظر ڈالنے والوں کے نزدیک درحقیقت مسلمانوں کو نیست و نابود کر ڈالنے کے لئے کافی تھی محض خدا ئے کارساز کی قدرت سے جاڑے کی سرد ہوا اور اندھیاؤں کی اندرونی مصیبتوں سے پریشان و تباہ ہوکر اور طوفان و بارش کی مسلط بلا سے گھبرا کر خائب و خاسر واپس ہوگئی اور مسلمان ہنسی خوشی اطمینان کے ساتھ اپنے شہر میں داخل ہوئے۔

باب ۵۹

مسجد فتح اور مقدس غار ۔ مدینہ منورہ حاضر ہونے والے مسلمانوں نے دیکھا ہوگا کہ کوہ سلع سے پچھاں کی جانب ایک اونچی سی مسجد ہے جس کی سیڑھیاں مشرق اور شمال کی طرف واقع ہیں۔ یہی وہ مسجد فتح ہے جسکا ہم مختصر تذکرہ کرنا چاہتے ہیں اس مبارک مسجد کو مسجد الاحزاب اور مسجد اعلیٰ بھی کہتے ہیں۔ اس مقدس جگہ پر جہاں یہ مسجد تعمیر کی گئی ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خندق کے ایام میں نماز بھی پڑھی ہے اور پے در پے تین

دن یعنی دوشنبہ، سہ شنبہ۔ چہارشنبہ کو فتح و نصرت کی دعا بھی مانگی ہے چنانچہ معتبر روایتوں سے ثابت ہے کہ یہاں اللہ کے پیارے پیغمبر ایک دو قدم چلکر کھڑے ہوگئے اور دونوں دستِ مبارک آسمان کی جانب اتنا اونچے اٹھائے کہ شانہ سے ردائے مبارک زمین پر گر پڑی اور نہایت عاجزی وزاری کے ساتھ یوں دعا مانگی "اے میرے اللہ تیرا شکر ہے تونے مجھے گمراہی سے نکالکر ہدایت پر قائم کیا۔ جس کو تونے گھٹایا اُسکا کوئی بڑھانیوالا نہیں اور جسے تونے بڑھایا چڑھایا اسکو کوئی گھٹانے والا نہیں۔ جسے تو ذلیل کرے اسکو کوئی عزت نہیں دیسکتا اور جس کو تو عزت دے اُسے کوئی ذلیل نہیں بناسکتا۔ جسے تونے شکست دی اسکا کوئی مددگار نہیں اور جس کا تو مددگار ہے اس کو کوئی شکست نہیں دے سکتا۔ جسکو تو ہی نہ دے اس کو کوئی دینے والا نہیں اور جس کو تو عطا فرمائے اس کا کوئی روکنے والا نہیں۔ جس کو تو محتاج بنائے اس کو کوئی رزق نہیں دے سکتا اور جسکو تو رزق مرحمت فرمائے اس کو کوئی محتاج نہیں بناسکتا۔ جسکو تونے نیچا دکھایا اُسے کوئی اونچا نہیں کرسکتا اور جسکو تو رفعت بخشے اس کو کوئی نیچا نہیں بناسکتا۔ جسکی پردہ پوشی تونے فرمائی کوئی اسکی پردہ دری نہیں کرسکتا اور جس کی پردہ دری تونے کردی اس کا کوئی پردہ پوش نہیں۔ جس کو تونے دور کردیا اس کو کوئی قریب کرنے والا نہیں اور جسے تونے قریب کیا اس کو کوئی دور کرنے والا نہیں۔ اے غمگینوں کے فریادرس اور اے بیکس و لاچار بندوں کی دعا قبول فرمانیوالے خدا میرے رنج و غم اور تکلیف و کرب کو دور فرمادے تو میری حالت اور میرے صحابہ کی حالت دیکھ رہا ہے ہم بیکسوں کی مدد فرما۔"

تیسرے دن یعنی چہارشنبہ کے روز دعا کی قبولیت کے آثار نمودار ہوئے اور اللہ کے مقدس فرشتے حضرت جبریل امین علیہ السلام نے پیغام پہونچایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی درخواست منظور فرمائی اور آپ کو اور آپکے صحابہ کو دشمن کے غلبہ اور ہول و ہراس سے محفوظ فرماکر امن و عافیت بخشی۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم یہ بشارت و مژدہ سنتے ہی دوزانو بیٹھ گئے اور دستِ مبارک پھیلاکر نگاہ نیچی فرماکر جناب باری میں عرض کیا (شکراً لما رحمتنی واصحابی) میں شکر ادا کرتا ہوں جیساکہ تونے رحم فرمایا مجھ پر اور میرے اصحاب پر۔"

شیخ ابن زبالہ اسلامی مؤرخ فرماتے ہیں کہ غزوہ احزاب کے دن رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد فتح میں فقط دعا فرمائی ہے غنیم کے خوف اور دشمنوں کی ہول و ہراس اور نیز خندق کے اہتمام اور کھدائی کے انصرام کے باعث ظہر و عصر و مغرب کی نماز کے پڑھنے کی فرصت نہیں پائی اور بعد مغرب سب نمازیں قضا کیں بہرحال اس متبرک مقام پر دعا کا مانگنا متحقق ہے اور دعا مانگنے کی جگہ اس مسجد کا بیچ والا ستون ہے لیکن چونکہ اب عمارت

میں تغیر کر دیا گیا ہے اس لئے اس مقدس جگہ کی زیارت کرنے والوں کو اجر و ثواب حاصل کرنے کے لئے صحن مسجد میں محراب کے مقابل کھڑا ہونا چاہئے البتہ دوسری روایتوں کو ملا کر یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا کھڑا ہونا مغرب کی جانب زیادہ قریب تھا اور اوپر تشریف لیجانے کا اتفاق شمالی سیڑھیوں کی طرف سے ہوا تھا اور دو قدم چلکر اللہ کے چاہیتے نبی کے کھڑے ہونے کی وہ جگہ ملتی ہے جو مشہور و معروف ہے

معتمد روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ نماز پڑھنے کا بھی اس جگہ اتفاق ہوا ہے اگرچہ ہول و ہراس کے وقت صرف دعا مانگی گئی ہے اور نماز قضا ہو گئی لیکن دوسرے ایام اور قضا نمازوں کے پڑھنے کا ثبوت تو موجود ہی ہے پھر کیا عجب ہے کہ اللہ کے پیارے رسول اور صحابہ کرام کی نماز ادا کرنے کا بھی اعزاز اسی جگہ کو حاصل ہوا ہو

حضرت معاذ بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد فتح میں نماز پڑھی ہے اور جتنی مسجدیں اس کے نیچے واقع ہیں سب میں نماز پڑھی ہے وہ پہلی مسجد جو مسجد فتح کے قریب قبلہ کیجانب واقع ہے مسجد سلمان رضی اللہ عنہ فارسی کہلاتی ہے اور دوسری مسجد جو اس کے پیچھے ہے اس کا نام مسجد علی رضی اللہ عنہ ہے اور پہاڑ کی جڑ میں قبلہ کی طرف سب سے چھوٹی مسجد کا نام مسجد ابو بکر رضی اللہ عنہ ہے اگرچہ وجہ تسمیہ کسی صریح اور صاف روایت سے معلوم نہیں ہوئی مگر بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غزوہ احزاب کے دن یہ حضرات انہیں مقامات پر ٹھیرے ہوں گے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے رونق افروز ہو کر نماز پڑھی ہو گی واللہ اعلم بالصواب۔

سب سے پہلے ان مساجد کو حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے زمانۂ حکومت میں تعمیر کرایا اور جب امتداد زمانہ کے باعث یہ مقدس مسجدیں منہدم ہو گئیں تو عبیدیہ ملوک مصر کے مشہور وزیر سیف الدین بن ابی الہیجا نے ۵۷۵ھ میں اوپر والی مسجد کی تجدید کی اور اس کے بعد ۵۷۷ھ میں دو مسجدیں اور بنائیں پھر ۸۷۶ھ میں امیر مدینہ زین الدین ضیغم منصوری نے مسجد علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو نئے سرے سے بنایا لیکن اس مسجد کی جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جانب منسوب تھی کسی نے تجدید نہیں کی عرصہ دراز تک منہدم اور ویران پڑی رہی آخر کار ۹۵۲ھ میں بعض اہل دل اور نیک خیال حضرات کو اس مقدس مسجد کے تجدید کی بھی توفیق ہوئی اگرچہ مسجد فتح خاص وہی سیڑھیوں والی مسجد ہے جو سب سے اونچی جگہ پر واقع ہے مگر اب اسکے آس پاس کی وہ ساری مسجدیں جو قبلہ کی سمت واقع ہیں سب مساجد فتح کہلاتی ہیں۔

غزوۂ احزاب میں قریشی لشکر سے حفاظت کے لئے جو خندق کھودا گیا تھا وہ کوہ سلع سے پچھاں کیجانب مصلائے عید تک اور مساجد فتح سے ذباب تک تھا مگر اب سوائے اس مقام کے جس کی زیارت کے لئے زائرین

جاتے اور تبرک حاصل کرکے واپس ہوجاتے ہیں خندق کا نشان بھی باقی نہیں ہے

مسجد ذباب وہ مسجد ہے جو مدینہ منورہ سے ملک شام کی راہ پر جانے والے مسافر کے داہنی جانب اُس اونچی پہاڑی پر پڑتی ہے جسکا نام کوہ ذباب ہے اس مسجد کی پہلی تعمیر بھی عمر بن عبدالعزیزؒ کے ہاتھوں ہوئی ہے اور پھر منہدم ہونے کے بعد ۲۴۵ھ یا ۲۶۵ھ میں امرائے مدینہ مطہرہ میں سے کسی معزز شیخ نے اس کی تجدید کی ہے۔ اس مسجد ذباب اور مساجد فتح کے مابین وہی کوہ سلع فاصل ہے کیونکہ اس کے پچھاں کی طرف مساجد فتح واقع ہیں اور پورب کی جانب یہ مقدس مسجد ایک اونچے مکان پر واقع ہے جہاں سے شہر مدینہ طیبہ اور حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا قبہ مطہرہ بھی صاف نظر آتا ہے۔ اس مبارک جگہ پر بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی ہے اور غزوہ تبوک سے واپسی کے وقت آپ کا خیمہ مبارک بھی اسی کوہ ذباب پر نصب ہوا تھا اور بعض روایتوں سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ جنگ خندق کے ایام میں بھی خیمہ عالیہ اسی مقدس پہاڑی پر منصوب تھا واللہ اعلم بالصواب۔

مسجد ذباب کا نام بدلگیا ہے اور یہ مقدس مسجد آج کل مسجد الرابہ کے نام سے مشہور ہے۔ تاریخی سلسلہ اور واقعات کے تذکرہ میں ان مقامات متبرکہ کا ذکر بظاہر بیموقع معلوم ہوتا ہے لیکن صرف اس غرض سے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے والے مسلمان اور حضرت کے شیدائی عشاق کو ان جگھوں سے بھی خاص انسیت اور محبت ہوتی ہے جہاں پیارے محبوب کے قیام وسکون یا مجاہدہ وریاضت یا نماز ودعا کا اتفاق پیش آیا ہو اس لئے خلاف عادت اُس مقام پر یہ بیان مختصر طور پر ناظرین کی پیشکش کردیا گیا تاکہ تقدیر یاوری کرے اور آستانہ عالیہ کی حاضری نصیب ہو تو ان مقدس مشاہد پر حاضر ہوتے وقت ان واقعات کو یاد کریں اور دعا مانگتے وقت گناہگار مؤلف کو بھی فراموش نہ کریں۔

مدینہ منورہ سے مسجد فتح کو جاتے ہوئے نصف راستہ پر جبل سلع کی گھاٹی میں داہنے ہاتھ پر مسجد بنی حرام واقع ہے جس کی فقط چار دیواری باقی رہگئی ہے اور اس گھاٹی کے قریب ایک غار ہے جسکو رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے ایام غزوۂ خندق میں رونق بخشی ہے اور خلوت میں اپنے حقیقی محبوب کے ساتھ راز ونیاز کے لئے بعض اوقات یہاں شب باش ہوئے ہیں۔ چنانچہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے شوق میں گھر سے باہر نکلا اور امہات المومنین کے حجروں میں ڈھونڈھ پھرا لیکن اپنے محبوب کو موجود نہ پاکر بیتاب ہوگیا اور ناچار اُس کوچہ کی طرف متوجہ ہوا جدھر اکثر

اوقات حضرت تشریف لے جایا کرتے تھے غرض لوگوں سے پوچھتا اور پتہ لیتا ہوا کوہ سلع تک جا پہونچا۔ اور
اوپر چڑھ کر دائیں بائیں اس طرح نگاہ کرنے لگا جیسے کوئی دلدادہ عاشق اپنے بچھڑے ہوئے معشوق کو ڈھونڈتا
پھرتا ہے یکایک ایک غار کے اندر میری نظر جا پڑی اور دیکھا کہ مقتدائے عالم پیارے پیغمبر سربسجود ہیں اور
خلوت وتنہائی میں اپنے پاک پروردگار سے راز و نیاز اور مناجات میں مشغول ہیں۔ میرا مقصود حاصل ہوگیا
اور پریشان حال طالب کو مطلوب تو مل گیا لیکن ہیبت کی وجہ سے اتنی جرأت نہ ہوئی کہ اوپر چڑھوں اور پاس
جا بیٹھوں یا آواز دیکر اپنا حاضر ہونا جتاؤں بلکہ رسالت خداوندی اور اس خاص حالت کے رعب کی وجہ
سے وہاں بھی نہ ٹھیر سکا جہاں کھڑا تھا اس لئے فوراً نیچے اتر آیا مگر اس انتظار میں کھڑا ہوگیا کہ فارغ ہوکر رسول
مقبول صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں اور نیچے اتریں گے تو ہمرکابی کا فخر حاصل کروں گا۔

تھوڑی دیر ہوگئی اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی وحشت و پریشانی اور انتظار کی تکلیف نے
بےچین و بے صبر بنا دیا اس لئے یہ پھر اوپر چڑھے اور جھانک کر دیکھا کہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم ابھی تک
سجدہ میں پڑے ہوئے ہیں اور چونکہ اس حالت کو عرصہ گذر چکا تھا اس لئے ان کو گمان پیدا ہوا کہ شاید ہمارے
دینی سردار نے دنیا سے رحلت فرمائی مثل مشہور ہے کہ اپنے پیارے کی جانب بدگمانی جلد پیدا ہوتی ہے اسلئے
حضرت معاذ اس خیال و وہم سے پریشان ہوگئے یکایک رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدے سے سر
مبارک اٹھایا اور اپنے جان نثار صحابی کو کھڑا دیکھکر یوں خطاب فرمایا کہ اے معاذ جبریل امین نے میرے
پاس آکر کہا کہ اے محمدؐ حقتعالیٰ نے سلام کے بعد ارشاد فرمایا ہے کہ تمکو کچھ خبر بھی ہے کہ قیامت کے دن تمھاری امت
کے ساتھ ہمارا معاملہ کیونکر ہوگا اس کے جواب میں میں نے عرض کیا کہ بار الہا تیرا علم سب سے زیادہ اور تیری قوت
نہایت زبردست ہے غیب کی خبریں تجھ ہی کو سزاوار ہیں مجھے کیا علم ہوسکتا ہے کہ اس بیچاری امت مرحومہ
کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جائیگا چنانچہ اس کے بعد جبریل امین دوبارہ آئے اور یہ مژدہ سنایا کہ حق تعالیٰ نے
فرمایا ہے کہ اے محمدؐ تم اپنا دل خوش اور خاطر عاطر مطمئن رکھو ہم تمھاری امت کے ساتھ وہ برتاؤ نہ کریں گے جو
تمھاری دل آزاری کا باعث ہو۔ یہ روح بخش بشارت سنکر میں سجدہ میں گر پڑا اور اس نعمت عظمیٰ کا شکریہ ادا کیا۔
اے معاذؓ جو حالتیں بندے کو اپنے مہربان پروردگار سے نزدیک بناتی ہیں ان سب میں بہتر سجدہ ہے"

یہی وہ مبارک غار ہے جس میں اس فرحت انگیز مژدہ کا شکریہ ادا ہوا جسکو ہمنے بیان کیا ہے اور
زائرین مدینۃ الرسولؐ نے غالباً زیارت بھی کی ہوگی۔

پیارے مسلمانوں اس مختصر رسالہ میں زیادہ تر مشہور واقعات اور غزوات و سریات کا تذکرہ مقصود ہی اس لئے اپنے سردار پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ محبت و عنایت جو تمھارے حال پر رہی اور ہے اور ہمیشہ رہیگی بیان میں نہیں آسکتی۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و ہدایت اور گناہگار امت مرحومہ پر شفقت و مہربانی کے متعلق واقعات بیان کئے جائیں تو اس سے زیادہ ضخیم کتاب تیار ہو جتنی مشہور و معروف قصص و واقعات کے تذکرہ میں مرتب ہوئی مگر افسوس ہمیں اس مبارک بیان کی اس رسالہ میں گنجائش نہیں ملتی اور کہیں کہیں اشارۃً ایک دو واقعہ اس کے متعلق بیان کے سلسلہ میں آبھی جاتا ہے تو اسکا خوف رہتا ہے کہ ہمارے معزز ناظرین بے محل نہ سمجھیں اور یہ نہ کہیں کہ سوانح عمری میں وعظ و نصیحت سے کیا علاقہ مگر ہاں چونکہ اپنے مہربان و کرم گستر طبیب روحانی اور مشفق و محسن دینی باپ کی محبت اپنی نجات کا ذریعہ ہے اس لئے سلسلۂ بیان میں کنایۃً اور اختصاراً اسکا بیان بھی اجر و ثواب سے خالی نہیں۔

باب ۶۰ (۶۰)

اسلام کی پانچویں جنگ (بنی قریظہ) ناظرین کو معلوم ہو چکا ہے کہ حق تعالیٰ کی غیبی نصرت اور فرشتوں کی جماعت نے قریشی لشکر کی ایسی خبر لی کہ کہیں پتہ تک نہ لگا سب کے سب بھاگ نکلے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مژدہ سنا کر مدینہ کو واپسی فرمائی کہ اب ان کو ہم پر چڑھ کر آنا کبھی نصیب نہ ہوگا ان کی تری کی تمام ہو چکی اب آئندہ ہم ہی انپر چڑھیں گے اور اُن کو نیست و نابود کریں گے۔ چنانچہ درحقیقت ایسا ہی ہوا کیونکہ اس کے بعد کبھی کافروں کو اتنی جرأت نہوئی کہ اسلامی لشکر پر ابتداً حملہ کریں بلکہ مسلمانوں ہی کو لشکرکشی کا موقع ملا اور اسلام کی روح پھونکنے والی مقناطیسی قوت نے چند سال بعد مکہ پر اور پھر رفتہ رفتہ خدا کی وسیع زمین کے کناروں تک اپنا قبضہ کرلیا۔

مسلمانوں کے نزدیک یہ فتح ابھی کامل نہ تھی کیونکہ ابھی تک ان کی ایک مخالف جماعت یعنی یہود بنی قریظہ کی بدطینت قوم مدینہ ہی میں موجود تھی جنکے مکر و فریب سے مسلمان کسی طرح مطمئن نہ تھے کیونکہ ان کے معاہدہ اور قسم کھانیکا بھی اعتبار نہ رہا تھا اور معلوم ہو چکا تھا کہ یہ دغاباز گروہ آستین کا سانپ اور گھر کا بھیدی دشمن ہے اسکی ظاہری چاپلوسی اور خوشامد اس زہریلے خوشنما سانپ کی طرح نظر میں مرغوب معلوم ہوتی ہے جس کی کھال کے خوبصورت و رنگین بیل بوٹے دل کو بھائیں اور منہ میں بھرا ہوا زہر جو ہر وقت اگلنے کے لئے موجود ہے ہلاک کرنے کو آمادہ و تیار ہو۔ اس لئے مناسب یہی تھا کہ یہودیوں پر ان کے حملہ کرنیسے قبل ہی

حملہ کیا جائے اوراس مفسد تخم سے مدینہ کی مقدس زمین ہمیشہ کے لئے خالی اور صاف کرلی جائے تاکہ اطمینان کی زندگی نصیب ہو۔

جب اسلامی لشکر کے سپہ سالار نے جنگ خندق سے فارغ ہوکر دولتخانہ میں قدم رنجہ فرمایا تو جنگ کے ہتیار کھول کر غسل فرمانیکے لئے خلوت کے مکان میں تشریف لے گئے ہنوز آپ غسل خانہ میں تھے اور مبارک سر میں ایک ہی طرف شانہ کیا تھا چاہتے تھے کہ غسل کامل کرکے جسم شریف سے سفر کی مشقت اور جنگ کی کلفت کو دور فرمادیں کہ یکایک مکان کے دروازہ کی جانب نظر جا پڑی اور اللہ تعالیٰ کے مقدس فرشتے حضرت جبریل امین کو دیکھا کہ آسمانی گھوڑے پر سوار ہوکر سامان جنگ سے مسلح اور ہتیار زرہ پہنے غبار آلودہ کھڑے عرض کررہے ہیں کہ ہمنے تو ابھی ہتیار رکھوے نہیں اور آپ ابھی سے مطمئن ہوگئے ہتیار سنبھالئے اور تشریف لیچلئے کیونکہ حق تعالیٰ کا حکم ہے کہ بہت جلد یہود بنی قریظہ پر حملہ کیا جائے اس لئے کہ ان بدنصیبوں کا وقت برابر ہوچکا اور مسلمانوں کی کامل فتح کا زمانہ قریب آگیا ہے۔

غرض یہ شاہنشاہی فرمان رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے کان میں پڑا اور آپ نے اسی وقت اسلامی لشکر کو قطعی اور واجب التعمیل حکم دیدیا کہ کوئی مسلمان عصر کی نماز بنی قریظہ کے محلہ سے ورے نہ پڑھے کیونکہ ابھی مسلمان سپاہیوں کو ایک بڑی مہم درپیش ہے جسکا انتظام نہایت ضروری ہے۔

ظاہر ہے کہ اس افسری فرمان کا یہ منشا تھا کہ جہانتک ممکن ہو خلد بنی قریظہ میں جلد پہونچنا چاہئے مگر باوجود عجلت کے جب راستہ میں آفتاب غروب ہونے لگا تو رسول کے جان نثار اصحاب میں اس مسئلہ کے اندر اختلاف ہوا کہ عصر کا وقت نکلا جاتا ہے نماز پڑھ لیں یا حکم اقدس کے ظاہری الفاظ پر عمل کریں اور مقام مقصود پر پہونچنے سے پہلے نماز ہی نہ پڑہیں ان میں سے چند حضرات نے تو نماز پڑھ لی اور کہا کہ حضرت کے ارشاد کا منشا یہ نہیں ہے کہ نماز کا وقت نکل بھی جائے تب بھی نماز نہ پڑھی جائے مگر بعض اصحاب نے نماز قضا کردی اور بنی قریظہ کے اس مضبوط قلعہ کی دیوار کے نیچے جاکر مغرب کے وقت میں عصر کی نماز پڑھی جس کا محاصرہ کرنا مقصود تھا۔ یہ واقعہ سنکر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں فریق کی تعریف کی اور کسی پر عتاب نہیں فرمایا کیونکہ ہر ایک کی نیت بخیر تھی۔ مگر اس قصہ سے یہ بات ضرور سمجھ میں آگئی کہ سمجھدار دیندار اور مطلب کی تہ پر پہونچنے والے مجتہد اماموں کا کوئی سمجھا ہوا کام جو بظاہر کسی حدیث کے الفاظ سے مخالف نظر آئے تو اس کو خلاف نہ سمجھنا چاہئے کیونکہ مقصود اطاعت اور اصل منشا کا سمجھ لینا اور ماننا ہے اور اسی پر

عمل کرلینا خدا کے رسول کو پسند اور حق تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہے۔ اجتہادی خطا پر مواخذہ نہیں ہے اور اسی اجتہاد سے اگر متناقض اور مخالف نتیجہ بھی پیدا ہو تب بھی دونوں حق اور صواب پر کہے جاسکتے ہیں اور یہ پوری دلیل ہے ان چاروں اماموں کے مختلف اقوال کے برحق اور درست ہونے کی جن کی مقلد مسلمان تقلید کئے ہوئے ہیں اور سمجھے ہوئے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کا امام کے پیچھے الحمد پڑھنے کو حرام سمجھنا اور امام شافعیؒ کا قرارۃ فاتحہ خلف الامام کو فرض کہنا بعینہ ایسا ہے جیسا بعض صحابہ کا غروب آفتاب کے قریب عصر کی نماز کا پڑھ لینا اور دوسرے حضرات کا محلہ بنی قریظہ میں پہونچکر نماز کا قضا پڑھنا۔

بہر حال تاریخی سلسلہ میں ہمارا مطلب یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو خاص جھنڈا مرحمت فرماکر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے مقدمۃ الجیش بنایا اور اسلامی لشکر نے بنی قریظہ کے قلعہ پر حملہ کیا اور گڑھی کو چاروں طرف سے گھیر لیا تاکہ یہ بھی تنگ آکر بنی نضیر کی طرح نیچے اُتر آئیں اور اس کے بعد جو کچھ اسلامی سپہ سالار کا حکم ہو وہ عمل میں لایا جائے۔

جسدن یہ حملہ کیا گیا تھا اُس روز ماہ ذیقعدہ کے ختم ہونے میں سات دن باقی رہ گئے تھے اور کامل پچیس[۲۵] روز تک مسلمان ان یہودیوں کا محاصرہ کئے پڑے رہے آخر کو یہودی تنگ آگئے اور مصالحت کا پیام و سلام شروع ہوا۔

غالباً ہم ایک مقام پر بیان کرچکے ہیں کہ بنی قریظہ کے یہودیوں کو مدینہ کے انصار میں قبیلہ اوس کے ساتھ زیادہ تعلق تھا کیونکہ یہ دونوں قومیں باہم حلیف بھی تھیں اور آپسمیں اس بات پر عہد و پیمان کئے ہوئی تھیں کہ ایک دوسرے کا معین و مددگار ہوگا اس بنا پر ان بدنصیب یہودیوں نے قبیلہ اوس کے دانشمند اور معزز مسلمان حضرت ابو لبابہؓ سے مشورہ لیا اور کہا کہ ہم گڑھی میں محصور رہتے رہتے تنگ آگئے ہیں چاہتے ہیں کہ قلعہ کا دروازہ کھولدیں اور اس بات پر نیچے اُتر آویں کہ محمدؐ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جو ہمارے لئے حکم فرماویں وہ ہمکو منظور ہے۔ تم ہمکو اپنے مہربان سپہ سالار کے حضور میں لیچلو اور عذر خواہی کرکے جان بخشی کرادو۔ یہودی بچے اور یہودنیں حضرت ابو لبابہ رضی اللہ عنہ کے پاؤں پر گر پڑے اور گریہ وزاری شروع کردی۔ ان کے گڑگڑانے اور منت وسماجت کرنے سے رحمدل صحابی کو ترس آگیا اور خیر خواہی کا وعدہ کرلیا کہ میں ایسا کروں گا۔

حضرت ابو لبابہ مسلمان تھے اور کفر و اسلام کا فرق ہوئے پیچھے قدیمی محبت کا پاس ولحاظ جائز نہیں رہا تھا اس لئے اُن کو مناسب تھا کہ وہ جواب دیں جو رسولؐ کی منشا کے موافق ہو اور ایسا کلمہ زبان سے نہ نکالیں

جس میں کسی راز کا اظہار یا قابل اخفا امر کا اعلان ہو مگر افسوس ان کو پرانے تعلق کا خیال آگیا اور انھوں نے اپنی حلق کی جانب اشارہ کر کے جواب دیا گویا مشورہ لینے والے یہودیوں کو سمجھا دیا کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ تمھارے قتل کر دینے کا ہے اگر تم نیچے اتر آئے تو یقیناً مارے جاؤ گے اور تمہارا خون گلے کاٹ کاٹ کر اسی گڑھی کے نیچے بہا دیا جائیگا۔ چنانچہ بنی قریظہ نے پلٹا کھایا اور اس شرط پر نیچے اترنا منظور کیا کہ معاذ کے بیٹے حضرت سعد رضی اللہ عنہ سرپنچ بنائے جائیں اور جو کچھ بھی وہ حکم دیدیں اس کو فریقین منظور کریں اس کے خلاف کرنے کی کوئی جرأت نکرے ورنہ عہد کو توڑنے والا غدار سمجھا جائے گا۔

حضرت سعدؓ بن معاذ بھی اُسی قبیلہ اوس کے معزز سردار تھے جو یہود بنی قریظہ سے قسما عہدی کئے ہوئے تھا مگر غزوہ خندق میں زخمی ہوئے پڑے تھے اتنی طاقت نہ تھی کہ پاؤں چل کر مجلس میں آسکیں اور سرپنچ بنکر قطعی فیصلہ کا حکم سنادیں کیونکہ اس جنگ احزاب میں عرفہ کے بیٹے جہاں قریشی کا تیر ان کے ہاتھ کی رگ میں ایسا آکر لگا تھا کہ رگ کا مُنہ کھل گیا اور خون برابر جاری تھا کسی طرح بند ہونے میں نہیں آتا تھا اور یہ پڑے ہوئے دعا کررہے تھے کہ "اے رب العزت اگر جہاد کے متعلق مجھ سے ابھی کچھ اور کام لینا باقی ہے تو مجھکو صحت دے کہ دِل کھول کر کافروں سے لڑوں اور اگر جنگ ختم ہو چکی ہے تو اسی تکلیف میں مجھکو موت مرحمت فرما تاکہ شہیدوں کے دفتر میں نام لکھا جائے البتہ اگر اتنی مہلت ملجائے کہ یہود بنی قریظہ کا انجام اور اسلامی لشکر کے محاصرہ کا نتیجہ دیکھ لوں تو تیرا کرم ہے کیونکہ ایک بدعہد اور مکار قوم کی سزا کے آنکھوں سے دیکھ لینے کی تمنا باقی ہے جس کا پورا کرنا تیرے اختیار میں ہے"

جس وقت فریقین نے حضرت سعدؓ کا سرپنچ ہونا منظور کیا ہے اُن کے زخمی ہاتھ کا خون بند ہو چکا تھا اسلئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی طلبی کے حکم سے اپنی سواری کے گدھے پر سوار ہو کر فوراً عام مجمع میں آئے اور ہر دو طرف کے آدمیوں کی مشتاق و امیدوار نظریں اس انتظار میں ان کی جانب اٹھیں کہ دیکھئے کیا حکم دیتے اور کیا فیصلہ زبان سے کرتے ہیں کیونکہ درحقیقت اس وقت سیکڑوں جانوں کی دنیاوی زندگی کا تصفیہ ان کی زبان کے ایک کلمہ پر موقوف تھا اور ہزاروں امیدیں اس لفظ سے وابستہ تھیں جو ان کی زبان کی حرکت سے پیدا ہونے والا تھا۔

اس وقت یہود بنی قریظہ کا عجیب حال تھا کیونکہ وہ اپنی سزا کا پورا اختیار حضرت سعدؓ بن معاذ کے ہاتھ میں دے چکے تھے اور سمجھے ہوئے تھے کہ ہمارے پُرانے رفیق اپنی رفاقت کا حق ضرور ادا کریں گے اور

جس طرح ہمارے دینی بھائیوں یعنی یہود بنی نضیر کی جان ان کے قدیمی دوست یعنی قبیلہ خزرج کے انصار کا معزز رئیس اُبی کا بیٹا عبداللہ منافق بچا چکا ہے اسی طرح ہمارے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا جائیگا مگر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے مجلس میں آتے ہی ان کی ساری امیدوں اور آرزوؤں پر یکلخت پانی پھیر دیا اور سرپنچ بنکر فیصلہ کا قطعی حکم یوں سنایا کہ "ان دغاباز یہودیوں کے تمام مرد یعنی لڑنے کے قابل آدمی مار ڈالے جائیں اور عورتیں و لڑکے مع کل مال و اسباب مسلمانوں کے حوالہ ہوں تاکہ مسلمان ان کو لونڈی غلام بنائیں اور اپنے مالی ضعف کا جبر نقصان کریں"۔

شرائط کی پابندی کے بموجب سرپنچ منصف انصاری مسلمان کا یہ حکم عمل میں لایا گیا اور آج مدینہ منورہ قوم یہود کے لڑنے والے شیروں سے بالکل خالی ہوگیا کیونکہ باقیماندہ قوم بنی قریظہ میں جتنے مرد تھے وہ سب قتل کردیئے گئے اور مال وجائداد ضبط ہوکر مسلمانان مدینہ کے قبضہ میں آیا اور نابالغ بچے غلام بنائے گئے اور یہودنیں باندیاں بنکر اہل اسلام کے تحت تصرف میں داخل ہوئیں چونکہ حضرت سعدؓ بن معاذ کی منہ مانگی دعا قبول ہو چکی تھی اس لئے دولت خانہ پر واپس پہونچتے ہی زخم کا انگور پھٹ گیا بند ہوا خون سینہ کے زخم سے جو قریب قریب اچھا ہوگیا تھا دوبارہ پھر جاری ہوا جس کی اطلاع مسلمانوں کو اس وقت ہوئی جبکہ بنی غفار کے اس خیمہ تک خون بہتا ہوا پہونچ گیا جو مسجد میں منصوب تھا۔

جس وقت سرخ ندی لوگوں نے دیکھی تو باہم کہنے لگے کہ دیکھو یہ خون کہاں سے آرہا ہے چنانچہ چند آدمی ادہر اُدہر تفتیش کرنے لگے اور جس وقت پاس والے مکان میں گئے تو معلوم ہوا کہ پانچویں اسلامی جنگ کے سرپنچ و حَکَم بحالت جانکنی دنیاوی تعلقات کو منقطع اور اپنے محبوب حقیقی کے وابستہ علاقہ کو یکسو کررہے ہیں۔ آخر کار یہ خون بند نہ ہوا اور حضرت سعدؓ شربت شہادت نوش فرماکر راہی ملک بقا ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جان نثار مستجاب الدعا صحابی کے جنازے کی نماز پڑھی اور حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ کے احاطہ کے پاس جو گلی گئی تھی اس گلی کے ایک طرف اقصیٰ بقیع میں انھیں کے مکان کے پاس دفن فرمایا۔ اسلامی معتبر مورخ کا بیان ہے کہ اس مقدس مزار کی پوری تحدید اس قبہ کی جگہ پر صادق آتی ہے جو حضرت فاطمہ بنت اسد کی جانب منسوب ہے۔ غالب یہ ہے کہ یہ مزار حضرت سعدؓ ہی کا ہے اور قبر فاطمہ بنت اسدؓ اسکو کسی ایسے شبہ کی وجہ سے کہتے ہیں جسکا سبب معلوم نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

باب (۶۱)

ابوالبابہ رضی اللہ عنہ کی توبہ۔ زائرین مدینہ طیبہ نے شاید مقامات متبرکہ کی زیارت کیوقت اس مسجد کی بھی زیارت کی ہوگی جو تمام باغات کی انتہا پر حرۂ شرقیہ کے پاس مسجدِ شمس کے شرق کی جانب واقع ہے اور مسجد قریظہ کے نام سے مشہور ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس محاصرہ میں اسی جگہ قیام فرمایا تھا چنانچہ بعد میں اس مقدس مقام پر مسجد تعمیر کردی گئی تاکہ آنیوالی نسلیں زیارت سے مستفیض ہوں۔

اس مقام کے جوار میں ایک عورت کا گھر بھی واقع تھا جس میں اللہ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی اور جس کو ولید بن عبد الملک نے اس مسجد کی بناکے وقت مسجد میں شامل کردیا ہے وہ متبرک جگہ مسجد کے شمال کی طرف پچھاں کے کونے پر واقع ہے۔ اس جگہ عمارت قدیم میں ایک منارہ تھا جو خصوصیت قائم رکھنے کے خیال سے مسجد قبا کے منارے کی وضع پر بنایا گیا تھا مگر ایک زمانہ کے بعد منارہ گر گیا اور سن سات سو کے قریب تک اس کا کچھ اثر بھی باقی رہا اس کے بعد اُس جگہ پر ڈیڑھ قد آدم اونچا ایک چبوترہ بنادیا گیا جو ابتک موجود ہے۔

اس مسجد کی قدیمی عمارت چھت اور ستون اور منارہ وغیرہ کے اعتبار سے بالکل مسجد کی سی تھی مگر اب صرف ایک چار دیواری باقی ہے جس کی وسعت قبلے سے شام کی طرف تخمیناً چوالیس گز اور مشرق سے غرب کی جانب تینتالیس گز ہے۔

اس محاصرہ میں حضرت ابو لبابہ رضی اللہ عنہ سے جو کچھ خطا سرزد ہوئی اس کی تفصیل بیان ہوچکی ہے البتہ یہ ہم ضرور کہہ سکتے ہیں کہ ان سے جو قصور ہوا وہ از راہ بشریت یہودیوں کا جزع فزع دیکھ کر سرزد ہوا اس لئے جب جنگ و محاصرہ سے اسلامی لشکر نے فراغت پائی تو حضرت لبابہ رضی اللہ عنہ کو اپنے جرم و قصور پر تنبہ ہوا اور سمجھے کہ مجھ سے خدا اور رسول کے حق میں خیانت صادر ہوئی اور میں نے ناجائز طریقہ سے اللہ کے نافرمان اور بدنصیب یہودیوں کی خیر خواہی کا گناہ کیا ہے اس لئے مجھکو ضرور توبہ کرنی چاہئے۔

کامل مکمل پیغمبر اور سید المرسلین پیشوائے امت کی مقدس صحبت کے فیضان نے ان خوش قسمت حضرات کو کچھ ایسا پاک طینت اور صاف دل بنادیا تھا کہ کسی گناہ کی تلویث اور جرم کی خفیف نجاست بھی فوراً کھٹکتی اور طہارت و پاک دلی کی جانب مشغولیت ہوجاتی تھی کیونکہ اُن کے قلوب اُس دُھلے ہوئے

سپید کپڑے کی مثال ہو گئے تھے جس پر چانول برابر سیاہی کا دھبہ بھی فوراً نظر آتا اور بدنما و بدزیب بنکر دیکھنے والوں کو اوپری معلوم ہوتا تھا۔

حق تعالیٰ کی معصیت جس کا نام گناہ یا قصور ہے اُخروی حیات کے برباد کرنے کے لئے زہر ہلاہل کی خاصیت رکھتا ہے جس کا ہضم ہو جانا گویا موت کی خبر لانا اور ہلاکت کی اطلاع دینا سمجھا گیا ہے اس لئے زہے تقدیر اُن گناہگار بندوں کی جنکو گناہ کرتے ہی ندامت و حیا آئے اور اس کے تدارک و تلافی میں جہانتک ممکن ہو جلدی کریں تاکہ سم قاتل اپنا اثر کرنے سے پہلے بے نیل و مرام خارج ہو جائے۔

توبہ میں تعویق و تاخیر یا اس امید پر گناہ کی جرأت و معصیت کا ارتکاب کہ کل توبہ کرلیں گے ایسا مہلک مرض ہے جس سے جاں بری دشوار ہے اور درحقیقت ایسا خیال اس کی دلیل ہے کہ حق تعالیٰ کو اس بندہ کے ساتھ کوئی قابل افسوس معاملہ فرمانا مقصود ہے جس کی بنا پر توبہ کی توفیق نہیں دی جاتی اور ناپائیدار زیست اور موہوم حیات میں آجکل کے حوالہ سے بے توبہ دنیا سے اٹھا لینا منظور ہے اور اس کے مؤید و مثبت واقعات دنیا میں بھی ہزارہا ملیں گے جنکو تجربہ کار اور آخرت کے متعلق عقل و سمجھ رکھنے والے صاف دل مسلمانوں نے اچھی طرح سمجھ لیا ہے۔ بھلا زہر کھائے پیچھے قے کرانے میں ایک گھنٹہ کا وقفہ بھی کیا مضر ثابت نہیں ہوا اور کیا اتنی بات سمجھ میں نہیں آتی کہ جو شخص دو دن کا پیدا ہوا درخت نہیں اکھاڑ سکتا وہ کل کو جبکہ اس درخت کی جڑ آج کی بہ نسبت زیادہ مضبوط ہو جائے گی کیونکر اکھاڑ سکے گا۔ یہ حیلہ حوالہ نامرد و ضعیف اور کمزور دغاباز لوگوں کا کام ہے۔ جس مسلمان سے کوئی خلاف شرع کام آج نہیں چھوڑا گیا وہ کل جبکہ اس کی لذت زیادہ ہوگئی ہے اس کو کس طرح چھوڑ دے گا۔

ذرا آنکھیں کھولکر دیکھو اور فکر و تدبیر کی میزان میں تولو کہ تمہارے زبردست پیشواؤں نے عفو تقصیر میں کسقدر عجلت اور جفاکشی و محنت سے کام لیا ہے حالانکہ ان کی حسنات کا پلہ سیأت و جرائم کے وزن سے بدرجہا بڑھا ہوا تھا مگر چونکہ سمجھے ہوئے تھے کہ بے نیاز خدا کی بے نیازی خدا جانے کس قصور پر گرفت کر بیٹھے اس لئے اتنا بھی گوارا نہ ہو سکتا تھا کہ اپنے شفاف لباس ایمان پر گناہ کی سیاہی کا دھبہ ایک دو دن بھی قائم رکھیں۔ ممکن تھا کہ حبیب خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے ہمنشین احباب اور جان نثار اصحاب سے کوئی قصور صادر نہ ہوتا اور معصوم رکھے جاتے مگر چونکہ آنے والی اُمت کے لئے اس ابتدائی سلسلہ میں ہر قسم کا نمونہ قائم کرنا ضرور تھا اس لئے دکھا دیا گیا کہ مجرم و قصوروار مسلمان کو توبہ و استغفار میں جہانتک ممکن ہو عجلت کرنی چاہئے۔

اور کم سے کم فکر و تشویش اور انتظام و تدبیر میں اتنی کلفت و کوشش ضرور اٹھانی چاہئے جتنی سہو و نسیان میں زہر یا سنکھیا کھا لینے والے کو استفراغ یا اسہال کے علاج میں سعی و عجلت سے کام لینا پڑتا ہے۔

حضرت ابو لبابہ رضی اللہ عنہ اپنے کئے ہوئے قصور کو یاد کر کے بیچین ہو گئے اور فوراً مسجد نبوی میں حاضر ہو کر اس تقصیر کی عذر خواہی میں اپنے آپ کو اُس لکڑی کے ساتھ بھاری زنجیر سے باندھ دیا جو زمانہ رسالت سراپا برکت میں اس ستون کی جگہ تھی جس کو آجکل اسطوانۂ توبہ کہا جاتا ہے اور نیز اسطوانۂ ابی لبابہ کے نام سے مشہور ہے۔

حضرت ابو لبابہؓ کو کامل دس روز اسی حالت پر گذر گئے کہ اپنی ناشائستہ حرکت پر نادم اور توبہ کی قبولیت کے مستدعی رہے ہر وقت گریہ وزاری میں مشغول اور آہ و بکا میں مصروف تھے نہ کھانیکا ہوش تھا نہ پینے کی خبر تھی یہانتک کہ بھوک کی شدت اور رونے پیٹنے کی کثرت کے باعث قوت سامعہ اپنے کام سے جاتی رہی اور سماعت میں فتور آگیا تھا جسم لاغر ہو گیا ہڈیاں نظر آنے لگیں اور بینائی نہایت درجہ کمزور ہو گئی تھی۔

حق تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ و مخلص بندوں کی آزمائش میں کبھی کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں فرمایا اور جبتک اچھی طرح جھڑ جھڑا کر نہیں جانچا اسوقت تک کامیابی کی سند اور قابل قدر دستاویز مرحمت نہیں فرمائی اس لئے جب ابو البابہؓ کو بھوکے پیاسے روتے دھوتے اتنا زمانہ گذر لیا کہ قریب تھا قوت بصارت بھی جاتی رہے تو اس وقت مہربان خدا کا بحر رحمت جوش زن ہوا اور توبہ کی قبولیت میں آیت مقدسہ نازل ہوئی۔

حضرت ابو بابہؓ نے قسم کھائی تھی کہ میں اس بھاری زنجیر کی قید سے نہ کھلوں گا جبتک کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دست مبارک سے نہ کھولیں گے اور نہ کچھ کھاؤں گا نہ پیونگا یہانتک کہ اسی نازک حالت میں یا مر جاؤنگا اور یا میرا گناہ بخشدیا جائیگا چنانچہ جس وقت سید الکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اسکی اطلاع ہوئی تو فرمانے لگے کہ اگر ابو البابہ پہلے ہی میرے پاس آجاتا تو میں اس کے واسطے استغفار کر لاتا لیکن جب اس نے اپنے آپ کو حق تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کے لئے باندھ دیا اور زنجیر میں جکڑ لیا ہے تو میں مجبور ہوں جبتک حق تعالیٰ کا حکم نازل نہ ہوگا اس وقت تک میں ہرگز ہرگز کھولنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔

حضرت ابو البابہؓ نے اپنی قسم کو پورا کر دیا کیونکہ پورے دس دن تک سوائے گریہ وزاری کسی بات سے سروکار نہیں رکھا البتہ نماز اور قضائے حاجت کے وقت ان کے صاحبزادے آکر اپنے گناہگار باپ کو کھولدیتے تھے اور فراغت کے بعد پھر اسی زنجیر میں جکڑ دیتے تھے یہانتک کہ جب آزمائش ختم ہولی اور

اس مستقل مزاج وثابت قدم بندۂ خدا نے اپنی ندامت و استغفار کو عبودیت کی کسوٹی پر پرکھا دیا تو آیۂ کریمہ "یا ایہا الذین آمنوا لاتخونوا اللہ والرسول" حضرت جبریل امین بارگاہ رب العزت سے لیکر نازل ہوئے اور توبہ قبول ہوئی۔

جس وقت یہ مژدۂ روح افزا دنیا میں پہونچا ہے صبح کا سہانا وقت تھا اور مصدر روحی یعنی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے یہاں تشریف رکھتے تھے اور اگرچہ اسی وقت اس مبارک اطلاع کا مسجد نبوی میں اعلان ہوا جس کو سنتے ہی حضرت ابولبابہؓ کے کھولنے کے لئے ان کے احباب اور وہ یار دوست لپکے جو اپنے دینی بھائی کو بھاری زنجیر میں جکڑا ہوا دیکھ کر تڑپ جایا کرتے تھے مگر بات کے پورے اور قول کے پکے مستقل مزاج صحابی نے کہا کہ "ہٹجاؤ میرے کھولنے کا ہرگز قصد نہ کرو کیونکہ میں قسم کھا چکا ہوں کہ رسالتمآب ہی اپنے دست مبارک سے کھولیں تو کھلوں گا ورنہ اسی حالت پر مرجانا ہزار زندگی سے بہتر سمجھوں گا" آخر کار رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اپنے جان نثار اور خدا ترس صحابی کو ستون سے کھولا۔

حضرت ابو لبابہ رضی اللہ عنہ سجدۂ شکر بجالائے اور عہد کیا کہ مدت العمر کبھی اُس کوچہ میں قدم نہ رکھونگا جہاں مجھ سے گناہ ہوا ہے اور کبھی محلّہ بنی قریظہ میں نہ جاؤں گا کیونکہ اس جگہ مجھ سے اللہ و رسول کے حق میں خیانت صادر ہوئی ہے۔ یہی وہ مبارک ستون ہے جس کے پاس رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے اکثر نفل نماز پڑھی ہے۔ اور فجر کی نماز کے بعد جلوہ فرما ہوا کرتے تھے کیونکہ اس کے گرد ضعفاء و مساکین صحابہ اور اصحاب صفہ زاہد و خدا پرست مسلمان بیٹھے رہا کرتے تھے جن کے پاس اٹھنا بیٹھنا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ محبوب رہا ہے۔

یہ مقدس ستون منبر شریف کی طرف سے چوتھا اور حجرۂ منیفہ کی جانب سے تیسرا ستون ہے اور مشہور ہے کہ اس ستون اور قبر شریف کے درمیان صرف بیس گز کا فاصلہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

باب ششم (۶۲)

بنی لحیان اور غابہ۔ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا چھٹا مبارک سال شروع ہو گیا۔ مقدس شہر مدینہ دغا باز یہودیوں سے خالی ہو چکا ہے مگر کافر لٹیروں کی شرارتیں اور مکار مگر بھگوڑے بدوؤں کی دست اندازیاں برابر چلی جاتی ہیں اور گو قریشی بت پرستوں نے مسلمانوں کی بربادی کے لئے جتنی کوششیں کیں اُن سب میں خدا نے ناکامیاب رکھا اور ان کا ایک داؤ بھی نہیں چلنے دیا۔ لیکن اس پر بھی ریگستان کے ڈاکو لوٹ سے باز نہیں آتے اس لئے ضرور ہوا کہ ان کی سرکوبی کا پورا انتظام کیا جائے اور ان کے دبانے کی پوری کوشش عمل میں لائی جائے۔ چنانچہ ان پر کئی حملے کئے گئے لیکن یہ بھگوڑی قوم مسلمانوں کے ہاتھ نہیں آئی۔

قبیلہ بنی لحیان نے حضرت عاصمؓ شہید کی مختصر دس آدمیوں کی جماعت کے ساتھ رجیع کے میدان میں فدفد کے ٹیلہ پر جو دغا بازی کی تھی اُس کو زیادہ زمانہ نہیں گذرا اس لئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مظلوم شہداء کا انتقام لینے کے لئے دو سو سوار کا لشکر ہمراہ لیکر ان جفا کار بدوؤں اور ستم شعار دغا بازوں پر حملہ کیا اور غطفان کی وادی کے قریب جا ڈیرے ڈالے مگر یہ لٹیرے اسلامی لشکر کی آمد سنکر پہاڑوں میں جا چھپے اور ناچار مسلمانوں کو مدینہ واپس ہونا پڑا اسی سفر میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ آمنہ خاتون کی قبر پر جو راستہ میں پڑتی تھی بیٹھکر بہت روئے اور صحابہ نے بھی آنکھوں سے آنسو بہائے کیونکہ بچپن میں انتقال کر جانے والی مہربان ماں کی مادرانہ شفقتیں اور وہ محبت کا تعلق یاد آگیا جو ہر بشر کو اس عفت مآب ماں سے ضرور ہونا چاہئے جس کے بطن سے پیدا ہوا اور جس کی آرام دینے والی گود میں کئی برس پرورش پائی ہو۔

ہم آمنہ خاتون کے ایمان کی بابت ہاں یا نہ کا کوئی کلمہ نہیں نکال سکتے کیونکہ یہ ایسا مسئلہ ہے جس میں خود سلف کے مقتدر امام بھی خلاف کر چکے ہیں اور ہمیں اپنے پیشوا حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک جو درحقیقت نہایت ہی پسندیدہ ہے اختیار کرنا ہے کہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے والدین کے ایمان کے متعلق سکوت اور خاموشی نہایت مناسب ہے اور درحقیقت جس مسلمان کو کفر و ایمان کی حقیقت معلوم ہے اور جو ایماندار شخص ان دونوں لفظوں کے اطلاق کا مطلب سمجھ سکتا ہے وہ اس متوسط اور

اچھے سلوک کو نہایت وقعت کی نظر سے دیکھیگا بشرطیکہ طبیعت میں احتیاط کا مادہ بھی ہو اور زبان سے ایسی بھاری لفظ کو بیباکانہ نکالنا پسند نہ کرتا ہو کیونکہ جس طرح مسلمان کو کافر سمجھنا کفر ہے اسی طرح کافر کو مسلمان سمجھنا حرام اور شرعاً ناجائز ہے۔

اس واقعہ کے تھوڑے دن بعد قبیلہ غطفان کا ایک ڈاکو اس میدان چراگاہ میں جس کا نام ذات القرد ہے مویشیوں پر حملہ آور ہوا اور بہت سے اونٹوں کو جو مدینہ سے باہر جنگل میں چر رہے تھے ہانک کر لیگیا۔ مسلمان سپاہی یعنی حضرت سلمہ بن اکوع کو سب سے پہلے اس کی خبر ملی اور یہ جھپٹکر اس لٹیرے پر آ پڑے جو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ان اونٹنیوں کو ہنکائے لئے جا رہا تھا اور انھوں نے شیر کی طرح حملہ کر کر اس سے اُونٹ چھین لئے۔ غرض ڈاکو قزاق بھاگ گیا اور تیس خوبصورت چادریں بھی حضرت سلمہؓ کے ہاتھ آئیں جو اس لٹیرے کی جماعت سے چھین لی گئی تھیں آخر کار حضرت سلمہ مظفر و منصور مدینہ کو واپس آ رہے تھے کہ راستہ میں تقریباً پانچسو مسلمانوں کے اُس لشکر سے ملے جو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ماتحتی میں اسی ڈاکو کی گرفتاری کے لئے مدینہ سے چل کھڑا ہوا تھا مگر چونکہ مقصود حاصل ہو چکا تھا اس لئے سب وہیں سے واپس ہو گئے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے خوش ہو کر حضرت سلمہؓ کو اپنی عضباء اونٹنی پر پشت کے پیچھے سوار کر لیا اور فرحاں و شاداں مدینہ میں داخل ہوئے۔

اس غزوہ کا نام غزوہ ذی قرد بھی ہے اور ایسا واقعہ یعنی مدینہ کے مویشیوں پر لٹیروں کا حملہ کرنا اور چراگاہ میں چرتے ہوئے اونٹوں کا ہنکا لیجانا کئی مرتبہ واقع ہوا ہے چنانچہ غزوہ خیبر سے تین دن قبل بھی ایسا ہی قضیہ پیش آیا مگر مسلمانوں کو ڈاکوؤں سے اپنا مال چھین لینے میں ہمیشہ اور ہر دفعہ کامیابی حاصل ہوئی لیکن جو قصہ ہمنے بیان کیا ہے وہ جنگ حدیبیہ سے پہلے کا واقعہ ہے اور اس کا دوسرا نام غزوہ غابہ بھی ہے اور اسی عنوان کو ہمنے اپنے تذکرہ میں لیا ہے جیسا کہ باب کی سُرخی سے ظاہر ہے۔

رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم نے کافروں پر تلوار ہی کے زور سے فتح حاصل نہیں کی بلکہ زیادہ تر اُس مشہور خلق اور رحمدلی سے اپنے دشمنوں کے دلوں پر غلبہ پایا ہے جسپر آپ پیدا کئے گئے تھے اور جس کی نظیر دنیا کی وسیع سطح پر ملنی محال اور ناممکن ہے بلکہ سچ یہی ہے کہ صرف آپ کی بہترین خصلتوں اور نرم مزاجی نے دشمنوں کو دوست اور مخالفوں کو جان نثار موافق بنا کر دکھا دیا اور اسی لطف و کرم اور عدل و انصاف کے ہر دلعزیز خصائل نے صیقلدار سے زیادہ نمایاں کام کر کے دکھائے کیونکہ ہر شریف انسان اُس

آدمی کی طرف عزت اور عظمت کی نظر سے دیکھتا ہے جو باوجود قدرت و اختیار کے بُرائی کے بدلہ میں برائی نہ کرے بلکہ غصہ کے وقت استقلال کو کام میں لائے اور معافی و شفقت کے سخت امتحان میں کامیاب ہو۔ دنیا بھر کی تاریخیں ٹٹول دیکھئے اور زمین کے کنارے چھان ماریئے ان اخلاق حمیدہ کی مثال نہیں ملیگی جو اللہ کے پیارے اور سچے عربی رسول کے ہر وقت ساتھ رہتے تھے اور بے تکلف حجازی خطہ کے شریف و بہادر دشمنوں کے قلب پر قبضہ کرتے چلے جاتے تھے اور یہی پاک خیالی و نیک طینتی کا وہ پاک جوہر ہے جس کا اقرار ہر زمانہ اور ہر وقت میں مذہب اسلام کو دشمن اور مخالف گروہوں کو بھی کرنا پڑا اور یہی وہ سفید و شفاف لباس ہے جس پر کوئی نکتہ چیں اور عیب بین کافر کبھی کسی قسم کے نقص کا سیاہ دھبہ نہیں لگا سکا۔

سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ملک پر با اختیار حاکم تھے مگر اسپر بھی آپ نے اپنے بڑے سے بڑے دشمن کو رحمت و مہربانی کی نظر سے دیکھا اور سخت مجرموں کی سزا دینے میں بھی عدل کو پوری طرح برتا ہے اور ثابت کر دکھایا ہے کہ رحم و عدالت کا جو مادہ آپ کی سرشت میں رکھا گیا ہے وہ آپ کی کامیابی کا ایسا اعلیٰ درجہ کا نمونہ ہے جس کے قریب قریب پہونچنا بھی ترقی کے زینہ کی سب سے اونچی سیڑھی پر قدم رکھنا ہے۔

قوم حنیفہ کا ایک سردار جنکا نام ثمامہ ابن عثال تھا گرفتار ہو کر مسلمانوں کی قید میں آئے اور باقاعدہ مجرم بنا کر مسجد کے اُس ستون میں باندھ دیئے گئے جو سرکش مخالفوں کی بندش کے لئے تجویز ہوا تھا مگر ان کی عزت یا جان کے متعلق کسی قسم کی تکلیف گوارا نہیں کی گئی اور جب کبھی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف ہو کر گذرے مسکرا کر یہی فرمایا کہ کہو کیا حال ہے ؟ اس شریف نسل کے سردار نے آپکی رحمانی صفتوں کو کئی دفعہ امتحان کی کسوٹی پر کسا اور تین مرتبہ اس رحمدلی کے سوال کا جواب سختی کے ساتھ دیا یعنی مقدس مذہب اختیار کرنیسے انکار کیا آخر کار تیسری مرتبہ اسلامی لشکر کے سپہ سالار اور مدینہ کے مقتدر و با اختیار حاکم کی شفیق و مہربان خصلت نے مجرم کے کھولدینے کا حکم دیدیا اور ثمامہ کی رسی ستون سے علیحدہ کر دی گئی مگر اسوقت جبکہ ان کے قلب پر اس کرم گستری نے اپنا پورا اثر جمالیا اور نور ایمان اپنی شعاعوں کو پوری طرح چاروں طرف پھیلا چکا تھا کیونکہ اس بہادر سردار نے رہا ہوتے ہی اس درخت کے پیچھے جا کر غسل کیا جو مسجد کے پاس واقع تھا اور فوراً واپس ہو کر بآواز بلند مسجد میں کلمۂ توحید پڑھا جس سے مسجد گونج اٹھی اور ثابت کر دکھایا کہ بیشک رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ پسندیدہ عادتیں جو خدا اپنے پیارے نبی کو مرحمت فرمایا کرتا ہے دنیا پر قبضہ کر لینے کو کافی ہیں اور کیوں نہوں جس پیغمبر کو تمام دنیا کی جانب دفعۃً نبی بنا کر بھیجا جائے وہ ایسی ہی رحم و عدل کے شمائل حسنہ کا سزاوار ہے

جو آپ کی سرشت میں رکھے گئے تھے۔

حضرت ثمامہ بن عثال جس وقت مسلمان ہو کر اپنے ملک کو واپس گئے تو مذہبی عصبیت اور اسلامی محبت کی بنا پر کافروں کے ساتھ اعانت وسلوک کا کوئی تعلق قائم رکھنا گوارا نہ سمجھا اس لئے جو غلہ یمامہ سے مکہ کو جایا کرتا تھا اُسے روکدیا اور کہدیا کہ ہمارے ملک کی پیداوار میں اس قوم کا ذرہ برابر بھی حصہ نہیں ہے جو اللہ کے سچے رسول کو دشمن سمجھتی ہو اور پیٹ بھر بھر کر دین اسلام کا مقابلہ کرنے کے لئے مدینہ پر چڑھ چڑھ کر آتی ہو اور اس کے بعد ہرچند اہل مکہ نے کوشش کی کہ قبیلہ بنی حنیفہ کو راضی کریں کیونکہ اس غلہ کی آمد بند ہو جانے سے ان کو سخت تکلیف پیش آئی تھی مگرانکی تمام کوششیں بیکار گئیں اور حنیفہ کسی طرح اُن سے نہ ملے۔

غرض جب مایوس ہو گئے تو مصیبت زدہ اہل مکہ نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں ایک عرضی بھیجی اور مراحم کریمانہ کے اس طرح مستدعی ہوئے کہ "اے مخلوق پر رحم کرنے والے مدعی نبوت اور اے رانڈ بیوہ عورتوں اور یتیم بچوں پر ترس کھانے والے محمود خصلت و ہر دلعزیز سردار تمھاری کرم گستری اور رحمدلی شہرۂ آفاق ہے اور تمھاری نرم مزاجی وغربا نوازی کا ہر چھوٹا و بڑا معترف ہے تم اپنے پہلے ہموطن اہل مکہ کے نازک حال پر کیونکر ترس نہ کھاؤ گے اس بے آب وگیاہ خطہ کے باشندوں کا گذارا اِدھر اُدھر کے سبز وشاداب ممالک کی پیداوار پر موقوف ہے اور اب چونکہ اس میں کمی آگئی اس لئے قحط سالی وگراں فروشی سے تمھارے عزیز رشتہ دار اور قریشی کنبہ پر فاقہ کشی کی نوبت ہے خدا کے واسطے ہم محتاجوں پر رحم کرو اور بنی حنیفہ کا حسب سابق آنیوالا غلہ جاری کرا دو تاکہ اس مسدود دروازہ کے کھلجانے سے ہم کو دوبارہ زندگی حاصل ہو۔"

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم خلق اور عام کرم کسی قوم کے لئے خاص نہ تھا بلکہ آپ اپنے ہر دشمن پر رحم کرنا چاہتے تھے اس لئے اہل مکہ کی حالت پر بھی آپ کو افسوس آیا اور آپنے حضرت ثمامہؓ کے نام حکم بھیجدیا کہ مکہ کا جانیوالا غلہ حسب دستور جایا کرے چنانچہ فوراً تعمیل کی گئی اور قحط زدہ مکہ کے لوگ پھر فارغ البال ہوئے۔

باب (۶۳)

قضیہ عُرنیین رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے عدل وانصاف کے بیش قیمت موتی پر بھی پورا

قبضہ رکھا اور مجبور ہو کر اُس وقت تلوار سنبھالی جب دیکھ لیا کہ یہ متعدی مرض دوسرے تندرستوں کو بھی مریض بنا رہا ہے اور اس متعفن و غلیظ مادہ کا کاٹنا ہی بہتر ہے جس سے دوسرے صحیح و سالم اعضا میں بھی فساد اور عیب پیدا ہونے کا اندیشہ ہے کیونکہ حاذق طبیب اور ہوشیار ڈاکٹر جس وقت سمجھ لیتا ہے کہ زخمی مریض کا علاج مرض مرہم پٹی کی حد سے تجاوز کر گیا ہے تو مجبور اُس کار آمد ہاتھ یا پاؤں کو جڑ سے کاٹ دیتا ہے جس کو کسی وقت میں محبت کی نظر سے دیکھا کرتا تھا اور اس وقت تعدیہ کے اندیشہ سے رحم و نرم مزاجی کو تدبیر و مصلحت کے پردہ میں چھپا کر عاقلانہ قطع و بریدسے کام لیتا ہے اگر اس خیر خواہ طبیب کو ظالم و بے رحم نہیں کہہ سکتے تو بیشک سچے رسول پر بھی سخت دلی اور زیادتی کا الزام عائد نہیں ہو سکتا کیونکہ ڈاکٹر کی تدبیر ظنی اور صرف اپنے خیال کی تعمیل کا ثمرہ ہے اور اس دور اندیش سمجھدار روحانی طبیب کی طبابت میں اُس علام الغیوب کی تعلیم کا بھی اثر غالب ہے جس کو ہر مرض کی مصلحت اور ہر قلب کی اندرونی حالت سے پوری واقفیت و آگاہی حاصل ہے۔

ایک دفعہ قبیلہ عکل اور عرینہ کے چند بدو مدینہ میں آکر مسلمان ہوئے اور کہنے لگے کہ ہمیں مدینہ کی آب و ہوا موافق نہیں آئی ہم بیمار پڑے جاتے ہیں کیونکہ ہمارا گذارا اپنے وطن میں اونٹ اور بکری کے دودھ پر تھا اور یہاں غلہ اور اناج کھانے کے لئے زیادہ تر ملتا ہے اس لئے مناسب ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہمکو شہر سے باہر رہنے کی اجازت دیں اور اُن اونٹنیوں کا دودھ پینے کو بتلا دیں جو متمول مسلمانوں نے صدقہ و خیرات میں دی ہیں اور جنگل میں چرا کرتی ہیں چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی درخواست منظور فرمائی اور یہ بیمار بدو مدینہ کے باہر اُس چراگاہ میں جا پڑے جہاں اُونٹ چرا کرتے تھے۔

دنیا میں اللہ کی مخلوق نے ہر قسم کی طبیعت پائی ہے مگر ایسے لوگ زیادہ ہیں جنکو اپنے محسن کا پاس و لحاظ کم ہے اور کفران نعمت کے عادی و خوگر زیادہ ہیں چنانچہ احسان فراموش دہقانیوں نے تندرست ہو کر انھیں اونٹوں پر حملہ کیا جنکے دودھ پی پی کر تندرست ہوئے تھے اور بیچارے چرواہے کو مار ڈالا اور اونٹوں کو ہنکا لیگئے۔

ان دغاباز بدوؤں نے غریب چرواہے حضرت یسار رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایسا بے رحمانہ برتاؤ کیا کہ جس کے تصور سے بدن لرزتا ہے یعنی ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالے اور زبان اور آنکھوں میں کانٹے چبھا دیئے اور ناک کان کاٹ کر تپتی ہوئی ریگستانی پتھریلی زمین پر ڈالدیا یہاں تک کہ انتقال کر گئے اور صرف اس وجہ سے شہید ہوئے کہ انھوں نے رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی اونٹنیوں کے ہنکاتے وقت ان ناشکرے قزاقں

جنگلی بدوؤں کا مقابلہ کیا تھا اور اس غدر و بے ایمانی سے مانع ہوئے تھے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مرتد ڈاکوؤں کی طلب میں سپاہی بھیجے اور اُن کو پکڑوا بلوایا اور چونکہ غریب چرواہا ایک ظالمانہ حرکت سے قتل کیا گیا تھا اس لئے ان کو بھی وہی سزا دی گئی اور گرم ریت پر ڈلوا دیا گیا یہاں تک کہ دھوپ کی تپش سے جھلس گئے اور آفتاب کی تمازت میں جھلس کر دنیا سے رخصت ہوئے مگر اس قصہ کے بعد آپ کی رحم صفت جو تمام نیک خصلتوں پر غالب تھی جوش پر آئی اور آپنے ہمیشہ کے لئے حکم فرمایا کہ آیندہ کسی مجرم کو کیسا ہی سخت جرم کیوں نہ کرے ایسی بے رحمی کی منصفانہ سزا نہ دیجائے کیونکہ وحشیانہ حرکتوں کا استعمال قصاصاً ہی کیوں نہ ہو مسلمانوں کے قابل ہرگز نہیں ہے اور یہی وہ نافذ حکم ہے جس نے مذہب اسلام میں ہمیشہ کے لئے مُثلہ کو حرام کر دیا ہے یہ قضیہ عرنیین کے نام سے مشہور ہے اور اسی سال کے ماہ شوال میں گذرا تھا جس کا ہم تذکرہ کر رہے ہیں۔

رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات اور تیئیس سال کے واقعات ایسے محدود واقعات نہیں ہیں جنکو بیان یا تحریر کے حصر میں لانا ممکن ہو کیونکہ آپ کے تمام حرکات و سکنات سے ہر وقت و ہر لحظہ ایسی نئی حالت ظاہر ہوتی تھی جو نیک خصائل اور خدا کا مقبول بندہ بننے کی کوشش کرتے والے کو اس سیدھے راستہ کی رہنمائی کرتی تھی جسپر پڑ جانیوالا کبھی بھٹک نہیں سکتا۔

آپ نے خُلق میں کرم میں رحم میں دیانت میں اپنا نظیر نہیں چھوڑا عبادت میں ریاضت میں قناعت میں عدالت میں کوئی ثانی نہیں رکھا آپ کی غربا نوازی بندہ پروری۔ شجاعت۔ سخاوت۔ زہد۔ اتقا۔ توکل۔ تواضع۔ تدبیر۔ ملکی سیاست۔ غرض ہر وہ صفت جس کو انسان کی زبان حیز بیان میں لاسکے اُس کمال کے درجہ پر پہونچی ہوئی تھی جس کی تقلید و اتباع وہ طریقہ تعلیم کرتی ہے جس سے آخرت کی پائدار زندگی کے علاوہ دنیا کی چند روزہ حیات بھی ایسے آرام سے گذرتی ہے جو بڑے سے بڑے مدبر حاکم اور ہفت اقلیم کے زبردست سے زبردست پادشاہ کو حاصل ہونی مشکل ہے ہر نیک اور فائدہ مند مشغلہ میں مصروف ہونے والے کو آپ کے دلچسپ حالات سے وہ سبق حاصل ہو سکتا ہے جس کا وہ متلاشی ہے اور ہر بہتر خصلت کے ڈھونڈنے والے طلبگار کو اپنے مقصود کا وہ بلند سے بلند درجہ آپ کی مقدس ذات میں ضرور ملیگا جس تک اُس کا خیال بھی نہ پہونچا؟ ہم وہ الفاظ نہیں لاسکتے جس سے اس ستودہ خصائل پیغمبر کی سچی محمود صفتوں کو بیان کریں خدا کی قسم ان پیارے عربی رسول کو اللہ پاک نے محض نمونہ بنا کر بھیجا تھا کہ ان قابل حمد و ثنا اوصاف کے لوگ لگ بھگ بنکر بھی

ہمارے پاس آؤگے تو نجات پاؤگے مگر افسوس آج مسلمانوں میں ان حالات کے سننے کی دلچسپی بھی نہیں یہی
اور ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر چاہتے ہیں کہ اپنے رسولؐ کی مخالفت کریں۔ یہ فقرہ بظاہر بہت سخت ناگوار گذرنے
والا ہے اور بالکل لغو و بے موقع معلوم ہوتا ہے لیکن اگر میں اور تم اپنے دن بھر کے کاموں پر غور کی نظر ڈالیں گے
یا مدعی محبتِ رسول مسلمانوں کے اعمال و افعال کو جانچیں گے تو آہستہ آہستہ تصدیق ہوتی چلی جائے گی کیونکہ
اعمال و افعال تو کیا صورت و لباس میں بھی مشابہت گوارا نہیں ہے اور چاہتے ہیں کہ پہننے کے کپڑوں کی
وضع اور قطع و برید میں بھی مشابہت نہ ہے یہ رسالہ تاریخی رسالہ ہے ورنہ ہم اتنا ضرور کہتے کہ اگر درزی کو
کسی خاص وضع کی اچکن کا نمونہ دکھا کر کپڑا دیا جائے اور تاکید سے کہدیا جائے کہ اس جیسی اچکن سی لاؤ
لیکن خیاط باوجود اس تاکید کے صرف ایک آستین فقط ایک گرہ چھوٹی کردے تو دیکھو تمہارے غصہ اور
پیچ وتاب کا کیا حال ہوتا ہو مگر اللہ کے بھیجے ہوئے نمونہ میں ایک بالشت بھی موافقت گوارا نہیں اور پھر دعویٰ
ہے کہ ہم نمونہ کے موافق بنکر اللہ کے حضور میں حاضر ہوتے اور جنت کے وارث بنکر جاتے ہیں اور حال یہ
ہے کہ موت میں غمی میں ولادت میں نکاح میں عقیقہ میں ولیمہ میں غرض سب امور میں اپنی گھڑی ہوئی رسموں کو
دخل ہے۔ صورت ہے تو دوسری وضع کی اور لباس ہے تو نئے فیشن کا۔ حق تعالیٰ نے بلا اختیار ڈاڑھی کے بال
بڑھا کر موافقت پیدا کرنی چاہی تو وہ بھی ناگوار گذری چنانچہ صاف کرانے کی ہر ہفتہ تدبیر کیجاتی ہے گویا ہر لحظہ
وہر آن کوشش ہے کہ بھول کر بھی پیغمبر کی موافقت نہو جائے۔ مردوں کا ایصال ثواب ہے تو نرالا اور اپنا
گھڑا ہوا۔ ذکر خیر ہے تو نوایجاد رسومات سے بھرا ہوا۔ تلاوت قرآن ہے تو اپنی مرضی کے طریقہ پر غرض ہر ادا
نرالی اور ہر وضع جداگانہ ہے جن مسلمانوں کو ان امورات سے دلچسپی ہی نہیں وہ تو ہمارے خطاب سے بھی
خارج ہیں مگر جن طالب دین حضرات کو اسلام کی مقدس صورت کا پاس ولحاظ ہے اُن کی خدمت میں ضرور
التماس ہے کہ خدا کے واسطے یہ تو دیکھو کہ جن بدعتوں کے مرتکب ہو رہے ہو ابتدائی شریعت میں انکی
کچھ اصل بھی ہے یا نہیں اگر غور کروگے تو تیجا۔ دسواں۔ چہلم وغیرہ فاتحہ خوانی کی رسم اور بحث و مقابلہ کی
راگنی میں مدح خوانی اور اس کے علاوہ شادی و غمی کے متعلق بہتیری باتیں ایسی پاؤگے جنکا چھوڑنا ضروری
ہے کیونکہ بانیٔ اسلام اور مقتدائے دین کی ابتدائی تاریخ میں کوئی بات نہ تھی ان بیجا مخترعات اور خلاف
شرع رسومات نے مسلمانوں کے دین ودنیا دونوں کو تباہ کر دیا مگر انھیں کچھ خبر نہیں کچھ ایسی غفلت کی میٹھی
نیند سوتے ہیں کہ جگائے جاگتے ہی نہیں۔ خدا کرے کہ میری اور تمھاری دونوں کی اصلاح پذیر حالت

سنور جائے اور ایمان کے ساتھ دنیا سے رخصت ہو کر احکم الحاکمین کی پیشی میں سرخروئی نصیب ہو اور اس نمونہ کے حسب منشا اور کامل و مکمل ہونے کی خبر اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی دیدی ہے جس کا یہ منشا ہو کہ صحابہ اور تابعین کی اقتدا کے بعد کسی ملکی رسم یا خاندانی رواج کی تعمیل جائز نہیں ہے۔

باب ۶۴

حدیبیہ کا سفر اور بیعت رضوان - چھ برس گذر گئے تھے کہ مکہ کے پردیسی مسلمان اپنے اصلی وطن کو چھوڑ کر صرف ایمان کی وجہ سے جلاوطن ہوئے اور اب ان کے درمیان وہ محبت و اتفاق اور برادرانہ سلوک تھا جس کا وہ لوگ پہلے خیال تک نہیں کرسکتے تھے مگر اس مالوف وطن کی محبت جسمیں وہ پیدا ہوئے اور نشو ونما پائی تھی کبھی کبھی بیچین بنادیتی تھی اور اس بیت اللہ کے طواف اور زیارت کا شوق بسا اوقات بیتاب کردیتا تھا جو ابتدا سے اہل حجاز کا محترم اور قریب قریب دنیا بھر کا قابل عظمت مقام سمجھا جاتا تھا۔

مسلمانوں کو حج بیت اللہ سے محرومی کا نہایت افسوس تھا اور خود رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی بڑی خواہش تھی کہ کعبہ شریف کی زیارت کریں کیونکہ کعبہ تمام عرب کا محترم اور معبد سمجھا جاتا تھا کسی خاص شخص کی ملک نہ تھی اہل قریش صرف اس کے محافظ تھے اُن کو یہ اختیار ہرگز نہ تھا کہ اپنے دشمنوں کو بھی کعبہ کے طواف سے روکیں چہ جائیکہ اُن مسلمانوں کو روکنا کہ جو اپنے معبود خدا کو ایک سمجھے ہوئے اور جھوٹے معبودوں یا ہاتھ کی گھڑی ہوئی پتھر کی مورتوں کی شرکت سے منزہ ہونیکے معترف تھے مگر قریش کی مذہبی مخالفت اور ایمان کی عداوت کچھ اس درجہ بڑھ گئی تھی کہ وہ مسلمان نامی ایک شخص کو بھی حج یا عمرہ کرنے کے لئے مکہ میں آنے دینا گوارا نہیں کرتے تھے اور چاہتے تھے کہ ان کو کعبہ کی زیارت بھی نصیب نہو۔

مدینہ میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ آپ اپنے صحابہؓ کے ہمراہ مکہ تشریف لے گئے اور عمرہ ادا کرنے کے بعد کسی نے بال منڈوائے اور کسی نے کتروائے گویا شرعی رسم حلق یا قصر کی ادا کی۔

پیغمبر کی یہ سچی خواب سُنکر مسلمانوں کا دبی ہوئی آگ کی طرح چھپا ہوا شوق یکدم بھڑک اٹھا اور خانہ کعبہ کی زیارت نے ان کو ایسا بیچین بنایا کہ سفر کی تیاری کئے بغیر نہ رہ سکے چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار سے زیادہ آرزومند صحابہؓ کو ہمراہ لیکر عمرہ ادا کرنے کی نیت سے مکہ کی جانب روانہ ہوئے اور اللہ کے مخلص بندوں کے پاکباز گروہ فرحان و شاداں اس اُمید پر کہ خواب کی تعبیر اور غیبی بشارت کے پورا ہونیکا یہی وقت ہے اطمینان کے ساتھ مدینہ سے باہر نکلکر خراماں خراماں مکہ کی سڑک پر پہونچے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی تیز رفتار ناقہ قصواء چلتے چلتے راستہ میں ٹھٹکی اور بظاہر بلا وجہ بیٹھ گئی اور ہرچند صحابہؓ نے اُٹھانے کی کوشش کی مگر نہ اُٹھی اور اُٹھی تو اُس وقت جبکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے مخاطب ہوکر یوں فرمادیا کہ "چھوڑ دو علیحدہ ہٹ جاؤ میری اونٹنی خدا کی مطیع و فرمانبردار ہے اس کا چلنا اور بیٹھنا سب اللہ کے حکم کی اطاعت میں ہے اس کا بلا وجہ بیٹھنا خالی از حکمت نہیں ہے میں خوب جانتا ہوں کہ اصحاب فیل کے محمود نامی ہاتھی کی طرح اس کا گھٹنے ٹیک دینا خانہ کعبہ کی تعظیم کی نیت اور ہتک حرمت کے اندیشہ اور تادیب کی غرض سے ہے" اے میرے پروردگار میں وعدہ کرتا ہوں کہ میرے اور تیرے دشمن خانہ کعبہ کی تعظیم کے متعلق جو کچھ بھی چاہیں گے میں اُس کے پورا کرنے میں ہرگز کوتاہی نہ کروں گا اور حتی الوسع تیرے مقدس گھر کی عظمت و جلال کا حق ملحوظ رکھوں گا اور ہتک نہ ہونے دوں گا"۔

اس وعدہ کے اظہار ہوتے ہی فوراً ناقہ اُٹھ کھڑی ہوئی اور اسلامی لشکر نے اُس میدان میں خیمے نصب کئے جس کا نام حدیبیہ ہے۔ حدیبیہ اگرچہ کنویں کا نام ہے مگر اس جگہ کو بھی اس مناسبت سے حدیبیہ کہدیتے ہیں جو اس کنویں کے آس پاس واقع ہے۔

عرب کی ریگستانی زمین میں پانی کی قلت اور وقت مشہور ہے کہ اس خشک اور گرم ملک میں سیکڑوں مسافر پانی کی پیاس سے تباہ ہوگئے چنانچہ سب سے پہلی تکلیف اسلامی لشکر کو یہی پیش آئی کہ ایک مرتبہ کھینچائی ہونے سے چاہ حدیبیہ سوکھ گیا اور اس میں اتنا پانی بھی نہیں رہا کہ مسلمان ایک وقت بھی سیراب ہوسکیں اس لئے صحابہ نے اپنے سپہ سالار سے حالت عرض کی اور پانی کی شکایت زبان پر لائے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک برتن میں پانی منگایا اور کنویں کے کنارے بیٹھ کر اور وضو کرکے دہن مبارک کے لعاب سے ملی ہوئی کُلی اُس میں ڈال کر حکم دیا کہ "تھوڑی دیر صبر کرو چند منٹ تک کوئی سپاہی پانی نہ کھینچے" غرض حکم کی تعمیل ہوئی اور آپ کی دعا کی برکت سے چاہ حدیبیہ میں اس قدر پانی آگیا کہ سارا لشکر معہ سواریوں کے جانوروں کے سیراب ہوگیا اور جبتک اُس جگہ قیام رہا اُس پانی کا استعمال کرتے رہے۔ مگر اس کا پانی ختم ہونا کیا معنی ایک قطرہ کم بھی ہوتا معلوم نہ ہوا حالانکہ چودہ سو پندرہ سو کے درمیان اسلامی لشکر کی تعداد تھی۔

مسلمانوں کو جس بات کا پہلے سے خدشہ تھا وہی پیش آئی۔ کیونکہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدیبیہ کے سامنے غدیر الاشطاط پر پہونچے اور بسر بن ابو سفیان کو جاسوس بناکر قریش کا حال اور خیال دریافت

کرنے کو بھیجا تو معلوم ہوا کہ قریش نے مکہ کے باہر قوم احابیش کی ایک قوم قائم کی ہے تاکہ مسلمانوں کو مکہ میں نہ آنے دیں اور نیز قریشی بت پرستوں نے بُدیل بن ورقا، خزاعی کو اسلامی لشکر میں بھیجکر کہلا بھیجا کہ "آگے قدم نہ رکھنا ورنہ اللہ کا مقدس حرم سیکڑوں بہادروں کے خون سے لالہ زار ہو جائیگا اور ایسی سخت جنگ ہو گی جس کی نظیر عرب کی قدیمی لڑائیوں میں مشکل سے ملے گی"۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بھیجے ہوئے جاسوس کی خبر سنکر صحابہ سے مشورہ لیا اور کہا کہ میرے خیال میں اگر ان دشمنان خدا و رسولؐ نے مقابلہ کیا تو اپنی سزا کو پہونچیں گے اور ذلیل و خوار کشتوں کے پشتے لگا دیئے جائیں گے اور اگر سنبھل گئے اور مانع نہ آئے تو ہم بے لڑے جھگڑے اپنا وہ عمرہ پورا کرکے واپس ہو جائیں گے جس کا احرام مقام ذی الحلیفہ سے باندھ چکے ہیں مگر حضرت صدیق رضؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلعم آپ بیت اللہ کی زیارت اور طواف کے قصد سے تشریف لائے ہیں کسی سے لڑنے یا قتل کرنے کی نیت سے نہیں روانہ ہوئے اس لئے جنگ مناسب نہیں معلوم ہوتی جہاں تک ہو معاملہ رفع فرمائیے البتہ جو شخص سد راہ بنے اسکو ضرور دفع کرنا اور ہٹانا چاہئے چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے قریشی قاصد کی معرفت کہلا بھیجا کہ ہم لڑنے کو نہیں آئے صرف کعبہ کی زیارت و طواف کو آئے ہیں ہمیں نہ روکو اور عمرہ پورا کر لینے دو مگر قریش نے نہ مانا۔ اور مسعود ثقفی کے بیٹے عروہ کو بھیجا کہ اس معاملہ میں جس طرح مناسب سمجھیں گفتگو کریں۔

قریش کا قاصد عروہ بن مسعود اسلامی لشکر میں آیا اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ "اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ مختصر جماعت جو تمہارے ساتھ ہو گئی اور اپنی مدد کے بھروسہ پر تم کو اُبھارے پھرتی ہے ہرگز ہرگز اعتماد کے قابل نہیں ہے تم اپنے آپ کو خطرہ میں نہ ڈالو۔ اگر وقت پڑا تو ان میں سے کوئی بھی تمہارا ساتھ نہ دے گا" حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کو جو اپنے سپہ سالار کے پاس کھڑے ہوئے تھے عروہ کا یہ کلمہ نہایت ناگوار گذرا اور غصہ سے بیتاب ہو کر ایسا سخت جواب دیا کہ عروہ اپنا سا منہ لیکر رہ گیا اور اپنے قدیمی محسن کی جانب دیکھ کر چپ ہو رہا کیونکہ گذرے ہوئے زمانہ میں حضرت ابوبکر رضؓ عروہ پر ایسے احسان کر چکے تھے جن کے بوجھ سے عروہ کی گردن جھکی ہوئی تھی اور کسی طرح اوپر اُٹھ نہیں سکتی تھی۔

عروہ اپنے ملکی رسم اور قومی رواج کے موافق رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے باتیں کرتا جاتا تھا اور

بار بار ریش مبارک پر ہاتھ لگاتا جاتا تھا جس کا منشا مخاطب کو صرف اپنی جانب متوجہ رکھنے اور کان لگا کر کلام سننے کا تھا لیکن جان نثار صحابہ کو ایسے شخص کی یہ حرکت کسی طرح پسند نہ تھی جس کو اپنا دشمن سمجھے ہوئے تھے اور کفر کی نجاست کے باعث پیغمبر کی مقدس ریش کو ناپاک ہاتھ کا لگنا گوارا نہ کر سکتے تھے اِس لئے حضرت مغیرہ رضہ ہر دفعہ اس کے ہاتھ پر اپنی صیقلدار تلوار کی کوتھی مارتے اور کہتے جاتے تھے کہ " اپنا ہاتھ دور رکھ اور ادب کے ساتھ پرے ہٹ کر بات کر۔"

عروہ نے اسلامی لشکر کے فرماں بردار سپاہیوں کا اپنے سپہ سالار کے سامنے گردن جھکائے رکھنا اور ہر حکم کی تعمیل میں فوراً دوڑنا اور ہر صحابی کا امتثال امر میں پیش قدمی کرنا نہایت تعجب کی نظر سے دیکھا اور مکہ واپس آکر قریشی گروہ سے بیان کیا اور کہا کہ میں زبردست بادشاہوں کی درباری حالت اور بڑے بڑے حکمراں افسروں کی فوج اطاعت دیکھے ہوئے ہوں مگر جو حالت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جان نثار صحابہ کی دیکھتا ہوں وہ کہیں خواب میں بھی نظر نہیں آئی یہ لوگ اپنے سردار کے پسینہ گرنے کی جگہ پر خون گرانیکو موجود ہیں اور سخت سے سخت حکم کی تعمیل کو اپنا فخر و اعزاز سمجھے ہوئے ہیں میں نے دیکھا کہ آپ کے وضو کا بچا ہوا پانی اُن لوگوں نے تبرک سمجھکر لڑ لڑ کر آپس میں تقسیم کیا اور کسی کو قطرہ نصیب نہیں ہوا تو دوسرے کے تر ہاتھ کو چھو کر نمی سے اپنی آنکھوں اور سینہ کو مل لیا ایسی تابعدار جماعت اور متفقہ قوت کا مقابلہ کرنا آسان بات نہیں ہے اور مجھے ہرگز امید نہیں کہ یہ ٹڈی دل جس لشکر پر پڑے اس کا پتہ باقی چھوڑے کیونکہ جس فوج کی یہ حالت ہو کہ سپہ سالار کے سامنے بلند آواز سے بات بھی نہ کر سکے اور زبان سے حکم نکلتے ہی تعمیل کے لئے ہر ایک جھپٹ پڑے غنیم پر اُس کی یورش کسی کے روکے رُک نہیں سکتی۔"

اِدھر رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ہٹ دھرم کافر اپنی ہٹ سے باز آتے معلوم نہیں ہوتے اور کسی طرح امید نہیں ہے کہ جھگڑا ہوئے بغیر معاملہ کی اصلاح ہو اس لئے تدبیر و دوراندیشی سے کام لیا اور دل میں ٹھان لیا کہ چونکہ اللہ کے مقدس گھر کی عظمت اس بات کو مقتضی ہے کہ باہم مصالحت ہو جائے اس لئے اسلامی لشکر میں سے ایک معتمد سفیر کے روانہ کرنے اور سہولت کے ساتھ معاملہ رو براہ ہو جانے کی تدبیر کے لئے مکہ بھیجنے کی ضرورت ظاہر فرمائی۔ چنانچہ حضرت عثمان غنی رضہ اس اہم کام کے لئے تجویز ہوئے کیونکہ قریشی لشکر میں ان کے رشتہ دار زیادہ تھے اور وہ کنبہ کے شریف آدمی اپنی برادری کا زیادہ لحاظ کرتے تھے۔

حضرت عثمانؓ روانہ ہوئے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام جا پہنچایا مگر افسوس ضدی قریش اپنی ضد سے باز نہیں آئے اور حضرت ذوالنورین کو بھی یہی جواب دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تو جیتے جی مکہ میں داخل ہونے نہ دیں گے البتہ تمھیں طواف کرنے کی اجازت ہے اگر چاہو تو باطمینان عمرہ پورا کرو اور واپس ہو جاؤ۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سمجھے ہوئے تھے کہ عثمان میری مفارقت ہرگز گوارا نکریں گے اور اُن کو یہ بات کسی طرح پسند نہ آئے گی کہ اپنے دینی سردار کے بغیر خود عمرہ پورا کریں اور درحقیقت ایسا ہی ہوا کیونکہ حضرت عثمان نے قریش کو صاف جواب دیدیا کہ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم روکے جائیں اور میں عمرہ ادا کروں اگر عمرہ ادا کروں گا تو دینی پیشوا کی معیت میں ادا کروں گا ورنہ اسی طرح واپس ہو جاؤنگا اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم جو صورت عمل میں لائیں گے میں بھی وہی صورت اختیار کروں گا مگر چونکہ اس مباحثہ و مکالمہ میں وقفہ پیش آیا اس لئے اسلامی لشکر میں تشویش پھیل گئی اور یہ افواہ مشہور ہو گئی کہ اسلامی سفیر قتل کر دیا گیا اور بظاہر حضرت عثمانؓ کے توقف اور التوا کے باعث اس افواہ کی تائید ہوگی اور ان خارجی قرائن کے باعث مسلمانوں کو قریب قریب یقین آگیا کہ بیشک کافروں کی طرف سے مسلمانوں کے قاصد کے ساتھ دغا کیگئی اور حضرت عثمان رضؓ کو شہید کر دیا گیا۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خبر بد نے سخت صدمہ پہونچایا اور آپ رنج و قلق کے باعث بیچین ہو گئے اور حدیبیہ کے میدان میں ایک کیکر کے درخت کے نیچے آکھڑے ہوئے اور تمام موجودہ مسلمانوں سے اس عہد و پیمان پر بیعت لی کہ جبتک جان میں جان ہے کافروں سے لڑیں گے اور بھاگنے یا پیٹھ پھیرنے کا نام بھی نہ لیں گے گویا محمدی کچھار کے شیروں اور اسلامی دنیا کے ابتدائی پہلوانوں نے کسی ہونے والی سخت جنگ کا بالجزم عزم کر لیا اور جانوں پر کھیلنے کے لئے آمادہ و مستعد ہو گئے

اس مبارک بیعت کا نام بیعت الرضوان ہے کیونکہ اللہ و رسول کی خوشنودی کے لئے اسلامی لشکر نے نہایت رضامندی کے ساتھ اس معاہدہ کا اعزاز حاصل کیا تھا اور اس اعزاز میں حکماً حضرت عثمانؓ بھی شامل تھے کیونکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا بایاں ہاتھ داہنے ہاتھ پر رکھ کر یوں فرمایا تھا کہ "یہ ہاتھ عثمانؓ کے لئے اور یہ بیعت عثمان کی بیعت ہے کیونکہ عثمان خدا ہی کے کام کے لئے باہر گئے ہوئے ہیں اور یہی نیک کام اس وقت اُن کے یہاں موجود نہونے کا سبب ہے"۔

اس بیعت کے صلہ میں حق تعالیٰ نے اپنی خوشنودی کا پروانہ اُس پاک کلام میں نازل فرمایا ہے جس کو قرآن مجید کہا جاتا ہے اور اسی پروانہ میں عنقریب ہونے والی فتح کا مژدہ سنایا ہو جس سے مراد خیبر کی فتح ہے جس میں اسلامی لشکر کو خاطر خواہ کامیابی حاصل ہوئی اور امید و خیال سے زیادہ مال غنیمت کے علاوہ دشمنوں کی ہزیمت و خواری اور قتل و بربادی کے باعث اطمینان کی زندگی نصیب ہوئی۔

فتح خیبر اس بشارت کا ملہ کے آئے پیچھے بلافصل ہی حاصل ہوئی ہے کیونکہ اس حدیبیہ کے قصہ کے بعد غزوہ خیبر ہی واقع ہوا ہے۔ جس کا مفصل قصہ عنقریب آپ کی نظر سے گذرے گا۔

باب ۶۵ (۶۵)

باہمی مصالحت کا معاہدہ اور اس کی پابندی۔ جب قریشی بت پرستوں کو بیعت الرضوان اور اسلامی لشکر کے موت پر معاہدہ کی خبر ہوئی تو گھبرا اُٹھے اور چاہا کہ کسیطرح مصالحت ہو جائے اور جنگ کی نوبت نہ آنے پائے کیونکہ ان دلدادہ جوانمردوں کی بہادری و ظفر پناہ جمیعت کی فتحمندی سے کوئی کان ناآشنا نہ تھا اس لئے فوراً بغرض مصالحت سفارت و وکالت کی تدبیر سوچی گئی اور ایک مدبر وکیل اور سمجھدار و عقیل سفیر یعنی عمر کے بیٹے سہیل کو اسلامی لشکر میں بھیجا گیا تاکہ مصالحت کرآئیں مگر چونکہ اپنی بات کا اونچا رکھنا اور دشمن کو دبا ہوا ظاہر کرنا ہر شخص اپنی عزت و آبرو کی حفاظت کا ذریعہ سمجھے ہوئے ہے اس لئے سہیل کو باوجود اپنے خوف زدہ اور مغلوب و پسپا ہونے کے یہ سمجھا دیا گیا کہ اسکا خیال رکھیں کہ اہل مکہ کا پہلو دبا ہوا نہ رہے بلکہ جہانتک ممکن ہو مسلمانوں پر تنگی اور دباؤ ڈالکر ان کو مجبور کیا جائے کہ اس سال بے نیل و مرام واپس ہو جائیں اور آیندہ سال اس عمرہ کی قضا کریں جس کو ادا کرنے آئے ہیں چنانچہ سہیل آیا اور مصالحت کی شرائط کا پیام و سلام ہونے لگا۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ اپنا وعدہ یاد تھا جو ناقہ قصواء کے یکایک بیٹھ جانے پر حق تعالیٰ سے کیا تھا اور درحقیقت آپ کو جنگ و قتال اور حرم محترم کی تعظیم کا ہتک کسی طرح گوارا نہ تھا اس لئے آپ نے یہی مناسب سمجھا کہ مسلمان اور قریشیوں کا جھگڑا مٹ جائے اس لئے آپنے اس ظاہری بڑھاؤ چڑھاؤ کا کچھ خیال نہ فرمایا اور بے محابہ و بلا تکلف آپنے اپنی رضامندی ظاہر فرمائی کہ اہل مکہ جو شرط مناسب

سمجھیں پیش کریں حتی المقدور ہمیں منظور کر لینے میں عذر نہو گا بشرطیکہ حق تعالیٰ کی نافرمانی نہو باقی یہ ظاہر ہے کہ خدا کے غالب بنائے ہوئے گروہ کو ظاہری طور پر دب جانے سے مغلوبیت یا ذلت نہیں ہو سکتی جس کا خیال قابل وقعت یا لائق لحاظ ہو۔ سہیل نے جو شرائط صلح پیش کیں اُس کو عالی حوصلہ اور دلدادہ مسلمان کسی طرح گوارا نہیں کر سکتے تھے مگر صرف رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی دور اندیشی اور انجام بینی ہی تھی جس نے کسی کو مخالفت کی جرأت نہیں دلائی اور کوئی مسلمان کسی قسم کا عذر پیش نہ کر سکا ورنہ ممکن نہ تھا کہ مصالحت ہو کیونکہ اُن شرائط میں مسلمانوں کو ہر پہلو سے دبایا گیا تھا اور کوئی صورت نہ تھی جس سے اہل اسلام کو خوشی نصیب ہو یا اپنے غلبہ و شوکت کی بنا پر بات اونچی رہنے کا اعزاز حاصل ہو۔ وہ شرائط یہ تھیں کہ مسلمان بلا عمرہ کئے یہیں سے واپس ہو جائیں اور اس سال مکہ میں داخل نہوں البتہ دوسرے سال آ سکتے ہیں مگر اس وقت بھی صرف تین ہی دن رہکر واپس چلا جانا ہوگا اور مسلمانوں کو صرف پیش قبض اور وہ بھی نیام میں لانا ہوگا۔ دس برس تک ہم لوگوں میں لڑائی موقوف رہے گی اور قریش کا جو شخص بغیر اجازت اپنے سردار کے مدینہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جائے وہ واپس کر دیا جائے اگرچہ مسلمان ہو کر گیا ہو لیکن جبراً پھر بت پرستوں کے حوالہ ہوا اور اگر کوئی مسلمان مدینہ سے مکہ چلا آئے تو مدینہ والوں کو واپس نہ ملیگا اور اس دس سال کے میعادی صلحنامہ کی جو شخص پابندی نہ کرے گا وہ بدعہد سمجھا جائیگا اور سزا کا مستحق ہوگا۔

اس طرح پر دب کر صلح کرنے سے اکثر صحابہ کو رنج و قلق ہوا مگر چونکہ کوئی کان نہیں ہلا سکتا تھا اسلئے سب خاموش تھے۔ آخر کار حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فریقین کا صلحنامہ لکھنے کے لئے قلم اُٹھایا اور اسلامی قاعدہ کے موافق شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھکر کتابت شروع کی مگر قریش کے ضدی وکیل کی منازعت و بیجا اصرار کی اسی پر بسم اللہ ہوئی کیونکہ اُسنے یہ الفاظ دیکھتے ہی کہا کہ "میں نہیں جانتا رحمٰن کون ہے اس لفظ کو مٹاؤ اور عرب کے رواج کے موافق وہی باسمک اللھم لکھ کر شرائط صلح کی دفعات لکھدو جو اس ملک میں دستاویز کے مستند کاغذات اور خطوط کی باعزت تحریرات کے عنوان پر ہمیشہ لکھنے کا قاعدہ اور دستور ہے۔ کوئی شخص کسی قوم اور کسی قبیلہ کا بھی ہو مخالف ہو یا موافق زبردست ہو یا زیردست اتنی بات ضرور سمجھ سکتا ہے کہ راضی نامہ کے درخواست دہندہ لوگوں کو زوائد امور اور خارجی معاملات میں دخل انداز ہونا زیبا نہیں ہے اور ایک صلح پسند شخص کی ذات سے

سے یہ امر نہایت بعید ہے کہ مدمقابل گروہ پر بیمحل و بے موقع دباؤ ڈالے یا اس قسم کے اصرار کرے جو عقل و تحمل دونوں پاکیزہ خصلتوں پر عیب لگاتا ہے بھلا اگر حریف بھی ضد اور اصرار کو شعار بنالے تو پھر وہ مصالحت جس کی سعی و کوشش عمل میں لائی جارہی ہے کیونکر قایم ہوسکتی ہے مگر اُن کا فربت پرستوں کو اس کا کیونکر خیال ہوسکتا تھا جنھوں نے عبادت ہی کے محل و موقع کو نہ سمجھا اور اپنی جہالت کی بدولت پیشانی جیسے باعظمت عضو کو ہاتھوں کے بنائے ہوئے بتوں کے سامنے رکھدیا اور دعا قبول کرنے والا سمجھ لیا اس لئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان جاہل اور کم سمجھ بد اندیش لوگوں کو معذور سمجھا اور اپنے حلم و کرم کی قابل یادگار خصلت کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا بلکہ نہایت نرمی و سہولیت سے فرمایا کہ بہتر ہے جو کچھ بھی لکھواؤ ہمیں منظور ہے ہمارے سچے معبود کے ایک کم سو نام ہیں اور ایک سے ایک اعلیٰ و بہتر ہے۔ اگر تم بیجا اصرار کے عادی و خوگر ہو تو ہم اس کے مصلح و پردہ پوش اور صلح جو مسلمان بندے ہیں جنکا شعار حق کی اطاعت اور امر واقعی کا اتباع کرنا ہے معانی رس اور نکتہ سنج سمجھداروں کو الفاظ کے اختلافات اور صورتوں کے تغیر و تبدل سے کچھ تعلق نہیں ہے۔

غرض باسمک اللھم لکھنے کے بعد فریقین کے نام و پتہ لکھنے کا نمبر آیا کیونکہ مقدمہ کے ہر دو فریق جنیں مصالحت و معاہدہ ہو مضمون کے شروع میں سب سے پہلے ظاہر کئے جاتے ہیں تاکہ دستاویز کا دیکھنے والا کاغذ پر نظر ڈالتے ہی یہ سمجھ جائے کہ کس معاملہ کے متعلق کن لوگوں کا فیصلہ ہے۔

چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے لکھا کہ "یہ صلحنامہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان بشرائط مفصلہ ذیل طے ہوا ہے"

یہیں تک لکھا گیا تھا کہ ضدی وکیل کے دوسرے بیجا اصرار پر چلتا ہوا قلم پھر رکا گیا اور کان لگاکر سنا گیا تو معلوم ہوا کہ اللہ کے پیارے پیغمبر کے آسمانی عطیہ اور سرکاری باوقعت خطاب کی تحریر پر اعتراض ہے کیونکہ سہیل نے کہا کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول نہیں سمجھتے اگر ایسا سمجھتے تو مخالفت ہی کیوں کرتے اس لئے اس لفظ کو بھی محو کرواو اور عبداللہ کے بیٹے محمدؐ کے نام کے عنوان سے عبارت لکھو تاکہ ہمارے منشا کے خلاف نہو۔

یہ دوسری ضد ایسی جہالت آمیز اور دلشکن ضد تھی جس نے سیکڑوں مسلمانوں کو رنج پہونچایا کیونکہ دینی سردار کا یہ مبارک لقب کوئی ایسا معمولی لقب نہیں تھا جسکی مسلمان دلوں میں خصوصیت کیسا تھ

وقعت نہ ہو یہی وہ سچا اور واقعی آسمانی خطاب تھا جس نے مسلمانوں کے دلوں کو تازگی بخش رکھی تھی
اور یہی وہ محترم و باعزت لقب تھا جس نے ہزارہا کافروں کو تہ تیغ کرایا اور یہانتک نوبت پہونچائی
تھی۔ یہی مبارک الفاظ اسلام کا جزو تھے اور اسی جزو کے اقرار و تصدیق پر نجات ابدی کا انحصار تھا
اس لئے مسلمان کاتب اور جان نثار مخلص صحابی کو ہرگز گوارا نہوا کہ یہ مبارک خطاب اور اللہ پاک کا
عطا کیا ہوا لقب لکھنے کے بعد کاغذ سے علیحدہ کیا جائے چنانچہ سہیل کے نامناسب اصرار کو سنکر
حضرت علیؓ نے صاف انکار کر دیا اور کہدیا کہ خواہ صلح ہو یا نہ ہو مگر میں ان الفاظ کو ہرگز نہیں مٹا سکتا۔
رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چھوٹی چھوٹی باتوں کی پروا نہیں کی اور فرمایا کہ کسی کے انکار
کرنے اور نہ سمجھنے سے کیا ہوتا ہے جسکو حق تعالیٰ نے جو عزت دی ہے وہ کسی کے چھپائے چھپ نہیں سکتی
میں اللہ کا رسول بھی ہوں اور عبد اللہ کا بیٹا بھی ہوں دونوں باتیں اپنے اپنے موقع پر صحیح ہیں مجھے اللہ
کا پیغمبر ہوئے پیچھے ان کے اندر سے بنکر انکار کرنے کی کوئی پروا نہیں ہے اگر ان کا منشا نہیں ہے تو کاغذ لاؤ اور
بتاؤ یہ لفظ کہاں لکھا ہے میں خود اپنے ہاتھ سے قلم زد کئے دیتا ہوں چنانچہ آپ نے کاغذ ہاتھ میں لیا اور
اس مبارک لقب پر قلم پھیر دیا تاکہ جھگڑا رفع ہو اور صلحنامہ کی کتابت پوری ہو جائے۔
صلحنامہ ابھی پورا نہیں لکھا گیا تھا کہ اسی قریشی وکیل سہیل بن عمر کا بیٹا ابو جندل مسلمان ہو کر مکہ سے بھاگا
اور اس حالت سے اسلامی لشکر میں آپہونچا کہ قید کی رسیاں پاؤں میں پڑی ہوئی زمین پر گھسٹتی آرہی تھیں
اور چہرہ پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں مگر افسوس رحمدل مسلمان اس مظلوم نومسلم کی اعانت نہ کر سکے کیونکہ یہ حال
دیکھکر سہیل نے نامکمل دستاویز ہاتھ سے ڈالدی اور کہا کہ پہلے شرط صلح کی بموجب میرا مفرور بیٹا میرے
حوالہ کردو اس کے بعد صلحنامہ کی تکمیل ہوگی اور ہرچند مسلمانوں کی طرف سے یہ عذر پیش کیا گیا کہ ابھی دستاویز
ناتمام ہے شرائط کی پابندی اس کی تحریر کے ختم ہونے پر فریقین کے ذمہ ہوسکتی ہے۔ لیکن سہیل نے نہ
مانا اور مجبور مسلمانوں کو اس ستم رسیدہ نومسلم ابو جندل کا ہاتھ پھر کافروں کے ظالم پنجوں میں دیدینا پڑا۔
اس دلگداز حادثے سے مسلمانوں کے نرم دلوں پر جو کچھ صدمہ پہونچا ہوگا اُس کا اندازہ وہی رقیق القلب
مسلمان کر سکتے ہیں جن کو کسی بیکس نوجوان مسلمان کو اپنے سخت دل اور بے رحم باپ کی وحشیانہ سزا اور
گھبرا دینے والی قید میں مصیبت اٹھاتے دیکھنے کا اتفاق پڑا ہو مگر کچھ عجیب گومگو کا معاملہ اور سناٹے
کا عالم تھا کہ کسی کو چون و چرا کرنے کی مجال نہ تھی سب دم بخود تھے اور حضرت ابو جندل مظلوم کی رحسم

دلانیوالی نازک حالت دیکھ کر خون کے گھونٹ پی پی کر رہجاتے تھے آخر کار رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مدد و اعانت کے امیدوار نومسلم کا ہاتھ ظالم باپ کے ہاتھ میں دیکر فرمایا کہ لیجاؤ اور گو ستم رسیدہ قیدی اور گرفتار مصیبت مسلمان نے آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا کر عرض بھی کیا کہ "میری امیدوں پر پانی پھر گیا۔ ہائے افسوس میں اسلام کی وجہ سے پھر اُسی عذاب و تکلیف کے جیلخانہ میں بھیجا جاتا ہوں جس سے تمہارے رحمدل قلب کے ترحم اور شفقت کی امید پر بہزار کوشش بھاگ کر آیا تھا" مگر اسلامی لشکر کے سپہ سالار نے کچھ توجہ نہیں فرمائی اور صرف یہ فرماکر ابو جندل کو مکہ واپس بھیجدیا کہ "صبر کرو اور خدا اپر نظر رکھو وہی تمہارے لئے کوئی سبیل نکالیگا کیونکہ اس کی برابر دنیا میں کوئی کارساز نہیں بل سکتا۔"

مظلوم ابو جندل جن کی صورت شاہد حال تھی اور دیکھنے والوں کو آٹھ آٹھ آنسو رلاتی تھی اپنے دشمن باپ اور کافر والد کی قید میں مکہ واپس آگئے اور صلح کی شرائط پر فریقین کے دستخط ہو کر صلحنامہ کی تکمیل ہوچکی۔ اسلامی لشکر نے حرم میں قربانی کی نیت سے ہمراہ لائے ہوئے جانوروں کو مجبوراً اُسی میدان میں ذبح کر دیا اور بیت اللہ کی زیارت کئے بغیر مدینہ واپس ہوئے۔

چند ضعیف مسلمانوں کو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی دیکھی ہوئی خواب کی تعبیر بالفعل ظاہر نہونیسے بمقتضائے بشریت فوری شبہ بھی پیدا ہوا مگر بہت جلد زائل ہوگیا کیونکہ ان کے راہ نما قلب نے سمجھا دیا کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے وقت کا تعین نہیں فرمایا تھا اور سچی خواب کے لئے یہ ضرور نہ تھا کہ ابھی سر کے بالوں کا حلق و قصر نصیب ہو جائے البتہ ایسا ہونا ضروری ہے اور بہت جلد آنکھوں سے نظر آجائیگا کہ اسلامی لشکر کس اطمینان کے ساتھ بیت اللہ کا حج کر رہا ہے اور ایمان کا سفید جھنڈا حرم شریف میں لہرا رہا ہے۔

اس دبی ہوئی صلح کر نیسے کئی جلیل القدر صحابہ کو بھی رنج تھا علی الخصوص صلحنامہ کی اس دفعہ کا تو نہایت ہی قلق تھا کہ قریشی کافر اپنے ملک کے آدمی کو مسلمانوں کے ہاتھ سے واپس منگا سکتے ہیں مگر مسلمانوں کو ایسا اختیار حاصل نہیں ہے لیکن رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط کو صرف مان ہی نہیں لیا تھا بلکہ برت کر دکھا بھی دیا کیونکہ مصالحت کے بعد قریش میں سے جو کوئی بھی مسلمان ہو کر مدینہ میں آیا دینی سردار نے بلاعذر اسکو واپس کر دیا اور گو چند مسلمانوں کو رنج ہوا مگر آپ نے کچھ پروا نہیں کی اور

صلحنامہ کی شرط کے خلاف اُس مانگے ہوئے نومسلم کو پناہ دینا گوارا نہیں فرمایا۔ البتہ چونکہ یہ معاہدہ مردوں کے لئے مخصوص تھا اس لئے عورت ذات جو کوئی مسلمان ہو کر مدینہ میں پناہ گزیں ہوئی وہ واپس نہیں دی گئی اور نہ مکہ کے قریشی کافروں نے اُسکا مطالبہ کیا۔ انھیں ہجرت کرکے مکہ چھوڑ آنے والی مسلمان عورتوں میں عقبہ بن ابی معیط کی جوان بیٹی حضرت ام کلثومؓ بھی ہیں جن کے اسلام کا باقاعدہ امتحان لے لیا گیا اور مدینہ میں رکھ لیا گیا اور انکو ظالم قریشیوں کے پنجہ سے نجات ملی۔

باب (۶۶)

ابو بصیرؓ کا گروہ - حق تعالیٰ کی مخفی حکمتوں کا سمجھنا آسان نہیں ہے اور اللہ پاک کے اختیاری افعال کے چھپے ہوئے اسرار و رموز سے آگاہ ہونا ہر بشر کا کام نہیں ہے کیونکہ اُس مدبر و حکیم قادر مطلق کی حکیمانہ مصلحتوں کا انحصار کوئی کر نہیں سکا اور نہ یہ ممکن ہے کہ تمام خدائی بھید کوئی شخص سمجھ سکے وہی ناگوار شرط کہ مدینہ میں پناہ لینے والا مسلمان قریش کو واپس دیدیا جائے ایک عجیب رنگ لائی اور اس بہتر نتیجے اور عمدہ انجام کا سبب و ذریعہ بنی جس کا اس سے پہلے کوئی خیال بھی نہیں کرسکتا تھا اور نہ انسانی وہم و گمان کی اسقدر پرواز تھی کہ اس مصلحت کی بلند چوٹی پر پہونچے اور چونکہ ان کے قصہ میں اس وجہ سے ایک دلچسپی ہے کہ فتح و نصرت کی ابتدا اسی سے ہوئی اور انجام کار اسلامی غلبہ کی تمہید یہی قرار پایا اسلئے خصوصیت کے ساتھ اس کا ذکر کرنا مناسب معلوم ہوا تاکہ ایمانداروں کا ایمان بڑھے اور ہر مسلمان جان جائے کہ جس خدائی کام کی صورت ناگوار ہے اُس کا بہتر انجام اگر پہلے سے معلوم ہو جائے تو وہ ناگواری و رنج یقیناً مسرت و خوشی سے بدل جائے اور لاکھ بار سے زیادہ شکریہ ادا کرنے کی ضرورت ہو۔

ایک شخص ابو بصیرؓ نامی مسلمان ہو کر مکہ سے فرار ہوئے اور مسلمانوں کی اعانت و ہمدردی اور قومی رفاقت و مذہبی یگانگت کے بھروسہ پر مدینۃ الرسول میں داخل ہوئے مگر ابھی اطمینان کے ساتھ قیام کرنے بھی نہ پائے تھے کہ دو قریشی قاصد اخنس بن شریق کا خط لیکر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے جو ابی بصیرؓ مفرور مسلمان کے مطالبہ کی درخواست میں لکھا گیا تھا اور جس کا مختصر مضمون یہ تھا کہ "شرائط صلح نامہ کی بموجب شخص مذکور کو فوراً روانہ کردیجئے"۔ چنانچہ ابو بصیر دونوں فرستادہ قاصدوں کے ساتھ کردئے گئے اور مکہ جانے کیلئے مدینۃ الرسول سے باہر نکلے۔

مدینہ منورہ کے قریب ایک جگہ ہے جس کا نام ذی الحلیفہ ہے یہی وہ مقام ہے جو اہل مدینہ کا میقات ہے اور اسی جگہ پر اس راستہ سے مکہ معظمہ جانے والے حج یا عمرہ کا احرام باندھتے ہیں جس وقت مسلمان قیدی دو کافروں کی حراست میں اس مقام پر پہونچے تو کھانا کھانے کے لئے مسجد ذی الحلیفہ میں آ بیٹھے اور تینوں مسافروں نے مطمئن ہو کر کھانا شروع کیا۔

ابو بصیرؓ نے اپنے محافظ سپاہیوں میں سے ایک شخص کی تلوار پر نظر ڈالی جو نیام میں چھپی ہوئی اُسکے پاس رکھی تھی اور تعجب کے ساتھ کہا کہ آپ کی تلوار تو بیش قیمت اور نہایت عمدہ معلوم ہوتی ہے ذرا مجھے دکھایئے میں بھی اس کے جوہر غور کی نگاہ سے دیکھوں۔

نگہبان قریشی سپاہی نے بے تکلف اپنی تلوار ابو بصیرؓ کے حوالہ کر دی کیونکہ اُسکو اپنی آنیوالی موت اور سر پر کھیلنے والی اجل کا مطلق خیال نہ تھا اس کافر سپاہی کو کیا خبر تھی کہ آخری وقت آپہنچا ہے اور اب مکہ جانا نصیب نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ بے بس قیدی جسکو پکڑے لئے جا رہے ہیں اپنی رہائی کی فکر میں مشغول ہے اور مکہ جانے یا کافروں کی ایذا میں مبتلا ہونے سے بہتر اپنی جان کا خدا کے حوالہ کر دینا سمجھے ہوئے ہے۔

ابو بصیرؓ نے اپنے محافظ سپاہی کی تلوار کو ہاتھ میں لیکر ادھر اُدھر گھمایا اور اُلٹ پلٹکر تھوڑی دیر تک غور سے دیکھا۔ نگہبان سپاہی کو غافل دیکھکر وقت کو غنیمت سمجھا اور موقع پا کر اپنے حریف پر جست کی اور اُسی تلوار کا ایک وار ایسا زبردست کیا جس سے تلوار کا اصلی مالک جانبر نہ ہو سکا اور چند منٹ تڑپ کر دو تین کروٹیں بدلکر راہی ملک عدم ہوا۔

نو مسلم ابو بصیرؓ نے ایک جانب سے مطمئن ہو کر دوسرے سپاہی پر حملہ کیا اور اس کو بھی ساتھی کے پاس ہمیشہ کی نیند سلانا چاہا تا کہ دونوں رفیقوں میں موت زندگی کی معیت قائم رہے مگر چونکہ کاتب ازلی نے دونوں موتوں میں چند روزہ فاصلہ قائم کیا تھا اِس لئے کامیابی نہو سکی اور مرنے والا محافظ کا رفیق ابو بصیرؓ کے غیظ و غضب اور قتل کے قصد و نیت کو محسوس کرتے ہی اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اور چونکہ جان ہر شخص کو عزیز ہوتی ہے اس لئے ٹھہر بھی نہ سکا بلکہ بھاگ گیا اور فرار ہو کر اپنی جان بچائی۔

خوف زدہ مفرور سپاہی سیدھا مدینہ پہنچا اور لرزتا کانپتا مسجد نبوی میں جا گُھسا اس کی پریشان حالت کہے دیتی تھی کہ غنیم کی صیقلدار تلوار دیکھکر عزیز اور پیاری جان بچانے کی امید پر بھاگا اور

دارالامن میں پناہ گزیں ہوا ہے۔ چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اس کی صورت دیکھتے ہی پہچان گئے کہ کوئی جدید سانحہ پیش آیا ہے اس لئے آپ نے صرف یہ کہا کہ ڈرا ہوا معلوم ہوتا ہے اور خاموش ہو رہے اس کے بعد اس پراگندہ حال وحشت زدہ شخص نے ذی الحلیفہ کی مسجد میں پیش آنیوالا قصہ خود ہی بیان کیا اور کہا کہ میرا رفیق قتل کر دیا گیا اور میرا بھی یہی حال ہونیوالا تھا کہ میں بھاگ کھڑا ہوا اب خدا کے واسطے میری جان بچاؤ۔ اور خونخوار قیدی سے میرا پیچھا چھڑاؤ کچھ ہی دیر گذری تھی کہ نومسلم ابو بصیرؓ بھی آپہونچے کیونکہ اپنے حریف دشمن کے تعاقب میں بھاگے ہوئے پیچھے پیچھے چلے آرہے تھے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بصیر کو دیکھا اور فرمایا کہ "عجب لڑائی کا بھڑکانے والا شخص ہے اگر کوئی مددگار ہوتا تو خدا جانے کیا کرتا" حضرت ابو بصیرؓ نے اس جملہ سے اپنا مطلب پالیا اور سمجھے کہ مجھے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم صلحنامہ کے خلاف مدینہ منورہ میں پناہ دینی پسند نہیں فرماتے مناسب ہے کہ میں یہاں سے نکل جاؤں اور مکہ و مدینہ کے راستہ میں کسی جگہ ٹھیر کر ان گرفتار مصیبت نومسلم مردوں کو وہیں روکتا جاؤں جو امن و پناہ کے بھروسہ پر کفار قریش کی ایذارسانی سے تنگ آکر مدینہ روانہ ہو جاتے ہیں اور درحقیقت ستائے ہوئے مسلمانوں اور بددین کافروں کے ہاتھوں گھبرائے ہوئے مسلمانوں کو اس سے بہتر کوئی سبیل نہ تھی کہ مدینہ میں نہ آئیں اور جان بچانی ہو تو راستہ ہی میں کسی جگہ قیام وسکونت اختیار کریں کیونکہ اللہ کے سچے رسول کو شرائط مصالحت کی ذرہ برابر مخالفت گوارا نہیں تھی اور عہدنامہ کے بموجب کسی نومسلم مکی کو مسلمان مدینہ میں رکھ نہیں سکتے تھے۔ اس لئے ابو بصیرؓ فوراً اُلٹے پاؤں پیچھے پھرے اور اُس گذرگاہ پر جا ٹھیرے جدھر سے قریشی قافلے اور مالی کارواں آیا جایا کرتے تھے۔

ابو بصیر کے اس مقام پر سکونت اختیار کرنے کے بعد جو شخص بھی مکہ میں مسلمان ہوا اور مدینہ منورہ جانے کی نیت سے باہر نکلا وہ یہیں رُکتا گیا یہاں تک کہ آہستہ آہستہ ستر آدمیوں کی جماعت ہو گئی اور اس مختصر گروہ نے اپنی یکجائی سکونت کو اس مقام پر بسا غنیمت سمجھا کیونکہ وہ آب و دانہ جس کا ہر انسان محتاج ہے یہاں ان کو بآسانی مل سکتا تھا۔ اور اپنی جان وایمان کے دشمن کافروں کا مال چھین جھپٹ کر کھا لینا بھی مباح وحلال سمجھے ہوئے تھے اس لئے انھوں نے قریش کے آنے جانے والے قافلوں پر حملہ کرنا شروع کیا اور جو بھی کارواں اُدھر سے گذرا کافروں کو قتل کر دیا اور مال و اسباب لوٹ کر اپنے

بانٹ لیا گویا اِسی کو اپنی معاش اور گذارے کا بہتر ذریعہ سمجھا کیونکہ ان خانہ بدوش نومسلموں کو ادہر اُدہر کسی شہر میں پناہ ملنے کی امید نہ رہی تھی۔

قریشی وکیل یعنی سہیل کو نومسلم بیٹے حضرت ابوجندل بھی انھیں میں آشامل ہوئے جو صلح ہوتے وقت میدان حدیبیہ سے اپنے ظالم باپ کے ساتھ واپس کروئے گئے تھے۔ یہانتک کہ ایک مورخ کی روایت ہے کہ ابوبصیرؓ کا گروہ تین سو مسلمانوں کا تھا جن کی لوٹ مار سے قریشی سردار گھبرا اٹھے کیونکہ اس سوکھے ملک اور خشک خطہ کے باشندوں کا گذارا اُسی باہر سے آنیوالے اناج پر تھا جس پر ابوبصیر کے خارجی گروہ کا قبضہ ہوتا چلا جاتا تھا اور کوئی مالی کارواں ایسا نہ تھا جو صحیح وسالم بچ نکلے یا لدا پھندا مکہ پہونچکر منڈی میں فروخت کے لئے اُتارا جائے۔

اہل مکہ بصیری جماعت کے ہاتھوں تنگ آگئے اور ہرچند چاہا کہ کچھ انتظام کریں مگر نہ کرسکے کیونکہ خیالات وعقائد کا تخالف اور ایذا، وظلم رسانی کا تنفر پیدا ہوئے پیچھے مصالحت کا کوئی طریق باقی نہ رہا تھا رشوت ومالی طمع پر کامیابی محال ہوچکی تھی اور جنگل میں رہنے والے خانہ بدوش بدوؤں کو ریاست وحکومت کے رعب یا حملہ وجنگ کے اندیشہ ناک خطرات کی دہشت سے امن وچین مل گیا تھا اس لئے مایوس ہوکر اور چاروں طرف سے امید وکار براری کے دروازے مسدود پاکر اُسی کرم گستر رحمۃ للعلمین کی ستودہ صفات ذات کی جانب ملتجی ہوئے جس کو حق تعالی نے صلح کل اور ہردلعزیز بناکر بھیجا تھا اور خلعت نبوت کے ساتھ یہ شرف بھی مرحمت فرمایا تھا کہ دنیاوی سیاست وانتظام اور عامہ رفاہیت وخیر خواہی کی نگام پر پورا قبضہ رکھے۔

اہل مکہ کچھ ایسے ناسمجھ نہ تھے کہ اس آنیوالی مصیبت اور ناگہانی بلاؤ آفت کا سبب نہ سمجھیں انکو خوب معلوم تھا کہ یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عہد صلح میں دباؤ ڈالنے اور اپنی بات کے اونچا رکھنے کا خمیازہ ہے "خود کردہ را چہ علاج" مگر فاقہ زدگی کے بیچین کردینے والے زمانہ کا تصور باندھ کر پریشان ہوگئے اور بارگاہِ رسالت میں اس مضمون کی عرضی بھیجی کہ "اے فاقہ مست قوم کے فریادرس اور اے کنبہ پرور حلیم وبردبار سردار اپنے ہموطن اہل مکہ کی قابل رحم نازک حالت پر ترس کھاؤ ہم اہل مکہ اپنی شرط صلح سے درگذرے ہماری زندگی کا شیریں پھل تلخ ہوگیا۔ ہماری جان ومال ہر وقت معرض خطر میں ہے۔ خدا کے واسطے رحم کرو اور اس راہزن جماعت کو اپنے پاس بلالو جو ابوبصیر کی ماتحتی میں

راہگذر پر پڑی ہوئی ہے اور ہمارے آنے جانے والے مسافروں کے توشے اور کارواں کے مال واسباب کو لوٹ کر اپنی گذر اوقات کر رہی ہے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بھی کہ میں صلحنامہ کی مخالفت کرنی نہیں چاہتا اور کسی مکہ کے نومسلم مفرور شخص کو مدینہ میں پناہ دینی گوارا نہیں کرتا. علی الخصوص ایسی شرط کو توڑنا پسند نہیں کرتا جس کو زور دیکر تم ہی نے منظور کرایا اور مسلمانوں پر دباؤ ڈالنے کی غرض سے ضد باندھ کر اہل اسلام کا دل دکھایا ہو مگر قریشی کافر چونکہ ابو بصیر کے ہاتھوں تنگ آ گئے تھے اس لئے خوشامد کرنے لگے اور کہا کہ ہمارے تشدد اور سختی پر لحاظ نہ فرمایئے پرانی رشتہ داری اور ہموطنی کا پاس کیجئے آپ کی کرم گستر اور مہربان ذات کی عنایت و مہربانی سب کے لئے عام ہے۔ پھر اہل مکہ اس کی فیضان سے کیوں محروم رکھے جائیں اللہ واسطے ہمارے حال پر ترس کھایئے اور اس گروہ کی لوٹ سے ہمکو نجات دلوایئے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود تو دنیا کے لئے باعث رحمت تھا اور آپ کے ستودہ خصائل چاہتے تھے کہ کسی کی تکلیف رفع نہ کی جائے آپ اپنے اُن دشمنوں پر احسان کرنے کے عادی تھے جن کی طرف سے ابتداءً ایذائیں اٹھائیں اور تکلیفیں سہی تھیں یہ گفتگو بھی محض جتانے اور کم سمجھ کی نادانی کا اظہار کرنے کے لئے تھی اس لئے ابو بصیرؓ کے نام فوراً گرامی نامہ لکھوا بھیجا کہ مع اپنی جماعت کے فوراً مدینہ میں چلے آؤ مگر افسوس جس وقت نامۂ مبارک پہنچا ہے ابو بصیرؓ اس وقت نزع کی حالت میں اپنے مہربان پروردگار سے راز و نیاز کی باتیں کرنے میں مشغول تھے۔

پیارے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک خط اسی حالت میں ابو بصیرؓ کے پاس پہونچا اور انھوں نے فوراً آنکھیں کھولدیں ہاتھ بڑھایا اور اپنے چاہیتے دینی سردار کا عنبر شمامہ ہاتھ میں لیلیا مگر افسوس کھولکر دیکھنے کی بھی نوبت نہ آئی اور جان بحق تسلیم ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مقدس مذہب اسلام کے مبارک نام پر فدا ہونے والے حضرت ابو بصیرؓ دنیا سے انتقال کر گئے اور ان کی جمع کی ہوئی جماعت ارشاد سراپا ارشاد کی تعمیل کے لئے گردن جھکائے مبارکنامہ کو فخر و عزت کے ساتھ ہاتھ میں لئے ہوئے روانہ ہوئی اور مدینۃ الرسول میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر آکر گر پڑی اس وقت سے صلحنامہ کی ناگوار شرط منسوخ ہو گئی اور اس کے بعد جو کوئی بھی نومسلم

مکہ کے تکلیف رساں موذی کافروں کے ہاتھوں تنگ آیا وہ سیدھا مدینہ چلا آیا اور اپنی دینی اصلاح کے لئے اسلامی سپہ سالار کی خدمت میں آپڑا۔

ان حضرات کے مناقب اور فضائل کے بیان کرنے میں قلم کو حیرت ہوتی ہے کہ کس طرح اُس مقدس جماعت کی فضیلت ظاہر کرے جنکو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی کا مبارک خطاب مرحمت ہوا ہے۔ پیارے مسلمانو! ان پاک طینت حضرات کی محبت درحقیقت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے اور اہل حق کا اس بات پر اتفاق ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مبارک چہرہ پر ایمان اور محبت کے ساتھ ایک مرتبہ نظر ڈالنے والے کو وہ مدارج حاصل ہوتے ہیں جو چالیس برس کے مجاہدہ سے بھی حاصل نہیں ہوسکتے پھر بھلا ان بزرگواروں کے تقدس اور تقرب کا کیا ٹھکانا ہے جنھوں نے مہینوں اور برسوں آستانہ علیہ کی خاکبوسی کا فخر حاصل کیا ہے اور سیکڑوں دفعہ اللہ کے چاہیتے پیغمبر کے نورانی چہرہ پر محبت بھری نظریں ڈالکر روح کو تازگی بخشی ہے۔ خدا کی قسم ایک مرتبہ بحالت اسلام حاضر خدمت ہوجانے والے صحابی کے پاؤں کے نیچے کی خاک نصیب ہوجائے تو آنکھوں کا سرمہ بنانے کی عزت حاصل ہوجائے۔ پیارے مسلمانو ذرا اپنے دلوں کو ٹٹولو اور دیکھ لو کہ مذہب اسلام کے پہلے جان نثار اور ابتدائی حامی ومددگار سلف کی محبت تمکو کس قدر ہے میں سچ کہتا ہوں کہ یہی محبت تمہاری نجات کا باعث ہے بھلا کوئی دوسرا ولی یا شیخ ان حضرات کی برابر کس طرح ہوسکتا ہے جن کی بابت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا یوں ارشاد ہے کہ کوہ اُحد کی برابر سونا بھی کوئی شخص خیرات کرے گا تو صحابہ کے آدھ سیر جَو کی خیرات کے برابر بھی نہیں ہوسکتا اور درحقیقت یہی بات ہے کیونکہ اُنھوں نے اپنی جان کو اللہ کے نام پر اُس وقت قربان کیا ہے جبکہ مقدس مذہب اسلام کو اس کی ضرورت اور سخت حاجت تھی۔ انھوں نے اپنے مال رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر نچھاور کردیئے انکا مبارک پیسہ وہ تھا جو اللہ کے چاہیتے پیغمبر کے تصرف میں آیا۔ ان کا بابرکت مال حق تعالیٰ کے محبوب پر نثار ہونیکا فخر حاصل کئے ہوئے ہے جو ان کے بعد کسی دوسرے شخص کو کبھی میسر نہیں آسکتا۔ الہ العالمین ان بزرگواروں کی محبت عطا فرما تاکہ مجھ گنہگار کا بھی انھیں کے ساتھ حشر ہو کیونکہ تیرے مقبول پیغمبر نے فرمایا ہے کہ "قیامت کے دن آدمی اُسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھتا تھا" زہے نصیب کہ اس مقدس گروہ کی ہم رکابی میسر آئے اور

زہے تقدیر اگر ان حضرات کی محبت میں ایمان کے ساتھ خاتمہ بخیر ہو جائے۔

بعض اسلامی مورخین کی رائے یہ ہے کہ غزوہ بنی مصطلق اور حضرت جویریہؓ بنت الحارث کا گرفتار ہو کر آنا اور بی بی صدیقہ حضرت عائشہ رضؓ پر تہمت کا لگانا جسکو ہم ۵ھ کے واقعات میں بیان کر چکے ہیں۔ اسی چھٹے سال میں ہوا ہے واللہ اعلم بالصواب۔

باب ۶ھ (۶۷)

انگوٹھی اور چاہ اریس ۔سفر حدیبیہ سے مدینہ منورہ واپس آنے کے بعد رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حق تعالیٰ کے سچے دین کی اشاعت اور مقدس مذہب اسلام کی تبلیغ کے لئے آس پاس کی قوموں اور سلاطین آفاق کی جانب قاصدوں کو روانہ کیا تاکہ نامہ ہائے رسالتآب پہونچائیں اور بادشاہوں کو دین اسلام کی طرف بلائیں مگر چونکہ عجمی ملوک اور دنیا وی سلاطین کسی خط یا تحریر کو بلا مُہر ثبت ہوئے معتبر نہ سمجھتے تھے اس لئے صحابہؓ نے مشورۃً عرض کیا کہ یا رسولؐ اللہ اسم مبارک کی ایک مُہر تیار ہونے کا حکم فرمایئے تاکہ جو خط کسی کی جانب روانہ کیا جائے اُس کو نامِ نامی کی مُہر سے مزین و آراستہ کیا جائے چنانچہ مُہر تیار ہوئی جسپر اللہ کے چاہیتے پیغمبر کا مبارک نام معہ اُس آسمانی خطاب کے کندہ ہوا جو حق تعالیٰ نے اپنی عالی سرکار سے مرحمت فرمایا تھا یعنی "محمد رسول اللہ" اس طرح (محمد رسول اللہ) کہ اللہ پاک عز اسمہٗ کا نام اوپر اور لفظ رسول درمیان میں اور مبارک اسم گرامی اس کے نیچے جیساکہ ہمارے لکھے ہوئے نقشہ سے ظاہر ہے۔

مہر مبارک چاندی کی انگوٹھی میں تھی اور انگوٹھی کو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں پہنتے تھے جس کا نگینہ ہتیلی کی جانب رہتا تھا۔ مورخین محققین کا اس امر میں اختلاف ہے کہ نگینہ کس چیز کا تھا۔ کسی قسم کا حبشی پتھر اور عقیق وغیرہ تھا یا چاندی ہی کا تھا۔ مگر رجحان اس جانب ہے کہ نگینہ بھی چاندی ہی کا تھا اور صنعت و نقش کے باعث حبش کی جانب منسوب تھا واللہ اعلم۔

اسلامی سپہ سالار اور اللہ کے سچے پیغمبر کی جانب سے نصاری کے بادشاہ ہرقل والی روم اور نجاشی بادشاہ حبشہ اور مقوقس حاکم اسکندریہ و مصر اور خسرو پرویز شاہ فارس کے نام خطوط لکھے گئے اور مہر ثبت ہونے کے بعد بہادر معتمد صحابہ کے ہاتھ روانہ کئے گئے جن میں مختصر طور پر ہر ایک کا ذکر عنقریب بیان ہوگا۔

مہر مبارک ہجرت کے چھٹے سنہ میں کندہ کرائی گئی تھی اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد آپکے جانشین خلیفۂ اول حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس رہی اور پھر خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس رہی اور ان دونوں حضرات کے بعد تیسرے خلیفہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس آئی۔

حضرت عثمان غنی کی خلافت کو چھ برس گذر چکے تھے کہ آپکو مدینہ منورہ کے مشہور کنویں چاہ اریس پر جانیکا اتفاق ہوا اور آپ اس کی من پر بغرض تفریح واتباع سنت بیٹھ گئے۔ یہ مقدس انگشتری آپ کے ہاتھ میں تھی کیونکہ آپ انگلی سے نکالکر حسب عادت اس کو ہاتھ میں پھرا رہے تھے کہ دفعۃً انگوٹھی کنویں میں گر گئی اور ایسی غائب ہوئی کہ پتہ نہ لگا حالانکہ امیر المومنین نے کنویں کا تمام پانی نکلواڈالا اور کامل تین دن انگشتری کی تلاش کی گئی مگر افسوس رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ مبارک یادگار ہاتھ نہ لگی اور نہ ملنی تھی نہ ملی انا للہ وانا الیہ راجعون ؕ۔

اس انگوٹھی کا گم ہونا تھا اور خلافت عثمانیہ میں تزلزل کا پیدا ہونا تھا کیونکہ یہ انگشتری سلیمان علیہ السلام کی انگشتری کا حکم رکھتی تھی اس لئے جو حال سلیمانی انگشتری کے گم ہونے سے پیدا ہوا تھا وہی اس مقدس انگوٹھی کے کھوئے جانے سے پیدا ہونا چاہئے تھا۔ چنانچہ اس کے بعد جو کچھ خلافت راشدہ میں بدنظمی پھیلی اور فتنہ و فساد اور خوں ریزیاں ہوئیں وہ اس زمانہ کے موجودہ حضرات نے آنکھوں سے دیکھ لیں اور بعد میں پیدا ہونے والے مسلمانوں نے سنکر اور کتابوں میں لکھے ہوئے معتبر قصص سنکر علم حاصل کیا۔

چاہ اریس مسجد قبا کے قریب پچھاں کی جانب اس مشہور شیریں کنویں کا نام ہے جس میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے دہن مبارک کا لعاب ڈالا ہے اور اسی وجہ سے اس کے پانی میں مٹھاس اور شیرینی پیدا ہوئی ہے ورنہ پہلے اس قدر کھاری تھا کہ زبان پر رکھنا بھی دشوار تھا۔

اس کنویں پر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم بارہا تشریف لائے ہیں چنانچہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک دن اپنے گھر سے وضو کر کے محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا ارادہ سے نکلا اور دل میں عہد کیا کہ آج بارگاہ رسالت ہی میں حاضر رہونگا غرض مسجد نبوی میں آیا مگر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پایا اور لوگوں سے معلوم ہوا کہ حضرت ابھی ابھی قبا کی طرف تشریف لے گئے ہیں

چنانچہ میں بھی پیچھے پیچھے چلدیا اور قبا میں پہونچا تو خبر ملی کہ حضرت رسالت پناہ علیہ الصلوٰۃ والسلام چاہ اریس پر رونق افروز ہیں میں وہاں حاضر ہو کر اُس چار دیواری کے دروازے پر بیٹھ گیا جو چاہ اریس کے گرد واقع تھی کیونکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم حوائج بشری سے فراغت پانے میں مشغول تھے یہاں تک کہ جب حضور پرنور حسب عادت وضو فرما چکے تو میں احاطہ کے اندر گیا اور دیکھا کہ آپ اس مبارک کنوے کی جگت پر ساقین مبارک کھولکر دونوں پانوں کنویں میں لٹکائے ہوئے بیٹھے ہیں آپکے سامنے حاضر ہو کر سلام کیا اور پھر واپس ہو کر اسی دروازہ پر آبیٹھا تاکہ اللہ کے پیارے پیغمبر کی دربانی کا فخر واعزاز حاصل کروں کیونکہ ایسی عزت واجر کے قابل خدمت بڑے خوش نصیب ہی کو اتفاق سے نصیب ہوتی ہے ورنہ ہزاروں اسی تمنا میں مرگئے اور ایک ساعت کے لئے بھی دربان بننا نصیب نہوا

ایک ساعت گذری تھی کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے دروازہ کھٹکھٹایا میں نے پوچھا کون ہے وہ بولے کہ "ابو بکرؓ ہے اندر آنا چاہتا ہے" میں نے جواب دیا کہ ٹھیر جاؤ میں حضور میں اول عرض کرلوں اس کے بعد اجازت ہوگی تو دروازہ کھولوں گا چنانچہ میں کھڑا ہوا اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یارسول اللہ ابو بکرؓ دروازہ پر حاضر ہیں اور اندر آنے کی اجازت چاہتے ہیں حضرت نے فرمایا کہ دروازہ کھولدو اور جنت کی بشارت دیدو۔ چنانچہ میں نے دروازہ کھولدیا اور حضرت ابو بکر صدیق رضؓ جنت کا مژدہ سنکر احاطہ کے اندر داخل ہوئے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی داہنی جانب بیٹھکر پیارے محبوب کے اتباعاً اسیطرح کنویں میں پاؤں لٹکا دیئے جس طرح رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم لٹکائے بیٹھے تھے۔

میں پھر واپس ہو کر دروازہ پر دربان بنکر آبیٹھا اور اپنے بھائی کا منتظر تھا جس کو وضو کرتے اپنے گھر چھوڑ آیا تھا میں اپنے دل میں دعا مانگتا اور آرزو کر رہا تھا کہ کاش وہ بھی آجائے تو جنت کی بشارت پائے کیونکہ آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وقت خاص ہے کہ خدام والا کو جنت کی بشارتیں مل رہی ہیں یکایک دروازہ پر دستک ہوئی اور میں نے گھبرا کر پوچھا کہ کون ہے؟ جواب ملا کہ "عمر بن خطاب ہے اندر آنا چاہتا ہے" میں نے جواب دیا کہ صبر کرو اجازت لے آؤں۔ چنانچہ حضور میں حاضر ہوا اور حضرت عمرؓ کے آنے کی اطلاع دی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا آنے دو اور جنت کی خوشخبری سنادو غرض میں نے دروازہ کھولا اور حسب الحکم انکو بھی جنت کی بشارت دی۔ حضرت عمرؓ بھی اندر آئے

اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں طرف اسیطرح کنویں میں پاؤں لٹکا کر بیٹھ گئے جیسے دونوں شاہ و وزیر بیٹھے ہوئے تھے۔ اور میں اپنے بھائی کے انتظار میں پھر دروازہ پر آبیٹھا۔

میں اسی تمنا میں تھا کہ کاش میرا بھائی آجائے کہ یکایک حضرت عثمانؓ بن عفان پہونچے اور میں نے ان کی بھی اطلاع حضرت کو پہونچائی ارشاد ہوا کہ اچھا آنے دو اور جنت کی بشارت دو مگر ساتھ ہی میں ایک بلا و مصیبت کی بھی خبر سنا دو جوان کے سر پر آنے والی ہے۔ غرض حضرت عثمانؓ بھی اندر تشریف لائے اور دیکھا کہ جس رُخ پر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دونوں وزیر یعنی حضرات شیخینؓ کو دائیں بائیں لئے بیٹھے ہیں اس طرف جگہ کی تنگی ہے اس لئے مقابل کے رُخ بیٹھ گئے۔ اور پھر کوئی صاحب نہیں آئے جن کو اس مبارک مجمع میں جنت کی بشارت ملے۔

وہ بلا و مصیبت جس کی اطلاع حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو دیگئی ظلماً شہید ہونے کی تھی جس کی ابتدا اور فساد کی بنیاد اسی وقت سے قائم ہوئی شروع ہوگئی تھی جبکہ وہ مبارک انگشتری جسپر اسم مبارک کی مُہر کندہ تھی اس کنویں میں گری اور گم ہوگئی۔ کیونکہ انتظام ریاست دینیہ زیر نگیں رسالت مآب تھا اور اس کے لئے لازمی تھا کہ انگشتری گم ہونے سے خلل واقع ہو۔

اس زمانہ میں اس چاہ اریس پر عمارت بنی ہوئی ہے اور اس کے گرد ایک احاطہ کھچا ہوا ہے جس کی زیارت کی جاتی ہے اور قیامت تک برابر ہوتی رہے گی۔

چاہ اریس چونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ان مشہور سات کنوؤں میں شامل ہے جن کی اب زیارت ہوتی ہے اور اس کو انگشتری کے ساتھ اس خصوصیت کا تعلق بھی تھا اس لئے ضمناً مختصر ذکر چھڑ گیا ورنہ اس قصہ کو سلسلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے لہذا ہم اپنے سلسلہ کی جانب رجوع کرتے ہیں کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے امانت دار قاصد مہر کردہ خطوط لیکر روانہ ہوئے چنانچہ ہرقل شاہ روم نے پیغامبر کی بڑی عزت کی اور حسن اخلاق کے ساتھ پیش آیا لیکن ایمان سے محروم رہا۔ اور مقوقس بادشاہ اسکندریہ نے نامہ مبارک کو عظمت و وقعت کے ساتھ سر پر رکھنے کے علاوہ دو باندیاں یعنی حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا جن کو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے مخصوص فرمایا اور دوسری ان کی بہن سیرین جو حضرت حسان بن وہب کو عطا کی گئیں اور نیز ایک سفید خچر جس کا نام دُلدُل اور ایک حمار جس کا نام یعفور تھا بطور ہدیہ کے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا جنکو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمالیا۔ چنانچہ

یعفور نامی حمار توحجۃ الوداع سے واپسی میں انتقال کر گیا۔ اور دُلدل حضرت معاویہؓ کے زمانہ تک زندہ رہا

نجاشی شاہ حبشہ نے اسلام قبول کیا اور معزز مسلمانوں میں ایسے بانصیب دیندار قرار پائے جنکی خوش نصیبی پر بادشاہ ہفت اقلیم کو رشک ہو تو بجا ہے مگر حاضری اور زیارت کا اتفاق نہیں ہوا البتہ خسرو کسریٰ شاہ فارس نے نامہ مبارک کے ساتھ گستاخی کی اور غصہ میں آکر خط کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اس لئے جس وقت یہ خبر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو پہونچی تو آپ نے فرمایا کہ کسریٰ کی سلطنت اسی خط کی طرح پارہ پارہ کی جائے گی۔" چنانچہ چند ہی سال بعد اس کی تصدیق ظاہر ہوگئی اور سلطنت خسروی ایسی ملیامیٹ ہوئی کہ مخالفین اسلام نے بھی سلاطین دنیا کے واقعات دیکھکر صفحۂ تاریخ پر لکھدیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشینگوئی بالکل صحیح اور سچ ہوئی۔

ایک خط غسانی بادشاہ بصرہ کے پاس بھیجا گیا لیکن اس بادشاہ کے خاندان کے ایک دوسرے امیر نے جو قیصر کا معتمد علیہ اور ماتحت تھا قاصد کو مار ڈالا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آخر سارے جہان کے عیسائیوں کو اہل اسلام سے لڑنا پڑا۔ اس کا حال ہم آیندہ ۸ھ کے واقعات میں لکھیں گے۔

"چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی"

باب (۶۸)

ہرقل کے نام خط۔ اس مبارک خدمت پر حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ مامور کئے گئے اور ۶ھ میں نامہ مبارک لیکر روم کی جانب روانہ ہوئے۔ ان کو حکم دیا گیا تھا کہ یہ خط حاکم بصرہ کے حوالہ کرنا اور کہدینا کہ قیصر روم یعنی ہرقل کے پاس پہونچادے۔

ہرقل اپنے مذہب نصرانیت کا بڑا زبردست عالم اور تمام مملکتِ روم پر حاکم تھا۔ یہ سمجھدار عیسائی نہایت سمجھدار اور ذکی ہونے کے علاوہ فنِ نجوم و کہانت میں بھی پوری دستگاہ رکھتا تھا مدت ہوئی کہ اسنے علم نجوم سے معلوم کیا تھا کہ مملکتِ روم پر ایسے لوگوں کا قبضہ ہونے والا ہے جو مختون ہوں گے چنانچہ اس پریشان کرنے والی خبر کے معلوم ہوتے ہی ہرقل گھبرا اٹھا اور تمام دن مضمحل و پریشان رہا ہرچند اس کے مصاحبین اور وزراء نے اس کا دل بہلایا اور کہا کہ سوائے قوم یہود کے کوئی قوم ختنہ نہیں کراتی اور یہودیوں کی اتنی ہمت نہیں ہے کہ ہماری سلطنت کی جانب نظر اٹھا کر بھی دیکھیں مگر ہرقل کو اطمینان نہ ہوا تاہم بمزید احتیاط گرد و نواح کے صوبہ داروں اور آس پاس کی ولایتوں میں

اس مضمون کے پروانے اور حکمنامے جاری کر دیئے گئے کہ یہودیوں کو جہاں پاؤ تہ تیغ کر دو اور اس قابل نہ رکھو کہ کسی آنے والے زمانے میں بھی ہماری زبردست سلطنت پر حملہ کرنے یا غلبہ پانے کی جرأت وہمت کریں۔

چاروں طرف احکام نافذہ نے صورت عمل میں اپنا جلوہ دکھایا اور بیچارے ہزاروں یہودی محض اس شبہ اور گمان پر قتل کر دئے گئے کہ یہی مختون قوم سلطنت نصاریٰ پر قبضہ کرنیوالی ہے سیکڑوں یہودنیں بیوہ ہوگئیں اور ہزاروں یہودی بچے یتیم بن گئے مگر تقدیر ازلی کا اٹل حکم ٹلنے والا نہیں اس منتظم و مدبر سلطنت کو یہ خبر نہ تھی کہ چار دانگ عالم پر تسلط جمانے والی قوم دوسری ہے جس کے ہونہار درخت پروردگارِ عالم کی تربیت میں نشو و نما پا رہے ہیں اور ان قلمی پودوں کے خوشگوار پھل عنقریب اپنے دلفریب ذائقہ اور دلپسند لذت سے روح کو تازگی و فرحت بخشنے والے ہیں۔

ہرقل اپنے موہوم خیال اور مشتبہ تدبیر پر مطمئن تھا کہ غلبہ کرنے والی قوم کی شوکت تخت و تاراج کیجا رہی ہے یہانتک کہ یکایک یمنی صوبہ کے صوبہ دار نے اسلامی قاصد کی اطلاع دی اور رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کا آیا ہوا خط پہونچایا اور چونکہ دریافت کرنے سے یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ فرستادہ پیغامبر بھی ختنہ بریدہ ہے اور تمام عرب میں اس مشہور و محمود خصلت کا رواج شائع ہے اس لئے یہ خبر سنکر ہرقل کے ہوش اڑ گئے اور اس نے بآواز بلند کہدیا کہ "اے باشندگانِ روم تمھاری سلطنت کا وقت برابر ہو چکا امید اور گمان دونوں کے خلاف عربی مسلمان لوگ پیدا ہو گئے جنکو ایکدن اس عظیم الشان مملکت کے حسن انتظام کی باگ ہاتھ میں لینی ہے۔

جس وقت حاکم بصری کے قاصد نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک ہاتھ میں دیا جس میں یہ مختصر الفاظ چند سطروں میں لکھے ہوئے تھے۔

"محمد رسول اللہ کی جانب سے ہرقل سردار روم کو (معلوم ہو) ہم تمھیں مذہب اسلام کی طرف بلاتے ہیں مسلمان ہو جاؤ سلامت رہو گے دوہرا اجر پاؤ گے اور اگر کہنا نہ مانو گے تو تمھاری رعیت کا بھی گناہ تم ہی پر ہوگا۔ اس کے بعد آیت شریفہ "یا اہل الکتاب تعالوا الی کلمۃ" الخ لکھی تھی جس کا ترجمہ یہ ہے کہ اے آسمانی کتاب والو ایسی بات کی جانب آؤ جو ہمارے اور تمھارے درمیان برابر ہے کہ ہم سب سوائے اللہ کے کیسکی عبادت نہ کریں اور کسی چیز کو اس کا شریک نہ سمجھیں

اور ہم میں کوئی ایک دوسرے کو اپنا رب نہ بنائے سوائے خدا کے اس پر بھی اگر وہ روگردانی کریں تو کہدو کہ تم گواہ رہو ہم تو مسلمان ہیں"

ہرقل اس وقت شاہ فارس پر فتحیاب ہونے کے شکریہ میں اپنے معبد یعنی بیت المقدس کی زیارت کو آیا ہوا تھا اس نے یہیں حکم دیا کہ ایسا شخص لاؤ جو ہم کو اپنے ملکی رسوم اور مدعی نبوت شخص کے حالات کی اطلاع دے سکے چنانچہ ابوسفیان کا پتہ لگا جو اس وقت تک ایمان نہیں لائے تھے اور شامی ملک کی مشہور تجارت سے فائدہ اٹھانے کی غرض سے قریشی قافلہ کے ساتھ اس زرخیز ملک میں آئے ہوئے تھے

ہرقل کا قاصد ڈھونڈھتا اور پتہ لگاتا ان تک پہونچا اور اس مختصر عربی گروہ کو اپنے ہمراہ لے آیا تاکہ شاہی دربار میں حاضر ہو کر دریافت طلب امور کا شافی جواب دیں اور بے کم و کاست مدعی نبوت کے حالات بیان کریں۔

چونکہ ابوسفیان اپنی جماعت میں معزز و ہوشیار سمجھے جاتے تھے اور نیز اسوجہ سے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ دار بھی تھے جس کی بنا پر حالات مصطفوی سے زیادہ تر واقف تھے اسلئے ہرقل کے انتخاب کے موافق گفتگو کے لئے یہی آگے بڑھائے گئے۔ خود ابوسفیان کا قول ہے کہ میں مع اپنے رفقاء قریش کے شاہ روم یعنی ہرقل کے سامنے بیٹھا اور ترجمان کی وساطت سے گفتگو شروع ہوئی۔ مگر ہرقل نے چونکہ گفتگو سے قبل ترجمان کو متنبہ کر دیا اور کہدیا تھا کہ اس شخص کے پیچھے بیٹھی ہوئی جماعت سے تاکیداً کہدو کہ اگر یہ شخص کسی امر میں جھوٹ بولے اور کوئی بات واقع کے خلاف بیان کرے تو تم لوگ فوراً بتلا دینا ورنہ پوری سزا پاؤ گے۔ اس لئے میری ہمت نہ ہوئی کہ ذرہ برابر جھوٹ ملاؤں کیونکہ اپنی برادری میں فضیحت و رسوائی کے علاوہ شاہی دربار میں بیغیرت ہونیکا بھی اندیشہ اور سزایاب ہونیکا خوف تھا اور اس کے علاوہ شاہی رعب اور درباری ہیبت جو عموماً ہر شخص پر ایسی حالت میں چھائی ہوئی ہونی چاہیئے اس نے مجبور کر دیا تھا کہ گو میرے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مابین دینی مخالفت اور مذہبی عداوت قائم ہے مگر یہاں کوئی ایسی بات نہ کہی جائے جو مجھے ذلیل و رسوا بنائے اس لئے میں ز واقعی بات بیان کر دی اور جو کچھ مجھ سے پوچھا گیا اس کا ٹھیک ٹھیک سچا جواب دیا جس کا خلاصہ یہ ہے۔

(ہرقل) اس شخص کی نسبی اور قومی حالت بیان کرو جو نبوت کا دعویٰ کرتا اور اپنے آپکو پیغمبر بتاتا ہے!

(ابوسفیان) نہایت شریف النسب ہے کیونکہ قریش کے ہاشمی خاندان اور مطلبی نسل کا شریف زادہ ہے

جن کے ہاتھ میں ہمیشہ سے بیت اللہ کی تولیت اور مکہ کی حکومت رہی ہے اس قابلِ فخر نسب سے اعلےٰ وبہتر کوئی نسب نہیں ہے۔ (ہرقل) دعویٰ نبوت سے پہلے تمنے کبھی کسی بات میں محمدؐ کو جھوٹا پایا ہے؟ (ابوسفیان) نہیں کبھی نہیں بلکہ راستگوئی اور سچائی میں سدا مشہور اور ضرب المثل رہا ہے (ہرقل) انکے خاندان یا اجداد میں سے کوئی شخص کبھی پادشاہ ہوا؟ (ابوسفیان) نہیں کوئی بادشاہ نہیں ہوا۔ (ہرقل) ان سے پہلے کسی دوسرے شخص نے پیغمبری کا دعویٰ کیا تھا؟ (ابوسفیان) نہیں کسی نے نہیں کیا (ہرقل) اچھا جو لوگ ان کی پیروی کررہے ہیں وہ زیادہ تر امیر ہیں یا غریب؟ (ابوسفیان) قریب قریب سب غریب ہیں اور ایسے مسکین ومحتاج آدمی ایمان لائے ہیں جنکو وقعت کی نگاہ سے دیکھا بھی نہیں جاتا (ہرقل) انکا گروہ ترقی کررہا ہے یا تنزل یعنی ایمان لانے والے مسلمان دن بدن بڑھتے جاتے ہیں یا کم ہوتے ہیں (ابوسفیان) اسلامی جماعت روز بروز بڑھتی جاتی ہے (ہرقل) جو شخص مسلمان ہوتا ہے وہ اسلام کو ناپسند سمجھکر کبھی مرتد تو نہیں ہوتا؟ (ابوسفیان) نہیں (ہرقل) لڑائی میں تم اُن پر غالب آتے ہو یا وہ تمپر فتح پاتے ہیں (ابوسفیان) کبھی ہم غلبہ پاتے ہیں اور کبھی اُن کو فتح حاصل ہوتی ہے۔ (ہرقل) یہ لوگ کبھی عہد سے خلاف بھی کرتے ہیں یا نہیں (ابوسفیان) ابھی تک تو کیا نہیں مگر ان چند ایام کی خبر نہیں ہے جو ہم کو سفر کی حالت میں گذرے ہیں کیونکہ آجکل ہمارا ان کا باہمی معاہدہ ہے اور غیب کی خبر اللہ کو ہے دیکھئے یہ وعدہ بھی پورا ہوتا ہے یا نہیں۔

ابوسفیان کہتے ہیں کہ میں ان تمام باتوں کا جواب دیتے وقت سوائے ہاں یا نہ کے کچھ نہیں کہہ سکا البتہ اس آخری جواب میں اتنی بات بڑھا نیکا مجھے موقع ملا تاکہ ہرقل کی قلبی تصدیق میں تذبذب پیدا ہو جائے۔ اور اگر اپنے جھوٹا ہونے کی شہرت کا اندیشہ نہ ہوتا تو بیجیا بنکر ضرور جھوٹ کی آمیزش کرتا مگر مجبور تھا کیونکہ جھوٹے سچے جواب کی پرکھنے والی کسوٹی پیچھے بیٹھی ہوئی تھی جن کو میری طرح ساری باتوں کی خبر تھی آخرکار ہرقل نے اُس ترجمان کی وساطت سے جو عربی اور رومی دونوں زبانیں جانتا اور اس وقت باہمی گفتگو میں ذریعہ اور واسطہ بنا ہوا تھا اس گفتگو اور سوال جواب کا سبب اور نتیجہ اس طرح بیان کیا کہ میرے تمام سوالات اُس معلومات پر متفرع ہیں جسکو اللہ پاک کے پیغمبروں کے ساتھ تعلق ہے۔ میں نے جو کچھ بھی دریافت کیا عربی مدعی نبوت کے حالات کو انبیا سلف کے احوال پر منطبق اور چسپاں کرنے کی غرض سے دریافت کیا چنانچہ پہلا سوال یعنی نسبی شرافت اور نسل

وخاندان کی نجابت اس کی شاہد ہے کیونکہ نبوت ورسالت کے عالی مرتبہ کے لئے سب سے پہلے شریف النسل ہونا بھی ضروری سمجھا گیا ہے جسقدر پیغمبر نازل ہوئے سب عالی خاندان تھے اور درحقیقت مقتضائے عقل بھی یہی ہے کہ خلعتِ رسالت ایسے شخص کو نہ پہنایا جائے جو کسی نیچ قوم یا ایسے چھوٹے خاندان کا ہو جس کو اہلِ وطن یا اہلِ ملک عزت اور وقعت کی نظر سے نہ دیکھیں کیونکہ نہ تو اللہ پاک کو اپنے پیغمبر کا بنظر حقارت دیکھا جانا یا خاندانی ونسلی حیثیت سے معیوب کہلانا منظور ہے اور نہ نیچ خاندان میں نبوت رکھنے سے مقصودِ رسالت حاصل ہوسکتا ہے کیونکہ ایسی حالت میں کوئی ذی شرف اور دنیاوی اقتدار ونجابت کا پاس ولحاظ رکھنے والا شخص نہ اس پیغمبر کی اطاعت وتابعداری کرے گا اور نہ ایمان واعتقاد کے باعث شرف اسلام سے مشرف ہوگا۔

دوسرے جواب سے معلوم ہوا کہ جب اس شخص کو دنیاوی معاملات میں جھوٹ بولنے کی عادت نہیں تو خدا پر جھوٹ بولنا اور پیغمبر خدا ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرنا ایسے شخص کی ذات سے نہایت مستبعد ہے۔ تیسرے جواب سے یہ نتیجہ نکلا کہ اگر اس شخص کے باپ دادا میں کوئی بادشاہ ہوتا تو خیال ہوسکتا تھا کہ جدی میراث کا حاصل کرنا اور نبوت کے حیلہ سے باپ دادا کے ملک پر قبضہ کرنا چاہتا ہے اور جب یہ بھی نہیں تو پھر اس زبردست دعوی سے کونسی دنیاوی غرض مقصود سمجھی جاسکتی ہے؟ چوتھے جواب کا یہ منشا ہے کہ اگر اس خاندان میں کوئی دوسرا شخص مدعی نبوت ہوا ہوتا تو کہہ سکتے تھے کہ اپنے بڑوں کی تقلید کر رہا ہے اور سابق مدعی نبوت کے اتباعاً دعوی رسالت کرتا ہے لیکن اب اس کا بھی احتمال نہیں ہوسکتا کیونکہ محمدؐ صاحب سے پہلے اس خاندان میں کیا معنی حجازی خطہ میں بھی کوئی نبی یا مدعی نبوت شخص پیدا نہیں ہوا۔ پانچویں جواب سے معلوم ہوا کہ محمدؐ صاحب کا اتباع زیادہ تر وہ لوگ کرتے ہیں جو افلاس وفقر کے باعث امرا کی نظروں میں بیوقعت نظر آتے ہیں اور ہمیشہ ہر زمانہ میں خدا کے پیغمبروں کا اتباع پہلے غریب ہی لوگوں نے کیا ہے کیونکہ امیر ومتمول آدمی اپنے مال وریاست پر مغرور ہوتے ہیں اور فنا ہونے والی دولت کے گھمنڈ پر آخرت کی سلطنت ہاتھ سے کھو بیٹھتے ہیں۔ چھٹے اور ساتویں جواب کا بھی یہی نتیجہ ہے کیونکہ جماعت میں دن بدن ترقی کا ہونا اور اسلام لائے پیچھے کسی کا انحراف نہ کرنا اس مذہب کے سچے ہونیکی دلیل ہے اس لئے کہ جس مسلک اور شریعت کو حق تعالیٰ پسند کرلیتا ہے اس کو غیبی نصرت واعانت سے روز بروز بڑھاتا رہتا ہے

اور جب برحق دین اور سچے مذہب کی حلاوت انسان کے قلب میں پیدا ہو جاتی ہے یعنی طالب حق بندہ کو اپنے ایمان کی لذت حاصل ہونے لگتی ہے تو پھر آدمی اُس طریقہ کو کبھی نہیں چھوڑتا اور یہ دوسری بات ہے کہ مال کی طمع یا عورت و وجاہت کے لالچ میں تبدیل مذہب کردے ۔ آٹھویں جواب سے بھی انبیاءؑ کا سبق کا نمونہ نظر آگیا کیونکہ لڑائی میں ہمیشہ ہی ہوتا رہا ہے کہ کبھی پیغمبر کو دشمنوں پر فتح ہوتی ہے اور کبھی دشمن غالب آجاتے ہیں مگر انجام کار غلبہ پیغمبروں ہی کو حاصل ہوتا ہے۔ نویں جواب سے مدعی نبوت کا سچا نبی ہونا بالکل واضح ہے کیونکہ عہد کے خلاف نکرنا انبیا علیہم السلام کی خاص صفت ہے جس کے خلاف کسی نبی اور کسی پیغمبر میں نہیں مل سکتا۔ اس کے بعد ہرقل نے دریافت کیا کہ اچھا مدعی نبوت کن باتوں کی نصیحت کرتے اور کیا کام کرنے کو کہتے ہیں۔ ابو سفیان نے جواب دیا کہ نماز پڑھنے کو کہتے ہیں۔ مال میں سے زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیتے ہیں۔ عزیز و اقارب سے سلوک کرنے اور نیک برتاؤ رکھنے کی نصیحت کرتے ہیں۔ زنا کاری اور فسق و فجور سے روکتے اور منع کرتے ہیں۔

ہرقل چونکہ اپنے آسمانی مذہب کے اصول سے پوری طرح واقف تھا ذاتی عناد و بغض اور حسد و عداوت سے متنفر تھا۔ انصاف پسند اور عدالت شعار پادشاہ تھا اس لئے باآواز بلند پکار اٹھا کہ جو باتیں تم ذیبان کی ہیں اگر سچی ہیں تو محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے سچے پیغمبر ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا اور اگر مجھ سے ہوسکتا تو میں ان کے حضور میں حاضر ہو کر قدم چومتا اور پاؤں دھو کر پیتا مگر کیا کروں مجبور ہوں اور یہ بات یقینی ہے کہ جس جگہ آج میرے قدم ہیں کسی دن اِس مقدس جماعت کا فتحمند جھنڈا لہراتا ہوگا اور یہ ساری مملکت مسلمانوں کے قبضہ و تصرف میں ہوگی لاؤ نامہ مبارک لاؤ میں دیکھوں کہ اُس میں کیا لکھا ہے چنانچہ مبارک خط لایا گیا اور پڑھنے والے نے پڑھ کر سنایا۔

قیصر روم کا محبت آمیز جوشیلہ فقرہ اور بہت جلد پیش آنے والی پیشینگوئی کا سچا قول سنکر ارکین سلطنت نے شور کیا اور چاروں طرف سے ایک غل مچگیا گویا ایک طوفان بے تمیزی تھا جو سمندر کے فوری جوش کی طرح اُبلا ہوا تھا جس کے باعث کان پڑی آواز بھی سنائی نہ دیتی تھی اس حالت بدامنی اور شور شغب میں ابو سفیان مع اپنی جماعت کے باہر نکالدیئے گئے اور ان کو وزراء مملکت کی مخالفانہ تقریر کے سننے کا موقع بھی نصیب نہیں ہوا۔

ابو سفیان کہتے ہیں کہ ہرقل کے یہ کلمات سنکر میں حیران و ششدر رہ گیا۔ تعجب سے اُس کے

چہرہ کو تکتا اور خیال کرتا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے چند روز میں اس قدر ترقی کر لی کہ پادشاہ روم کے دل میں بھی خوف و ہراس موجود ہے۔ میں نے دربار سے باہر نکلکر اپنے رفقاء سے کہا کہ "اوہو ابو کبشہ کے لڑکے کا اس قدر رعب چھا گیا ہے کہ قیصر بھی ڈرتا اور کانپتا ہے" اور یہی ابتدائی وقت تھا جبکہ مقدس آسمانی مذہب کے نور نے میرے قلب پر اثر کرنا شروع کیا اور آخر کار چند روز بعد میں مسلمان ہو گیا۔

ابو کبشہ اُن بی بی حلیمہ کے خاوند کی کنیت ہے جنھوں نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تھا مگر اس وقت ابو سفیان کا اس لقب سے سرور عالم صلعم کو یاد کرنا محبت و خلوص کی نظر سے نہ تھا بلکہ گونہ تحقیر مقصود تھی۔

ہرقل کی عاقلانہ اور دور اندیش فہم و ذکاوت کا پیدا کیا ہوا نتیجہ وہ معتبر و مستند سچا نتیجہ ہے جس پر غور کی نگاہ ڈالنے سے مقدس مذہب اسلام کے بہترین اصول و پسندیدہ خصائل کا تمام ادیان و مذاہب حقانی کے اصول و خصائل کے ساتھ ہو بہو مطابق و موافق ہونا ظاہر ہوتا ہے اور جس شخص نے انسان کی ابتدائی تاریخ پر نظر ڈالی ہے اور اللہ پاک کے بھیجے ہوئے قاصدوں اور مقدس و پاکباز پیغمبروں کے حالات و واقعات معلوم کئے ہوں گے وہ ان نتیجہ خیز کلمات کو بڑی قدر کی نظر سے دیکھ سکتا ہے۔ اگرچہ دیکھنے میں یہ چند فقرے مختصر اور معمولی الفاظ سے ترکیب کھائے ہوئے معلوم ہوتے ہیں مگر واقع میں یہی وہ مستحکم اصول ہیں جنپر مخالف یا مذبذب لوگوں کے ہاتھوں سے جانے والی پائدار زندگی کے دوبارہ لوٹ کر آنیکا دار و مدار ہے اور انھیں میں تھوڑا سا غور و خوض اور منصفانہ تامل و تفکر کرنے سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ مذہب اسلام ہی وہ نجات دینے والا طریقہ ہے جس میں ابدی فلاح منحصر ہے۔

کون کہہ سکتا ہے کہ یہ فہیم پادشاہ جو سچے دین کی براہین قاطعہ پر عبور کئے ہوئے ہو ایمان لانے سے محروم رہے۔ مگر افسوس دنیاوی وجاہت اور مال و سلطنت کی حرص و طمع نے اس لازوال نعمت کے حاصل کرنے سے اس کو محروم رکھا اور ہرقل جیسے سمجھدار کو بھی مسلمان نہ ہونے دیا۔ اے کمبخت دنیا تیرا بُرا ہو تو نے مخلوق کو تباہ کر دیا تیری پیتل پر سونے اور رانگہ پر چاندی کی ملمع کاری نے ہزاروں عقلمند مردوں کو بھی بیوقوف بنا دیا۔ تیری بناوٹی سج دھج اور عارضی گلکاری نے ہزاروں دلوں کو اپنا شیدا و فریفتہ بنا لیا۔ اے بیوفا دوست تیرا ستیاناس جائے تیری نجس کوڑی پر پیدا ہونیوالی سبز گھاس نے مخلوق کو ہلاک و برباد کر دیا تیری چمکدار مگر بہت جلد ملیا میٹ ہو جانے والی بہار نے

حکمار کو بیوقوف اور عقلاء کو دیوانہ و مجنون بنادیا تیرے لہلہانے والے سبزہ پر ریجھ کر بہتیرے آدمی آخرت کی دائمی لذت سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ خدا جانے جن لوگوں سے دنیا کی چند روزہ سلطنت نہیں چھوٹ سکی وہ ایسی پادشاہت چھوڑنے پر کیونکر راضی ہو گئے۔ کاش اللہ کے نافرمان بندوں کو اتنی سمجھ ہو کہ جب نفس دنیا سفید چمکتا ہوا روپیہ اور زمینی معدنیات کی خاک آلودہ چاندی نہیں چھوڑ سکتا تو جنت جیسی مرغوب اور عقبیٰ جیسی محبوب زندگی کا آرام کیونکر چھوڑنا پسند کرے گا۔ بڑھاپے کے کمزور اور ضعیف زمانہ کا انتظام دوراندیش و تجربہ کار شخص جوانی کے زمانہ میں کر لیتا ہے مگر آنیوالی ابدی زندگی کے انتظام سے بالکل غافل ہے ہائے افسوس کچھ کہا نہیں جاتا یہی وہ تقدیری مسئلہ ہے جسپر سکوت کرنا پڑتا ہے اور سچی بات بھی یہی ہے کہ جسکو خدا گمراہ کرے اس کو کوئی ہدایت پر لا نہیں سکتا اور جسکو وہی نواز کر سیدھی بٹیا پر ڈالدے کسی کی مجال نہیں کہ اس کو راستہ سے بھٹکا دے یا گمراہ بنائے۔

باب (۶۹)

صغاطر کی شہادت - ہرقل کا دل اس سچی رسالت کو مان چکا تھا اور اس کے ذکی و سمجھدار قلب میں رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کی تصدیق نبوت بخوبی سما چکی تھی مگر افسوس رومی مملکت اور اس عظیم الشان قطعہ زمین کی سلطنت کے وسوسے نے اس کو ایمان کی بے شمار دولت سے محروم رکھا اور گو اس نے قصد بھی کیا کہ زبان سے اقرار کرے اور مسلمان بنجائے لیکن ازلی قلم کی کتابت اس کے خلاف واقع ہوئی تھی۔ اسلئے ہرقل کو اسلام نصیب نہوا۔

ہرقل نے ایک دن اپنی مملکت کے مشاہیر علمائے نصاریٰ کو شہر حمص کے بڑے قلعہ میں جمع کیا اور عام دعوت دی کہ سمجھدار و عقیل بشب شاہی دربار میں شریک ہو کر ایک خاص مشورہ میں رائے دیں چنانچہ آسمانی کتاب کے ماہر پادری اور مذہبی اصول کے سمجھنے والے عیسائی جمع ہوئے اور دربار کے بھرپور ہو جانے پر ہرقل پادشاہ زریں لباس میں بن ٹھن کر برآمد ہوا اور باقاعدہ شاہی آداب اور سلام لیتا ہوا میر مجلس بنکر اس اونچی کرسی پر جا بیٹھا جو اس کے لئے صدر مقام پر رکھی گئی تھی۔

ہرقل نے قلعہ کا دروازہ بند کرادیا اور علماء کی جانب متوجہ ہو کر یوں گویا ہوا کہ اے دین اور اپنی مذہبی سلطنت کے مددگارو اور اے آسمانی ملت کے حامی اور جان نثار مولویو! میں تم سے ایک خاص بات کہنی چاہتا ہوں جس میں سراسر تمھارا نفع اور قومی و ملکی بہبودی و خیر خواہی ہے میری بات کان لگا کر سنو۔

اور سمجھ کر جواب دو۔ کیونکہ یہ ایسی سرسری بات نہیں ہے جسکا جواب غصہ یا رنج میں بے باکانہ اور بے تامل دیدیا جائے۔ تم کو معلوم ہے کہ حجازی خطہ میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور اس مدعی نبوت کے حالات و واقعات تمہارے کانوں میں بھی پڑ چکے ہیں میں نے جہانتک غور کیا یہ شخص یعنی محمد صلی اللہ علیہ و سلم خدا کے سچے پیغمبر معلوم ہوتے ہیں اس لئے تم اپنی ملکی رسوم اور آبائی مذہب کی بالکل پاسداری نہ کرو کیونکہ ہدایت و رہنمائی خدا کے قبضۂ قدرت میں ہے وہ جس کو چاہے نوازے اور جہاں چاہے اپنا سچا رسول بھیجے پس اگر تم لوگ نجات کے متلاشی اور برحق طریق کے جویاں اور طلبگار رہو تو اس وقت کو ہاتھ سے نہ جانے دو اسلام لے آؤ اور عربی پیغمبر کا اتباع قبول کرو ورنہ اپنا ملک بھی ہاتھ سے کھو بیٹھو گے یعنی دینی سلطنت کے ساتھ دنیاوی مملکت بھی برباد کرلو گے آخرت میں حق تعالیٰ کے روبرو جو کچھ ذلت و رسوائی ہوگی وہ تو علیحدہ ہے یہاں بھی ایسے خوار و خاناں خراب ہوگے کہ کہیں سر لٹکانیکو جگہ نہ ملیگی۔

ہرقل اتنا ہی کہنے پایا تھا کہ مجمع کا رنگ بدلا ہوا پایا۔ حاضرین مجلس نے یکلخت شور و شغب برپا کیا ناراض ہوکر منہ میں بڑبڑاتے اور طیش میں پیچ و تاب کھاتے ہوئے دربار سے اٹھ کھڑے ہوئے اور باہر کا راستہ لیا مگر کواڑ بند پائے اس لئے پھر واپس ہوئے اور آمادۂ فساد ہوکر اپنے خیر خواہ پادشاہ اور ناصح حاکم پر حملہ کرنا چاہا کیونکہ سچے مذہب اسلام کی دلی عداوت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق قلبی بغض و عناد نے وہ آگ سلگا رکھی تھی جس کے بھڑکنے والے شعلوں نے مجلس شاہی کی آداب اور رعب وداب تخت و تاج کے قوانین کو جلا دیا تھا۔

ہرقل نے تصویر کا رخ پلٹ ہوا دیکھ کر اپنی بات کا بھی پہلو بدلا بولا کہ اے مذہب نصرانیت کے شیدائیو میں نے تمہارا امتحان لیا اور تم کو آزمانا چاہا تھا کہ دیکھوں تم کو مذہبی پاسداری کسقدر ہے اور اپنے آبائی ملت کا جوش تمہارے قلب میں کتنا سمایا ہوا ہے سو اللہ کا شکر ہے کہ تم امتحان میں میرے خیال سے زیادہ کامیاب نظر آئے مجھے اس وقت بڑی خوشی ہوئی کیونکہ تمہارا اپنے دین پر مستحکم و مضبوط ہونا مجھے معلوم ہوگیا اور تم نے ظاہر کردیا کہ تمہارے سچے دین کا مخالف کتنی ہی کوشش کیوں نہ کرے مگر تم کو اپنے طریقہ پر نہیں لاسکتا۔"

یہ میٹھے میٹھے فقرے اور بڑھاوے چڑھاوے کی باتیں جلتی ہوئی آگ پر ٹھنڈے پانی کا کام دے گئیں کیونکہ درباری نصاریٰ کے طیش اور غیظ و غضب کا جوش و خروش مسرت و فرحت کی اطمینان بخش حالت سے

بد لگیا۔خوشی کے مارے یکلخت سب کے چہرے دمکنے لگے اور تمام مولوی جنھوں نے ابھی ہرقل کو نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھا تھا اپنے باوجاہت پادشاہ اور مقتدر والی تخت کو عزت و وقعت کی نگاہ سے دیکھنے لگے اور معاً سجدہ میں گر گئے کیونکہ اس پادشاہ پرست قوم کی عادت تھی کہ اپنا محکوم و مطیع اور اپنے حاکم کا مختار و سرپرست ہونا اس ناجائز طریقہ سے ظاہر کرتے تھے۔

غرض بات رفع دفع ہوگئی اور اس کے بعد پھر ہرقل کو ہمت نہ ہوئی کہ مقدس مذہب اسلام کی تائید یا ترغیب میں کوئی کلمہ زبان سے نکالے یا خود اس برحق دین کا معترف و قائل ہوکر شرف ایمان حاصل کرے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے برگزیدہ قاصد یعنی دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کو بلایا اور کہا کہ اس عیسائی سلطنت میں ایک شخص مذہبی مقتدا و پیشوا اور علما، نصاریٰ میں نہایت معظم و محترم مولوی سمجھے جاتے ہیں جنکا نام ضغاطر ہے ان کے پاس جاکر اپنے پیغمبر کے حالات سناؤ اور دیکھو کہ وہ کیا کہتے ہیں پس اگر انھوں نے اسلام قبول کرلیا تو سمجھو کہ تمام نصاریٰ مسلمان ہوجائیں گے کیونکہ اس سمجھدار زبردست عالم کے اتباع سے کوئی عیسائی انحراف یا انکار نہیں کرسکتا۔

حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ وہاں سے اٹھے اور ضغاطر کے مکان پر گئے دیکھا کہ ایک مسن اور ضعیف العمر شخص جو بشرہ سے نہایت متین اور سنجیدہ۔تجربہ کار و فہمیدہ عالم معلوم ہوتا ہے۔بیٹھا ہوا اپنے پروردگار کی عبادت میں مشغول ہے اس لئے پاس بیٹھکر اپنے آنیکا سبب اور سفارت کا باعث بیان کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ سچے اور سادہ الفاظ میں سب کہہ سنائے اور ہرقل پادشاہ روم کا قول بھی بیان کردیا جس سے ظاہر ہوا تھا کہ ضغاطر کے اسلام لانے پر دینی ترقی موقوف اور اسلامی بڑھوتری متصور ہے۔

ضغاطر در حقیقت اپنے مذہب کا فہیم اور فقیہ مولوی تھا اس کا قلب بھی ایسا ہی صاف اور ہر وقت خدا کی بتلائی ہوئی ہدایت کے ماننے کے لئے مستعد تھا جس طرح کہ متشرع اور دیندار صورت سے ظاہر ہوتا تھا۔ضغاطر نے حضرت دحیہ کلبی کی تمام باتیں توجہ کے ساتھ سنیں اور مقدس اسلام قبول کرنے کے بعد عصا ہاتھ میں لیا اور سپید کپڑے پہنکر باہر نکلے تاکہ اپنا ایمان علی الاعلان ظاہر کریں اور سیدھے طریقہ کی لوگوں کو ہدایت و تبلیغ سے حامیانِ اسلام کے دفتر میں نام لکھائیں چنانچہ ضغاطر اپنے مکان سے چلکر سیدھے اُس کلیسا میں پہونچے جہاں علمار نصاریٰ کا مجمع تھا اور اندر پہونچکر باوازبلند کہا کہ "اے عیسائیت کے

بیدار مولویو! میں پیغمبر عربی پر ایمان لے آیا ہوں اور تمھاری خیر خواہی کی غرض سے اتنا کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ یہی وہ پیغمبر ہیں جن کی حضرت عیسیٰ روح اللہ نے خبر دی ہے اور پچھلے آسمانی مقدس صحیفوں میں بھی ان کی بشارت موجود ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ انبیاء سابقہ کی پیشینگوئی کے مصداق محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہیں تم اپنی چند روزہ حیات کو قدر کی نگاہ سے دیکھو اور اس شرفِ اسلام سے مشرف و ممتاز بنو جو حق تعالیٰ نے مجکو مرحمت فرمایا ہے۔"

یہ سچے فقرے اور مؤثر تقریر چونکہ ہرقل کی سابق نصیحت کے بالکل موافق اور قدم بقدم تھی اس لئے ثمر پیدا کرنے میں بھی اس کے ساتھ رہی یعنی ضغاطر کے یہ کلمات سنکر حاضرین جلسہ کو طیش آیا اور مذہب اسلام کی وہی عداوت بھڑکی جو ان کے دلوں میں بیٹھی ہوئی تھی کیونکہ بطلائی پیغمبر کی اطاعت کو اپنی دنیاوی وجاہت کا مانع اور سدِ راہ سمجھے ہوئے تھے۔ غرض غصہ کی وجہ سے سننے والے علماء نصاریٰ کے چہرے سرخ ہوگئے اور بیتاب ہوکر ضغاطر پر حملہ کرنے کے لئے چاروں طرف سے اس طرح دوڑ پڑے جیسے مجنون اور مخبوط الحواس غصیارہ اپنے معالج و مہربان طبیب پر حملہ کرتا ہے اور اس ضعیف العمر اور مسن مقتدا کو مارنا شروع کیا۔

حضرت ضغاطر اس سخت مار اور ضربِ شدید کے متحمل نہ ہوسکے کیونکہ عمر کہولت سے تجاوز کرچکی تھی اور اعضاء جسم کمزور پڑگئے تھے اس لئے گر گئے اور جان بحق تسلیم ہوئے کیونکہ ان بھڑکے ہوئے غصیارے نصاریٰ نے مارنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ ان کا مہربان ناصح اور خیر خواہ واعظ جس کروٹ بھی پڑا مکوں اور گھونسوں کی چوٹ کھائی اور آخر کار مخالفین حق و ظالم و جفاکار کافروں کی ایذا رسانی پر صبر کرنیوالوں کے دفتر میں نام لکھوا کر راہی ملک بقا ہوئے۔

ہرقل شاہ روم کو بھی اس قصہ کی خبر ہوئی اور اس نے سنکر سمجھ لیا کہ اگر میں نے اس سچے مذہب اسلام کا اقرار کیا تو یہی حال میرا بھی ہونا ہے یعنی ضغاطر کی طرح مجھکو بھی اپنی زندگی سے ہاتھ دھونا اور اس موجودہ عیش و آرام اور مہیا سلطنت و بادشاہت کو خیر باد کہنا پڑے گا اس لئے خاموش ہو رہا اور حضرت دحیہ کلبی تبلیغ حق اور سفارت پیغمبری کو پورا فرما کر مدینہ طیبہ واپس آگئے۔

اے کاش آخرت کی پائدار حیات اور دنیا کی فانی و ناپائیدار زندگی کو ایک ترازو میں وزن کرکے دیکھ لیا جاتا کہ کس جانب پلہ جھکتا ہے۔ دنیا کا عیش و آرام تو چند ہی روز بعد ختم ہوئے گا مگر آنکھوں کے

بند ہوتے اور قبر کے ڈو گز گڑھے میں جاتے ہی جس عالی سرکار اور شاہنشاہ کی حکومت میں داخل ہونا ہے وہ کتنا ہی خیال کو وسیع کرد اور وہم کے تیز رفتار گھوڑے کی باگ ڈھیلی کرو مگر ختم ہونے والی نہیں۔ نہ معلوم کیسی غفلت کے پردے پڑے ہوئے ہیں کہ آخرت کی پائدار اور جاوید حیات کی اَن گنت اور بے شمار مدت ذہن میں نہیں آتی اگر انسان چند منٹ خلوت میں بیٹھکر اس طرح غور کرے کہ مثلاً دنیا جیسی وسیع مملکت اناج سے لبریز ہو رہی ہے اور ایک جانور پورے ہزار برس میں ایک دانہ اس میں سے اٹھا کر کھالیتا ہے تب بھی ایک نہ ایک دن دنیا میں بھرا ہوا غلہ ضرور ختم ہو جائیگا۔ لیکن آخرت کی حیات کسی وقت میں ختم ہونے والی نہیں ہے۔ اگر یہ حالت پایہ یقین کو پہنچکر تصور و خیال میں رہا کرے تو دس ہزار بلکہ لکھو کھا سال کی ہفت اقلیم پر قبضہ و حکومت ہو تب بھی ابدی مملکت کے مقابلہ پر بیوقعت سمجھا جائے اور تھوڑی سی سمجھ والا انسان بھی اس فنا ہونے والی بادشاہت پر لات مار کر کھڑا ہو جائے کیونکہ سرقہ کے مال سے چند روز منتفع ہونا اور اس کی سزا میں برسوں جیل خانہ کی مصیبت جھیلنا عقلمند کا کام نہیں ہے مگر ہائے افسوس ہمارے پیارے مسلمانوں کو بھی اس کمبخت دنیا کی محبت نے پامال کر رکھا ہے اور اسی کی کثرت و بڑھوتری کا نام ترقی رکھا گیا ہے جسپر ہر شخص ریجھا ہوا ہے اور چاہتا ہے کہ کسی طرح قانون شریعت سے آزاد ہو جائے اور گو آخرت برباد و تباہ ہو مگر یہ مٹی کی کنکریاں زمین میں دبانے کیلئے اکھٹی ہو جائیں۔ مسلمانو! یاد رکھو کہ دنیا سب گذر جائے گی رہنے والی چیز نہیں ہے اور معاملہ ہمیشہ کے لئے اللہ تعالیٰ سے پڑنا ہے وہی نباہ مشکل ہے اُسی کی سعی و کوشش اصل ترقی ہے ورنہ یہاں سے علیحدہ ہوتے وقت اپنے محبوب مال و متاع اور مرغوب و پسندیدہ زر و زیور پر حسرت کی نگاہ ڈالو گے اور خدائی زبردست فرشتوں کے ہاتھ جبراً کھینچ بلائے جاؤ گے۔ سب یہیں رہجائے گا اور کشاں کشاں جس دربار میں مجرم بنا کر کھڑے کئے جاؤ گے وہاں آنکھیں کھل جائیں گی اور وہی کام آئیگا جو شریعت محمدی کا اتباع کر کے اپنے ساتھ ذخیرہ بنا کرے گئے ہو۔" اللہ بس باقی ہوس"

باب (۷۰)

نجاشی شاہِ حبشہ کا اسلام - دوسرا خط تبلیغ دین اور دعوتِ اسلام میں والی ملک حبش یعنی اصحمہ کے نام روانہ کیا گیا جو نصرانی المذہب تھے۔ چونکہ ذاتی صلاحیت و سعادت اور انصاف و معدلت کی قابل وقعت قابلیت سے بہرہ یاب اور آسمانی مذہب کے سچے اصول سے واقف و آگاہ تھے

اس لئے اسلامی ارکان میں بھی زیادہ تامل کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئی بلکہ آنحضرتؐ کا نامہ مبارک کا جواب لکھا جس میں نہایت آداب کے ساتھ اپنے ایمان و اطاعت اور دین اسلام کی خوبی وحقانیت کا اظہار کیا نیز چند حبشی موزے اور دیگر تحائف بطور نذرانہ کے روانہ کئے جن کو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے کمال محبت کے ساتھ قبول فرمایا۔

ملک حبش کے ہر بادشاہ کا لقب نجاشی ہوتا تھا اور یہ نجاشی جنکا ہم ذکر کر رہے ہیں حضرت اصحمہ رضی اللہ عنہ ہیں جنکی عدالت پسند حکومت شہرۂ آفاق تھی اور اسی منصف عیسائی سلطنت کے ممنون احسان ابتدائی مسلمان رہ چکے ہیں۔ یہی معدلت گستر حاکم حبش ہیں جنکے عہدِ حکومت میں حضرت عثمان اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہما تقریباً اسی صحابہ نے اہلِ مکہ کی ایذاؤں سے تنگ آکر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے کر حبشہ میں ہجرت کی تھی اور امن وعافیت کے ساتھ کئی سال گذارے تھے جس کا مفصل تذکرہ اول حصہ میں بیان ہو چکا ہے۔

حضرت اصحمہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ؐ کی زیارت کا اعزاز حاصل نہیں ہوا کیونکہ والی تخت کا اپنے دارالسلطنت سے علیحدہ ہونا کوئی معمولی اور آسان بات نہیں ہے البتہ غائبانہ اطاعت ومحبت میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی جان ودل سے اپنے دینی سپہ سالار پر نثار تھے اور رات دن جامِ شراب محبت سے سرشار۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے انتقال کے دن وحی ربانی کے ذریعہ سے خبر پاکر مدینۂ طیبہ میں اپنے صحابہ کرام کو ان کی وفات کی اطلاع دی اور عیدگاہ میں جاکر غائبانہ جنازہ کی نماز بھی پڑھی ہے کیونکہ اس وقت اللہ کے فرشتوں نے حضرت اصحمہؓ کا جنازہ اٹھاکر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لا رکھا تھا تو گویا غائبانہ نماز نہیں پڑھی گئی بلکہ باقاعدہ دوسرے مسلمان جنازوں کی طرح موجودہ جنازہ ہی پر نماز ہوئی اور اگر ایسا نہیں بھی ہوا تب بھی شاہ حبشہ کے اظہار شرف اور جناب رسالت مآب کی طرف سے خاص اعزاز کے طور پر خصوصیت پر حمل کر کے اس کا جواز ماننا پڑیگا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حضرت اصحمہ رضی اللہ عنہ نہایت نیک دل عالی حوصلہ باہمت حاکم تھے اپنے قدیمی مذہب عیسائیت کے زمانہ میں بھی عدل وانصاف۔ غربا پروری۔ مسافر نوازی میں مشہور تھے۔ جس وقت پریشان مسلمان امن وعافیت کی طلب میں حبشہ جا بسے تھے اور قریشی دشمنوں نے حضرت اصحمہؓ کے پاس اس غرض سے اپنا سفیر روانہ کیا تھا کہ مردمان فراری کو سزا دینے کے لئے واپس لائے اور شاہ حبشہ کو ان کی طرف سے

برافروختہ و بدگمان بنائے چنانچہ جس وقت قریشی قاصد نے بیچارے ہجرت کئے ہوئے بیکس مسلمانوں کا
شاہ حبش سے مطالبہ کیا تو حضرت اصحمہ رضؓ نے ان مسلمانوں کو بلایا اور دریافت کیا کہ وہ کونسا مذہب ہے
جس کے لئے تم لوگوں نے اپنے آبائی مذہب کو چھوڑ دیا اور نہ میرے مذہب کو قبول کیا ہے نہ کسی دوسرے
آسمانی مذہب کو تو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سب کی طرف سے جواب دیا تھا کہ" اے منصف بادشاہ
ہم لوگ جہالت کے دریا میں ڈوبے ہوئے تھے بتوں کو پوجتے تھے۔ مردہ کھاتے تھے جھوٹ بولنے اور
خدا پر بہتان باندھنے کے عادی تھے انسانیت سے کنارہ کش اور اپنے حقیقی محسن کے ناشکرے بنے
ہوئے تھے نعمتوں کی قدردانی اور مہمان نوازی کی رسم نہیں جانتے تھے۔ ہمارا قانون ظلم و زیادتی سے
لبریز تھا سوائے تشدد اور تعدی کے دوسرے کام سے واقف نہ تھے ہم میں کوئی خوبی ایسی نہ تھی جو
عقلمند و سمجھدار شخص کی نظر میں باوقعت اور قابل اعتبار ہو کہ یکایک حق تعالیٰ کی رحمت کے دریا میں جوش
آیا اور اُسنے محض اپنے فضل و کرم سے ہم جاہل لوگوں میں سے ایک آدمی کو کھڑا کیا جس کی ذاتی نجابت
اور نسبی یا حسبی شرافت سے سب لوگ واقف ہیں جن کی سچائی اور نیک چلنی کے دشمن بھی معترف ہیں
جس کی ایمانداری و راستگوئی کا کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا اس پسندیدہ خصلت اور ہردلعزیز پیغمبر
نے ہم لوگوں کو خدا کی وحدانیت بتلائی شرک سے باز رکھا اور بتوں کے پوجنے سے منع کیا۔ سچ بولنے
کی ہدایت کی امانت میں خیانت کرنے کو برا بتلایا۔ ہمارے مہربان واعظ نے ہمیں حکم دیا کہ عورتوں پر
تہمت نہ دھرو۔ کسی شخص پر جھوٹا بہتان نہ لگاؤ۔ یتیموں کا مال ظلماً نہ کھاؤ غرض کوئی ایسی بدعادت نہیں
جس کی اس سچے خیرخواہ رسولؐ نے برائی نہ بیان کی ہو۔ ہمارے مشفق خیرخواہ اور محسن ناصح نے یہ بھی
کہا کہ گناہوں سے بچو اپنے ایک خدا کے سامنے جھکا کرو نماز پڑھو۔ خیرات دو مسکینوں اور محتاجوں کو
رحم کی نگاہ سے دیکھو۔ رانڈوں اور بیکس بچوں یا عورتوں کے ساتھ سلوک کیا کرو۔ روزہ رکھو اور اپنے
اللہ پر ہر وقت نظر رکھو وہی سب کام بنانے والا ہے۔ چونکہ ہم لوگ اللہ کے پیغمبر پر ایمان لائے اور
اس کی ہدایتوں کو مانے ہوئے ہیں۔ ہاتھوں کی بنائی ہوئی مورتوں اور پتھر یا لکڑی کے گھڑے ہوئے
دیوتاؤں کی پرستش سے کنارہ کش ہو گئے ہیں اس لئے ہمارے ہموطن ہم لوگوں کے دشمن
بن گئے اور ہمیں صرف اس وجہ سے تکلیف و ایذا دیتے ہیں کہ ایک خدا کی عبادت چھوڑ کر ان کی
گھڑی ہوئی مورتوں کی عبادت کرنے لگیں ان لوگوں نے ہم کو یہانتک ستایا کہ مجبور ہو کر

اپنا وطن مالوف اور عزیز و اقارب چھوڑ کر تمھارے ملک میں چلے آئے۔ اب یہ لوگ یہاں بھی چین نہیں لینے دیتے اور چاہتے ہیں کہ ہم حبش کی عدل و کرم گستر مملکت کے رحم سے بھی فائدہ نہ اٹھا سکیں اور نجاشی کی مشہور شفقت و مسافر نوازی سے بھی ہاتھ اٹھالیں اور مایوس ہو جائیں۔

حضرت اصحمہؓ نے یہ پرجوش تقریر سنکر قریش کی درخواست اسیوقت نامنظور کردی تھی اور مکہ کے سفیر کو بے نیل و مرام واپس ہونا پڑا تھا مگر اس وقت تک اسلام کو بھی قبول نہیں کیا تھا اب ۶ھ ہجری میں جس وقت نامۂ مبارک ان کے نام پہونچا تو زمین قلب میں ٹھہرے ہوئے تخم نے شاخیں نکالیں اور وہ نورانی اثر چمکا جو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کی مؤثر تقریر سے دل میں بیٹھ چکا تھا اس لئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے میں حضرت اصحمہؓ نے ذرّہ برابر تامل نہیں کیا اور مضمون ہدایت مشحون کو دیکھتے ہی مقدس و برحق دین کی لازوال نعمت سے مالامال ہوگئے۔

یہی والی حبش ہیں جنھوں نے ابوسفیان کی بیٹی حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف زوجیت کا مستحق سمجھکر آپ کے لئے تجویز کیا اور مدینہ طیبہ بھیجدیا تھا کیونکہ ان کے پہلے شوہر جو حبشہ کی جانب ہجرت کئے ہوئے تھے حبش ہی میں انتقال کرگئے تھے اور یہ شریف زادی و عصمت مآب عورت بیوہ ہوگئی تھیں۔

حضرت اصحمہؓ کے انتقال کے بعد جو نجاشی تخت حبش پر بیٹھا اس کے نام بھی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے نامۂ مبارک لکھا اور مذہب اسلام کی جانب بلایا تھا مگر حال معلوم نہیں کہ کیا نتیجہ ہوا۔

گذشتہ زمانہ میں چونکہ کاغذ نہ تھا اس لئے جانور کی جھلی یا کھجور کے پٹھے یا ہڈی کے چوڑے ٹکڑے پر خطوط لکھے جاتے تھے۔ اسلام کے ابتدائی مبارک زمانہ کی کتابت کا طرز موجودہ زمانہ کے عربی خط اور نسخ کی روش کے خلاف تھا اگرچہ جدت پسند زمانہ نے دوائر اور حروف کی نشست و کرسی میں حسن و خوبی کے بڑھانیکی بہتیری کوشش کی ہے مگر بات یہ ہے کہ جو سادگی اور ملاحت مقدس اور بہتر زمانہ کی روش اور طرز تحریر میں ہے وہ کبھی حاصل ہو نہیں سکتا اور اگر کسی محبت بھرے دل سے پوچھو کہ رسول مقبول صلے اللہ علیہ وسلم کے مبارک خط کی تحریر کن آنکھوں سے دیکھنی چاہئے تو بیشک وہ بتلا سکتا ہے کہ اگر جدید روش پر مال نثار ہے تو قدیمی طرز پر قربان کرنے کیلئے جان و دل آمادہ و تیار ہے۔

اس نامۂ مبارک کا فوٹو خوش نصیبی سے مؤلف کو بھی ہاتھ آگیا جو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے

منذر بن ساوی عامل بحرین کو روانہ فرمایا تھا اور اس کی سند کے متعلق معتبر ذریعہ سے سنا گیا کہ نواح مصر کے کسی مسلمان سیاح نے اصل نامہ مبارک جس کی شکن اور بوسیدگی کے نقوش بتلاتے ہیں کہ جھلی یا کھجور کے پٹھے پر تھا ایک قبطی راہب سے گراں قیمت دیکر بدشواری مول لیا اور سلطان المعظم عبدالمجید خاں عثمانی کو تحفۃً نذر کیا تھا۔ سلطانی کرم گستری سے اس مبارک خط کے چند فوٹو ہندوستان میں بھی آئے اور پوری سعی کے بعد ایک کاپی سے مجھے بھی فخر حاصل ہوا۔

فوٹو کی اصل کاپی چونکہ میری آنکھوں کا نور ہے اس لئے کسی کو دے نہیں سکتا البتہ مخلص وعقیدتمند اہل اسلام کے لئے سفید کاغذ پر حتی الوسع احتیاط اور موافقت و مطابقت میں کوشش کے ساتھ چربہ لیکر انکی چند کاپیاں طبع کرادی ہیں تاکہ دوسرے شہروں میں رہنے والے مسلمان بھی زیارت سے بآسانی مستفیض ہوسکیں۔

اس مبارک خط کا چربہ یعنی باریک کاغذ کی نقل سفید ولایتی کاغذ پر منقش اور خوبصورت بیل بوٹے میں چھپی ہوئی ہے اور آسانی کے لئے اس کے اصل الفاظ کی نقل مروجہ خطِ نسخ میں کرادی گئی ہے اور ترجمہ معہ اسناد اور ضروری حالات اردو زبان میں لکھدیا گیا ہے تاکہ اردو خواں مسلمان بھی بآسانی پڑھ سکیں اور چونکہ اس کی بھی عزت و قدردانی منظور ہے لہذا ۸ر قیمت کردی گئی ہے تاکہ جو صاحب لیں وہ اصل تبرک کی وجہ سے عزت کی نظر نہ ڈال سکیں تو ۸ر کی مالیت سمجھکر تو مکان کی زیب وزینت بنائیں۔

اس چربہ میں اگرچہ کچھ بھی نہیں تو ابتدائی مقدس زمانہ و رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے خط و کتابت کی روش اور طرز تحریر اور دلفریب سادگی کا نمونہ مسلمانوں کو ضرور نظر آئے گا جو شیشہ دار چوکھٹے میں لگا کر اسلامی گھروں کی زیب وزینت کے علاوہ اُس خاص برکت اور تقدس کا بھی وسیلہ ہے جو ہر اس چیز میں پایا جانا ضروری ہے جسکو اللہ کے پیارے پیغمبر کی جانب کوئی نسبت یا خصوصیت حاصل ہو۔

باب (۱۷)

خسرو پرویز اور باذان۔ جس طرح رومی بادشاہ کا خطاب قیصر تھا اسیطرح بادشاہ فارس کا لقب کسریٰ تھا جو لفظ خسرو کا معرب ہے اور جس کسریٰ کا ہم ذکر بیان کر رہے ہیں اس کا نام پرویز ہے۔

یہ متکبر بادشاہ ہرمز کا بیٹا اور نوشیرواں عادل مشہور فارسی بادشاہ کا پوتا ہے اس کے نام رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے خط لکھا اور قاصد کو متنبہ کردیا تھا کہ یہ خط بحرین کے حاکم منذر بن ساوی کے

حوالہ کردیتا اور کہدیتا کہ خسرو پرویز کے پاس پہونچادے چنانچہ اسلامی سفیر نے نامہ مبارک کو منذر کو حوالہ کیا اور منذر نے شاہی دربار تک پہونچا دیا۔ بحرین بصرہ و عمان کے مابین ایک شہر ہے جہاں کسریٰ کا ماتحت حاکم صوبہ کے طور پر رہتا تھا اور اس زمانہ میں یہ حکومت منذر بن ساوی کے ہاتھ میں تھی۔

پرویز شاہ فارس نہایت مغرور اور بدمست جفاشعار بادشاہ تھا حالانکہ چار سال ہوئے قیصر کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہوچکا اور فاش شکست کھاچکا تھا مگر جو نخوت خمیر میں پڑی تھی وہ نہ گئی اور یہ بُرا انجام دکھانیوالی حالت کسی طرح اصلاح پر نہ آئی۔

یہ جفاشعار اور خود پسند حاکم اللہ کے بھیجے ہوئے پیغمبر کی اطاعت کرنا اپنے لئے ننگ و عار سمجھے ہوئے تھا جس وقت نامہ مبارک اس کے ظالم ہاتھ میں پہونچا اور اس نے دیکھا کہ عنوان نامے میں لکھا ہے "من محمد رسول اللہ الی کسریٰ عظیم فارس" "یہ خط ہے محمد رسول اللہ کی طرف سے خسرو شاہ فارس کی جانب" تو جھنجلا اُٹھا اور صرف اس غصہ میں کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا نام میرے نام سے پہلے کیوں لکھا نامہ مبارک کو پاش پاش کردیا۔

عرب کا دستور ہے کہ خطوں میں کاتب اپنا نام پہلے لکھتا ہے اور مکتوب الیہ کا نام اس کے بعد اور اسی عربی طریقہ پر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا خط بھی لکھا ہوا تھا جیسا کہ اصل نامہ مبارک کے عنوان کی نقل سے ناظرین کو واضح ہوگیا ہے۔

خسرو پرویز نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس غصہ کی دہکتی ہوئی آگ نے اس کے تن بدن میں آگ سلگادی اور اس نے اپنے یمنی صوبہ دار باذان نامی حاکم کو تاکیدی حکم لکھ بھیجا کہ حجازی خط کے مدعی نبوت کو گرفتار کرنے کے لئے فوراً ہوشیار و چالاک دو سپاہیوں کو بھیجدو تاکہ محمدؐ عربی کو ہمارے پاس جلد پہنچائیں چنانچہ باذان نے شاہی حکمنامہ کی تعمیل بھی کی اور دو سپاہیوں کو خط دیکر مدینہ طیبہ روانہ کیا جس میں لکھا تھا کہ "اے محمدؐ تم حامل خط ہذا دونوں سپاہیوں کے ساتھ خسرو پرویز شاہ فارس کے پاس چلے جاؤ"۔

مدینہ طیبہ میں کوئی دنیاوی سلطنت نہ تھی جسپر کسی مشہور مملکت کا دباؤ پڑتا یا جابر و ظالم حاکم کے ظلم و ستم کا اندیشہ ہوتا یہاں تو رحمت خداوندی کے بحر ذخار کا فیضان جاری تھا جس سے بہرہ مند ہونے اور غوطہ لگاکر سعید و ارجمند بننے کے لئے دنیا بھر کو بلایا جاتا تھا۔ یہاں اس کی پرواہی نہ تھی کہ کیسا حکمنامہ ہے اور خسرو کدھر رہتا اور کتنی فوج رکھتا ہے بطحائی پیغمبر پر کسی دنیاوی زبردست

سلطنت کی ہیبت چھانے یا رعب پڑنے کے کوئی معنی ہی نہ تھے کیونکہ یہ دینی خلافت کا دارالسلطنت یعنی مدینہ روحی حیات کا ایک زرخیز خطہ تھا جس میں داخل ہونے کی ہر شخص کو اجازت تھی اور یہ بھی پیغمبری ترحم اور قلبی شفقت وعطوفت کا ثمرہ تھا کہ محبت بھرے لفظوں میں نصیحت کی جاتی اور مخلوق کا بھلا ہونیکی سعی وکوشش ہوتی تھی ورنہ کسی کو کیا غرض ہے کہ دوسروں کی خاطر اپنے عیش وآرام کو بالائے طاق رکھکر مصیبتیں اٹھائے ایذائیں اور تکالیف برداشت کرے اور تبلیغ وہدایت کے بارِ گراں کی کفالت وذمہ داری کا حق ادا کرے غرض باذان کے بھیجے ہوئے دونوں سپاہی مدینہ میں داخل ہوئے اور حضور اقدس میں حاضر ہوکر گستاخ کسریٰ کا پیغام پہونچایا۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ فارسی قاصد کھڑے ہوئے ہیں دونوں کی ڈاڑھیاں منڈی ہوئی ہیں اور مونچھیں بڑھی ہوئی ہیں رعب رسالت اور ہیبت پیغمبری سے کپکپا رہے ہیں بدن لرز رہا ہے۔ اور شانہ کی رگیں خوف کے باعث تھراتی اور حرکت کرتی ہیں آپ کی رحیمانہ خصلت اور ناصحانہ شفقت نے یہاں بھی اپنا جلوہ دکھایا اور آپ نے نہایت ملائم ونرم الفاظ سے دریافت فرمایا کہ ایسی بُری صورت بنانے اور حقتعالیٰ کی دی ہوئی قابلِ وقار ولائق عزت ڈاڑھی کے منڈانے کا حکم تم کو کس نے دیا ہے؟ جس کا جواب قاصد نے اس طرح دیا کہ "ہمارے رب خسرو پرویز کا دیا ہوا حکم ہے" رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے رب اور سچے معبود نے تو مجکو یہ حکم دیا ہے کہ ڈاڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں کترواؤ مگر افسوس تم سچے معبود کا حکم چھوڑکر جھوٹے اور مصنوعی خدا کا کہا مانتے اور معاملہ برعکس کئے دیتے ہو

فرستادہ قاصد ایسے مرعوب اور خوف زدہ تھے کہ اچھی طرح بات بھی نہیں کر سکتے تھے بمشکل تمام اتنا لفظ کہا کہ آپ ہمارے ساتھ خسرو پادشاہ کے پاس تشریف لیچلئے ورنہ اس بہادر اور زبردست حاکم کی بدمزاجی شہرۂ آفاق ہے اگر غصہ آگیا تو تمام ملکِ عرب کو تخت وتاراج اور تباہ وبرباد کرڈالے گا مگر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت تحمل وبردباری سے کام لیا اور فرمایا "اچھا ٹھیرو کل میرے پاس آنا"۔

صبح ہوئی اور باذان کے بھیجے ہوئے دونوں سپاہی حاضر خدمت ہوئے جنکو دیکھ کر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جاؤ اپنا کام کرو جس کے پاس مجھے لیجانا چاہتے ہو وہی دنیا سے رخصت ہوگیا تمہارا پادشاہ خسرو پرویز اپنے بیٹے شیرویہ کے ہاتھوں رات قتل ہوگیا ہے" فرستادہ قاصد یہ پیشینگوئی سنکر حیران ہوگئے اور ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے تھوڑی دیر بیٹھے اور آخرکار اپنے یمنی حاکم

باذان کے پاس پہونچے تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی خبر کی تصدیق کریں کیونکہ یہ پیشینگوئی منگل کی شب دسویں جمادی الاول ۷ھ کے متعلق تھی چنانچہ انھوں نے باذان سے تمام قصہ بیان کیا اور اول سے آخر تک سارا حال کہہ سنایا۔

باذان اس عجیب پیشینگوئی سے متحیر ہوگیا کیونکہ شاہ کسریٰ کا حکمنامہ آئے ہوئے چند ہی روز گذری تھے اور کسی قسم کی علالت یا بیماری کا گمان بھی نہ تھا جس کے باعث دفعۃً قضا آجائے اس لئے باذان نے کہا کہ اگر یہ خبر سچی ہوئی تو سب سے پہلے عربی رسولؐ پر میں ایمان لاؤں گا چنانچہ چند ہی روز گذرے تھے کہ تخت فارس کے نئے گدی نشین کا پروانہ اس مضمون کا صادر ہوا کہ "فارس کے با اقتدار بادشاہ شیرویہ کی طرف سے باذان کو اطلاع دیجاتی ہے کہ خسرو پرویز چونکہ ظالم وجفا شعار بادشاہ تھا اس لئے شب کے وقت موقع پاکر میں نے اس کو مار ڈالا ہے اور اب اس عظیم الشان سلطنت کی باگ میرے ہاتھ میں ہے تمکو تمہارے عہدے پر قائم رکھا گیا ہے خدمتِ ملکی نہایت اطاعت وتابعداری سے انجام دو اور عربی مدعی نبوت کے بارے میں گرفتاری کا پروانہ جو پرویز کی طرف سے جاری کیا گیا تھا اس کو منسوخ سمجھو تا صدور حکم ثانی حجازی پیغمبر سے کسی قسم کا تعرض نکرو ورنہ سزا پاؤ گے"

باذان یہ حکمنامہ دیکھتے ہی معہ اپنے دونوں بیٹوں کے مسلمان ہوگئے اور جس قدر اہل یمن اور فارسی باشندے وہاں موجود تھے مقدس مذہب اسلام میں داخل ہوے کیونکہ ان کے نزدیک اس سے زیادہ قابل اعتبار کوئی معجزہ ہو نہیں سکتا تھا کہ ایک زبردست سلطنت کے بادشاہ اور حاکم وقت کے متعلق پیشینگوئی کی گئی اور بالکل مطابق ودرست واقع ہوئی۔

ان نومسلم فارسیوں نے اپنے مسلمان ہونے کی اطلاع رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو پہونچائی اور اس زمانہ میں شرف اسلام سے مشرف ہوئے جسکو خیر القرون اور زمانہ نبوت کہا جاتا ہے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے خسرو کو بد دعا دی تھی کہ یا اللہ اس سلطنت کو بھی پاش پاش اور اس خاندان کو پارہ پارہ کردے کیونکہ اس نے تیرے پیغمبر کے نامہ کے ساتھ گستاخی کی ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا پرویز بن ہرمز کے قاتل شیرویہ کو بھی اطمینان کے ساتھ سلطنت کرنی نصیب نہوئی اور یہ بد نصیب بھی چھ مہینے حکومت کا ذائقہ چکھکر راہی ملکِ بقا ہوا کیونکہ اس کے مقتول باپ پرویز نے اپنی زندگی سے مایوس ہوتی وقت ادویہ کے خزانہ میں سے زہر کی شیشی منگا کر اس پر لکھدیا تھا کہ انتہا درجہ کی مُبہی اور نافع دوا ہے

اس لئے جب مرگیا اور شیرویہ فرحان وشاداں تخت پر بیٹھا تو قوت باہ کی خواہش اور عورتوں کی گرویدگی کے باعث اس شیشی میں سے زہر کھا گیا جس پر اس کے دھوکہ دینے اور ہلاک کرنے کی غرض سے مقتول باپ نے یہ عبارت لکھی تھی۔

آخر کار نوشیروانی خاندان چند ہی سال میں تباہ ہو گیا۔ نحوست چھا گئی اقبال کے نورانی چہرہ نے منہ چھپالیا اور ادبار کی ظلمت پسند صورت سامنے آکھڑی ہوئی برسوں کی جمع کی ہوئی دولت دوسروں کے ہاتھ میں گئی اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد سراپا مہد میں سب ایسے تتر بتر ہوئے کہ نام ونشان بھی ملیا میٹ ہو گیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی خلافت فاروقی میں عراق کی جانب چڑھائی کرنی تھی اور اس زبردست سلطنت کا نیست ونابود ہونا تھا جس کا استحکام شہرۂ آفاق تھا اور کوئی بھی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس اٹل مملکت پر یوں دفعۃً زلزلہ آجائیگا۔

خاندان کسریٰ کی وہ زبردست سلطنت جو ہزار ہا سال سے قائم اور ایک ہی خاندان میں چلی آتی تھی اور دنیا کی سطح پر اپنا نظیر اور ثانی نہیں رکھتی تھی نامہ مبارک کی طرح پاش پاش ہو گئی اور بہت تھوڑے زمانہ میں اس گستاخی اور بے ادبی کی سزا میں نیست ونابود ہو گئی شاید تاریخی دنیا میں ایسا واقعہ کوئی دوسرا نہ ملیگا جس نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشینگوئی کی تصدیق میں اس قدر جلد پلٹا کھایا ہو اور ہمیشہ کے لئے ایسی نیست ونابود ہوئی ہو کہ کسریٰ کا کتاب کے اوراق میں نام ہی نظر آجاتا ہے ورنہ کوئی یہ بھی نہیں جانتا کہ یہ خاندان کہاں تھا اور کس کا تھا۔

قیصر روم ہرقل پادشاہ نے اگرچہ اسلام قبول نہیں کیا لیکن نامۂ مبارک کے ساتھ تعظیم واحترام کا طریق برتا اس لئے خاندان ملیا میٹ نہیں ہوا اور اگرچہ اکثر ملک اس فتحمند سلطنت کے بھی کفر کی سزا میں اہل اسلام کے قبضہ اور تصرف کے تحت میں داخل ہوئے لیکن بالکل سلطنت نہیں مٹی اور خاندانی مملکت قائم رہی۔

درحقیقت سچ ہے "بے ادب بے نصیب با ادب با نصیب"۔

اسی سال یعنی سنہ ۶ھ میں سورج گرہن ہوا اور نماز کسوف شروع ہوئی اور اسی سال حضرت خولہ رضی اللہ عنہا کا اپنے خاوند کے ظہار کی شکایت اور قد سمع اللہ سورہ مجادلہ کے نزول کا قصہ ہوا اور نیز اسی سنہ میں حضرت عایشہ صدیقہ وحضرت عبدالرحمن بن ابی بکر رضی اللہ عنہا کی والدہ ماجدہ یعنی حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا کا انتقال ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

باب ۲۷

اسلام کی چھٹی جنگ (خیبر) - یہودی قومیں باوجودیکہ مسلمانوں کے ہاتھوں تباہ و برباد ہو چکی اور ہمیشہ شکست و ہزیمت پاتی ہیں۔ مگر اسلام اور اہل اسلام کی مخالفت سے باز نہ آئیں بلکہ جوں جوں زک اٹھاتے تھے ووں ووں زیادہ دشمن بنتے اور انتقام لینے کی موہوم امید پر سرگرم و مستعد ہونے کی کوشش کرتے تھے۔ مدینۃ الرسول سے جانب شمال و مشرق پانچ چھ دن کی راہ یعنی چھیانوے ۹۶ میل کے فاصلہ پر سات قلعے نہایت مضبوط و مستحکم انہیں یہود کے واقع تھے جنکو زمانہ کی ضرورت کے مطابق ہر قسم کی حفاظت کے سامان سے آراستہ کر رکھا تھا یہ ساتوں قلعے خیبر کے نام سے مشہور تھے کیونکہ خیبر اس ملیقی شخص کا نام تھا جو سب سے پہلے اس زمین پر آکر آباد ہوا تھا۔

خیبر کے یہودیوں کو مسلمانوں کے ساتھ سخت عداوت تھی اور جب ان کے بھائی بنی نضیر و بنی قریظہ اُن میں آبسے تو ان کی عداوت کی آگ یہانتک شعلہ زن ہوئی کہ عرب کے ریگستانی بدو اور دہقانی وحشی قوموں کو بھڑکانے اور مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے ایک زبردست فوج تیار کرنیکے درپے ہوئے کیونکہ ان یہودیوں کو چند بدو قوموں کے ساتھ ایک مدت سے ایسا میل جول اور اتحاد و ارتباط قائم تھا جس کی بنا پر ان کو اپنے خیال میں کامیاب ہو جانیکا گویا یقین ہو چکا تھا۔

اس سے پہلے کہ یہودی قومیں اپنے من گھڑت منصوبہ کو پورا کریں مسلمانوں کو مناسب ہی نہیں بلکہ ضروری تھا کہ اس کا دفعیہ کریں اور خیبری یہودیوں کو بھی اسلامی صیقلدار تلوار اور آسمانی نصرت و فتح اور غیبی قوت و شوکت کی حیران بنادینے والی بہار دکھلادیں تاکہ مقدس مذہب اسلام کی چوبڑ سڑک خس و خاشاک سے پاک صاف ہو کر اپنی آنیوالی نسلوں کے لئے آرام و آسایش کا راستہ بنجاوے چنانچہ میدان حدیبیہ سے واپس ہو کر ایک مہینہ اور چند یوم یعنی ۶ھ ہجری کے آخر مہینہ ذی الحجہ اور ۷ھ کے نصف ماہ محرم تک اسلامی لشکر نے اپنے دارالسلطنت یعنی معزز و محترم شہر مدینۃ الرسول میں قیام کیا اور ۲۰ یا ۲ محرم الحرام کو ایک ہزار چار سو (۱۴۰۰) مسلح سپاہ نے اپنے برگزیدہ سپہ سالار یعنی اللہ کے پیارے پیغمبر کی ماتحتی میں خیبر کی جانب کوچ کیا۔

خیبری یہود اپنی حفاظت و نگہبانی سے غافل نہ تھے اور چونکہ اسلامی لشکر کا ہونیوالا حملہ اُن کو معلوم بھی ہو چکا تھا اس لئے پیش بندی کے طور پر چوکی پہرہ سے ہوشیار اور تشویش و پریشانی کے باعث

بے اطمینانی کی نیند سوتے تھے۔ شب کے وقت قلعہ سے باہر متعدد سپاہی حفاظت کے لئے متعین تھے جو تمام شب جاگتے اور باری باری قلعہ کی چار دیواری کے گرد گشت کرکے پہرہ دیا کرتے تھے کیونکہ ان کو چند روز سے ہر وقت اس کا اندیشہ تھا کہ خدا جانے مسلمان کس وقت آپہونچیں اور دھوکہ یا فریب کیساتھ شب کے وقت سوتے ہوئے مردوں اور عورتوں پر چھاپہ ماردیں مگر یہ خیال بالکل غلط تھا کیونکہ اسلامی بہادر سپاہیوں نے یہ بات اپنی حمیت شجاعت کے بالکل خلاف سمجھ رکھی تھی کہ بیخبری کی حالت میں دشمن پر حملہ کیا جائے یا اچانک چھاپہ مارنے کو فتح و نصرت اور غلبہ و شوکت کا ذریعہ گردانا جائے بہرحال جو کچھ بھی ہو عقل و تدبیر اور دوراندیشی و پیش بینی کی حیثیت سے جو کچھ بھی انتظام ہونا چاہئے تھا وہ سب خیبری یہود نے کر رکھا تھا مگر خدا کی شان ہے کہ جس صبح کو اسلامی سپاہ کا عالمگیر جھنڈا خیبر کے میدان میں لہراتا ہوا نظر آیا ہے اُس شب کو سب غافل پڑے سوتے تھے اور بڑا اچھا موقع تھا کہ اگر ایسی حالت میں کسی غنیم پر حملہ کرنا روا سمجھا جاتا تو قوم یہود میں کوئی متنفس حجازی خطہ کا باشندہ باقی نہ رہتا لیکن رحم دل اور شفیق پیغمبر نے نہ کبھی ایسا گوارا کیا اور نہ اپنے مقلدین و متبعین میں کسی کو اس کی اجازت دی۔

اسلامی مبارک لشکر جس وقت خیبر کے قریب پہونچا ہے رات کا وقت تھا جنگل میں سناٹا چھایا ہوا تھا خدا کی ہوائی مخلوق اپنے آشیانوں میں بسیرا کئے ہوئے تھی حجاز کا ریگستان سنسان اور خاموشی کے عالم میں ناوقت آنے والے جرار لشکر کو ششدر رشسدر تک رہا تھا۔

عربی پہاڑیاں گھوڑوں کی ہنہناہٹ سے کبھی کبھی گونج اٹھتی تھیں اور پتھریلی زمین کی کنکریاں صبا رفتار چوپایوں کے سموں اور صحابہ کرام کے مبارک قدموں کے نیچے مسلی جاتی تھیں مگر حالت سکوت میں متحیر تھیں اور چونکہ آخری مہینہ کی راتیں تھیں اس لئے زمین کو روشن کرنے والے ماہتاب نے ابھی تھوڑی دیر ہوئی یہ عجیب سماں جھانکنے کو مشرق کے پردہ سے منہ نکالا ہے اور جوں جوں اسلامی لشکر بہادرانہ رفتار سے قدم اٹھاتا خیبر کے قلعوں کی طرف رُخ کئے جارہا تھا وہ وں وں یہ مشتاق جمال بھی اوپر چڑھتا اور تاریک راتوں کو منور بناتا چلا جاتا تھا تاکہ ان برکت والے مسافروں کے راستہ کو اپنی پلکوں کی جھاڑو سے صاف کرے اور اپنی جھلکتی ہوئی شعاعوں سے اللہ کے سچے پیغمبر کے مقدس قدموں کو چوم لینے کا فخر حاصل کرے یہاں تک کہ خیبری قلعہ قریب آگیا اور رات کا سناٹا جاتا ہوا نظر نہ آیا اس لئے اسلامی سپہ سالار نے اپنی فرمانبردار فوج کو میدان ہی میں ٹھیر کر شب گذارنیکا حکم سنادیا کیونکہ ایسے وقت میں حملہ کرنا

غیرانہ بہادری کے بالکل خلاف اور اسلامی شان شجاعت پر عیب لگانیوالا تھا چنانچہ مسلمان فوج نے وہیں قیام کیا اور اپنے پاک اور سچے ایک خدا کی یاد میں رات کا باقی حصہ تمام کیا۔

رات ختم ہوئی اور اب عالمتاب آفتاب نے جنگ کا ہولناک منظر دیکھنے کے لئے آسمان کے کنارے پر آنا چاہا کیونکہ ادھر خیبری یہودا پنے آلات زراعت کاندھوں پر رکھے قلعہ کے پھاٹک سے نکلنے شروع ہوئے اور ادھر فجر کی نماز سے فارغ ہوتے ہی ہمایوں ظفر اسلامی لشکر نے محفوظ و مستحکم قلعوں کے مسمار کرنیکا قصد کرکے اطمینان کی رفتار کے ساتھ شہر میں داخل ہونا شروع کیا اور ایک دوسرے کا عین اس وقت سامنا ہوا جبکہ مشاغل دنیاوی میں مصروف اور اپنے اپنے کاروبار میں مشغول ہونیکا وقت آچکا تھا۔

عربی زبان میں خمیس اس مکمل لشکر کو کہا جاتا ہے جس میں فوج کے پانچوں حصے یعنی مقدمہ (آگے کا رسالہ) ساقہ (پیچھے کا رسالہ) اور میمنہ (داہنا رسالہ) میسرہ (بایاں رسالہ) اور قلب یعنی درمیانی فوجی حصہ سب موجود ہوا اور چونکہ یہ اسلامی لشکر پانچوں رسالوں سے بھرپور تھا اس لئے بیخبر یہودی اس کو دیکھتے ہی حیران ہوگئے اور قلعہ کے پھاٹک سے باہر نکلکر اسلامی مسلح فوج کو دیکھتے ہی حیران ہوگئے اور چلا اُٹھے کہ "محمد والخمیس" لوگو دوڑو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پورا لشکر لیکر چڑھ آئے۔ اس پریشان حال یہودی نے کچھ ایسی گھبرائی ہوئی آواز سے یہ لفظ پکارے کہ سب کے کان کھڑے ہوگئے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے بے تحاشہ چیخنے والے یہودی کی آواز سنکر جواب دیا کہ "آج خیبر کے خراب ہونے کا دن آگیا ہم جس میدان میں بھی اُترتے ہیں وہاں کی کافر مخلوق کو ہونے والی صبح بُرا وقت دکھاتی ہے۔

خیبری یہودیوں نے دیکھا کہ بہادر مسلمان ایسے وقت سر پر آپہونچے کہ نہ لڑنے کی طاقت ہے نہ بھاگنے کی ہمت۔ اس لئے شہر کے وسیع بازار میں اِدھر اُدھر پھیل پڑے تاکہ یکجائی قوت کے ساتھ مقابلہ کرنے کا بُرا وقت دیکھنا نصیب نہوا اور اس عارضی انتشار کی بدولت عزیز جانیں تلف ہونیسے بچ جائیں۔ مگر جب کسی قوم کی بربادی و تباہی یا ذلت و خواری کا وقت آجاتا ہے تو کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوسکتی چنانچہ اسلامی لشکر نے آگے بڑھ کر عین بازار میں قتل و قتال شروع کر دیا اور جو بدنصیب یہودی جہاں بھی ملا وہیں کام آیا یہانتک کہ جنکو مرنا تھا مرچکے اور جو بچے وہ نہایت بے سروسامانی کے ساتھ قلعہ کی جانب بھاگے اور اندر گھسکر وہ مضبوط و مستحکم پھاٹک بند کرلیا جس کا کھولنا یا توڑنا کوئی آسان کام نہ تھا۔

اسلامی لشکر نے چاروں طرف سے قلعہ کو گھیر لیا اور محاصرہ میں بند ہو جانے والے یہودیوں کو باہر نکلنے اور جھانکنے تک کی بھی مہلت نہ دی آخر یہ لوگ تنگ آ گئے اور صلح کا پیام وسلام شروع ہونے لگا کیونکہ درحقیقت ان بدنصیب لوگوں کو اپنی دنیاوی زندگی کے قائم رکھنے کے لئے اس سے بہتر کوئی تدبیر نہ تھی چنانچہ مصالحت کے بعد قلعہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

خیبر کے سات قلعوں میں سب سے پہلا قلعہ جس پر مسلمانوں کا قبضہ ہوا وہ قلعہ ہے جس کا نام "ناعم" ہے اور اس کے بعد یکے بعد دیگرے یہ قلعے نہایت آسانی کے ساتھ فتح ہوتے رہے البتہ قموص نامی قلعہ کے یہودیوں نے مصالحت کے ساتھ قلعہ کا چھوڑنا اپنی جرأت وشجاعت کے خلاف اور باعث ننگ وعار سمجھا اس لئے دونوں جانب جنگ کی تیاری ہو گئی اور ہر فریق فیصلہ کر دینے والی صبح کے انتظار میں رات گذارنے کے لئے اپنی اپنی چھاونی میں آ ٹھیرا۔

ہم بیان کر چکے ہیں کہ خیبری یہودیوں کو آس پاس کے بدؤں اور ریگستانی لٹیروں کی مدد پر پورا اعتماد تھا۔ اور ایک یہی موہوم خیال تھا جس نے آج یہ بُرا دن دکھایا کیونکہ انھوں نے اپنے مددگاروں سے کمک مانگی اور کہلا بھیجا تھا کہ پیارے دوستو اور شیر دل مددگار و اسلامی لشکر نے ہم پر حملہ کر دیا ہے چلو اور وقت پڑے پر ہماری مدد کرو۔ چنانچہ قوم بنی فزارہ ان بیکس اور بدنصیب یہودیوں کی مدد کو دوڑی بھی لیکن مسلمانوں نے اس مددگار فوج کو پریشان ومنتشر کر دیا اس لئے یہ یہودیوں کی مدد کو نہ آ سکی اور الٹے پاؤں پھر گئی۔

اب ان یہودیوں کا سارا منصوبہ ٹوٹ چکا تھا کیونکہ بے یار ومددگار لڑ کر کامیاب ہونیکا خیال بھی نہیں ہو سکتا تھا مگر پھر بھی قلعہ قموص کے یہودیوں نے اپنے جان وجی سے ہاتھ دھو کر لڑنے کا مصمم قصد کر لیا اور گو مسلمانوں نے صلح کی شرطیں پیش کیں لیکن ان لوگوں نے قبول نہیں کیں اور کہلا بھیجا کہ "فیصلہ کر دینے والی تلوار جب تک ہم میں اور تم میں کوئی قطعی فیصلہ نہ کر دے اس وقت تک ہم اپنے خیال سے باز آنے والے نہیں ہیں" چنانچہ آفتاب نے صبح کے سہانے وقت پر خیبری قلعہ کی ویرانی دیکھنے کے شوق میں مغربی پردہ کے اندر منہ چھپا لیا اور اسلامی لشکر کے بہادر سپاہیوں کو اس انتظار میں رات کاٹنی مشکل پڑ گئی کہ کب صبح ہو اور کب جام شہادت نوش کریں۔ یا قموص پر اپنا مبارک جھنڈا دل آویز جھونکے لیتا ہوا دیکھیں۔

اسلامی لشکر کے خیبر کی جانب روانہ ہوتے وقت حضرت علی کرم اللہ وجہہ آشوبِ چشم میں مبتلا ہونے کی وجہ سے لشکر کے ساتھ نہ آسکے اور پیچھے رہ گئے تھے مگر چونکہ پیارے رسول کی مفارقت اور مذہبی جنگ سے علیحدگی گوارا نہیں ہو سکتی تھی اس لئے لشکر کے کوچ کرنے کے بعد اسی حال میں چل کھڑے ہوئے اور فوج سے آملے تھے کیونکہ اللہ پاک کو آج قلعہ قموص کی فتحمندی کا نشان انہیں کے مبارک ہاتھوں میں دینا منظور تھا شب کے وقت جبکہ ہر مسلمان سپاہی اس کا متمنی تھا کہ صبح کو قموص پر پہلا حملہ میرا ہو۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "صبح ہوتے سرداری کا فتحمند جھنڈا ایسے شخص کو دیا جائیگا جس کو اللہ اور اللہ کا رسول دوست رکھتا ہے" چنانچہ جس وقت آفتاب افقِ مشرق پر برآمد ہوا اسلامی لشکر کے بہادر مسلمانوں کی مشتاق و امیدوار نظریں جھنڈے کی جانب اٹھیں مگر جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی طلبی سنی اور معلوم ہوا کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم شیرِ خدا کو بلاتے اور جھنڈا دینا چاہتے ہیں تو اطاعت پسند قلب اور مطیع و فرمانبردار سر کو جھکا کر خاموش ہو گئے چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ حاضر ہوئے اور آشوبِ چشم کا اظہار کر کے حکم کے منتظر دست بستہ کھڑے ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعاب دہنِ مبارک ان کی آنکھوں کو لگا دیا کیونکہ درحقیقت اس مبارک و مقدس دوا اور مسلمان قلب کے لئے اس قابل فخر علاج سے بہتر کوئی علاج نہیں اور درحقیقت اس علاج کا سریع الاثر ہونا اس عقیدت کو مؤکد بھی کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی آنکھیں فوراً صاف ہو گئیں اور حضرت اسد اللہ فتحمند نشان ہاتھ میں لیکر اپنے سپہ سالار کی چند ہدایتیں اور جنگی امور کے متعلق نصیحتیں سنکر قموص کی جانب روانہ ہوئے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسد اللہ کو نصیحت کی تھی کہ " جنگ میں ابتدا نہ کرنا اول اپنے غنیم کو پیدا کرنے والے خدا کے حقوق سے خبردار کرنا اور اُس مذہب اسلام کی جانب بلانا جسکی تائید کے لئے تم لڑنے آئے ہو یاد رکھو کہ تمہارے ذریعہ سے ایک کافر کا مسلمان ہو جانا اور ایک بددین گنہگار کا امرِ حق کو قبول کر لینا دنیا بھر کے مال و متاع سے بہتر ہے۔ ہاں اگر سچے معبود کے مقدس ارشاد سے انکار کریں تو اس وقت ہاتھ اٹھانا اور اللہ کا بول بالا کرنے کے لئے جان دینے کو آسان سمجھنا"۔ چنانچہ حضرت اسد اللہ اپنے پیارے پیغمبر کی دعاؤں کا ہر دلعزیز اور بے بہا تاج سر پر رکھکر اسلامی فوج کو ساتھ لیکر قموص پر حملہ آور ہوئے اور جنگ شروع کی۔

صبح کا سہانا وقت یتیم ہونے والے یہودی بچوں اور بیوہ ہونے والی یہودنوں کو کچھ عجیب حسرت بھری نظروں سے تک رہا تھا آفتاب عنقریب لالہ زار ہونیوالی سفید ریگستانی زمین کو جھانک جھانک دیکھ رہا اور اوپر اٹھتا چلا آتا تھا کہ مرحب نامی یہودی جو شجاعت و قوت میں مشہور اور زور و طاقت میں زبان زد تھا آمادۂ پیکار سامنے آکھڑا ہوا اور نشۂ تکبر میں بدمست ہو ہو کر حملہ کرنے لگا کیونکہ خود اسکو بھی اپنی دلیری و فطرت پر گھمنڈ اور تدبیر جنگ کی واقفیت و آگاہی پر ناز تھا مگر افسوس کہ وہ غرور بہت جلد خاک کے نیچے مدفون ہو گیا کیونکہ اسد اللہ کے حملہ کی تاب نہ لا سکا اور پہلے ہی وار کے کاری زخم سے گھبرا کر جان ملک الموت کے حوالہ کی۔

مرحب کے قتل ہونیکے بعد بدنصیب یہودیوں کے چھ سردار جو میدان جنگ میں داد شجاعت دینے کی قابلیت رکھتے تھے یکے بعد دیگرے مقابلہ کیلئے آئے اور حضرت اسد اللہ کے ہاتھوں قتل ہو کر اپنے پہلے غمگسار مرحب کی بغل میں پڑ کر ہمیشہ کی نیند سو گئے آخر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا ثمرہ اور پیشینگوئی کا نتیجہ ظاہر ہونیکا وقت آگیا اور رات کی تاریک چادر کے پھیلنے سے پہلے پہلے سب میں زیادہ مضبوط و مستحکم قلعہ قموص پر بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

اگرچہ حدیث میں کہیں ذکر نہیں مگر بعض کتب تواریخ میں لکھا ہے کہ اسی جنگ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے عین مقابلہ کیوقت اپنی سپر کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر جانیکے باعث قلعہ قموص کا وہ گراں بار کواڑ اکھاڑ کر سپر کی جگہ سامنے رکھا جس کو سات آدمی بھی نہ پھیر سکتے تھے اور تمام دن اس بھاری بوجھ کو ہاتھ میں تھام کر شام کیوقت جنگ سے فارغ ہو کر اسی بالشت کے فاصلہ پر اسطرح پھینک دیا جیسے کسی ہلکی ڈھال کو پھینکدیا جاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ بہرحال جب تمام قلعے مسلمانوں کے قبضہ میں آگئے اور یہود نے دیکھا کہ ہمارے عمدہ سے عمدہ اور مضبوط سے مضبوط قلعہ پر بھی اسلامی پھریرا لہرا رہا ہے تو جانوں سے مایوس ہو گئے اور چار و ناچار معافی اور امن کی درخواست کی۔

یا تو وہ وقت تھا کہ مسلمانوں کی بھیجی ہوئی شرائط صلح کو اس بدنصیب قوم نے رد کر دیا تھا اور یا یہ وقت ہے کہ عاجزانہ طور پر سائل بنے کھڑے اور جان بخشی کی درخواست کر رہے ہیں اور گو ان کی بغاوت و شرارت ان کو پوری سزا کا مستحق بنا چکی تھی مگر پھر بھی شفیق و باعدل پیغمبر کی رحیمانہ خصلت نے انپر توجہ کی اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت سیر چشمی و عالی حوصلگی کے ساتھ ان کی امن و معافی کی درخواست

منظور فرمالیا بلکہ عام اجازت دیدی کہ چاندی سونے یعنی نقدی اور زیورات کے علاوہ اشیا منقولہ میں سے جو کچھ چوپایوں پر لاد کر لیجا سکو وہ لیجاؤ اور جدھر منہ سر سمائے چلے جاؤ مگر اس کا ضرور خیال رکھو کہ اس شرط کے خلاف نہونے پائے یعنی زیورات یا نقدی میں سے کوئی شئے چھپا کر یا چوری سے کوئی یہودی نہ لیجائے ورنہ شرط مصالحت کی خلاف ورزی کے مرتکب اور غادر و خائن سمجھے جاؤگے اور ذمہ عہد و پیمان کے احاطہ سے خارج شمار ہوکر اپنی اس سزا کو پہونچوگے جس کے نتیجہ سے ڈرتے اور معافی دامن کی درخواست کرتے ہو۔

کتابوں کے دیکھنے اور گذشتہ واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ بدنصیب یہودیوں کو عہد پورا یا وعدہ وفا کرنیکا بہت کم اتفاق ہوا ہے چنانچہ اس موقعہ پر بھی یہ لوگ اپنی چالاکی سے باز نہ آئے اور حییؔ بن اخطب نے کیسۂ زر یعنی زیورات کا تھیلہ چھپا کر اپنے اسباب میں باندھ لیا مگر چونکہ اسلامی لشکر کی نظروں میں آچکا تھا اس لئے اس کی تلاش ہوئی اور آخرکار اس جھوٹے اور مکار یہودی کے اسباب میں ملا جو اپنی ناواقفی کا اظہار کرچکا اور کہہ چکا تھا کہ وہ تمام زیورات مصارف جنگ میں برابر ہوگئے۔

اس صریح وعدہ خلافی اور بدعہدی کے باعث شرط مقررہ کے بموجب عہد مصالحت ٹوٹ گیا اور عورتوں بچوں کے سوائے اس خاندان کے تمام لڑنے والے یہودی تہ تیغ کردیئے گئے۔ عورتیں باندیاں بنائی گئیں بچے غلام ہوئے۔ اسی واقعہ یعنی جنگ قموص میں حییؔ بن اخطب کی بیٹی صفیہ جنکا خاوند کنانہ بن ربیع یہودی جنگ میں مارا گیا تھا معہ اپنی چچازاد بہن کے گرفتار ہوکر اسلامی لشکر کے قبضہ میں آئیں اور چونکہ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں تھیں اس لئے نبی زادی ہونیکے باعث نبی کے علاوہ دوسرے کیلئے سزاوار بھی نہ تھیں چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنے لئے منتخب فرمایا اور آزاد کرنیکے بعد شرف زوجیت سے مشرف فرمایا۔

جنگ سے واپسی میں مقام سد الصہبار پر پہونچکر ولیمہ کیا اور دسترخوان بچھا کر موجودہ توشہ یعنی پنیر چھوارے اور گھی کا سادہ مالیدہ مسلمانوں کو کھلا دیا جس میں گوشت یا روٹی کا نام بھی نہ تھا۔

کہتے ہیں کہ ان کا پہلا نام زینب ہے اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لئے اصطفا یعنی انتخاب فرمایا تھا اس لئے صفیہؓ نام ہوا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

یہودی کی بدعہدی و بیوفائی ظاہر ہونے کے بعد خیبری قلعوں کے دوسرے یہودیوں کو جو ہر طرح

مسلمانوں کے قبضہ میں آ چکے تھے خیبر سے جلا وطن ہو جانیکا حکم ہوا اوران کے باغات وزمین سب ضبط کر لئے گئے مگر چونکہ انھوں نے نہایت عاجزی کے ساتھ گڑ گڑا کر مسلمانوں کے ماتحت رہنے کا وعدہ کیا اور اس طرح درخواست کی کہ " اے مسلمانوں کے رحمدل بادشاہ ہمیں اپنے مفتوحہ باغات اور مقبوضہ زمین میں زراعت کرنے کے لئے مزدور سمجھکر جلا وطنی کا حکم واپس لیلو ہمیں اس قدیمی مسکن اور مانوس جگہ میں خراجگذار رعایا بنکر رہنے کی اجازت دیدو" اس لئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ درخواست منظور فرمائی یعنی خیبری شاداب زمین میں بٹائی پر خدمت کے لئے یہود کو قائم رکھا اور کہدیا کہ ہماری مفتوحہ ومملوکہ اراضی میں تمھاری زراعت وکاشتکاری کی محنت کا منصفانہ حق یہ ہے کہ پیداوار میں نصف بحق زمین ہمارا حق ہے اور نصف پیداوار بحق کاشت تمھارا حق البتہ زمین کا کوئی قطعہ کسی وقت میں تمھارا موروثی نہیں ہو سکتا مسلمانوں کو ہر وقت پورا اختیار ہے کہ جس وقت چاہیں تم سے زمین کو علیحدہ کریں یا تمکو خیبر سے نکال باہر کریں کیونکہ اس وقت تمھارے ساتھ یہ سلوک واحسان کا برتاؤ اس لئے نہیں ہے کہ ہم یہاں سے واپس ہوتے ہی بے اختیار یا تمھارے معاملہ میں مجبور ہو جائیں۔ چنانچہ یہود خیبر کا یہ معاملہ کئی سال تک قائم رہا آخر اسی استثنا شرط کے بموجب خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے عہدِ خلافت میں ان یہودیوں کو ملک شام کی طرف جلا وطن کر دیا اور حجازی خطہ کو مسلمانوں کے علاوہ ہر مذہب وملت سے پاک وصاف بنا دیا۔

بٹائی کے معاملہ کو عربی زبان میں مخابرہ کہتے ہیں۔ یہ مخابرہ کا لفظ خیبر ہی سے مشتق ہے کیونکہ یہ معاملہ خیبر کی اس سرسبز وشاداب زمین کے متعلق یہود خیبر کے ساتھ ہوا تھا جس کے چھوارے ابتک مشہور ہیں غرض رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنی عدی کے ایک مسلمان صحابی کو جنکا نام سوادؓ بن مشتر ہے خیبر کا عامل یعنی اس خراج کا محصل مقرر فرمایا اور ہمایوں ظفر لشکر نے فائز المرام مراجعت فرمائی۔

خیبری یہود کے جان ومال کی حفاظت چونکہ اس وقت سے مسلمانوں کے ذمہ تھی اس لئے اسلامی سلطنت کے باجگذار قرار پاکر اسقدر آزادی کے ساتھ اپنے مذہبی امور کا برتنا جیساکہ زمانہ قیام تک انھوں نے برتا کسی دوسری با اختیار سلطنت میں مشکل سے ملے گا۔

باب ۳۷

خیبر کے واقعات - حجازی ریگستان اور عرب کی ریتلی زمین دنیا میں مشہور ہے کیونکہ اس خشک وچٹیل میدان کے ریتیلے تودے اسوقت بھی جبکہ یہ سطح زمین انسانی نسل اور آدم کی اولاد سے بسائی گئی تھی غالباً اسی کثرت سے تھے جس میں بیسیوں آنے جانے والے قافلہ ایسے تباہ و برباد ہو چکے ہیں جنکی بوسیدہ ہڈیاں بھی برسوں کے بعد نظر آئی ہیں -

اس لق ودق چٹ پڑ بیابان یا پہاڑی سنگستان اور پتھریلی بے آب وگیاہ زمین پر چلنا ان بطحائی اونٹوں ہی کا کام ہے جنکو ایک مرتبہ پانی کا پی لینا آٹھ آٹھ دن کے لئے کافی ہوجاتا ہے اور سوکھی گھاس یا کانٹے دار درختوں کے پتوں کا تھوڑی دیر چبا لینا کئی کئی وقت تک آب ودانہ سے بے پروا بنا دیتا ہے -

یہ صابر و کم خوراک چوپایہ جیسا اپنی صورت میں بے ڈول و بدنما کہلاتا ہے ایسا ہی ان دشوار گذار گھاٹیوں میں مسافروں کو آرام پہونچانے کی غرض سے قدر و محبت کی نظر سے دیکھا جاتا اور مایہ حیات و وسیلہ نجات سمجھا جاتا ہے کیونکہ یہی مسکین جانور ہے جو سوائے لادے جانیکے وقت اپنی عادت کے موافق بڑ بڑا لینے کے خاردار جھاڑیوں میں گھسنے یا ناہموار زمین کی نہایت تنگ بٹیا پر چلنے سے بھی نہیں ہرہراتا - اس کے نرم موزے اور قدم کی چوڑی مگر ملایم کھال سنگریزوں کی سہار کرتی اور بھوبل کی طرح جلنے والے گرم ریت کی تپش کو برداشت کرجاتی ہے - اہل عرب کی ساری جائداد بھی جانور ہیں اور ہر حجازی النسل باشندے کی امارت و تمول اسی پر موقوف ہے اسی پر اُن کے تجارتی سفر اور دیگر ممالک کے اسباب و اموال کی آمد و رفت کا دار و مدار ہے اور یہی ان کی آمدنی اور منافع کا وہ گو ہر بے بہا ہے جس سے ان کو کبھی استغنا نہیں -

ان باوقعت چوپایوں کی قطار جس وقت حجازی ملک کے راستوں میں قدم رکھتی ہے تو اس میانہ رفتار اور خاص قسم کے ناز کی چال چلتی ہے جو میلوں ایک حالت پر قائم رہتی ہے - عرب کے باشندے ابتدا سے اس خصلت کے خوگر ہیں کہ اس گرم ملک کے دن کی لُو اور دھوپ کی تپش سے بچنے کیلئے شب کو سفر کرتے اور دن کو کسی ضرورت رفع کردینے والے سایہ دار درختوں کے سایہ میں ٹھیر جاتے ہیں تاکہ رات بھر کی تکان اس تھوڑی دیر کے قیام و آرام سے رفع کریں اور دوسری شب کے سفر کے لئے چست و چالاک ہوجائیں - اگرچہ اس خشک ملک میں سوائے کیکر اور بیری یا کھجور کے

دوسرے درخت کا نشان بھی نظر نہیں آتا اور اکثر میدان اس سے بھی خالی پائے جاتے ہیں مگر پھر بھی سوکھی ہوئی جھاڑی کے نیچے بالشت برابر سایہ بھی ایسی محبت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے کہ ہندوستان والوں کو ہرے بھرے باغ سے بھی اتنی رغبت نہ ہوگی۔

عربی قافلہ کی یہ بھی عادت ہے کہ سفر کرتے وقت کوئی خوش الحان اور بلند آواز بدو اپنی فصیح زبان میں اشعار پڑھتا اور مقفی و مسجع کلام گاتا ہوا چلتا ہے۔ جس کی دل لبھانیوالی آواز اور بیہوش کردینے والے لہجہ سے جانور تک مست ہوجاتے ہیں۔ یہ سریلی آواز تھکے ماندے اونٹوں اور ان پر سوار ہونیوالوں کو ایسا مدہوش بنادیتی ہے کہ گھنٹوں کا راستہ منٹوں میں طے ہوتا ہے اور کسی کو تکان یا کسل محسوس بھی نہیں ہوتا اچھی آواز کی مقناطیسی کشش اور خوش الحانی کی قدرتی انجذاب سے غالباً کوئی طبیعت ناآشنا نہ ہوگی کیونکہ اس بے طرح قتل کرنے والی غیبی کٹار کی چمک کے ہر شخص کو کچھ نہ کچھ دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے اور در حقیقت اسی دل پر چوٹ مارنے والی خوش الحانی نے نازک دل انسان ہی کے نہیں بلکہ حجازی خطہ میں صف باندھ کر چلنے والے اونٹوں کے اکثر جگر شق کردیئے ہیں اس سریلی آواز میں گانے کا نام عربی زبان میں حدی ہے اور یہ چوپائے اکثر حدی کے سنتے سنتے یکلخت گرگئے اور فوراً مرجانے کے باعث سینہ چاک کرکے دیکھا گیا تو کلیجے کے ٹکڑے ٹکڑے نظر آئے ہیں کیونکہ اس قدرتی تاثیر نے اپنے گراں بار اثر سے اول مست و سرشار بنایا اور پھر مدہوش و غافل کرنے کے بعد ترقی کرجانے کی وجہ سے جگر پھاڑ دیا ہے۔

جس وقت یہ چودہ سو مسلمانوں کا اسلامی لشکر خیبر کی جانب جارہا تھا اس وقت قافلہ میں حُدی پڑھنے والے ایک باعزت صحابی تھے جنکا مبارک نام حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ ہے۔ یہ عربی نژاد مسلمان نہایت خوش الحان تھے ان کی بلند آوازی اور سریلے لہجہ نے وہ کام کیا جو لحن داؤدی کا نمونہ تھا۔ قافلہ کا ہر سوار اس مقناطیسی کشش سے متاثر تھا اور سواریوں کے چوپائے جھوم جھوم کر مستانہ چال کے ساتھ لمبے لمبے قدم بڑھائے جارہے تھے۔ ہر ذی حیات مخلوق پر ایک وجد کی حالت طاری تھی کہ یکایک رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ سایق یعنی حدی پڑھ کر اونٹوں کا چلانیوالا کون شخص ہے؟ ایک صحابی نے عرض کیا کہ عامر بن اکوع ہیں رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ اللہ اس کو مرحوم بنائے "۔

قول رسولؐ کے اشارہ کو معلوم کرجانے والے صحابہ اور رمز شناس اہل اسلام نے سمجھ لیا کہ حضرت عامر کا پیمانہ حیات لبریز ہوچکا کیونکہ اس قسم کا کلمہ کسی شخص کے لئے اللہ کے پیارے پیغمبر کی زبان سے اسی

نکلتا تھا جبکہ اس شخص کی دنیاوی زندگی کے ختم ہو جانیکا وقت قریب ہوتا تھا چنانچہ چند روز بعد اسکا ظہور ہو گیا کیونکہ حضرت عامرؓ بن اکوع نے جنگ خیبر میں کسی بدبخت یہودی کے ہاتھ سے قتل ہو کر جام شہادت نوش کیا اور اسی میدان میں ہمیشہ کی میٹھی نیند پڑ کر سو رہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اسی غزوہ میں دوسرے صحابی حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کی ساق میں ایک کاری زخم آیا جس نے ان کو چلنے سے بھی معذور بنا دیا مگر حضرت سلمہؓ اسی حالت میں اپنے روحانی طبیب یعنی سپہ سالار لشکر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور وہ زخم دکھایا جس سے خون اس طرح جاری تھا جیسے چشمہ کے دہانہ سے پانی۔ چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے لعاب دہن مبارک لگا کر تین مرتبہ کچھ پڑھ کر دم کر دیا جس سے خون ہی صرف بند نہیں ہوا بلکہ آئندہ کبھی چوٹ کا اثر یعنی درد بھی محسوس نہیں ہوا البتہ وہ نشان ہمیشہ کے لئے باقی رہا جسکو بعد کے لوگوں نے بھی بارہا دیکھا اور سبب دریافت کرنے کی وجہ سے اس معجزہ سے واقف ہوئے۔

اسی غزوہ میں گدھے کا گوشت حرام ہوا اور عین اسوقت جبکہ لشکری سپاہیوں نے ابتدائی حلت کے باعث چولھوں پر ہانڈیاں چڑھا رکھی تھیں اور کھانے کے لئے اس کا گوشت پکا رہے تھے۔ منادی ہوئی کہ "پیارے مسلمانو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم حمار اہلی کو حرام فرماتے ہیں"۔ چنانچہ فرمانبردار لشکر نے اسی وقت ہانڈیاں اوندھا دیں اور اطاعت واذعان کو عملی صورت میں پیدا کر دکھایا نیز اسی جگہ تمام درندوں کا گوشت اور مال غنیمت کا تقسیم کرنے سے پہلے بیچڈالنا اور استبرا سے قبل مملوکہ باندی سے وطی کرنا حرام ہوا۔

اسی غزوہ میں مدت معینہ تک نکاح موقت یعنی متعہ حرام ہوا کیونکہ اس سے قبل جائز تھا اور اسکے بعد دوسری مرتبہ فتح مکہ کے بعد غزوہ اوطاس میں خاص ضرورت پیش آجانے کی وجہ سے صرف تین دن کے لئے مباح ہوا مگر پھر اس کی حرمت ایسی قطعی ہوئی کہ جس میں کسی تاویل یا حیلہ کی مطلق گنجائش نہیں۔

نکاح متعہ زنا ہے اور اس کی حرمت قیامت تک ایسی قطعی اور بے شبہ ہے جسپر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبردار امت مرحومہ کے تمام علماء کا اتفاق ہے اور سوائے روافض کے کوئی فرقہ اس مسئلہ کا مخالف نہیں۔ کتب تواریخ میں یہ بھی لکھا ہے کہ اسی غزوہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نماز عصر قضا ہوئی کیونکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک بحالت نزول وحی ان کی ران پر رکھا ہوا تھا اور حضرت اسد اللہ آفتاب کے غروب ہونے تک خلاف ادب ہونیکی وجہ سے پاؤں سرکا کر اپنی جگہ سے اٹھ نہیں سکے مگر بعد غروب جبکہ وحی ختم ہولی اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو اسکا علم ہوا تو آپنے دعا فرمائی اور چند منٹ یعنی

اس قدر عرصہ کے لئے کہ حضرت اسد اللہ نے فرض رکعتین ادا کرلیں آفتاب واپس لوٹ آیا اور پھر فوراً غروب ہوگیا واللہ اعلم بالصواب۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم خیبر ہی میں تھے کہ وہ مہاجر مسلمان اپنے دینی سردار کی خدمت میں آپہونچے جو اسلام کے شروع زمانہ میں کفار مکہ کی ایذارسانی سے تنگ آکر حبشہ کی جانب ہجرت کر گئے تھے اور اب چونکہ اسلام کو قوت وشوکت اور اہل اسلام کو امن واطمینان حاصل ہوچکا تھا اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مفارقت گوارا نہ کرسکے اور بیتابانہ شوق کو پورا کرنے کے لئے اپنے دینی بھائیوں کو دارالجماعت اور اسلامی دارالسلطنت کی جانب کشتی میں سوار ہوکر کشتی میں چل کھڑے ہوئے تھے۔

انھیں مہاجرین حبشہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حقیقی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ بھی تھے جنکو عرصہ کے بعد دیکھنے کی وجہ سے فرط محبت کے باعث حضرت نے چھاتی سے لگالیا اور پیشانی پر خاص شفقت کے ساتھ بوسہ دیکر یوں فرمایا کوئی نہیں کہہ سکتا کہ مجھے خیبر کے قلعے فتح ہونے کی زیادہ خوشی ہوئی یا اپنے بھائی جعفر کی ملاقات سے زیادہ خوش ہوا۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ گو مہاجرین حبشہ میں نہ تھے مگر چونکہ اپنے خاندان اشعر میں حضرت جعفرؓ کے ساتھ اسی کشتی پر آئے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خیبر ہی کے اندر حاضر ہوئے تھے اس لئے اس انعام میں شریک ہوئے جو بارگاہِ رسالت سے حضرت جعفرؓ کو مرحمت ہوا۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نو وارد مسلمانوں کو مژدہ سنایا کہ " اے کشتی پر آنے والو سب لوگوں کی ایک ہجرت ہے اور تمھاری دو"۔ کیونکہ پہلی ہجرت مکہ سے حبش کی جانب تھی اور دوسری ہجرت اسلام کے دارالسلطنت یعنی مدینۃ الرسول کی طرف اور نیز جنگ خیبر میں ہاتھ آنے والے مال غنیمت کی تقسیم کے وقت جنگ میں شریک ہونے والے اسلامی لشکر کی اجازت سے یہ اہل سفینہ بھی شریک کئے گئے۔

یہودی مرد اور یہودیہ عورتیں کے نجس وناکارہ سینے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ پر ایمان لانے والے مسلمانوں کی طرف سے بیجا عداوت اور کینہ کے ساتھ کچھ ایسے لبریز تھے کہ کسی وقت قابل نفرت فریب ودغابازی سے باز نہ آتے تھے اسی اثنا میں جبکہ اسلامی لشکر خیبر فتح کرچکا اور مفتوحہ ملک کی انتظام کی غرض سے چند روزہ قیام کرنے کو یہیں ٹھیرا ہوا تھا سلام بن مشکم یہودی کی بیوی زینب بنت الحارث نے بکری کا تھوڑا سا بھنا ہوا گوشت جس میں زہر ملایا گیا تھا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیۃً بھیجا

کیونکہ اس کو معلوم ہوا تھا کہ حضرتؐ کو بکری کے گوشت سے زیادہ رغبت ہے چنانچہ آپ نے اپنے اخلاق کریمانہ کی وجہ سے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ اس کو قبول فرمایا اور حسن ظن کی بنا پر توکلاً علی اللہ نوش فرمانا شروع کیا۔ لقمہ منہ میں رکھا ہی تھا کہ حق تعالیٰ نے مذبوحہ اور مطبوخہ گوشت کو گویائی مرحمت فرمائی اور بھنے ہوئے دست کے گوشت نے کہا کہ "یا رسول اللہ مجھکو نہ کھائیے کیونکہ میرے اندر وہ زہر موجود ہے جو نصیب دشمناں ایذا پہونچانیکے لئے ملایا گیا ہے" چنانچہ آپ نے لقمہ فوراً ڈالدیا اور صحابہ کرام سے صورتِ حال بیان فرمائی مگر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ ایک صحابی حضرت برار بن معرور رضی اللہ عنہ نے اس زہر آلودہ گوشت میں سے چونکہ ناواقفیت کی بنا پر کھالیا تھا اس لئے جاں بر نہ ہو سکے اور جاں بحق تسلیم ہوئے: انا للہ وانا الیہ راجعون ہ

حارث کی بیٹی زینب گرفتار ہوئی اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پیش کی گئی تاکہ اپنے کردار کی پاداش کو پہونچے۔ مگر جس وقت اس سے دریافت کیا گیا تو اس نے صاف اقرار کرلیا اور کہا کہ بیشک میں نے ایسا کیا اور اس حرکت سے میرا منشا یہ تھا کہ آپکی رسالت و نبوت کا امتحان کروں کیونکہ میں خوب سمجھے ہوئے تھی کہ اگر آپ اللہ کے سچے نبی ہیں تو آپ پر زہر کا مطلق اثر نہ ہوگا اور اگر یہ دعویٰ نبوت جھوٹا ہے تو آپ کی ہلاکت کے باعث ہم کو نجات مل جائیگی چنانچہ مجھے آپ کے نبی ہونیکی تصدیق ہو گئی اور میں سچے دل سے آپ پر ایمان لاتی ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودیہ عورت کی بیباکانہ صاف گوئی اور راست گفتاری کو عزت کی نظر سے دیکھا اور مسلمان ہوجانے کی وجہ سے جرم کو معاف فرما کر رہا کر دیا۔

بعض کتابوں سے ثابت ہوتا ہے کہ مجرمہ کے سچے اظہار کا آپنے یوں جواب دیا کہ میں اپنے ساتھ بدسلوکی و دغا کا عوض و انتقام لینا ہرگز نہیں چاہتا مگر چونکہ ایک ناکردہ گناہ مسلمان اور بے قصور و پاکباز بندہ خدا کی جان تلف ہوئی ہے اس لئے قصاص کے معاف کرنے کا مجھو اختیار نہیں اور میں مناسب نہیں سمجھتا کہ برار بن معرور کے ہلاک کرنے والی عورت کی جان بخشی کیجائے اس لئے میں قصاص کا حکم دیتا ہوں چنانچہ زینب بنتِ حارث صحابہ کی حراست میں میدان کے اندر لائی گئی اور قصاصاً قتل کی گئی واللہ اعلم۔

باب ششم (۴۷)

خیبر سے واپسی اور عمرۃ القضا۔ اسلامی گروہ اور خدائی پاکباز لشکر نے اپنے دینی و دنیوی سپہ سالار کی ماتحتی میں خیبر سے کوچ کیا اور ان مضبوط و مستحکم مفتوحہ قلعوں کی حدود سے باہر نکلکر مدینۃ الرسول کی جانب جانیوالی سڑک پر خراماں خراماں ہولیا مسلمان راتوں چلتے اور دن کو بقدر ضرورت آرام کرنے کے لئے سایہ دار درختوں یا راحت افزا پہاڑوں کی تلیٹی میں ٹھیرتے چلے جاتے تھے کہ صعوبت سفر اور تکان ماندگی نے گونہ اثر پیدا کیا کیونکہ وہ شب کا وقت جس کو قدرت نے آرام کرنے کے لئے بنایا ہے کسی ضرورت کے وقت بیداری کی حالت میں گذارنے سے کلفت ضرور پیدا کرتا ہے اور خصوصاً جبکہ اونٹ کی پشت پر سوار ہوکر پہاڑی راستہ یا ریگستانی زمین کا سفر اختیار کیا جائے اس لئے چند اصحاب نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ کاش ساری رات نہیں تو رات کا کچھ حصہ آرام کرنے کو نصیب ہو جائے اگر ہمارے برگزیدہ سردار آج آخری شب میں کسی پڑاؤ پر قیام فرما کر اتنی اجازت دیدیں کہ فوجی سپاہی گھڑی بھر بے تکلف اطمینان کے ساتھ زمین پر کمر لگالیں تو بہت اچھا ہو کیونکہ اس قلیل آسائش کے بعد آئندہ پیش آنے والی منزل کے قطع کرنے میں سہولت پیدا ہو جائے گی اور گو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بھی کہ آخر شب میں لیٹنے والے تھکے ماندے مسافر صبح کی نماز کو بمشکل اُٹھ سکتے ہیں مجھے اندیشہ ہے کہ فجر کی نماز قضا نہ ہو جائے مگر چونکہ مقدس مذہب اسلام کے مشہور مؤذن یعنی بلال حبشی رضی اللہ عنہ نے اس کا ذمہ لیا اور یوں فرمایا کہ یا رسول اللہ آپ کا غلام بلالؓ نماز کے وقت سب کو جگا دینے کے لئے جاگتا رہے گا۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اصحاب کی درخواست منظور فرمالی اور اس وقت جبکہ نصف رات گذر چکی اسلامی لشکر ایک وسیع میدان میں اتر پڑا اور ادھر اُدھر پھیلکر جہاں جس کو جگہ مل پڑتے ہی سو گیا کیونکہ کئی راتوں جاگنے کا خمار طبیعت کو آرام دہ نیند کا زیادہ تر محتاج بنائے ہوئے تھا۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے جان نثار صحابہ کے ساتھ آرام فرمایا اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ اپنے اونٹ کی کاٹھی سے کمر لگا کر افق مشرق کی جانب منہ کرکے اس انتظار میں بیٹھ گئے کہ تاریک رات کی سیاہ زمین سے روشن کرنے والے دن کی سفید دھاری کس وقت نمودار ہو اور کب سوئے ہوئے لشکر کو اذان کے دل آویز کلمات سنا کر جگاؤں مگر چونکہ یہ بھی مسافر قافلہ کے تھکے ہوئے سپاہیوں

میں شامل اور کئی منزل طے کئے ہوئے سواروں میں داخل تھے اس لئے صبح صادق کے طلوع اور نماز فجر کے اول وقت تک بیدار نہ رہ سکے۔ آخر نیند نے ایسا غلبہ کیا کہ بلا اختیار آنکھیں بند ہوگئیں اور جسم پر قبضہ کرنے والی خواب راحت نے یکدم حواس ظاہری کو معطل اور اعضاء بدن کو ایسا بے حس وحرکت بنا دیا جیسا کہ تھوڑی دیر ہوئی سارے اسلامی لشکر کو بنا رکھا تھا۔

چھوٹے سے لیکر بڑے تک سب سو گئے اور ایسے سوئے کہ جبتک عربی پہاڑیوں پر طلوع کرنے والے آفتاب نے افق مشرق سے منہ نہ نکالا اس وقت تک کسی کو خبر نہ ہوئی کہ کہاں پڑے سوتے ہیں۔ یہانتک کہ سوئے ہوئے قافلہ میں سب سے پہلے قافلہ کے سپہ سالار یعنی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کھلی اور آپ نے بیدار ہو کر دیکھا کہ تاریک میدان میں روشنی پھیل چکی اور عالمتاب آفتاب عالم پر چھائی ہوئی اندھیری کو چیرتا پھاڑتا افق مشرق سے باہر نکل آیا ہے اس وقت آپ گھبرا کر اٹھے اور حضرت بلال کو آواز دی اور فرمایا کہ وہ ذمہ داری و وعدہ وفائی کہاں ہے جس کی بنا پر سارا قافلہ پڑ کر سو گیا تھا۔

حضرت بلالؓ جو اپنی راحلہ سے کمر کا سہارا لگائے مشرق کی جانب منہ کئے بیٹھے ہوئے بیخبر سو رہے تھے اپنے آقا کی آواز سنتے ہی جاگ اٹھے اور یہ عجیب سماں دیکھ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ جیسی آج نیند آئی ہے مجھے یاد نہیں پڑتا کہ عمر بھر کبھی آئی ہو آپ کا غلام اپنی مفوضہ خدمت کی سرانجامی کے لئے اسی حالت پر بیٹھا تھا جیسا کہ آپ دیکھتے ہیں مگر نیند کے بلا اختیار غلبہ سے ایسا بیخبر ہوا کہ آپ ہی کی آواز سے ہوش آیا اور آنکھ کھلی انا للہ و انا الیہ راجعون۔

حضرت بلال کے بعد یکے بعد دیگرے تمام صحابہ بیدار ہوئے اور یہ حالت دیکھکر کہ صبح کی نماز قضا ہوگئی صلوۃ فجر کا وقت نکل چکا افسوس کرنے لگے کیونکہ اس پاکباز گروہ کو اسلام کی پاکیزہ روش اختیار کئے پیچھے پہلا اتفاق تھا کہ نیند کے غلبہ کی وجہ سے سوتے ہوئے صبح کی نماز کا وقت گذر جائے اور جو کچھ بھی یہ حضرات افسوس کرتے بجا تھا کیونکہ آجکل کے آرام طلب مسلمانوں کی طرح نہ تھے کہ شروع رات میں سونے پر بھی طلوع آفتاب سے قبل جاگنا نہیں جانتے ہر صحابی متاسف و متحیر تھا اور ہر مسلمان سپاہی محزون و مغموم دلوں پر انقباض اور منہ پر پریشانی کے آثار۔ قلوب رنجیدہ تھے اور چہرے کسی سخت صدمہ و نقصان پہونچے ہوئے بشر کی طرح اترے ہوئے اور خائف و لرزاں یہانتک کہ وہ غیبی تسلی و تسکین شامل

حال ہوئی جس نے بے اختیاری کی حالت میں ہوجانے والے قصور معاف فرمائے ہیں اور وہ صبر دلانی والی آواز کان میں پڑی جس نے مایوس ہونے والی گرتے ہوئے دلوں کو تھام لیا ہے یعنی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم تمام بندوں کی روحیں خدا کے قبضۂ قدرت میں ہیں اس کو اختیار ہے جب چاہے قبض فرما کر سلائے اور جس وقت چاہے ہمارے اجسام میں لوٹا کر بیدار کرے اور جگائے۔ ہم تا بعدار بندوں نے اپنی جیسی احتیاط میں کمی نہیں کی اسپر بھی اگر وقت پر بیدار نہ ہو سکے اور نماز قضا ہو گئی تو بے قصور اور قابل معافی ہیں چلو اسباب باندھو۔ اٹھو اور یہاں سے کوچ کرو اس جگہ سے جہاں بلا اختیار ایسی غفلت پیدا ہوئی باہر نکلکر فوت ہوجانے والی نماز قضا پڑہیں اور اپنے مہربان پروردگار کی بیشمار مغفرت کے امیدوار رہیں چنانچہ قافلہ روانہ ہوا اور اس میدان سے کچھ فاصلہ پر پہونچکر باقاعدہ اذان دی گئی اور اسوقت جبکہ نماز کا وقت مکروہ نکل گیا یعنی سورج کا دھندلاپن جاتا رہا اور چمکدار شعاعوں میں چکا چوند پیدا کرنیوالی تمازت آگئی تو ادا نماز کی طرح باجماعت فجر کی نماز قضا پڑھی گئی۔

یہ قضیہ لیلۃ التعریس کا واقعہ کہلاتا ہے کیونکہ تعریس کے معنی عربی لغت میں کسی قافلہ کے آخری شب میں اُترنے اور قیام کرنے کے ہیں اور چونکہ اللہ کے پیارے پیغمبر آنیوالی نسلوں اور قیامت تک قائم رہنے والی امت مرحومہ کے لئے سچا اور مجسم نمونہ بنکر آئے تھے اس لئے ایسے واقعہ کا حادث ہونا مناسب بھی تھا تاکہ اپنی قدرت و وسعت کے موافق پوری احتیاط کرنے کے بعد بلا اختیار کسی گناہ کے صادر ہوجانے پر پاکباز مسلمانوں کو ضرورت سے زیادہ حسرت نہو اپنے پیشوا پر پیش آنے والے واقعات سے تسلی حاصل کرلیں ورنہ خدا جانے اللہ کے پاکباز و مقبول بندوں کی ایسی اتفاقیہ حالت پیدا ہوتے وقت رنج و غم کے مارے کیا حالت ہوتی اور کہانتک نوبت پہونچتی اور نیز اس قصہ میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا آثار بشریت کے اظہار سے ثبوت بھی ہے تاکہ معلوم ہوجائے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اکل و شرب کے محتاج اور عام لوگوں کی طرح خواب و آرام بدن کے حاجتمند ہونے کے بھی اُس کمال پر پہونچے ہوئے تھے جو ملکوتی طاقت سے خارج ہے بہرحال جو کچھ بھی ہو اس میں شک نہیں کہ رحمت پسند پروردگار کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں اور گو اس مئے واقعہ کے پیدا ہونیکی مصلحتیں اپنی فہم رسا اور معیار عقل کے موافق علمار کرام نے بیسیوں بیان کی ہیں مگر سچی بات یہ ہے کہ اسرار و رموز خداوندی کی معرفت کا کماحقہ حاصل کرنا عقل کا کام نہیں ہے۔

ؑ‌ھ کے آخر میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جان نثار اصحاب نے عمرہ کا ارادہ کیا کیونکہ میدان حدیبیہ میں لکھے جانے والے عہد نامہ کے موافق بلا روک ٹوک مکہ میں داخل ہونیکی اجازت کا وقت آگیا تھا اور سال گذشتہ کے ماہ ذی قعدہ میں باندھے ہوئے احرام کو بیت اللہ تک پہونچنے سے ورے ہی کھولدینا پڑا تھا جس کی قضا لازم تھی چنانچہ وہ مسلمان جو سفر حدیبیہ میں اپنے اسلامی سردار کے ہمرکاب تھے سب تیار ہوئے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اکیس سو سوار کے ساتھ عمرہ قضا پورا کرنے کے لئے مدینہ سے کوچ کیا۔

اللہ کا پاکباز گروہ اللہ کے مقدس گھر کی زیارت کرنے کے شوق میں جس قدر بیچین تھا اسکی مقدار کا معلوم ہونا دشوار ہے اس لئے جب امید پوری ہوئی اور وہ بیت الحرام نظر آیا جسکو دیکھے ہوئے کئی سال گذر چکے تھے تو اسوقت کی مسرت کا اندازہ ہونا بھی آسان نہیں۔ ہجرت کئے ہوئے مسلمانوں کو مدت کے بعد اپنا وہ وطن دیکھنا نصیب ہوا جس میں پیدا ہوئے اور نشوونما پائی تھی اور کئی سال گذرے پیچھے ان جلاوطن دور افتادہ بندوں کو ان مکانات اور گلی کوچوں کے دیکھنے کا اتفاق ہوا جن میں پرورش پائی اور طفولیت کے بعد جوانی اور شعور کا بھی معتد بہ زمانہ پورا کیا تھا۔

پاک مذہب اسلام کی وجہ سے گھر چھوڑے ہوئے مسلمانوں کو اپنے قدیمی مسکن اور دشمن دین و ایمان سے بھرے ہوئے وطن مالوف میں آنا میسر آیا مگر اس حال سے کہ سوائے پیش قبض کے کوئی ہتھیار پاس نہیں اور وہ بھی نیام شدہ تین دن سے زیادہ ٹھیرنے کی اجازت نہیں اور اسپر دغاباز کافروں کے مکروفریب کا اندیشہ قائم۔ جان نثار صحابہ اپنے سرتاج سپہ سالار کو حفاظت کی غرض سے اس طرح بیچ میں لئے ہوئے جیسے ہالہ اپنے احاطہ میں قمر کو لئے رہتا ہے مکہ میں داخل ہوئے اور بیت اللہ کا طواف شروع کیا۔

جسوقت سے کہ مدینہ اسلامی دنیا کا دارالسلطنت قرار پایا تھا اسلامی شوکت روز افزوں ترقی کر رہی تھی اور ملکی فتوحات میں اہلِ اسلام کی قوت و شان کا نقارہ حجازی پہاڑیوں میں گونج رہا تھا۔ اللہ کی پیدا کی ہوئی زمین کفر و شرک پسند بندوں کے قبضہ و تصرف سے خارج ہو ہوکر مسلمانوں کے قبضہ میں آرہی تھی مقدس دین کی قدرتی ہیبت شجاعانِ عرب کے دلوں پر قبضہ کرتی چلی جاتی تھی اسلئے کفار مکہ کو جہاندیدہ و تجربہ کار سرداروں کو اندیشہ ہوا کہ مبادا اسلامی ہیبت ان باشندگانِ مکہ پر اثر کرے جنہوں نے یہ مشہور آوازا بتک کانوں ہی سے سنی ہے اس لئے پیش بینی اور دوراندیشی کی بنا پر مشہور کردیا کہ مسلمان نہایت

درجہ ضعیف و کمزور ہیں اور جب سے مکہ چھوڑ کر مدینہ میں جا بسے ہیں آب و ہوا کی ناموافقت اور مدنی بخار اور تپ ولرزہ کی وجہ سے اور زیادہ ناتوان بن گئے ہیں۔

اس افواہ کی چاروں طرف پھیلانے اور کوچہ و بازار میں شائع کرنے سے مقصود صرف اسقدر تھا کہ چونکہ مسلمان بیت اللہ کا طواف نہایت سکون و وقار کے ساتھ کریں گے اور اپنے قدرت و جلال والے سچے معبود کے گھر کے چاروں طرف نہایت تعظیم واحترام اور نرم رفتاری و آہستگی کے ساتھ چکر لگائیں گے اس لئے یہ مودبانہ روش اس خبر بد کی تائید ہو جائیگی اور کوئی کی شخص اسلامی شان و قوت سے متأثر نہ ہوگا مگر چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا علم ہو چکا تھا اس لئے آپ نے نہ چاہا کہ مقدس مذہب اسلام کے نام لیوا معزز بندوں پر اس ذلیل لفظ کا اطلاق ہو سکے لہذا آپ نے صحابہ کو حکم دیدیا کہ طواف کے ابتدائی تین چکروں میں سینہ نکالکر چست و چالاک سپاہیوں کی طرح مونڈھے ہلاتے اور بہادرانہ رفتار پر اکڑتے ہوئے تیز قدم چلو تاکہ مشرکین مکہ کے خیال بد کا کوئی اثر کسی پیرایہ میں ظاہر نہ ہو۔

چونکہ کفار مکہ جبل ابوقبیس کے مقابل کی پہاڑی یعنی کوہ قعیقعان پر سمٹ آئے تھے اور بیت اللہ کے طواف کرنے والے پر اس حد تک نظر ڈال سکتے تھے جہاں رکن یمانی ہے اور صحابہ کو اس رفتار پر چلنے کا حکم مشرکین پر محض اپنی قوت و شان اور صحت و جلادت کی ہیبت بٹھانے کے لئے تھا اس لئے دونوں یمانی رکن کے مابین اصلی رفتار پر عاجزی و ادب کے ساتھ نیازمندانہ چال چلنے کی اجازت باقی رہی اور اسلامی لشکر نے اپنے سپہ سالار کی ماتحتی میں اسی انداز پر طواف کے تین چکر لگا کر باقی چاروں چکر معمولی انداز سے ختم کئے اور اس وجوب سے سبکدوش ہوئے جو سال گذشتہ میں عمرہ کا احرام وقت سے پہلے کھولدینے کی وجہ سے لازم ہو چکا تھا۔

صلحنامہ کی مقررہ مدت یعنی تین دن کے ختم ہونے کا وقت قریب آیا اور کفار مکہ کا حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر تقاضہ شروع ہوا کہ اپنے سردار سے کہدو "معاہدہ کی دفعات کا لحاظ رکھیں اور مدینہ کی جانب روانہ ہو جائیں"، چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم عہدنامہ کے مسطورہ وعدہ کے موافق صرف تین دن مکہ میں قیام فرما کر مدینہ واپس تشریف لے آئے اور راستہ میں سرف نامی جگہ پر ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے خلوت کی کیونکہ نکاح بحالت احرام اس سے پہلے منعقد ہو چکا تھا۔

اسی واقعہ کی بنا پر مذہب حنفیہ کا یہ مسئلہ ہے کہ نکاح بحالت احرام جائز ہے البتہ خلوت احرام کھلنے کی

بعد ہونی چاہئے۔

حضرت میمونہ خاتون حارث کی بیٹی اور ازواج مطہرات میں سب کے بعد وفات پانیوالی بی بی ہیں اور اتفاق وقت سے سنہ ۶۳ ہجری میں اسی مقام سرف پر عالم فانی کے چھوڑنے کا وقت آیا ہے جہاں اللہ کے پیارے پیغمبر سے خلوت کا اتفاق ہوا تھا چنانچہ اس مقدس جگہ پر جو کہ مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ جانے والے حجاج کو راستہ میں ملتی ہے عفت مآب خاتون کا مزار نظر آتا ہے بعض مورخین کا یہ خیال ہے کہ امہات المومنین میں سب کے بعد انتقال فرمانے والی ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا ہیں واللہ اعلم بالصواب۔

اسلامی لشکر کے مکہ معظمہ سے واپس روانہ ہوتے وقت سید الشہدا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی نو عمر صاحبزادی جو اس وقت تک مکہ میں تھیں اپنے عم بزرگوار یعنی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھکر چچا جان چچا جان پکارتی ہوئی پیچھے دوڑیں اور چونکہ ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ حدیبیہ کے صلحنامہ کی شرائط سے مستورات خارج تھیں۔ اس لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بیتاب ہوکر نہایت محبت کے ساتھ اپنی چچا زاد بہن کو اٹھا کر چھاتی سے لگا لیا اور خاتون جنت بی بی فاطمہ زہرا رضی کے حوالہ کیا تاکہ پرورش کریں اور غور و پرداخت میں اس یتیم بچی کا حق یگانگت ادا فرمادیں۔ یہی وجہ ہوئی کہ اہل مکہ نے اس کم سن لڑکی کا مسلمانوں سے مطالبہ بھی نہیں کیا اور مرحوم امیر حمزہ رضی کی لخت جگر بخیر و عافیت اسلامی دار السلطنت مدینۃ الرسول میں پہونچیں۔

ہماری اس مقدس تاریخ کا پہلا حصہ دیکھنے والے حضرات نے سرور کائنات کے مشاہیر صحابہ کے ساتھ نسبی تعلقات کو معلوم کرلیا ہوگا کہ چونکہ سید الشہدا حضرت حمزہ رضی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے دودھ شریک رضاعی بھائی تھے اسی رشتہ کی بنا پر اس ہونہار لڑکی نے چچا کے خطاب سے یاد کیا تھا اور اس یتیم بچی کے مرحوم باپ یعنی امیر حمزہ رضی حضرت علی رضی اور حضرت جعفر رضی کے والد یعنی ابو طالب کے حقیقی بھائی تھے اس لئے ان دونوں حضرات کے ساتھ چچا زاد بھائی بہن ہونیکا علاقہ تھا البتہ حضرت جعفر رضی اللہ عنہ میں جو چند ماہ بعد غزوہ موتہ میں شہید ہوئے یہ خصوصیت بڑھی ہوئی تھی کہ انکی بی بی حضرت اسماء رضی اس لڑکی کی خالہ تھیں جو ماں کے بعد حق حضانت و شفقت میں ماں کی جگہ سمجھی گئی ہے اور یہی نسبی تعلقات اور قلبی محبتیں یعنی خون کا جوش اس کا سبب ہوا کہ مدینہ پہونچ کر حضرت حمزہ رضی کی صاحبزادی

ے رکھنے اور خدمت اور تربیت کرنے میں حضرت علی و جعفر اور حضرت زیدؓ بن حارثہ کا باہم اختلاف
ا اور ہر ایک نے اپنے رشتہ اور تعلق یعنی قرابت و یگانگت کے استحقاق کو ظاہر کیا۔

حضرت زید بن حارثہ کا حضرت حمزہ سے اگرچہ کوئی نسبی تعلق نہ تھا لیکن زمانہ ہجرت کے بعد صحابہ
ں باہمی مواخاۃ اور بھائی چارہ کے وقت چونکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں حضرات کو دینی
مائی قرار دیا تھا۔ اس لئے حضرت زید اس کم عمر یتیم بچی کو اپنی بھتیجی سمجھتے اور یہی وجہ استحقاق قرار دیکر
پنے پاس رکھنا چاہتے تھے مگر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سمجھکر کہ لڑکیوں کی غور و پرداخت
ں مستورات ہی کو زیادہ دخل ہوا اور درحقیقت شفقت و محبت میں خالہ بمنزلہ ماں کے ہوتی ہے ابو طالب
ے بیٹے حضرت جعفرؓ کو ترجیح دیکر ان کی چچازاد بہن ان کے حوالہ کی اور ان تمام مخلص اصحاب کے لئے رنج
انے والے تسلی بخش اور فضیلت ظاہر کرنے والے خوش کن کلمات اس طرح بیان فرمائے کہ ای علیؓ
سب اور دامادی کے تعلق میں تم میرے ہو اور میں تمہارا“۔

اے جعفر تم صورت اور سیرت میں میرے مشابہ ہو“ ”اے زید تم ہمارے دینی بھائی اور مددگار و عتیق“
اس عمرۃ القضا کا یہ نتیجہ نکلا کہ بہت سے ایسے ایسے مشہور آدمی جنہوں نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم
ں ایذا رسانی اور ہجو بیانی کو اپنا شعار بنا رکھا تھا اور مسلمانوں سے پہلے بھی جنگ آزمائی کر چکے اور آیندہ برابر
ڑنے کے لئے آمادہ و مستعد تھے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت و دریا دلی اور وعدہ وفائی و کرم
ستری دیکھکر نہایت ذوق و شوق کے ساتھ مسلمان ہو گئے اور چند ہی روز بعد مکہ جیسا وطن مالوف چھوڑ کر
س دینی سردار کے قدموں میں آپڑے جس کے ساتھ سالہا سال سے عداوت قائم کر رکھی تھی۔

باب ۷۵

خالدؓ بن ولید کا اسلام اور غزوہ موتہ بزمین شام۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق

میدہ اور عادات پسندیدہ کا اثر کوئی معمولی اثر نہ تھا جو شریف النسل قوم کے دلوں پر قبضہ کرنے کیلئے
اکافی سمجھا جائے۔ یہ قدرتی جوہر تلوار کے وار سے زیادہ اور تیر و تفنگ کی بھرمار بوچھار سے جلد تر دشمن پر
تحیاب ہوتا اور لوگوں کے سواد قلب تک بیٹھتا اور پہونچتا چلا جاتا تھا۔

پیارے عربی رسولؐ کی ابتدائی تاریخ سے واقفیت رکھنے والے عقلاء کو حقانیت اسلام کیلئے
یہی دلیل کافی ہے کہ [illegible] تعریف تربیت اور لائق تحسین تہذیب ایسی کس مپرسی اور یتیم ولاوارث

ہونے کی حالت میں سوائے اس سچے نبی کے کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہوسکتی جس پر حق جل وعلی کی خاص نظر محبت ہو۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قحط سالی کے موسم میں پیدا ہوئے اور اس سے پہلے کہ دنیا میں تشریف لائیں دنیاوی مہربان باپ کے ظل عاطفت سے سبکدوش ہوگئے غربت و مسکنت کے باعث عرب کی رواج کے موافق اجرت پر دودھ پلانے والی عورتوں میں بھی کسی ایسی دایہ کی تحویل میں نہ جاسکے جو روپیہ کی طمع اور مال وزر کے لالچ میں قابل تعریف پرورش کر دکھاتی ۔چھ سال کی عمر بھی نہ ہونے پائی تھی کہ دنیا کی پہلی استادیعنی ماں نے بھی انتقال کیا اور ضرورت کے وقت کی تربیت کثیر الاولاد دادا کے ہاتھوں ہوئی دس سال ختم نہ ہوئے تھے کہ دادا کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا اور اب پچیس سالہ عمر تک زمانہ طفولیت و آغاز شباب چچا کی کفالت میں گذارنا پڑا۔ ایسے متواتر صدمات اور یکے بعد دیگرے واقعات برداشت کرنے والے بچہ کی دنیا میں جیسی بھی تعلیم ہوسکتی ہے ہر صاحب عقل اندازہ کرسکتا ہے پھر عرب جیسا خشک اور بے آب وگیاہ ملک جس میں نہ قومی مدارس کا نام ونشان نہ چندہ سے قائم کئے ہوئے کالج ۔مدارس کا پتہ نہ علوم وفنون سے کوئی کان آشنا اور نہ تہذیب واخلاق کی مدون کتابوں کے نام سے واقفیت ۔غیر آئین ملک میں رہنے والے بچوں کے جیسے بھی خونخوار اور ظالمانہ اخلاق ہونے چاہئیں وہ ظاہر ہیں خصوصاً عرب جیسی ضدی اور ہٹ دھرم قوموں میں پیدا ہونے والا لاوارث بچہ جس عادت پر بھی اٹھے زیبا اور بجا ہے جہاں ایک بھائی دوسرے بھائی کے خون کا پیاسا اور باپ بیٹے کا جانی دشمن ۔منازعتوں کی انتہا نہیں اور جنگ وجدال یا قتل وقتال کی وہ سرگرمی کہ دنیا بھر میں ضرب المثل ۔اس بے تہذیبی اور انسانیت کے خلاف جانوروں سی بدتر حالت میں زندگی گذارنے والوں میں کسی قابل قدر ملک سے تجارتی اتحاد یا ملکی سیاست ۔معاہدہ سلطنت کی بنا پر کسی مہذب وتعلیم یافتہ قوم سے میل جول نہیں جس کی دیکھا دیکھی اصلاح حال کی امید ہو۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم گھر کے رئیس یا کسی متمول خاندان کے رشتہ دار نہ تھے کہ ہموطن اہل عرب پر مالی عزت وشرف کے باعث حکومت کریں آپ نے اپنے وطن سے باہر دوسرے ملک کی صورت نہیں دیکھی ایک دو مرتبہ شامی تجارت کے لئے ابتداء عمر میں ملک شام کی جانب بضرورت جانا اور کار منصبی سے فارغ ہوتے ہی واپس آجانا ایسی بات سے کہ دوسری قوم کے عادات کا بقدر ضرورت

دیکھنا بھی مشکل چہ جائیکہ تعلیم واکتساب یا تحصیل ذا غذاب۔

ہمو طن بدوؤں کی جہالت اسقدر کہ پتھر اور لکڑی کی بنائی ہوئی مورتیں مسجود ومعبود اور وہ بھی ہر قوم وقبیلہ کی جدا اور ہر سال بلکہ مہینہ مہینہ نئی و نرالی خاص شاہنشاہی دربار یعنی بیت اللہ میں ایام سال کی مقدار کے موافق تین سو ساٹھ مورتیں رکھی ہوئی تھیں کہ جبکی ورا ہبر عقل والے انسان کو سنکر بھی لرزہ آتا ہے۔ خانہ جنگیاں مایہ ناز تھیں اور بدخلقی وجہالت کو قومی زیور اور ذریعہ افتخار سمجھا جاتا تھا۔ ایسی نازک وناگفتہ بہ حالت میں یتیم اور دنیاوی دولت سے بے بضاعت بچہ کا ایسے اخلاق سے آراستہ ہونا جسکی نظیر دنیا کے پردہ پر مہذب ومتمول اقوام میں بھی نہیں مسکتی قدرتی تعلیم اور خداوندی تربیت نہیں تو کیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حجازی جیسے ان پڑھ اور جاہل بدوؤں کو علوم وفنون اور تمدنی واخلاقی سلطنت کا مالک بنا دینا جسکو غیر ممالک نے آیندہ چلکر مقدار حکمت سمجھا سچی نبوت اور برحق رسالت کا وہ کھلا معجزہ ہے جس کے مقابلہ پر دنیا بھر کے مذاہب مختلفہ سے کہا جا سکتا ہے کہ آئیں اور اپنے پیشواؤں کے حالات کا موازنہ کرائیں۔ ذرا ملک عرب کو آنکھ اٹھا کر دیکھو کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تمام ملک میں کیسی بلاخیز تاریکی چھا رہی تھی ملک حجاز بددینی وبداخلاقیوں کا ریگستان تھا جہاں کل اخلاقی اور خدائی باتیں غارت کی جا رہی تھیں۔ موسوی اور عیسوی دین بہت دنوں سے اس ملک کو جہالت کے تنگ گڑھے سے نکالنے کی کوشش کر رہے تھے لیکن یہ بات صرف رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے اٹھا رکھی گئی تھی کہ آپ تشریف لائیں اور اپنی اُس آواز سے جو انسانی روح کو جوش اور فطرتی نور میں لائے غفلت کی نیند سوئے ہوئے بندوں کو بیدار کریں اور اس رحیمانہ خلق سے جو قلب پر مالکانہ تصرف کرے بیباک وبدتہذیب انسانوں کے دل صاف ومنور اور کانوں کے پردے علیحدہ برطرف کریں گمراہی کی ظلمت سے نکالکر بندہ کا مالک حقیقی سے رشتہ جوڑیں اور خدائی توحید کے برقرار کلمہ کو سطح زمین پر آفتاب کی روشنی سے زیادہ پھیلا دیں۔

اہل عرب کے دل وہم ووسوسہ پر جمے ہوئے اور بدگمانی ونجاست کفر میں غرقاب تھے غرور وافلاس نے ہندوؤں کی طرح دختر کشی کی بری رسم کو ان میں جاری کر دیا تھا ان لوگوں نے آنیوالی زندگی یعنی قیامت وآخرت کا اور جزا وثواب کا نام تک نہیں سنا تھا۔ عیسوی یہودی اور فلسفی دین کا ان پر بہت کم اثر پڑا تھا ان کے روحانی جذبوں سے بالکل بے خبر تھے ان کے سخت اور سیاہ قلب کی

بعینہ یہ کیفیت تھی جیسے ایک بہت بڑی جھیل جا بجا سے متحرک ہو گئی ہو لیکن اس پانی کو اصلاً خبر نہ ہو جو اس کی تہ میں ہے۔ ان کا عام دستور تھا کہ بڑا بیٹا اپنے باپ کے مرنے پر اپنی حقیقی ماں کے سوائے اس کی کل بیبیوں یعنی اپنی سوتیلی ماؤں سے شادی کرتا اور جس طرح ترکہ میں جائداد پاتا تھا اسی طرح متوفی باپ کی بیبیوں پر بھی خاوندانہ قبضہ کرتا تھا۔

نکاح کی متفرق رسومات اور صورتیں آریہ سماج کے نیوگ اور بازاری عورتوں کے زنا کا مقابلہ کر رہی تھیں ان میں رواج تھا کہ ایک شخص اپنی بیاہتا بیوی کو اولاد چاہنے کی غرض سے کسی حسین و جمیل یا خاندانی مرد کے پاس بھیجکر حاملہ کراتا اور وضع حمل کے قریب خود جماع کر کے پیدا ہونے والے بچہ کو اپنا بتاتا۔ فاحشہ عورتیں باہر کے دروازوں پر بغرض علامت وخاص نشان پردے ڈالکر زانی و بدکار مردوں کو گھروں میں بلاتی اور زنا کراتی تھیں پھر حمل ہوئے پیچھے بچہ پیدا ہونے پر ان بدوضع زناکار اشخاص میں جس کی جانب چاہتی منصوب کر دیتی تھیں۔ اس زانی کو مجاز نہ تھا کہ ناجائز طریقہ سے پیدا ہوئے بچہ کو لینے اور اپنا جائز وارث بنانے سے انکار کرے۔

ملک عرب میں غیر صحیح النسب بچے اس طرح پر جبراً دوسروں کے سر مڑھے جاتے اور تربیت میں اوپری بوجھ کی طرح سمجھے جانے کی وجہ سے بد تہذیب قوم کی زیادتی کا باعث ہوتے تھے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی ترقی کو روکنے والی بد اخلاقیاں یکدم حرف غلط کی طرح ملیا میٹ کر دیں اور اہل عرب کی سوئی ہوئی قسمتوں کو جگا دیا آپ کے ہر دلعزیز اخلاق اور خدا کی دی ہوئی تعلیم کا عرب پر اس قدر جلد اور زیادہ اثر پڑا کہ ترقی نے تنزل کیا معنی قرار اور ایک حالت پر رک جانیکا نام بھی نہیں لیا۔ لوہے جیسی سخت وسیاہ طبائع کے لئے آپ کے خلق و کرم کا قدرتی جذبہ مقناطیس کا کام دیتا اور انسانی روح کو اپنی جانب کھینچ لیتا تھا چنانچہ ماہ صفر ۸ھ میں حضرت خالدؓ بن ولید اور عمروؓ بن عاص اور کعبہ کے کنجی بردار حضرت عثمانؓ بن ابی طلحہ کے دلوں میں اسلام نے اپنا گھر کیا اور اسلامی دارالسلطنت مدینۃ الرسول میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔

ان مشہور شجاعان عرب اور معزز رؤسا، قوم کا مسلمان ہونا اور وطن مالوف یعنی مکہ کو چھوڑ کر مدینہ کا اسلامی لشکر میں داخل ہونا ایسا نہیں ہے جس کو مسرت کے ساتھ نہ ظاہر کیا جاوے خصوصاً حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے کارنامے جو خلافت صدیقی و فاروقی میں نما[illegible]ئے اور اسلامی دنیا کو ابتدائی

غزوات میں غزوہ موتہ کی مشہور جنگ اور ان کے ہاتھوں فتح و نصرت جس کے صلہ میں ان کو بارگاہ رسالت سے سیف اللہ کا مبارک خطاب مرحمت ہوا اسپر مجبور کرتا ہے کہ ہم اس شیرِ خدا بہادر کے اسلام کی تمام مسلمانوں کو مبارکباد دیں۔

مذکورہ تینوں حضرات کے اسلام لانے اور ہجرت کرنے پر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا تھا کہ "آج مکہ نے اپنے جگر گوشہ لوگوں کو مدینہ کی جانب بھیجدیا" اور درحقیقت یہ مقدس بزرگوار بلحاظ عزت و وقعت و بحیثیت شجاعت و ہمت و نیز بنظر ریاست و سیاست باشندگان مکہ کے منتخب سربرآوردہ اور چیدہ سردار تھے جنکے دلوں پر خلق و کرم محمدی نے نہایت آسانی کے ساتھ قبضہ کیا۔

فن اسماء الرجال کی معتبر کتاب تقریب التہذیب سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی صلح حدیبیہ کے بعد فتح مکہ سے قبل مسلمان ہوئے بہرحال جنگ احد میں مسلمان جیسی ثابت قدم جماعت کو منتشر کرنے والے بہادر حضرت خالد اور اللہ کے مقدس گھر کے کنجی بردار اور خادم حضرت عثمان اور عاص کے بہادر بیٹے حضرت عمر رضی اللہ عنہم کا اسلام ۸ھ میں قبل فتح مکہ متیقن اور متفق علیہ ہے۔

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ قیصر رومی کے ایک ماتحت عیسائی امیر شرجیل نامی نے مسلمانوں کے قاصد حارث رضی اللہ عنہ بن عمر ازدی کو مار ڈالا تھا جو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک حاکم بصریٰ کے نام لئے جاتے تھے۔ یہ رومی ظلم و تعدی کوئی ایسی سرسری بات نہ تھی جس کو مسلمان نظرانداز کرتے چنانچہ اسی سال ۸ھ میں مسلمانوں کی تین ہزار فوج حضرت زید بن حارثہ کی ماتحتی میں ملک شام کیجانب اس غرض سے روانہ ہوئی کہ سفاک و بیرحم غسانی شہزادے سے اس غدر و تظلم کا سبب دریافت کرے چنانچہ رومی افسر شرجیل غسانی نے جرم کا اقرار کیا اور عظیم الشان جنگ کی بنیاد ڈالی۔

اسلامی مختصر گروہ کو ۸ھ کے ماہ جمادی اولیٰ میں عیسائی کثیر التعداد فوج سے مقام موتہ میں مقابلہ کرنا پڑا جو ملک شام کے شہر بلقا کے پاس ہے مگر چونکہ دشمن کی فوج ایک لاکھ سے زیادہ تھی جنکے مقابلہ پر تین ہزار کا اسلامی لشکر کوئی مناسبت نہ رکھتا تھا اس لئے مسلمانوں کو تردد ہوا اور بعض اہل اسلام کی رائے ہوئی کہ جنگ میں توقف کرنا چاہئے اور جس وقت تک مدینہ سے پوری جمعیت کمک کے لئے نہ بلائی جائے اس وقت تک لڑنیکا قصد نہ کیا جائے لیکن چونکہ دشمن سر پر آکھڑا ہوا تھا اور اسلامی حمیت و جوش اس تعویق کو گوارا نہیں کرسکتا تھا اس لئے تن بتقدیر مسلمانوں کو مقابلہ کرنا پڑا اور یہ سمجھکر کہ اسلامی تعلیم نے

مجاہدین کی موت وحیات دونوں حالتوں کو خوش آئندہ بنایا ہے نظر بہ خدا آمادہ کارزار ہو گئے۔

مدینہ سے روانہ ہوتے وقت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی سرداری کا جھنڈا حضرت زیدؓ بن حارثہ کے ہاتھ میں دیا اور یوں فرمادیا تھا کہ اگر زیدؓ شہید ہو جائیں تو ابو طالب کے بیٹے جعفرؓ کو جھنڈا لینا چاہئے۔ اور جعفر بھی انتقال کر جائیں تو عبداللہؓ بن رواحہ کو امیر لشکر بننا چاہیے اور یہ بھی شہید ہو جائیں تو مسلمانوں میں سے ایک مسلمان حاکم بنا لیا جائے گویا ان الفاظ سے اشارہ کر دیا تھا کہ ایسا ضرور ہونا ہے اور اس پیش آنے والی جنگ میں ان تینوں حضرات کے شہید ہونے کے بعد چوتھے مسلمان کے ہاتھوں پر فتح وظفر نصیب اہل اسلام ہو گی۔

افق مشرق سے آفتاب کا منہ نکالنا تھا کہ جنگ کے ہولناک منظر کی تیاریاں شروع ہو گئیں شامی سرسبز و شاداب زمین کی گلکاریاں اور وسیع و پر فضا میدان کی ٹھنڈی ہوائیں شباب پر تھیں کہ کشت وخون کا بازار گرم ہوا اور حضرت زیدؓ بن حارثہ اسلامی پھریرا اہلاتے اپنی تین ہزار کی مختصر اسلامی جماعت کو آگے بڑھائے لئے ہوئے جاتے نظر آئے۔ شجاعت و مردانگی نے قدم چومے اور اقبال وظفر کی مبارک صورت نے پیشانی کا بوسہ لیا کیونکہ اس ہونہار شیدائی گروہ کی ثابت قدمی اور تیس گنی تعداد سے زیادہ فوج کے مقابلہ کی آمادگی نے نظم وسیاست کے ہوش وحواس مضمحل کر دیئے تھے خدائی فضل وکرم اور غیبی نصرت واعانت کا سر پر چھتر رکھے ہوئے حضرت زید نے قدم بڑھایا اور رومی فوج میں ایک زلزلہ پیدا ہو گیا قریب تھا کہ بدحواس فوج پریشان ومنتشر ہو کر پیٹھ دکھائے مگر افسوس کہ اسلامی سردار پر سخت حملہ کیا گیا اور امیر الجیش متواتر تلوار ونیزہ کی ضربیں کھا کر زمین پر گرے۔ سرداری نشان ہاتھ سے چھوٹ گیا اور حضرت زید شربت شہادت نوش فرما کر راہی ملک بقا ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اسلامی جرار فوج اور بہادر سپاہیوں میں انتشار پیدا نہ ہونے پایا تھا کہ حضرت جعفرؓ نے لپک کر گرا ہوا اسلامی جھنڈا اٹھا لیا اور سپہ سالار فوج بنکر مسلمانوں کو للکارا کہ "ہاں ہاں بہادر مسلمانو آگے بڑھو اور خدا پر نظر رکھکر دشمنوں کا قلع قمع کر دو" یہ روح پھونکنے والی آواز مسلمانوں کے قدرتی جوش کو بڑھانے کے لئے کافی تھی کیونکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ اسلامی مبارک جھنڈا قابل احترام سردار کے ہاتھ میں ہے اور سچے خدا کی بھرپور مدد ان کمزور بازوؤں میں قوت دینے کے لئے موجود ہے چنانچہ یکبارگی ایک سخت حملہ کر بیٹھے اور دشمنوں کے جم غفیر میں اس طرح گھستے چلے گئے جیسے دھوپ کی شعاعیں شب کی تاریکی میں

گھستی چلی جاتی ہیں مگر افسوس کہ اس حملہ میں بھی خاطر خواہ کامیابی نہ ہوئی اور امیر الجیش حضرت جعفرؓ پر نیزہ و تلوار کے پے در پے حملے ہونے لگے۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے پچاس سے زیادہ زخم کھائے اور آخر داہنا ہاتھ کٹ جانے پر سرداری جھنڈا بائیں ہاتھ میں لیا اور بایاں ہاتھ کٹنے پر شانہ اور بازو کے زور سے تھاما انجام کار زمین پر گر کر شربت شہادت نوش فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت عمرؓ کے صاحبزادے عبداللہ جو اس جنگ میں شریک تھے فرماتے ہیں کہ جنگ سے فراغت کے بعد مقتولین کی نعشوں میں حضرت جعفرؓ کی نعش تلاش کی اور دیکھا گیا تو نیزہ و تلوار اور تیروں کی بوچھاڑ کے کچھ اوپر نوّے نشان تھے جن میں کوئی پشت کی جانب نہ تھا جس سے گھبراہٹ و فرار کی بدگمانی ہوتی۔ اسی وجہ سے کہ اس اسلامی سردار کے دونوں ہاتھ خدا کی راہ میں کام آئے تھے حق تعالیٰ نے انتقال کے بعد دو پَر مرحمت فرمائے جن میں قوتِ پرواز عطا کی گئی اور یہی سبب ہے کہ انکا مبارک لقب جعفر طیار اور ذوالجناحین قرار پایا جو عربی رسولؐ کی زبان پر بھی جاری تھا۔

اسلامی لشکر کے دو سپہ سالار یکے بعد دیگرے شہید ہو کر راہی ملک بقا ہو چکے تو جھپٹ کر اسلامی مبارک نشان حضرت عبداللہؓ بن رواحہ نے لیلیا اور اپنی ماتحت فوج کو لڑائی کے گھمسان میں بڑھائے لئے چلے گئے مگر چونکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زبان سے نکلا ہوا فقرہ ضرور پورا ہونا تھا اور اس ارشاد کا مصداق جس میں اشارۃً تینوں سرداروں کی شہادت کا اظہار کیا گیا تھا ظاہر ہونا تھا اس لئے تھوڑی دیر بعد حضرت عبداللہؓ بھی زمین پر گرے اور شہید ہو کر عالم بقا کے دونوں گذشتہ مسافروں کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت عبداللہؓ کی شہادت بعد مسلمان فوج کے مشورہ سے اسلامی جھنڈا حضرت خالدؓ بن ولید نے ہاتھ میں لیا اور چونکہ وہ دن یاد تھا جس میں اسلامی جماعت کے مقابلہ پر میدان احد میں بہادری دکھائی تھی اس لئے اس کی تلافی کرنے کے ارادہ سے بسم اللہ کہکر قدم بڑھایا اور رومی ٹڈی دل میں وہ تہلکہ بپا کیا جس کا نمونہ کئی صدی بعد سلطان صلاح الدین نے دکھایا ہے۔

حضرت خالدؓ بن ولید کا شیرانہ حملہ ایسا نہ تھا جو فوج کو بجائے خود قائم رکھتا اس خونخوار یورش نے فوجی اجتماع میں افتراق اور لشکری صف بندی میں انتشار پیدا کر دیا اور اسلامی فوج عیسائی افواج کو چیرتی

پھاڑتی، مارتی کاٹتی، چولھا لڑتی اور خون بہاتی آگے بڑھی چلی گئی اور چند ہی گھنٹہ بعد خون کی ندیاں بہتی اور کشتوں سے پشتے لگے نظر آئے کیونکہ اس قدرتی سیل اور بہادرانہ یورش وحملے نے دنیا سے سیر ہوجانیوالی سپاہیوں اور گھوڑوں کی پیٹھ پر بیٹھے بیٹھے اکتا جانے والے سواروں کو جلدی جلدی زرخیز زمین کے نرم بستر پر ہمیشہ کے لئے لٹا دیا اور موت کی وہ آخری نیند سلا دیا جس سے بیداری اسیوقت ہوسکتی ہے جبکہ اسرافیل صور میں پھونک ماریں گے۔

حضرت خالد کی ثابت قدمی و بہادری کا پورا اندازہ وہی اصحاب کرسکے ہوں گے جنکو اس مبارک جنگ کے دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ البتہ حالات کے تتبع اور واقعات کی تلاش سے اسقدر ہم بھی کہسکتے ہیں کہ انسانی شجاعت واستقلال کا جو حظ وافی اس شیر خدا صحابی کو ملا تھا وہ شاید دوسرے کو نہ ملا ہو کیونکہ یہی ہیں جنکے بعد کے کارنامے دنیا کی پتھریلی وریگستانی زمین کسی وقت بھول نہیں سکتی۔ بلا زرہ یا ننگی پیٹھ پر سوار ہوکر دس گنے دشمنوں میں گھسجانا انکا شعار رہا چنانچہ اس جنگ میں بھی یکے بعد دیگرے نو تلواریں بدلیں کیونکہ کشت وخون کے مبالغہ کی وجہ سے کسی تلوار نے خاطر خواہ وفا نہ کی آخر ایک چوڑی وعریض یمانی تلوار نے مقدس ہتیلی کا بوسہ لیا اور انجام کار وہ نتیجہ پیدا ہوا جس کی ہر مسلمان قلب کو تمنا وآرزو تھی وہ یہ کہ غسانی شہزادہ کی کثیر التعداد فوج تاب مقاومت نہ لاسکی اور اپنی جمیعت وشجاعت کے دعوی پر دھبہ لگا کر پشت کی جانب بھاگی۔

رومی فوج کو شکست ہوئی اور اسلامی لشکر نے فائز المرام اپنے دار السلطنت یعنی مدینۃ الرسول کی جانب رُخ کیا کیونکہ اس وقت جنگ سے مقصود ملک گیری نہ تھی بلکہ اُس گستاخانہ حرکت کی سزا اور ظلم وتعدی کا انتقام لینا منظور تھا جو بیکس وبیچارے مظلوم شہید حضرت حارثؓ بن عامر ازدی کے ساتھ کیگئی تھی۔

اس سے پہلے کہ اسلامی لشکر مدینہ پہونچے اور گذرا ہوا قصہ مشتاق مسلمانوں کو سنائے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے آسمانی وحی اور غیبی اطلاع سے خبردار ہوکر پسماندہ اصحاب کو سنا دیا تھا کہ تینوں سردار یکے بعد دیگرے شہید ہوئے اور آخر خدا کے بہادر پہلوان خالدؓ سیف اللہ کے ہاتھوں میدان رہا حضرت سرور عالم تینوں مرحوم اصحاب کی خبر انتقال بیان فرماتے اور آنکھوں سے آنسو بہاتے جاتے تھے۔ کیونکہ پیارے محبوب حضرت زیدؓ جنکو اولاد کی طرح پرورش کیا تھا اور چچازاد بھائی حضرت جعفرؓ دنیا میں جسمانی

ملاقات سے ہمیشہ کے لئے مفارقت کر گئے تھے اور حضرت عبداللہؓ جیسے جان نثار خادم بھی ان کے ساتھ روانہ ہو گئے تھے جن کی غمگساری و جان نثاری سب پر ظاہر تھی۔

ایک مرتبہ جبکہ یہ سخت مرض میں مبتلا تھے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کو تشریف لے گئے تھے تو ضعف مرض کے باعث نڈھال اور کثرت تعب کیوجہ سے بیہوش تھے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی کہ بار الہا عبداللہؓ کی موت آگئی ہے تو نزع کی تکلیف آسان فرما کر جلد راحت نصیب کر اور اگر حیات باقی ہے تو شفائے عاجلہ اور صحتِ کاملہ مرحمت فرما" چنانچہ اسی وقت سے افاقہ شروع ہو گیا تھا مگر آج چونکہ وقت برابر ہو لیا تھا اس لئے موتہ کے کھلے میدان میں خون آلودہ کپڑوں سمیت دفن کئے گئے اور اس ازلی نعمت سے فائز ہوئے جس کی ہر مسلمان کو خواہش ہے۔

جسدن حضرت جعفرؓ طیار کے انتقال کی خبر سنائی گئی اور حضرت ذوالجناحین کے پسماندگان کو یتیم و بیوہ ہونیکا حادثہ پیش آیا اُس دن رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانا پکوا کر ان کے گھر بھیجا اور یوں ارشاد فرمایا کہ "مصیبت زدہ گھر والوں کو پکانیکا ہوش نہ ہوگا اس لئے یہ لیجاؤ اور کھلادو" نیز تین روز تک چچازاد بھائی کی تعزیت کے لئے مسجد میں بیٹھے گویا آنیوالی امت کو عملی حالت سے تعلیم فرما دیا کہ ہر نیوالے رشتہ دار کے قرابت داروں کے ساتھ یہ طریق برتنا چاہئے یعنی صرف تین دن تک حزن والم کا اظہار یا تعزیت کے لئے ایک جگہ پر ٹھہرنا اور محض ان رشتہ داروں کو کھانا بھیجدینا جنکو رنج والم کے باعث پکانیکا ہوش نہ ہو باقی برادرانہ نویدیا قریب و بعید کنبہ کا اجتماع سب دنیاوی رسوم ہیں جو دسویں بیسویں یا چہلم و برسی کیطرح بے اصل و بے سود ہیں۔

باب ششم (۶۷)

مسجد نبوی کا منبر اور حضرت ابراہیم بن رسول اللہ کی ولادت

- غالباً ہم بیان کر چکے ہیں کہ مسجد نبوی کی تعمیر ابتداً بیت المقدس کی جانب قبلہ قائم رکھکر کیگئی تھی کیونکہ جس وقت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں ہجرت فرما کر تشریف لائے تھے اس وقت اہل اسلام کا قبلہ بیت المقدس تھا اس لئے اب یہ ظاہر کرنا بھی خالی از لذت نہ ہوگا کہ اس حالت میں سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نماز کی حالت میں کھڑے ہونے کی جگہ وہ تھی جس جگہ کھڑے ہو کر اسطوانہ مخلق پشت کی جانب اور باب عثمان کی محاذات میں شام کی جانب توجہ ہوتی ہے اور جب چند ماہ بعد بیت اللہ قبلہ قرار پایا تو چودہ پندرہ روز تک

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اسطوانہ مخلق کے پیچھے جسکو اب اسطوانہ عائشہ کہا جاتا ہے نماز ادا کرتے رہے اور اس کے بعد آپکا قیام اس جگہ متعین ہوگیا جہاں اب محراب قائم کی گئی ہے۔

زمانہ رسالت پناہ میں عام مساجد کی طرح متعارف محراب کا رواج نہ تھا اس کی ابتداء ولید بن عبدالمطلب کی طرف سے مدینہ کے حاکم مقرر کئے ہوئے عمر بن عبدالعزیز کے وقت سے ہوئی ہے۔

مقدس مسجد کی ابتدائی تعمیر کے وقت چونکہ منبر بھی نہ تھا اس لئے محراب کے متصل پچھاں کی جانب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہموار زمین کی سطح پر کھڑے ہوکر حاضرین کو خطبہ سناتے اور طول قیام کی وجہ سے کسل عارض ہوتا تو اس لکڑی سے سہارا لگا لیا کرتے تھے جو اس جگہ نصب تھی۔ ۸ھ ہجری نبوی کے شروع تک یہی حالت رہی یہانتک کہ ایک انصاریہ عورت کے غلام میمون نامی نجار نے درخواست کی کہ یا رسول اللہ اگر ارشاد عالی ہو تو میں سیڑھی دار منبر بناؤں جسپر بیٹھنا اور کھڑا ہونا بھی آسان ہو جائے اور خطیب کی جگہ بلند ہو جانے کے باعث حاضرین کا خطبہ عالی رتبہ سننا بھی سہل ہو چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرمایا اور میمون نجار کی آقا انصاریہ عورت کو کہلا بھیجا کہ اپنے غلام کو میری لئے منبر تیار کرنے کی اجازت دیدو۔

دینی سردار کے ارشاد کی تعمیل اور خدمت کی سرانجامی کو چونکہ ہر صحابی مرد اور صحابیہ عورت ذریعہ عزووقار سمجھ رکھا تھا اس لئے میمون کو اپنا خیال پورا کرنیکا بآسانی موقع ملا اور ۸ھ میں مدینہ سے نو میل کے فاصلہ پر مشہور مقام غابہ کی مستحکم و مضبوط لکڑی کا خوبصورت منبر تیار ہوکر مسجد نبوی میں اُس جگہ رکھا گیا جہاں کہ آج رکھا ہوا ہے۔

یہ منبر دو ذراع لمبا اور ایک ذراع چوڑا تھا جس میں تین درجہ تھے اور ہر درجہ کا عرض ایک بالشت اسکا تیسرا درجہ بیٹھنے کے لئے تھا غرض جب منبر شریف مسجد میں رکھا گیا اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی جگہ سے نقل فرمایا تو وہ لکڑی جسپر کبھی کبھی تکیہ فرمایا کرتے تھے آپ کے فراق صحبت سے یکلخت تڑپ گئی اور سسکیاں لیکر اس طرح رونا شروع کیا جس طرح ذی روح انسان کسی مفارقت محبوب کے صدمہ سے روتا ہے۔

لکڑی کا اس مفارقت کے رنج میں رونا اور اونٹنی کی طرح چلانا ایسا مشہور واقعہ ہے جو متعدد روایات سے ثابت ہے صحیح و مستند کتابوں میں مختلف اسناد سے بیان کیا گیا ہے کہ وہ لکڑی اسقدر بیقرار ہوئی

کہ تمام حاضرین مجلس اُس کی قابل رحم حالت دیکھکر بے اختیار رونے لگے کیونکہ رقیق القلب اور رحمدل مسلمانوں کو کسی صدمہ بھرے دل کا حسرت ویاس کے لہجہ میں بیتاب ہونا یا چوٹ کھائے ہوئے دل کا بیقرار بنکر رونا اور چیخنا چلانا گوارا نہ تھا یہانتک کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے نیچے اترے اور جسم مبارک کو لکڑی سے مس کرنے کے بعد یوں فرمایا کہ "اگر تو چاہے تو جس حالت پر تھی اسی حالت پر تجھکو چھوڑدوں اور اگر تیری خواہش ہو تو تجھکو بہشت میں بٹھاؤں کہ وہاں کی نہروں اور چشموں سے سیراب وشاداب ہو"

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس جسم کا مس کرنا اور ان تسلی دہ کلمات کا فرمانا تھا کہ بیجان لکڑی کا گریہ ونالہ بند ہو گیا آخر کار آپ نے یہ فرما کر کہ اسنے دار الخلد کو اختیار کیا منبر شریف کی جانب مراجعت فرمائی۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ اس حدیث کو سنکر رو یا کرتے اور یوں ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ "اے بندگان خدا تعجب ہے کہ لکڑی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں روئے اور ذی روح انسان یا کسی غلام آستانہ مسلمان کی آنکھ نہ پسیجے ؎

سنگے ونباتے کہ در و خاصیتے ہست ٭ بہ زآدمی واں کہ در و معرفتے نیست

انصاف پسند طبیعتیں اور نبوی معجزات پر نظر ڈالنے والے حضرات بہ نظر تقابل آنکھ اٹھا کر دیکھیں کہ بیجان لکڑی میں چند روزہ صحبت مصطفوی سے حیات و معرفت کا جو مرتبہ پیدا ہوا ہے اس کو مسیحائی فیضان سے تن بیجان کے جاندار ہونے اور عصائے موسوی کے ذی روح سانپ بنکر دوسروں پر غلبہ پانے سے کیا مناسبت ہے۔ مانا کہ تینوں حضرات کے یہ واقعات معجزے ہیں مگر ایک عرصہ تک حیات سے مانوس رہنے والے جسم میں پھر علاقہ حیات کا پیدا ہو جانا یا حیات سے محروم لاٹھی کا لایعقل حیوان بنجانا اس قدر بعید نہیں ہے جتنا کہ سوکھی لکڑی کا محض چند روزہ صحبت سے درجہ حیوانیت پر پہنچکر انسانیت اور انسان میں بھی کامل انسان یعنی صاحب معرفت کا مرتبہ پانا خرق عادت معجزہ جو حیوانات کو کیا معنی ہزار ہا انسان کو بھی حاصل نہیں۔

نباتات میں کسی خشک لکڑی کا ذی حیات ہونا اور پھر مفارقت کی حس وعقل اور اس پر طرہ یہ کہ متفرق ومختلف یعنی عام وخاص صحبت میں امتیاز وتفرقہ۔ جدائی سے آگاہی اور آگاہی پر بیتابی وبیقراری اور بیتابی پر گریہ وزاری اور اس کے بعد وصال محبوب سے سکون وتسلی یعنی زار زار رونے والوں کیطرح آہستہ آہستہ سبکیاں لیکر خاموش ہونا یہ ایسی باتیں ہیں جنکو صحابہ کرام نے تو قدر و معرفت کی نظر سے

دیکھا ہی ہوگا مگر اتنا ہم بھی ضرور کہسکتے ہیں کہ اگر یہ معرفت و مردم شناسی کسی انسان کو نصیب ہو تو اس کو اپنے ہمعصر نوع انسان پر فخر کرنیکا موقع ہاتھ آجائے۔

منبر مقدس خلفاء راشدین کے زمانہ تک اپنے حال پر رہا اور خلیفہ ثالث حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اپنی خلافت سراپا عدالت کے چھ سال گذرنے پر نیچے کے درجے جسکو خلافتِ صدیقی کے بعد خلیفہ ثانی حضرت فاروق اکبر رضی اللہ عنہ نے تأدباً اختیار کیا تھا حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹھنے کی جگہ پر گئے اور سب سے پہلے منبر شریف کے لئے جامہ قبطیہ کی پوشش بنائی۔ بعض مورخین کی رائے یوں ہے کہ منبر اطہر کو لباس پہنانے والے حضرت معاویہؓ ہیں واللہ اعلم۔

حضرت امیر معاویہ رضؓ اپنے زمانہ امارت میں جسوقت شام سے مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو قصد کیا کہ منبر شریف کو اپنے مقبوضہ ملک شام میں لیجائیں مگر منبر کا جگہ سے ہلانا تھا کہ عالم تاریک ہوگیا عالمتاب آفتاب سیاہ پڑگیا اور یکدم ایسا اندھیرا چھا گیا کہ دن کو تارے نظر آنے لگے گویا رسالتمآب کے قائم کئے ہوئے منبر کو دوسری جگہ منتقل کرنا سوء ادب سمجھا گیا یہ حالت دیکھکر امیر معاویہؓ اس قصد سے باز آئے اور فرمایا کہ میرا مقصود منبر کے ہلانے سے یہ تھا کہ دیکھوں اس کی مقدس لکڑی کو زمین نہ کھا گئی ہو اور امتداد زمانہ نے اس کو بوسیدہ نہ بنا دیا ہو بہر حال جو کچھ بھی ہو حق تعالیٰ کو منظور نہ تھا کہ پیارے پیغمبر کی یہ مبارک یادگار اسلامی دارالسلطنت مدینۃ الرسول کو چھوڑ کر دوسری جگہ جائے چنانچہ امیر معاویہ نے چھ درجے اور زیادہ کئے اور منبر شریف کو اس جدید منبر پر اٹھا کر رکھا۔

کئی سال بعد جبکہ زمام سلطنت خلفائے عباسیہ کے ہاتھ میں آئی تو خلیفہ مہدی نے قصد کیا کہ امیر معاویہؓ کی طرح چھ درجے اور بڑھائے مگر امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کی ممانعت کے باعث یہ خیال پورا نہو سکا کیونکہ کسی محترم یادگار کے ساتھ شاہی مباہات کو دخل دینا گویا سلاطین کے لئے ایک نمود و یادگار سلطنت یا بقاء نام و تفاخر امارت و حکومت کا مشغلہ قائم کر دینا ہے جو عند الشرع پسندیدہ نہیں ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا بنوایا ہوا منبر جب طول مدت اور امتداد زمانہ کیوجہ سے بوسیدہ ہو گیا تو خلفائے عباسیہ میں کسی با اقتدار بادشاہ نے منبر کی تجدید کی اور بقایائے منبر نبوی کی کنگھیاں بنائی گئیں مگر افسوس کہ ۶۵۴ھ ہجری کی مشہور آتشزدگی سے عباسی خلیفہ کا بنوایا ہوا منبر بھی جل گیا اور پھر از سر نو منبر بنوایا گیا ہے جس میں بادشاہان اسلام اپنے اپنے عہد حکومت میں کچھ کچھ تغیر کرتے رہے

یہانتک کہ سلطان روم سلطان مرادخاں بن سلیم خاں مرحوم نے ۹۹۸ھ ہجری میں منبر مقدس رومی پتھر کا بنوایا اور ہفت جوش کا قبہ قائم کیا جس کا تاریخی سال کسی رومی فاضل نے اس عبارت میں ظاہر کیا ہے۔ "منبر اعمر سلطان مراد"

سلطان مرادخاں مرحوم کے بعد کسی پادشاہ نے منبر شریف میں تغیر نہیں کیا البتہ حسب ضرورت وقت ترمیم ہوتی رہی۔ چنانچہ سلطان عبدالمجید خاں بن سلطان محمود خاں نے جبکہ مسجد نبوی کو از سر نو تعمیر کرایا اور ۱۲۷۷ھ ہجری میں عمارت سے فراغت پائی تو اسی منبر کو اپنی جگہ قائم کیا اور شاید کچھ ترمیم ہوئی ہو مگر تجدید یا تغیر نہیں ہوا جیسا کہ کتب تواریخ سے ثابت ہے۔

اسی سال یعنی ۸ھ میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم عفت مآب خاتون ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئے اور جس خوش نصیب صحابی نے یہ راحت بخش مژدہ حضرت تک پہونچایا ان کو مسرت وخوشی میں ایک غلام عنایت کیا گیا۔

مسجد بنی قریظہ سے شمال کی جانب نخلستان کے درمیان حرہ شرقیہ کے نزدیک بغیر چھت کی ایک چاردیواری ہے جس کا طول مشرق سے مغرب کی طرف چودہ (۱۴) گز اور عرض قبلہ سے شام کی جانب گیارہ گز ہے۔ یہ مقام مسجد مشربہ ام ابراہیمؑ کے نام سے مشہور ہے۔ کیونکہ مشربہ کے معنی عربی لغت میں باغ کے ہیں اور چونکہ حضرت ابراہیمؑ کی والدہ ماریہ قبطیہؓ کا یہاں باغ تھا اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس جگہ نماز پڑھنا بھی ثابت ہے اس لئے یادگار کے طور پر مسجد قائم کردی گئی ہے۔ یہیں حضرت ابراہیم پیدا ہوئے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے چند باغات بھی یہیں تھے۔ جنکو فقراء پر وقف فرما دیا تھا۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت اصحمہ نجاشی پادشاہ حبشہ نے مشرف باسلام ہو کر تحائف میں دو قبطی النسل بہنیں ہدیۃً رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجی تھیں جن میں حضرت ماریہ کو حضرت نے اپنے لئے پسند فرمایا تھا یہی عفت مآب خاتون حضرت ابراہیم کی والدہ ہیں جنکو ساتھ حسن سیرت وحسن صورت دونوں نعمتوں سے فائز ہونے کے باعث نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو خاص انسیت تھی اور چونکہ بی بی صدیقہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ان کی نسبت ایک غیرت اور اور بشریت کی بنا پر وہ رقابت پیدا ہوئی تھی جو عموماً ایک عورت کو اپنی سوتن سے ہونی چاہئے۔

اس لئے حضرت نے ماریہ قبطیہ کو حارث بن نعمان کے مکان سے منتقل کر کے عوالی مدینہ میں اس مقام پر لا رکھا جہاں یہ مبارک مسجد ہے اور اس جگہ کبھی کبھی تشریف لاتے اور دیکھ جایا کرتے تھے چنانچہ اسی جگہ حضرت ماریہ کو صاحبزادہ کی وہ نعمت و دولت نصیب ہوئی جس سے حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بعد دوسری عورتیں محروم رہیں۔

باب ۷۷

سریہ خبط اور حرقات جہینہ ۔ مسلمانوں کی مختصر مگر متوکل و پاکباز اور باہمت و عالی حوصلہ جماعت اسلامی شان و شوکت بڑھانے اور دینی رفعت و غلبہ کے سامان میں اس طرح ساعی و کوشاں تھی جس طرح مشفق و مہربان ماں اپنی ہونہار اولاد کی تربیت میں یا نمکخوار و تابعدار ملازم اپنے محسن و مربی آقا کی ترقی و عروج میں کوشش کرتا ہے۔

اس مخلص گروہ نے اعلاء دین میں جفاکشی کو اپنا فخر اور مذہبی ترویج میں سفری صعوبتوں اور بھوک پیاس کی ناگوار مصیبتوں کو مایۂ ناز سمجھ رکھا تھا کیونکہ اسلامی تعلیم نے آنیوالی بیش قیمت زندگی کا یقین دلا کر آخرت کی جاوید لذتوں کی جانب متوجہ بنا دیا تھا اور ہر مسلمان اپنی خلقت و پیدائش کے اصلی مقصود کو مدنظر رکھ کر مان چکا تھا کہ دنیا کے تمام فانی تعلقات کے منقطع ہوئے پیچھے ایسے ان دیکھے عالم کو دیکھنا ہے جس کی تکلیف برداشت ہونی دشوار ہی نہیں بلکہ محال ہے۔

مسلمانوں کے ہاتھوں میں آیا ہوا مقدس مذہب اسلام جن مصیبت کے بعد ہم تک پہونچا ہے اس کا اندازہ ان ابتدائی واقعات کے سننے یا پڑھنے سے ہو سکتا ہے کہ اسلامی دنیا کے ابتدائی باشندے مہینوں کھانے کو ترسے اور کئی کئی ہفتہ بھوکے پیاسے دشمنوں سے لڑے ہیں جسکی نظیر دنیا کی موجودہ اقوام اور مختلف مذاہب میں ذرا مشکل سے ملیگی۔ مگر اسکے ساتھ ہی یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ان فانی و بے حقیقت لذتوں کے مقابلہ پر پچھلی زندگی کی سنوارنے والی پائدار آسائش کو مقدم سمجھنا ہی اس بہتر نتیجہ کا باعث ہوا کہ آج ان بزرگ مقدس راہبر اور ہادی دین حضرات کے مبارک نام مسلمانوں ہی کی زبان پر نہیں بلکہ مخالفین اسلام کی زبانوں پر بھی اُس عزت کے ساتھ آتے ہیں جو کسی مذہب کے قائم کرنے والوں کو نصیب نہیں ہوئی۔

کوئی مذہب یا قلبی خیال کیسا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو نا آشنا کانوں میں ڈالنا اور خالی الذہن ہمعصر

افراد انسان کے دلوں میں بٹھانا جیسا ہی دشوار مانا گیا ہے اس کو ہر قوم وملت کا دل جانتا ہے مگر آج دنیا میں مسلمانوں کے سوائے یہ فقرہ کہنے کا کسی کو منہ نہیں ہے جو ترقی ہمارے قابل افتخار سلف کو نصیب ہوئی ہے وہ کسی کو نصیب نہیں ہوئی کیونکہ ابتداء دنیا سے ہر بانیٔ مذہب نے انسانی جماعت میں ترقی کی کوشش کی بسکھیامنی (بدھ مذہب کا بانی) اور افلاطون وغیرہ ہر ایک نے اپنے دلی خیالات کی ترویج میں سرگرمی دکھائی لیکن افسوس کہ ان کے خیالات پورے نہ ہونے پائے اور وہ سب کے سب اپنے مقصد کو پورا کئے بغیر اس دنیا سے اس وقت رحلت کر گئے جبکہ ان کے اہم کام کا سنبھالنے والا یا نیا بنۂ مذہبی عقاید و اصلاح کا قائم رکھنے والا معتقد خادموں میں کوئی نظر نہ آیا۔ یہ مہتم بالشان کام خونخوار شاگردوں اور ظلم پسند بادشاہوں کے حوالہ ہوا جس میں عیسائی قوم کا بادشاہ قسطنطین اور بدھ مذہب کا ماتحت حامل آشوکا یا زردشتیوں کا نائب حاکم دارا اور اسرائیلی قوم کا سردار یوشا ان امور کی تصدیق کر رہا ہے۔ اس سچ ہے اور ضرور سچ ہے کہ یہ فضیلت صرف پیارے سردار رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لئے امانت رکھی گئی تھی کہ آپ اپنی رسالت اور جملہ پیغمبروں یا ہادیوں کی سفارت وہدایت بذات خود پوری کریں۔ یہ صرف آپ ہی کی مستجمع الصفات ذات کے لئے مخصوص تھا کہ کل روحانی اور اخلاقی نعمتوں کی تکمیل ہوتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔

ایک لاکھ سے زیادہ بندگان خدا کو سچے معبود اور ایک خدا کا کلمہ پکارتے ہوئے کانوں سے سنیں اور گروہا گروہ بنی نوع انسان کو باہمی اتفاق واخوت کے ساتھ مذہبی مقدس ارکان یا دینی پاک اصول برتتے ہوئے چھوڑیں۔ کامل مکمل شریعت اور بے عیب ولازوال نعمت کو ایسے قابل اطمینان اور اہل قدردان معتقدین کے ہاتھوں میں دیکر رخصت ہوں جنہیں جفاکشی ومستعدی۔ صلاحیت وتقویٰ۔ زہد وریاضت رفاہیت عامہ ورحمدلی۔ رعایا پروری وخداترسی کی وہ شان جلوہ گر ہو جو مستقل طور پر خداوندی سفیر کی ذات میں ہونی چاہئیں اس لئے دعویٰ کے ساتھ پکار کر کہا جاتا ہے کہ اگر کسی ملت ومذہب کو اپنے اسلاف اور بانی وہادی کے ذاتی قابل تعریف حالات یا باعث فخر ترقی ونمایاں عروج پر ناز ہو تو سامنے لائے اور مقابلہ کرائے۔ مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید۔ جذبی قوت وروحانی اصلاح کی پرکھنے والی کسوٹی پر کسے جاتے وقت پیراں نمی پرند ومریداں می پرانند کی قابل نفرت کھوٹ یا افضلیت و برتری اور سیادت وفوقیت کی جانچ پر تالی حالت کھلسکتی ہے اور اس سے پہلے پہل

۵ ہر کس کہ نداند و بداند کہ بداند ❊ در جہل مرکب ابد الدہر بماند

اسلامی فلک کے ماہتاب نے اپنے فیض یافتہ کواکب سیارہ کو چاروں طرف نور پھیلانے کیلئے پھرانے میں کسی وقت تغافل نہیں کیا چنانچہ اسی سال شہ میں تین سو مسلمانوں کا گروہ حضرت عامرؓ بن عبداللہ فہری قریشی یعنی ابو عبیدہؓ بن جراح کی ماتحتی میں ساحل سمندر کی جانب اُس قریشی کارواں کی تلقی میں روانہ کیا گیا جو بحر عرب کے کنارے کنارے جا رہا تھا چنانچہ یہ لوگ اسی انتظار میں کامل پندرہ دن ساحل بحر پر پڑے رہے مگر کارواں سے مٹ بھیڑ نہ ہوئی۔ اس غزوہ کا نام اسی وجہ سے سیف البحر ہے کیونکہ سیف کے معنی عربی زبان میں ساحل اور کنارہ کے ہیں۔

کس کو خبر تھی کہ اس چند روزہ سفر میں اتفاقیہ صرف اس قدر مدت صرف ہوگی اور ساتھ لیا ہوا موجودہ توشہ ناکافی ثابت ہوگا۔ اس لئے چند ہی روز بعد بھوک کی ناقابل برداشت مصیبت کا سامنا ہوا اور امیر لشکر کو خبر دی گئی کہ موجودہ زاد راہ ختم ہو چکی اور اسلامی لشکر کو فاقہ کی نوبت پیش آنیوالی ہے چنانچہ تمام لشکری سپاہیوں کے بچے ہوئے چھوارے جمع کئے گئے تو دو مختصر تھیلیاں بھریں جو پوری سیری کے لئے تین آدمیوں کو بھی کافی نہ تھیں اس لئے حکم دیدیا گیا کہ یہ مشترکہ توشہ روزانہ تمام لشکر پر بحصہ مساوی تقسیم کیا جائے چنانچہ یہ سفری قوت تھوڑی تھوڑی مقدار میں سب کو بانٹی گئی اور آخر جب اسکے بھی ختم ہونیکا وقت آیا تو حکم دیا گیا کہ ایک ایک چھوارے سے زیادہ کسی سپاہی کو نہ دیا جائے کیونکہ اس مقدار پر بھی وہ ایام ختم ہوتے نظر نہ آتے تھے جنمیں بھوک کی تکلیف برداشت کرنے کا خیال یقین کی درجہ پر پہونچ چکا تھا۔

ایک چھوارے کی خوراک اور اسپر سفری صعوبت و جفاکشی مگر قہر درویش بجان درویش اس پاکباز جماعت نے اسی پر قناعت کی مگر تابکے آخر یہ بھی ختم ہو چکا اور فاقہ کشی کا وہ ہولناک منظر دیکھنا پڑا جسنے جنگلی کانٹے دار درختوں اور ریگستانی جھاڑیوں کے سوکھے ہوئے پتے جھاڑنے اور پیٹ میں ڈالنے پر مجبور کیا اور یہی سبب ہے کہ اس سریہ کا دوسرا نام سریہ خبطہ اور ذات الخبط ہے کیونکہ خبط کے معنی عربی لغت میں درخت کے پتے جھاڑنے کے ہیں۔

قدرت نے جو چیز انسان کی معاش مقرر کی ہے وہی درحقیقت قوت قائم رکھنے کے لئے موزوں ہے خصوصاً ایسی حالت میں جبکہ انسانی معدہ کسی خاص اناج یا نباتی پیداوار کے کھانیکا خوگر ہو مگر جو

مجبوری فاقہ مست پیٹ پر تین تین چار چار پتھر بندھواتی ہے وہی بیکسی و ناچاری کسی حد پر ترقی کر کے جانوروں کی قابل تنفر خوراک کھلانے اور بناسپتی یا سوکھے پتے جبانے کی جانب مضطر کرتی ہے اس لئے صحابۂ کرام نے بضرورت جھاڑیوں کے پتوں کو غذا بنایا۔ لیکن جو حالت گذری ہو گی اسکا وہی حضرات خوب اندازہ کر سکتے ہونگے جنکو یہ واقعہ پیش آیا تھا۔

انصاری متمول رئیس حضرت سعدؓ بن عبادہ کے باہمت صاحبزادے حضرت قیس رضی اللہ عنہ بھی اسی گروہ میں سپاہیانہ حیثیت سے داخل تھے اپنے رفقاء سفر اور ہمراہی لشکر کی یہ بُری حالت دیکھکر آنکھوں میں آنسو بھر لائے اسی حالت میں ایک لشکری سپاہی نے کہا کہ " اگر اس نازک حالت میں مطلوبہ کارواں سے مٹ بھیڑ ہو جائے تو وہ فاقہ مست مصیبت زدہ سپاہی جنکو ہلنے کی بھی تاب نہیں ہے کیا کر سکتے ہیں" اس حسرت بھرے مایوسانہ فقرے نے حضرت قیس کے دل پر اثر کیا اور یہ بیچین ہو کر آگے بڑھے اگرچہ جائداد و ریاست کے مالک پدر بزرگوار کے زندہ ہونے کی وجہ سے بذات خود تہیدست و غیر مختار تھے مگر شفیق و کرم گستر باپ کے نازپروردہ صاحبزادے نے کچھ خیال نہ کیا اور ساحل سمندر پر آبادباشندوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ " ہے کوئی جو چند اونٹ میرے ہاتھ ان مدنی چھواروں کے عوض ادھار فروخت کر دے جنکو زندہ واپس ہو کر مدینہ ادا کرنیکا میں ذمہ دار ہوں" چنانچہ ایک شخص باہر نکلا اور پانچ راس شتر حضرت قیسؓ کے ہاتھ فروخت کئے۔

سخاوت پسند رئیس زادے نے اونٹوں پر قبضہ کرنے کے بعد تین دن کے اندر یکے بعد دیگرے تین اونٹوں کو ذبح کیا اور مذبوحہ گوشت اسلامی لشکر کو تقسیم کر دیا مگر چوتھے دن امیر لشکر کی سخت ممانعت کے باعث اونٹ ذبح نہ ہو سکا کیونکہ سواری کے جانوروں کا ذبح کیا جانا زیادہ ترگوارا نہ تھا اور نیز باپ کی حیات میں دست نگر اولاد کا مال و متاع پر مالکانہ تصرف نہ ہونیکی وجہ سے حضرت قیسؓ پر تشدد کیا گیا کہ زیادہ مال کی قرض کی ادائیگی بحالت موجودہ تمکو دشوار ہے اس لئے اب کوئی اونٹ خیرات نکرو اور گو حضرت قیسؓ نے عرض بھی کیا کہ " اے امیر المومنینؓ میرا وہ عالی حوصلہ باپ جو مسکین و محتاج مسلمانوں کا پیٹ بھرنا باعثِ فخر سمجھتا ہے میرے اس فعل کو وقعت کی نگاہ سے دیکھے گا اور وہ انصاری رئیس جسنے ہر اجنبی قرضدار انسان کو بھی بار قرضہ سے سبکدوش کرنا مایۂ ناز سمجھ رکھا ہے مجھ پر بڑھے ہوئے اس قرضہ کو بخوشی ادا کرے گا جو میں نے اللہ کے مقبول بندوں اور مجاہد سپاہیوں کی جان بچانے کے لئے سرپر رکھا ہے

نگران کے قول کی سماعت نہ ہوئی اور صرف اس وجہ سے کہ حضرت قیسؓ پدری جائداد میں غیر مختار تھے حضرت عمر بن خطابؓ کا قطعی مشورہ یہی ہوا کہ حضرت قیسؓ کو شتر ذبح کرنیکی امیر لشکر کی طرف سے ہرگز ہرگز اجازت نہ ہونی چاہئے آخر مجبور چوتھے دن اسلامی لشکر کو پھر اسی مصیبت کا سامنا ہوا جو تین دن کے لئے موقوف ہو گئی تھی۔

مصیبتوں پر فخر کرنے والے مسلمان اور جفاکشی کے خوگر سپاہی ہر حالت پر اُس سچے معبود کے شکر گذار تھے جس نے اُنکو ان قابل قدر احکام کی تعلیم فرمائی تھی یہ ناز پروردہ نونہال اپنے پیدا کرنیوالے باقدرت پروردگار کے مقبول اور لاڈلے بندے تھے اس لئے دریائے رحمت میں جوش آیا اور غیبی اعانت و قدرتی مہمانی کی تیاری شروع ہو گئی یعنی یکایک سمندر میں تحرک و تموج پیدا ہوا اور پچاس ہاتھ طویل مچھلی کنارے پر آپڑی جو اسلامی لشکر کے لئے اٹھارہ دن کی خوراک کیلئے کافی ہوئی۔

بحری مخلوق کی عظمت و کثرت سے سمندری راستے قطع کرنے والے انسان واقف ہیں کہ اس سطح زمین سے چہار گنی ترقی میں حق تعالیٰ نے کیسے کیسے عظیم الشان جانور پیدا کئے ہیں جنکی حیات کا مدار پانی پر ہے خصوصًا سیاحان بحر جنکو دنیا کے سات سمندروں میں کسی سمندر کے عبور کرنے کا اتفاق ہوا ہے ان کو غالبًا ایسی مچھلیاں بھی نظر آئی ہوں گی جن میں ہر مچھلی کو ایک مستحکم و مضبوط آگبوٹ اور اس کے آہنی ستونوں کے توڑنے یا نگلجانے میں بھی دقت پیش نہیں آتی اس لئے ایک ایسی مچھلی پر اس مختصر لشکر کا اٹھارہ دن گذارا ہونا کچھ بعید نہیں ہے جس کی بابت اسکے دیکھنے والے صحابی کا بیان ہے کہ اس کی ہڈی زمین پر کھڑی کی گئی تو ایک اونچا شتر محمل سمیت بغیر کسی جانب مس کئے اور رگڑے ہوئے اس کے نیچے سے نکل گیا اور اس کی آنکھ کے حدقہ میں منوں آٹا گوندھ کر خمیر کیا گیا۔

بھوکے پیاسے لشکری سپاہیوں کو یہ نعمتِ غیر مترقبہ نظر آنے پر جو کچھ بھی حیرت و مسرت ہوئی ہوگی وہ ظاہر ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ امیر لشکر حضرت ابو عبیدہؓ کے حکم سے جبتک بھی ہم لوگ سفر میں رہے پندرہ دن سے زیادہ اسی سمندر کی پھینکی ہوئی مچھلی کا گوشت کھاتے اور چربی بدن پر ملتے رہے جسکو عنبر کہا جاتا ہے یہاں تک کہ تیل کی مالش سے لاغر بدن فربہ اور خالی معدہ کی خوراک پہونچنے سے اجسام تروتازہ اور چست و چالاک ہو گئے۔ یہی ماہی عنبر ہے جس کی خوشبودار فضلہ کو عنبر کہا جاتا ہے جو بلاد ہند میں اسّی روپیہ تولہ بھی دستیاب ہونا دشوار ہے۔

سریہ ذات الخبط کے مدینہ واپس آنے پر صحابہ نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے سب حالات بیان کئے ۔ اور عنبر ماہی کا باقیماندہ گوشت سامنے رکھا جس کو سید الابرار نے بھی تناول فرمایا اور حضرت قیسؓ کی قابل تحسین سخاوت پر یہ الفاظ ارشاد کئے کہ "جود وسخا اس گھرانے کی جبلی خصلت ہے" حضرت سعد بن عبادہ نے اپنے باہمت بیٹے کی عالی حوصلگی پر آفریں کی اور پانچ بلغ اس کارنمایاں پر بطور صلہ و انعام ان کے نام لکھدئے جنہیں چھوٹے سے چھوٹے باغ کی فصلی پیداوار پچاس دستق تھی چنانچہ حضرت قیسؓ نے اُدھار خریدے ہوئے اونٹوں کی قیمت ادا کی اور قرضخواہ کو ایک حلہ اور سواری کا جانور عطا فرماکر نہایت عزت کے ساتھ رخصت کیا۔

اسی سال حضرت زیدؓ شہید کے صاحبزادے حضرت اسامہؓ ایک مختصر اسلامی جماعت کے سردار بناکر جہیش بن عامر کی سرکوبی کے لئے روانہ کئے گئے جسنے بیجا ظلم وتعدی آتش قتال کی برافروختگی کی باعث حرقہ کا لقب پار کھا تھا اور چونکہ اس کے جد اعلی جہینہ نامی کی اولاد میں سرکش قبائل متعدد اور بطون مختلف تھے اس لئے حرقہ جمع کے صیغہ سے حرقات کہا گیا اور اسی وجہ سے یہ سریہ حرقات جہینہ کہا جاتا ہے۔

اس سریہ میں حضرت اسامہ بن زیدؓ امیر الجیش اور سردار لشکر مقرر ہوئے تھے اور چونکہ حضرت اسامہؓ کا امیر الجیش ہونا ان کے والد ماجد حضرت زیدؓ کے اس غزوہ موتہ میں شہید ہوجانے کے بعد متیقن ہے جو ماہ رجب ۸ھ ہجری میں زمین شام پر ہوا تھا اس لئے امام بخاریؒ کا یہ خیال صحیح معلوم ہوتا ہے کہ یہ لشکر کشی ۸ھ میں ہوئی مگر دیگر مورخین اور اہل مغازی کی یہ رائے ہے کہ اس غزوہ کا دوسرا نام سریہ غالب بن عبداللہ اللیثی ہے جو مقام میفعہ کی جانب واقع ہوا ہے اور روایات متعددسی غزوہ موتہ کے قبل یعنی ۷ھ کے ماہ رمضان میں اس کا ثبوت ہے اس لئے ماننا پڑیگا کہ حضرت اسامہؓ امیر الجیش نہ تھے کیونکہ حضرت زیدؓ شہید کی حیات میں ان کے صاحبزادے حضرت اسامہؓ کا سردار لشکر ہونا کسی تاریخی کتاب سے ثابت نہیں ہے بہرحال یہ اختلاف لشکری سپہ سالاری اور سال وقوع میں ہے اصل غزوہ یعنی حرقات جہینہ کی جانب اسلامی فوج کشی ہونے میں کسی کا خلاف نہیں۔

صبح صادق نمودار ہوچکی تھی روز روشن کا پیش خیمہ آسمانی افق پر قائم ہولیا تھا کہ اسلامی فوج اُن بدوی اقوام اور دہقانی سرکشوں کے سر پر آپڑی جو جہینہ کی اولاد میں ریگستانی زمین پر قتل وقتال اور جنگ وجدال میں مشہور تھے مگر اسلامی شان وشوکت اور کروفر اس حد تک ترقی کرچکی تھی کہ حرقات

جہینہ جیسے خونخوار ڈاکوؤں کو بھی مقابلہ کرنیکی ہمت نہوئی چنانچہ اسلامی مبارک نشان جو صبح کی ٹھنڈی ہوا میں جھونکے لے رہا اور کسی خاص انداز کے ساتھ لہرا رہا تھا نظر آتے ہی راہزن بدوؤں اور قتل پسند دہقانیوں نے فرار کے سوا کسی دوسری صورت میں مخلصی نہ دیکھکر بھاگنا شروع کیا اور مسلمانوں نے کامیابی و غلبہ اور فتح و نصرت کے مبارک قدم آگے بڑھا کر دشمن کے مال و جان پر قبضہ کرنے میں سرگرمی دکھائی۔ اسلامی لشکر ہزیمت خوردہ قبیلہ کا تعاقب کر رہا تھا کہ حضرت اسامہؓ ایک انصاری مسلمان کے ساتھ جہینی بدو مرداس بن عمر یعنی ابن فہید فدکی کے سر پر جا کھڑے ہوئے اور چاہا کہ اسکی گھبرائی ہوئی جان خدا کے مقدس فرشتے ملک الموت کے حوالہ کریں۔

مفرور جہینی بدو یہ نازک وقت نظر کے سامنے دیکھکر حیران ہوگیا اور یہ سمجھکر کہ مسلمان ہوئے بغیر نجات ملنی محال ہے بآواز بلند پکار اٹھا کہ "لا الہ الا اللہ" مگر اس بہادر سردار نے جس کی رگوں میں اسلامی خون جوش مار رہا تھا اس ایمان کی مطلق پروانہ کی اور اس گمان پر کہ اس مجبوری کے وقت کا اقرار توحید چونکہ خلوص و خوف الٰہی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ جان بچانیکی نیت سے ہے اپنے نوکدار نیزہ کو سنبھالا اور اس زور سے نومسلم موحد کے مارا کہ مرداس بن عمر کی نعش عرب کی پہاڑی زمین پر تڑپتی ہوئی نظر آئی اور دو چار مرتبہ ماہی بے آب کی طرح ادھر اُدھر کی کروٹیں لیکر ٹھنڈی ہوگئی انا للہ وانا الیہ راجعون ۵

اسلامی مقدس تعلیم اس کے بالکل خلاف تھی کیونکہ زبان سے اسلامی کلمہ کے ظاہر ہوئے پیچھے مجاہد سپاہی کو ہاتھ کا روک لینا فرض ہے اور چونکہ کسی شخص کی قلبی حالت کا علم سوائے خدا کے کسی شخص کو نہیں ہوسکتا اس لئے غازی لشکر کو یوں حکم دیا گیا ہے کہ "جبتک ایمان نہ لائیں اسوقت تک لڑو اور جب کلمۂ شہادت زبان پر جاری ہو فوراً رک جاؤ" مگر حضرت اسامہؓ کا اسلامی جوش اور ابتدائی ناواقفیت یا یوں کہئے کہ اپنے خیال کی غلطی اور خلوص للّٰہیت کی محبت نے اس حرکت شنیعہ پر مجبور کیا جسکو سنکر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی حضرت اسامہؓ پر عتاب ہوا اور سید البشرؐ نے تعجب و افسوس کے ساتھ اسامہ سے یہ فقرہ کہا "کیا لا الہ الا اللہ کہے پیچھے بھی تو نے اس کو قتل کر دیا؟"

حضرت اسامہؓ اپنی اس غلطی پر اسقدر نادم ہوئے جو معافی و مغفرت کے لئے کافی ہو بلکہ یوں فرمایا کہ "کاش میں اس قصہ کے بعد مسلمان ہوا ہوتا" یعنی بہتر تھا کہ ایسا کبیرہ گناہ حالتِ اسلام میں ظاہر نہوتا جسپر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا اسقدر عتاب ہوا ہے۔ اسلامی محقق شیخ قرطبی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے

کہ مرد اس نومسلم کے مارے جانے پر حضرت اسامہؓ سے دیت بھی لیگئی کیونکہ مقدس مذہب اسلام میں اسلام لانے کی وجہ کا اعتبار نہیں کیا گیا بلکہ اس کی کوشش کی گئی ہے کہ یہ پاک نور قلب میں پڑجانا چاہئے خواہ کسی وجہ سے بھی ہو پھر ایمان کی حلاوت اپنی جگہ خود کرلیتی اور آثار عبودیت یا اخلاص و پاک نفسی کے لذیذ و خوشگوار پھلوں کو پیدا کردیتی ہے۔

سب جانتے ہیں کہ کسی تخم کا زمین میں پہونچنا ہی دشوار ہے اور اس کے بعد تخم کے اندر رکھی ہوئی تاثیر جگہ پکڑنے اور جڑ نکالنے یا شاخ و برگ و بار پیدا کرنے کے لئے کافی ہے ہاں اگر تخم ریزی کے بعد کوئی چیز نافع ہے تو موانع و عوائق کا ارتفاع اور موید و معین قوتوں کا اتساق۔ اسیطرح نومسلم کی پختگی کو بارآور بنانیوالی شئے بدکار کفار کی صحبت سے احتراز یا صلحاء و ابرار کے پاس اٹھنے بیٹھنے کا التزام بیشک ہوسکتا ہے اور شروع اسلام لاتے وقت اسکا لحاظ کہ نمود ریاکاری اور مالی طمع یا دیگر امور اس کے باعث ہیں محض فضول اور اسلامی شان کے خلاف ہے۔

باب ۷۸

فتح مکہ کی تیاری اور حاطبؓ بن ابی بلتعہ۔ تھوڑا زمانہ گذرا ہے کہ میدان حدیبیہ میں اہل اسلام اور کفار کے مابین مصالحت ہوچکی ہے اور تحریری عہد و پیمان جانبین کے دستخط سے یہ امر قرار پاچکا ہے کہ تا اختتام مدت صلح نہ باہم جنگ ہو اور نہ اپنے ہم عہد مددگاروں کا باہم قسم حلفاً مقابلہ پر دوسرا فریق کھڑا ہو مگر افسوس کہ کفار مکہ کو اپنے لکھے ہوئے صلحنامہ کی دفعات اور دستخطی تحریرات کا بھی لحاظ و پاس نہ رہا اور ۸ھ ہجری نبوی میں قوم بنی خزاعہ پر جو مسلمانوں کی محافظت میں تھے قریش کے ساتھی قبیلہ بنی بکر نے حملہ کیا اور گو دشمن کے سر پر آکھڑے ہونے کے وقت بنی خزاعہ کو حفظ جان و مال کے لئے مدافعت کرنی پڑی اور اس وجہ سے یہ آپس کی لڑائی طرفین میں ہوتی نظر آئی مگر درحقیقت زیادتی بنی بکر کی تھی کیونکہ انھیں کی طرف سے اول شبخون مارا گیا اور خزاعہ کے بیس آدمی قتل کردیئے گئے۔

صرف یہی نہیں کہ اسلامی ہم عہد قبیلہ پر کفار کی ہم قسم قوم نے ظلماً حملہ کیا ہو بلکہ معاہدہ حدیبیہ کے خلاف قریشی سرداروں نے بھی بنی بکر کی خفیہ طور پر یہانتک مدد کی کہ عکرمہ بن ابی جہل وغیرہ چند صنادید قریش خود بھی مددگار بنکر منہ چھپائے ہوئے میدان میں آئے اور اس طرح پر جنگ آزمائی کی کہ اس مخفی شرکت کو چھپا رکھیں مگر غیبی فرشتہ اور ربانی وحی کے مصدر پر کسی ایسے مہتم بالشان معاملہ کا پوشیدہ

رہنا دشوار تھا جس کے ضمن میں حق تعالیٰ کو شوکت اسلام کا اظہار اور شاہنشاہی دارالسلطنت یعنی بیت اللہ کا نجاستِ شرک و بت پرستی سے منزہ کرنا مقصود تھا اس لئے سارے واقعہ کی بذریعہ وحی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی گئی بلکہ اسی شب مظلوم قبیلہ خزاعہ کے رجز پڑھنے والے مستغیث کے وہ اشعار کان میں ڈالے گئے جو میدان جنگ کے ہولناک منظر میں پڑھتا ہوا اپنی مظلومیت و بے قصوری اور اپنے ہم عہد اسلامی لشکر سے اعانت و فریاد رسی کی خواہش ظاہر کر رہا تھا۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اسوقت جبکہ یہ جانکاہ حادثہ ریگستانی پہاڑیوں میں ہو رہا تھا بی بی خاتون ام المومنین حضرت میمونہؓ کے دولتکدہ میں تشریف فرما وضو کر رہے تھے یکایک غیبی اطلاع سے خزاعی مستغیث کی فریاد کان تک پہونچی اور آپ "لبیک لبیک لبیک" پکار اٹھے گویا اعانت کیلئے تشریف لیجانے کے لئے جوابی کلمہ سے تہیہ سفر کا خیال ظاہر فرما دیا جسکو سنکر حضرت میمونہ حیران ہو گئیں کیونکہ بلانیوالا داعی یا پکارنیوالی آواز ان کے کان میں نہ پہونچی تھی۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہؓ کے جوابی کلمہ کے اظہار کا سبب دریافت کرنے پر اور بی بی عائشہ خاتونؓ سے بطور خود صبح کے وقت قصہ بیان کیا اور فرمایا کہ قریش نے قبیلہ بنی بکر کے مددگار بنکر بنی خزاعہ پر شبخون مارا اور میں بنی خزاعہ کی طرف سے مدد کے لئے بلایا گیا ہوں چنانچہ تین دن کے بعد عمر بن سالم خزاعی نے مدینۃ الرسول پہنچکر صحابہ کی موجودگی میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے من اولہ الی آخرہ تمام قصہ نظم میں عرض کیا اور ظاہر کر دیا کہ قریش نے معاہدہ حدیبیہ کی مخالفت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اس لئے مسلمانوں کی طرف سے بھی فوج کشی ہونی اور ہٹ دہرم سرکشوں سے خاطر خواہ انتقام لینا چاہئے۔

ادہر بنی خزاعہ کے سفیر عامر خزاعی نے قومی درخواست تصفیہ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں پیش کی اور ادھر قریش مکہ کو یہ خیال ہوا کہ معاہدہ کی مخالفت اور ہم لوگوں کی خفیہ اعانت چھپائے چھپ نہ سکے گی یعنی اسلامی سپہ سالار کو جسوقت بھی اس کی خبر پہونچے گی وہ ضرور فوج کشی کریں گے اس لئے پیش بندی کے طور پر ابوسفیان کو مدینہ روانہ کیا تاکہ اس پیش آنے والے واقعہ کے متعلق خفیہ حالات معلوم کرے اور مدت صلح کو حکمت عملی کے ساتھ بڑھا کر اطمینان کی زندگی گذارنے کے علئے ہم وطن قوم پر احسان کرے چنانچہ ابوسفیان مکہ سے باہر نکلا اور منازل طے کرتا ہوا مدینۃ الرسول میں اس سے پہلے

آ پہنچا کہ اسلامی لشکر مکہ پر یورش کرنے اور اہل مکہ سے انتقام لینے کے لئے تہیہ سفر کرے۔

ابو سفیان کی بیٹی حضرت ام حبیبہؓ ازواج مطہرات میں داخل تھیں اور گو اسلام و کفر کا تفاوت ہوتے ہوئے کسی اتحاد و یگانگت کا خیال عبث تھا مگر تاہم صلبی رشتہ کی بنا پر ابو سفیان نے بیٹی کے پاس جانا ضروری سمجھا اور سیدھا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت کدہ میں اس حجرہ کے اندر پہونچا جو حضرت ام حبیبہؓ کا کہلاتا تھا اور چاہا کہ اس بچھونے پر بیٹھے جو گھر میں بچھا ہوا تھا مگر حضرت ام حبیبہؓ نے نہ چاہا کہ سید البشر کے بستر پر ایسا شخص بیٹھے جو شرک کی نجاست سے ملوث ہے اس لئے باپ کا خیال معلوم کرکے فوراً اٹھیں اور بوریا لپیٹ کر ایک جانب رکھدیا اور کہا کہ طاہر و مطہر پیغمبر کے بیٹھنے کا پاک فرش شرک کی پلیدی سے آلودہ کافر کے بیٹھنے کے لئے نہیں ہے۔

پیاری بیٹی کی یہ بے باکانہ حرکت ابو سفیان کو نہایت ناگوار گذری اور اسنے شرمندہ ہوکر کہا کہ افسوس مجھ سے علیحدہ ہوکر تیری عادت بدل گئی اور ایسی خراب ہوئی کہ بڑوں کی تہذیب کا بھی پاس نہیں رہا جو ایک شریف النسل قوم کے لئے بیوقوفی و حماقت کا بدنما دھبہ ہے۔

حضرت ام حبیبہؓ جواب دیئے بغیر نہیں رہیں اور کہا کہ افسوس میرا باپ جو اپنی قوم کا سردار کہلاتا اور عقل و سمجھ کا دعویٰ کرتا ہے وہ پتھر کی مورت کو پوجتا اور بیکس و بے زبان بتوں کی پرستش کرتا ہے تعجب ہے کہ میری اسلامی ہدایت پر افسوس کیا جائے اور اپنی نخافت عقل پر خیال بھی نہ ہو۔

ابو سفیان بیٹی کے اس بے تکلف جواب سے اور زیادہ متعجب ہوا اور یہ کہکر کہ "تونے میری ہتک عزت اور بے حرمتی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اپنا آبائی دین چھوڑ بیٹھی اور مجھکو بھی قدیمی مذہب کے ترک کرنے کی رغبت دلاتی ہے۔" وہاں سے اٹھ کھڑا ہوا اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں حاضر ہوا تاکہ تجدید عہد اور تطویل مدت مصالحت میں گفتگو کرے مگر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ التفات نہ فرمایا اور ابو سفیان کو اپنی اس لاطائل تقریر کا کوئی شافی و حسب منشا جواب نہ ملا۔

ابو سفیان چاروں طرف مایوسی و ناکامی کی گھنگور گھٹائیں اٹھتی ہوئیں دیکھتا اور اپنے آپ کو پشیمانی و ندامت یا حیرانی و مصیبت کے بلاخیز سمندر میں ڈوبا ہوا پاتا تھا بارگاہِ رسالت سے ناکام اٹھکر حضرت صدیقؓ کے پاس گیا اور دستگیری کا خواہشمند ہوا لیکن افسوس کہ یہاں بھی ناامیدی کی بھیانک صورت نظر آئی کیونکہ حضرت عتیقؓ نے صاف جواب دیدیا کہ "میں حضرت رسالت میں اس بابت کوئی گفتگو نہیں

کر سکتا امید ہے کہ تم مجھکو معذور سمجھو گے۔"

ابو سفیان جیسے چرب زبان اور عقیل و مدبر شخص کا مایوسانہ ادہر اُدہر گھومنا درحقیقت ایک پلٹی ہوئی سلطنت کا نمونہ دکھا رہا تھا کیونکہ میدان حدیبیہ میں مسلمانوں کا دبکر صلح کرنا اس کی نظر کے سامنے تھا اسلام کی ابتدائی کمزوری اسکی دیکھی بھالی تھی مسلمانوں کی بیکسی و جلا وطنی اس کی آنکھوں کے دیکھے ہوئے واقعات تھے اور آج اپنی کس مپرسی اور جواب تک نہ پانیکی صورت اسکو دریائے حیرت میں غرق کئے دیتی تھی غرض یہاں سے بھی اٹھا اور حضرت فاروق رضی کے پاس گیا تاکہ کار برآری ہو مگر وہاں بھی وہی جواب سنا جو حضرت ابو بکر رضی سے سُن چکا تھا اور پھر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر بی بی خاتون حضرت فاطمہ زہرا رضی کے حضور میں حاضر ہوا لیکن یہاں بھی وہ پچھلا جواب تھا کہ "میں اس باب میں کچھ گفتگو نہیں کر سکتی۔"

ابو سفیان جسقدر بھی حیران ہوتا بجا تھا کیونکہ درحقیقت فلک نبوت کے ماہتاب نے دنیا کا رخ بدل دیا تھا۔ اسلام اب وہ اسلام نہ تھا کہ کفار کی بغاوت و عداوت سے خائف ہو یا اپنے مستقل و با فیض ارادہ میں تذبذب و پسپئی کا اظہار کرے۔ مسلمان اب کسی سے دبنے والے نہ تھے کہ قریشی سفارت پر وقعت کی نگاہ ڈالیں یا ابو سفیان جیسے قریشی سردار کو کامیاب بنانے کی کوشش کریں۔ یہ شریف النسل سفیر اس طرح بے نیل مرام واپس جانا بھی اپنی ذلت و رسوائی سمجھتا تھا کیونکہ مکہ سے باہر نکلتے وقت دل میں جوش مارنے والے خیالات بالکل لغو و باطل نظر آرہے تھے اس کی تمام امیدوں پر پانی پھر چکا تھا۔ اس کی پریشان حالت ظرافت پسند طبیعتوں کا کھلونا بنگئی اور آخر اسی بنا پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جبکہ ابو سفیان ان سے بھی وہی درخواست کر رہا تھا جو حضرت صدیق و فاروق سے کرچکا تھا فرمایا کہ "تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہو کر یوں پکار دو کہ میں نے قبیلہ قریش کو امان دی مجھے امید ہے کہ میری دی ہوئی امان کو میرے بوڑھے اور قریشی سردار ہونیکی وجہ سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نقض نہ فرمادیں گے۔" چنانچہ ابو سفیان اٹھا اور مسجد نبوی میں حاضر ہو کر انہیں الفاظ کی نقل اتادی۔

ابو سفیان دریائے ندامت و یاس میں کچھ ایسا ڈوبا ہوا تھا کہ جد و ہزل میں بھی تمیز نہ کر سکا اور یہ بھی نہ سمجھا کہ یہ میرا مخول اڑایا گیا ہے چنانچہ الفاظ مذکورہ پکار کر اقراری یا انکاری جواب لئے بغیر مکہ واپس ہو گیا اور قریش کے سامنے من و عن قصہ دہرادیا کیونکہ اپنے خیال میں اسکو اپنی کامیابی سمجھے ہوئے تھا لیکن

جب اہل مکہ نے اپنی سفارت عبث و بے سود پائی تو ابوسفیان پر لعن طعن ہونے لگے اور کہا گیا کہ "افسوس نہ لڑائی کی خبر ملی نہ صلح کی اگر مصالحت کی مجوزہ مدت منظور ہوتی تو اطمینان کے ساتھ بیٹھنا ملتا اور جنگ و مبارزت کا قصد معلوم ہوتا تو فراہمی سامان و تہیۂ رزم میں مشغول ہوتے تعجب ہے کہ علیؓ نے ابوسفیان کے ساتھ مذاق کیا اور یہ بیوقوف سمجھا بھی نہیں۔"

ابوسفیان کی ناتمام سفارت و ناکافی تدبیر کا سوائے بے شعور و ناسمجھ کہلائے جانے کے کوئی نتیجہ نہ نکلا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی لشکر کو تیاری سفر کا حکم دیدیا اور مکہ و مدینہ کی مراسلت مسدود فرمادی کیونکہ قریشی لشکر پر اچانک حملہ کرنا منظور تھا اور چونکہ وہ وقت قریب آگیا تھا کہ لات و عزیٰ کی مورتیں ملیامیٹ کی جائیں اور شرک و کفر مکہ سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا جائے اس لئے حکم دیدیا کہ مکہ پر اسلامی فوج کشی کا عزم اہل مکہ کو ہرگز نہ معلوم ہو مگر افسوس کہ ابو بلتعہ کے صاحبزادے حضرت حاطبؓ بدری نے اس حکم کی تعمیل میں مداہنت کی اور نبوی عزم کا ظاہر کرنے والا تحریری خط ایک عورت کی وساطت سے مکہ روانہ کر دیا جس میں لکھا تھا کہ "اے سرداران قریش اور اے غفلت کی نیند سونے والو اٹھو اٹھو دیکھو عنقریب تم پر اسلامی جرار لشکر کا حملہ ہونے والا ہے اپنی فکر کرو اور سمجھ لو کہ اگر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم تن تنہا بھی تم پر حملہ آور ہوں تو خدا کے فضل و کرم سے غالب و فتحیاب ہوں گے چہ جائیکہ کثیر التعداد فوج کی سپہ سالاری میں تم پر یورش ہو گی اور اسلامی مبارک نشان ہوا میں لہراتا ہوا اچانک تمکو نظر آجائے گا۔"

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی فراست و دوراندیشی اور اس پر غیبی اعانت و ربانی وحی کسی خفیہ کارروائی کو کامیاب نہ ہونے دیتی تھی اس لئے یہ بھیجی ہوئی عورت مکہ پہونچنے نہ پائی تھی کہ علیؓ اور زبیرؓ و مقدادؓ تینوں شہ سوار اس خدمت پر مامور ہوئے کہ فوراً جائیں اور روضہ خاخ پر خط لیجانے والی عورت کو معہ خط گرفتار کر لائیں چنانچہ یہ حضرات گھوڑے فروٹ دوڑاتے روانہ ہوئے اور حسب ہدایت و ارشاد مکہ سے ورے مقام روضہ خاخ پر جانیوالی عورت کو حراست میں لیلیا۔ عورت کی باقاعدہ تلاشی لی گئی مگر حاطب بن ابی بلتعہ کا بھیجا ہوا خط دستیاب نہ ہوا کیونکہ وہ خط سر کے بالوں کی چوٹی میں اندرونی جانب چھپا ہوا تھا جسکا نکالنا عورت کی پردہ دری اور کشف عورت پر موقوف تھا اور اسلامی شریعت کی بنا پر ایک اجنبی و نامحرم عورت کے ساتھ یہ حرکت جائز نہ تھی۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت علیؓ نے صیقلدار شمشیر نیام سے

باہر نکالی اور للکار کر کہا کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی خبر ہرگز جھوٹ نہیں ہوسکتی اگر تو اپنی زندگی چاہتی ہے تو خط نکالکر ہمارے حوالہ کر ورنہ مجبوراً تیرے کپڑے اتارنے پڑیں گے اور تجھکو ننگا ہوکر شرمندہ و ذلیل ہونا نصیب ہوگا"۔

چمکدار تلوار کی جھلکدار شعاعیں دیکھکر عورت کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ لرز اٹھی۔ بدن کپکپانے لگا اور خوف زدہ ہوکر رعشہ پڑے ہاتھوں سے بالوں کے بندھے ہوئے گچھ میں سے خط نکالکر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے حوالہ کیا جسکو لیکر تینوں حضرات واپس ہوئے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں مع ملزم پیش کیا چنانچہ نبوی عدالت میں خطا وار حاطبؓ کی طلبی ہوئی اور دریافت کیا گیا کہ مسلمان ہوتے ہوئے کفار کے ساتھ خفیہ سازش اور انتظامی قابل اخفا اسرار کا اظہار کیوں کیا گیا۔

حضرت حاطبؓ اس خاص امر میں ضرور مجرم تھے مگر چونکہ نبوی صحبت کے فیضیافتہ تھے اس لئے معترف ہوکر سچا حال اسطرح عرض کرنے لگے کہ یا رسولؐ اللہ بیشک میں خطا وار ہوں یہ خط میرا بھیجا ہوا ہے مگر جو کچھ ہوا وہ ارتداد یا خدانخواستہ مقدس مذہب اسلام کی مخالفت و نفاق کی بناپر نہیں ہوا بات یہ ہے کہ ہجرت کرنے والے مسلمان زیادہ تر وہ قریشی ہیں جنکی اہل مکہ سے قرابت و رشتہ داری ہے مگر میں قریش کا ہم قسم ہوں ہم قوم نہیں میرے اہل و عیال مکہ میں ہیں میرا خیال ہے کہ مصیبت کے وقت انسان صرف خون کے جوش اور رشتہ داری کی بنا پر اعانت کرسکتا ہے اس وجہ سے آپ کا جنگ کے متعلق عزم ظاہر ہونے پر میں نے خیال کیا کہ قریشی النسل مسلمانوں کے مال و اقارب کی حفاظت اُن کی رشتہ داری و قرابت کی بنا پر ہوسکتی ہے مگر میں غریب الوطن جبتک اہل مکہ پر کوئی ایسا احسان نہ کردوں جسکے باعث ان کی گردنیں جھک جائیں اس وقت تک میرے اہل و عیال کی محافظت نہیں ہوسکتی اس وجہ سے میں نے اس حرکت کی جرأت کی اور یہ میں خوب سمجھتا تھا کہ اللہ کے سچے رسولؐ کو ضرور غلبہ ہونا ہے میرا اہل مکہ کو چند روز پہلے ارادۂ جنگ سے مطلع کرنا غیبی فتح و نصرت میں حارج اور اسلامی غلبہ و شوکت کے لئے مانع نہیں ہوسکتا مفت برابر احسان اور وہ بھی بضرورت شدید اگر قابل عفو ہے تو مجھے امید ہے کہ اس خطاکار حاطب کو معذور سمجھ کر ضرور معاف کیا جائیگا۔

حاطبؓ بن ابی بلتعہ بدری کے سچے اظہار قابل تسلیم سمجھے گئے اور گو جلالتمآب حضرت عمر فاروقؓ نے عرض بھی کیا کہ یارسول اللہ اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن اڑادوں مگر جسوقت رسول مقبول صلی اللہ

علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ اے عمرؓ تمھیں کیا خبر ہے کہ اسلام کی پہلی جنگ یعنی بدر میں شریک ہونے والے مسلمان خدا کے نزدیک کس رتبہ کے مسلمان سمجھے گئے ہیں کیا عجب ہے کہ انپر حق تعالیٰ نے نظر رحمت فرما کر یوں کہدیا ہو کہ "جو چاہو کرو میں تمکو بخش چکا" تو حضرت عمرؓ پر رقت طاری ہو گئی اور بے اختیار آنکھوں میں آنسو بھر کر عرض کرنے لگے کہ "اللہ اور اس کا سچا رسولؐ ہی خوب جانتا ہے کہ کیا معاملہ ہے" غرض حضرت حاطب رضی اللہ عنہ کا قصور معاف کر دیا گیا اور اسی معاملہ میں اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کی آیتِ قرآنی نازل فرمائی کہ "مسلمانو آیندہ ان کافر بندوں سے رابطۂ اتحاد مت رکھو جو میرے اور تمھارے دونوں کے دشمن ہیں" گویا آسمانی وحی میں بھی حضرت حاطب کا عذر مسموع ہوا اور مسلمان کے خطاب سے مخاطب بنا کر اس طرح نصیحت کر دی گئی جیسے مہربان حاکم خطا وار مجرم کو رہا کرنے کے بعد خیر خواہانہ نصیحت کیا کرتا ہے۔

بابؐ (۷۹)

اسلام کی ساتویں جنگ فتح مکہ۔ ماہ رمضان المبارک کی دسویں تاریخ کو دس ہزار مسلمانوں کا لشکر ظفر پیکر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ماتحتی میں مدینہ سے روانہ ہوا اور راستہ میں دو ہزار فوجی سپاہیوں کی تعداد اور شامل ہوئی جس کو ملا کر اسلامی جرار لشکر بارہ ہزار ہو گیا جنمیں مہاجر و انصار اور اسلم و غفار قبیلہ مزینہ اور سلیم و جہینہ تمام اقوام کے پاکباز حضرات اور خدا کے نیک طینت و مقبول مسلمان شریک تھے۔

ظفر پیکر لشکر منزل بمنزل چلا جاتا تھا کہ راستہ میں جحفہ مقام پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ آتے ہوئے ملے جو جنگ بدر کے بعد مسلمان ہوئے پیچھے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے مکہ واپس ہو گئے اور اپنی سقایت زمزم کے قابل افتخار منصب پر بدستور قائم تھے اور اب دینی سپہ سالار کی زیارت و خدمت کے شوق میں مع اپنے اہل و عیال کے ہجرت کئے ہوئے مدینہ آرہے تھے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مہربان مہاجر چچا کو دیکھ کر یوں ارشاد فرمایا کہ جسطرح میری نبوت آخری ہے اسیطرح عباس کی ہجرت آخری ہے اور در حقیقت سچ تھا کیونکہ فتح ہوئے پیچھے مکہ بھی دارالاسلام قرار پایا اور ہجرت دارالکفر سے ہوا کرتی ہے نہ دارالاسلام سے غرض حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے اسباب سفر مدینہ روانہ کر دیا اور آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمرکابی میں

ہمایوں اقبال فوج کے ساتھ ہوئے۔

مکہ کے قریب آخری پڑاؤ یعنی مقام مرالظہران پر پہونچکر لشکر نے قیام کیا مبارک خیمے نصب ہوئے سواری کے جانور چھوڑ دیئے گئے اور عربی دستور کے موافق فوجی خیموں کے سامنے آگ روشن کردیگئی اور اسلامی سپاہیوں نے ادہراُدہر منتشر ہوکر گذرے ہوئے سفر کا تکان رفع کرنے اور پیش آنیوالی جنگ کے لئے چست وچالاک ہوجانے کے لئے آرام کیا محافظ ونگراں سپاہی ادہرادہر پھیل گئے اور منتظم وجفاکش دوراندیش وبہادر جاسوسوں نے گشت لگانا اور ادہراُدہر پھرنا شروع کردیا۔

حضرت عباس رضہ جنکو اس سے پہلے اسلامی لشکر کی کثرت اور پوری جمعیت کے دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا تھا ششدر وحیران تھے اور محض وطنی الفت یا قومی مروت کی بنا پر اسکے خواہشمند ومتمنی تھے کہ کاش باشندگان مکہ کو خبر ہوجاوے کہ انپر آسمانی آفت نازل ہونے والی ہے تاکہ اس سے پہلے کہ ان کی جانیں برباد اور مال واسباب تباہ وویران ہوں بچاؤ کی کوئی صورت کریں۔ اسلامی سپہ سالار کے حضور میں بتضرع وزاری پیش آئیں۔ رحم وکرم کے خواستگار ہوں اور بیکس بچوں یا لاوارث وکمزور عورتوں کی بے بسی ظاہر کرکے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت پسند ذات کی کرم گستری اور عام سخاوت ودریادلی سے فیضیاب ہوں۔

قریشی باشندگان مکہ اگرچہ اس قریب آجانے والے لشکر جرار سے بالکل بیخبر اور پیش آنیوالی ہونیوالی جنگ سے قطعاً غافل ومدہوش تھے مگر پھر بھی اسلامی ہیبت اور فوج کشی کے اندیشہ سے جاسوسانہ تدابیر میں مشغول اور مخبر کی خبروں کے منتظر وامیدوار رہتے تھے چنانچہ عین اس وقت جبکہ حضرت عباس اس انتظار میں کہ کوئی مکہ جانیوالا شخص ملجائے تو اس خیر خواہانہ تدبیر کا قاصد بناؤں لشکر سے باہر ادہر اُدہر چکر لگاتے اور نظر دوڑاتے پھر رہے تھے کہ تین شخص مرالظہران کے پشتہ پر حیران کھڑے اور آپسمیں آہستہ آہستہ باتیں کرتے ہوئے نظر آئے۔

یہ تینوں شخص حکیمؓ بن حزام۔ بدیلؓ بن ورقا اور ابوسفیانؓ تھے جو باشندگان مکہ کیطرف سے اتفاقیہ خبریں معلوم کرنے کو ادہراُدہر پھر رہے تھے۔ پشتہ مرالظہران پر چڑھ کر یکایک آگ کی روشنی دیکھکر ٹھٹھکے ابوسفیان نے متحیر ہوکر اپنے ساتھیوں کو ہلایا اور کہا کہ عرفات کے میدان جیسی روشن کی ہوئی آگ نظر آرہی ہے نہ معلوم کس کا لشکر جرار ہے جو مکہ پر چڑھ آیا۔ بدیل نے کہا کہ بنی عمر یعنی قوم خزاعہ معلوم ہوتی ہے۔

کیونکہ اسی کو بنی کنانہ کی طرف سے وہ زک پہونچائی گئی ہے جسمیں صناو ید مکہ بھی شریک تھے کیا عجب ہو کہ بخیال انتقام چڑھ دوڑے ہوں اور مرالظہران پر پڑاؤ کیا ہو۔

ابوسفیان ایک تجربہ کار اور جہاندیدہ شخص تھا کہنے لگا کہ لشکر کی سلگائی ہوئی آگ بتلا رہی ہے کہ کوئی بڑی جماعت اور ٹڈی دل فوج ہے کیونکہ خزاعہ کی اتنی بڑی جماعت نہیں ہوسکتی۔ یہ باہمی .... گفتگو ختم نہ ہونے پائی تھی کہ حضرت عباس یہ باتیں سنتے ہوئے وہاں آپہونچے جہاں یہ تینوں مخبر کھڑے ہوئے تھے اور ابوسفیان کی آواز پہچان کر پکارا اور سارا حال بیان کیا مگر افسوس یہ فوری ملاقات ختم نہ ہونے پائی تھی کہ لشکری محافظ اور گشتی سپاہی جنمیں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی تھے آپہونچے اور تینوں کی جاسوسوں کو گرفتار کر کے لیگئے۔ ابوسفیان کی مقدس مذہب اسلام سے جو کچھ بھی عداوت تھی وہ بیان کی محتاج نہیں ہے چنانچہ اسی بنا پر سپہ سالار کے حضور میں پہونچتے ہی حضرت فاروق ؓ نے درخواست کی کہ "یا رسول اللہ یہ دشمن خدا ابوسفیان بے ایمان و بے امان حاضر ہوا ہی حکم دیجئے کہ اس کی گردن اڑادوں" مگر حضرت عباس ؓ نے عرض کیا کہ اسوقت اسکی جان بخشی کیجائے کیونکہ میری امان میں ہے اور ایمان کی توقع ہے چنانچہ نبوی عدالت سے حکم ہوا کہ عباس اپنے پناہ دیئے ہوئے کافر ابوسفیان کو رات بھر اپنے خیمہ میں رکھیں اور صبح ہوتے حاضر کریں تاکہ ابوسفیان کو اپنی گذشتہ ومافات اور آئندہ وقابل احتیاط زندگی سوچنے اور دنیا وآخرت میں فرق سمجھنے کا کافی وقت ملجائے چنانچہ صبح ہونے پر حضرت عباس ؓ نے ابوسفیان کو حاضر کیا اور فیصلہ کرنے والے آخری حکم کے منتظر کھڑے ہوگئے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی کرم گستر ذات اپنے عام رحم وکرم کے لئے کسی بشر کے ساتھ مخصوص نہ تھی بلکہ آپکی عمر بھر کی تاریخ انہیں تعجب خیز واقعات سے بھری ہوئی ملیگی کہ جو شخص جسقدر آپ کے ساتھ زیادتیاں کرتا تھا اسیقدر آپ اُسپر کرم واحسان فرماتے تھے چنانچہ جسوقت ابوسفیان سامنے کھڑا ہوا تو روئے مبارک پر انبساط وترحم کے آثار نمایاں ہوئے اور آپ نے نہایت خلق ومحبت بھرے لہجہ میں یوں ارشاد فرمایا "ابوسفیان افسوس ہے کہ ابتک تمکو یہ نہ معلوم ہوا کہ خدا کے سوائے کوئی بھی پرستش کے لائق نہیں"۔

یہ رحمت آمیز نصیحت ابوسفیان کے قلب پر بجلی کی طرح کوندی اور اس شریف النسل نجیب الطرفین قریشی نے گردن جھکا کر عرض کیا کہ "میرے ماں باپ آپ پر قربان مجھے آپ جیسا بے نفس اور کرم گستر شخص دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا باوجود میری کھلی عداوت کے میرے ساتھ ایسا مشفقانہ برتاؤ کیا گیا ہے

جس کی نظیر عربی ریگستان میں نہیں ملسکتی۔ درحقیقت سوائے خدا کے کوئی لائق عبادت نہیں نہ کوئی نافع و ضار کیونکہ ہماری یہ نازک وبیکسانہ حالت اعانت کی محتاج ہے اگر مصنوعی معبود اور ہمارے من گھڑت مسجود قادر و مختار یا قابل عبادت و پرستش ہوتے تو ضرور اسوقت مدد کرتے۔

یہ پہلا فقرہ تھا جو نبوی خلق و ترحم کے باعث توحید کے اظہار میں ابوسفیان کی زبان سے نکلا تھا مگر چونکہ ایمان کے دوسرے جزو یعنی تصدیق رسالت کا اقرار باقی تھا اس لئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ خطاب کیا اور یوں فرمایا" ابوسفیان کیا ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ میرے پیغمبر ہونیکو سچا سمجھو اور آنکھیں کھولکر میری نبوت کے آثار صداقت دیکھتے ہوئے ایمان لے آؤ"۔

ابوسفیان بندہ احسان بن چکا اور سچے رسولؐ کی سچائی سمجھ چکا تھا مگر اپنے قومی تعزز اور ملکی ریاست وحکومت یا ایک مدت تک خیالِ باطل پر جماؤ اور آبائی مذہب کے یکلخت چھوڑنے پر طبعی حجاب و ندامت کے باعث گردن جھکائے کھڑا تھا کہ حضرت عباس آگے بڑھے اور کہا" اے ابوسفیان تامل کا وقت نہیں ہو جلدی کرو ورنہ اسلامی بہادر شیر عمر بن خطابؓ آتے ہوں گے اور فوراً گردن کاٹ لیں گے" چنانچہ ابوسفیان نے گردن اٹھائی اور کہا" اشھد ان لاالہ الا اللہ و اشھد ان محمداً رسول اللہ" (میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔

وہ وقت آگیا کہ اب ہم اس بہادر قریشی کو حضرت کے مبارک لقب سے یاد کریں اور نیز ان کے دونوں ہمراہیوں حکیم و بدیل کا نام بھی عزت کے ساتھ لیں جو گرفتاری کے بعد مسلمان ہو چکے تھے کیونکہ یہ تینوں قریشی جاسوس اسلام لائے پیچھے صحابہ کے زمرہ میں داخل اور اس مقدس جماعت میں شامل ہو گئے جنکے قدم کے نیچے کی خاک ہماری بصارت و بصیرت کے بڑھانیکا سبب ہے اس لئے ہم نہایت خوشی کے ساتھ لکھتے ہیں کہ حضرت ابوسفیانؓ حضرت حکیم بن حزام اور حضرت بدیل بن ورقار رضی اللہ عنہم ان مقدس اصحاب میں ہیں جنھوں نے کفر و اسلام کے زمانہ شباب کو دیکھا اور دونوں متضاد خیالات کو ایک مدت تک پرکھا اور جانچا پڑتالا ہے۔

حضرت ابوسفیان نومسلم کے لئے مناسب سمجھا گیا کہ اسلامی لشکر اور اس کثیر التعداد جماعت کا سماں آنکھوں سے دیکھ لیں تاکہ ظاہری شان و شوکت اور دنیاوی وجاہت کثرت ایمان کی پختگی کا باعث ہو اس لئے حضرت عباسؓ ابوسفیانؓ کو اس پہاڑی تنگ گھاٹی کے کنارے لیکر کھڑے ہو گئے جہیں سے

اسلامی لشکر کو قطار قطار ہو کر نکلنا تھا چنانچہ ابو سفیانؓ نے دیکھا کہ سواروں کے رسالے اور پیدلوں کے غول قبیلہ قبیلہ اور گروہ گروہ اس متانت و وقار اور اطاعت و سکون کے ساتھ آرہے ہیں جسکی نظیر قواعد داں افواج اور سلاطین دنیا کے لشکری سپاہیوں میں بھی ملنی محال ہے چنانچہ سب سے آگے قبیلہ غفار اور پھر جہینہ و سعد بن ہذیم و سلیم یکے بعد دیگرے نکلتے ہوئے نظر آئے جنکی جماعت اپنے جھنڈے لئے ہوئے سردار کی ماتحتی میں گردن جھکائے سینہ ابھارے قدم بڑھائے چلی جاتی تھی۔

ابو سفیانؓ ہر رسالے اور فوجی حصہ کو دریافت کرتے اور حیران و ششدر کھڑے تک رہے تھے یہاں تک کہ انصار کی وہ فوجی جماعت نظر آئی جنکی کثرت و زیادت تمام قبائل سے فوقیت لیگئی تھی اور وہ مقدس قوم روانہ ہوئی جنھوں نے اللہ کے سچے رسولؐ کو اپنے گھر ٹھیرایا اور مہاجر مسلمانوں کو پناہ دی خانماں برباد اور جلاوطن مسافروں کو مہمان بنایا اور پاک مذہب اسلام کی تائید و ترویج میں جان و مال خرچ کر دیئے تھے زہے قسمت جنکو آج یہ دن دیکھنا نصیب ہوا کہ اپنے سچے پیغمبر کی ماتحتی میں اس شہر کو دشمنوں سے خالی کرانے آئے ہیں جس میں سے آٹھ برس ہوئے اللہ کے رسول کو اپنے ہمراہ لیگئے تھے۔ اس پاکباز جماعت کا سرداری نشان حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا اور انصار رضی اللہ عنہم کا مہمان نواز گروہ خادم رسول لشکر ایک نرالے انداز کے ساتھ پہاڑی کے تنگ درہ سے نکلنا شروع ہوا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ جسوقت ابو سفیانؓ کے قریب پہونچے تو بہادرانہ جوش سے بیتاب ہو کر پکار اٹھے کہ "اے ابو سفیانؓ آج اُس جنگ کا دن ہے جس میں کعبہ کی حرمت حلال سمجھی جائیگی" ابو سفیانؓ یہ کلمہ سنکر گھبرا اٹھے کیونکہ وطن مالوف کی الفت و مولد و مسکن کی محبت اسی بات کو مقتضی تھی کہ جس آباد شہر کی بسایت دیکھتے ہوئے سالہا سال گذر گئے اس کی ویرانی و بربادی نہ دیکھ سکیں اس لئے حضرت عباسؓ کیجانب منہ کیا اور کہا "بیکس و بیچارے اہل مکہ کا آج کوئی مددگار نہیں"۔

اسلامی لشکر کے قبائل ایک ایک کرکے گذر چکے تو سب کے پیچھے حضرات مہاجرین کا وہ مختصر گروہ چلا جس میں فلک اسلام کا عالمتاب ماہتاب جلوہ گر تھا۔ اسلامی مبارک نشان ایک خاص خادم اور ہمرکاب صحابی حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھا اور سید المہاجرین صلی اللہ علیہ وسلم اپنی غریب الوطن قوم کو ساتھ لئے ہوئے تشریف لیجاتے نظر آئے۔ جس وقت حضرت عباسؓ کے قریب پہونچے

تو ابو سفیانؓ نے حضرت سعدؓ کا طنز یہ فقرہ اور جوشیلہ کلمہ سنایا۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سعدؓ نے غیر واقعی بات کہی بلکہ آج تو وہ مبارک دن ہے جس میں (اظہار اسلام اور ازالہ نجاست شرک کی وجہ سے) کعبہ کی عظمت کی جائیگی۔ آج کعبہ کو لباس پہنایا جائیگا"

ایک زمانہ وہ تھا کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل مکہ نے ہر طرح کی اذیتیں پہونچائی تھیں اب ایک وہ زمانہ آیا کہ آپ اہل مکہ پر اپنی شفقت و رحمت ظاہر کرنے کے لئے تشریف لائے۔ ایک وہ دن تھا کہ سید البشر کو اپنا وطن مالوف اندھیری رات کی تاریکی میں صرف ابوبکرؓ کی ہمراہی کے ساتھ چھوڑنا پڑا تھا اور ایک یہ دن ہے کہ آپ بارہ ہزار مسلمانوں کے سردار بنکر مکہ فتح کرنے دن کے وقت تشریف لائے۔ ایک وہ وقت تھا کہ مکہ کا بچہ بچہ جان کا دشمن اور خون کا پیاسا بنا ہوا تھا اور ایک یہ وقت ہے کہ قریشی سردار غلاموں کی طرح ذلیل و خوار ہو کر جان کے خوف سے مکہ چھوڑ بھاگنے پر آمادہ و تیار ہیں غرض ابو سفیان نے تمام لشکر ظفر پیکر دیکھا اور حیران ہو کر حضرت عباس سے کہا کہ "تمھارے بھتیجے نے چند روز میں بڑی ترقی کی اور کثیر المقدار فوج جمع کرلی"

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی حد میں داخل ہوئے اور حجون مقام پر اسلامی نشان نصب کر دیا گیا۔

باب ۸۰

جنگ اور اسکا انجام ۔ مکہ عرب کی سنگستانی زمین پر دو پہاڑی سلسلوں کے درمیان اس طرح واقع ہوا ہے کہ قدرتی دو طرفہ پہاڑیوں نے دونوں جانب آمد و رفت کے دو راستے بنا دیئے ہیں جنمیں ایک راستہ عرفات جانیکے لئے تجویز کیا ہوا ہے اور اسی راستہ میں مکہ کا مشہور قبرستان جنت المعلی پڑتا ہے دوسرا راستہ وہ ہے جس سے نکلکر تھوڑی دور پر جدہ اور مدینہ طیبہ جانیکی دونوں شاہراہ پھٹتی ہیں اور اسی راستہ میں دروازہ شہر کے باہر وہ مستحکم و مضبوط سلطانی قلعہ بنا ہوا ہے جس میں شہری حفاظت کے لئے ترکی فوج رہتی ہے غرض مکہ میں داخل ہونے کے دن رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی لشکر کے دو حصے فرما کر دونوں راستے منقسم کر دیئے یعنی جانب اسفل سے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو اپنی ماتحت فوج سمیت داخل ہونیکا حکم فرمایا اور جانب اعلی سے خود داخل ہونا معین فرمایا۔ اسلامی لشکر کی صرف عکرمہ اور صفوان نے تو کچھ مزاحمت کی باقی بلا مزاحمت ۱۷ ر رمضان المبارک کو آپ مکہ میں داخل ہوئے۔

جس جانب حضرت خالد بن ولید امیرالجیش بنے ہوئے آرہے تھے باشندگان مکہ میں سے ابوجہل کے بیٹے عکرمہ اور امیہ کے بیٹے صفوان نے کچھ جماعت لیکر مقابلہ کیا اور اس صبا رفتار لشکر جرار کے سدراہ ہوئے۔ دونوں طرف سے صیقلدار تلواریں نیام سے باہر نکال لی گئیں تیرچھے نیزے سیدھے کر لئے گئے اور شاہنشاہی دارالسلطنت یعنی اُس مقدس شہر کی جانب زیرین جسمیں بیت اللہ ہے دونوں مابین فریق میں لڑائی ٹھن گئی۔

اسلامی ثابت قدمی واستقلال اور بھر جم غفیر وکثرت جماعت اگر باشندگان مکہ یکجائی قوت سے بھی لڑنا چاہتے تو بے حقیقت جانوروں کی طرح کاٹ کر ڈالدیئے جاتے چہ جائیکہ عکرمہ وصفوان کی مختصر جماعت مگر تاہم تھوڑی دیر جنگ آزمائی ہوئی اور آخر لشکر کفار کو پسپا ہو کر پیچھے ہٹنا اور مکہ میں گھسنا پڑا کیونکہ اس کے علاوہ کوئی دوسری جگہ فرار کے لئے بھی باقی نہ رہی تھی اور اسلامی لشکر اس مختصر جماعت کو مارتا کاٹتا مسجد الحرام کے قریب تک پہونچگیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چوبیس کافر واصل جہنم ہوئے جنمیں بیس قبیلہ بنی بکر کے تھے اور چار ہذیل کے اور دو مسلمان شہید ہوئے جنمیں ایک کا نام حبیش رضی اللہ عنہ بن اشعر ہے اور دوسرے کا نام کرز رضی اللہ عنہ بن جابر فہری رضی اللہ عنہما۔

تمہید کے طور پر ناظرین کی آگاہی کے لئے یہ بیان کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ابوطالب کی غیر منقولہ جائداد عقیل اور طالب یعنی ان دو بیٹوں کے قبضہ میں آئی تھی جو باپ کے انتقال کے وقت حالت کفر پر تھے اور دوسرے دونوں بیٹے یعنی حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس سے پہلے کہ میراث کا وقت آئے مسلمان ہو چکے تھے اس لئے ایک حبہ نہ لے سکے کیونکہ اسلام وکفر کا فرق پیدا ہوئے پیچھے نسبی اور صلبی تعلق جسکی بنا پر ترکۂ پدری پر قبضہ ہوتا ہے لغو اور باطل سمجھا جاتا ہے۔ عبدالمطلب کی ساری غیر منقولہ جائیداد یعنی مکانات کو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ چھوڑ کر مدینہ ہجرت کر جانے کے بعد ہی حضرت عقیل رضی اللہ عنہ نے بحالت کفر بیچ کھوچ کر برابر کر دیا تھا اس لئے اس سے پہلے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوں ایک صحابی نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ مکہ میں کس مکان کے اندر قیام فرمائیگا؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہکر کہ عقیل نے چھوڑا ہی کیا ہے یوں فرمایا کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں اور کافر مسلمان کی میراث نہیں پاسکتا کل انشاء اللہ مکہ فتح ہونے پر مقام خیف بنی کنانہ یعنی اس پہاڑی ٹیلہ پر مقام ہوگا جو پہاڑی تلہٹی میں سیل آب سے مرتفع۔ وہ مشہور جگہ ہے جہاں مسجد خیف واقع ہے۔

ناظرین کو یاد ہوگا کہ کفار قریش نے ایک زمانہ میں اسلامی تبلیغ سے اکتا کر بنی ہاشم وبنی مطلب کی برادری سے ڈہنے اور رسنا کحت ومواکلت یا خرید وفروخت غرض جملہ معاملات تمدنی وبرادرانہ سے منقطع کرنے پر

تحریری عہد نامہ مکمل کیا اور دستاویز بنا کر کعبہ کی دیوار پر آویزاں کر دیا تھا جس کے باعث کامل تین سال تک رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو مع تمام کنبہ اور ہاشمی و مطلبی خاندان کے شعب ابوطالب میں مقید و محروس رہنا اور فاقہ و بھوک کی ناقابل برداشت تکالیف کا جھیلنا پڑا تھا۔ یہ مقام خیف وہی جگہ ہے جہاں اس ظلم پسند معاہدہ کی تکمیل اور کفار کی تعمیل حکمنامہ پر قسما عہدی ہوئی تھی۔ اس مقام پر قیام اسی لئے مناسب سمجھا گیا کہ وہ گذرا ہوا وقت اور مصیبت خیز سماں نظر کے سامنے پھر جاوے اور حالت موجودہ کا مقابلہ کرنے کے بعد حق تعالیٰ کا شکریہ کامل طور پر ادا ہو چنانچہ دن چڑھے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل ہوئے اور اپنی چچا زاد بہن ام ہانی یعنی ابوطالب کی بیٹی فاختہ کے مکان پر جا کر غسل فرمایا اور چاشت کی آٹھ رکعت ادا فرما کر مقام خیف میں قیام فرمایا۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سانڈنی پر سوار مکہ میں داخل ہو رہے تھے اور سورہ فتح کی وہ مبارک آیتیں جنمیں آج کی حاصل ہونیوالی فتح کی بشارت دیگئی تھی پڑھتے جاتے تھے۔ تواضع اور انکساری کے باعث جناب ایزدی میں گردن جھکی ہوئی تھی گویا کہ آپ ناقہ کے پالان ہی پر سربسجود تھے کیونکہ آپ کو وہ وقت بھی یاد تھا جبکہ کفار کے چاروں طرف سے گھرے ہوئے اپنے گھر کو تنہائی کی حالت میں خوف زدہ ہو کر چھوڑا تھا اور یہ مبارک وقت بھی نظر کے سامنے تھا جبکہ آپ ایسی عزت و شوکت کیساتھ بارہ ہزار فوج کے سپہ سالار بنکر چھوڑے ہوئے وطن میں داخل ہو رہے تھے غرض اسلامی سپہ سالار اس ہیبت سے کہ حضرت اسامہؓ ناقہ پر پشت کے پیچھے سوار تھے حضرت بلالؓ اور بیت اللہ کے کنجی بردار حضرت عثمان بن طلحہ ہمرکاب مسجد الحرام میں تشریف لائے اور وہیں سواری بٹھا کر ناقہ سے اترے بیت اللہ کے اندر رکھے ہوئے بت جنمیں حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کی مورتیں بھی تھیں باہر نکلوا کر پھینکدیں اور اس کے بعد تینوں اصحاب کو ہمراہ لیکر اللہ کے مقدس گھر میں داخل ہو کر دو رکعت شکریہ کی ادا فرمائیں۔

اہل مکہ کے ساتھ باوجودیکہ ان لوگوں نے مسلمانوں پر ہر قسم کی ظلم و تعدی کی تھی اور کسی زمانہ میں کوئی ایذارسانی اٹھا نہ رکھی تھی نہایت نرمی و مہربانی کا سلوک کیا گیا۔ آپ نے اپنی تمام ماتحت فوج کو حکم دیدیا کہ باشندگان مکہ سے بہ لطف و کرم پیش آئیں صرف گیارہ مرد اور چھ عورتیں جنھوں نے بہت ہی وحشیانہ حرکتیں کی تھیں قصوروار ٹھیرائے گئے یعنی ان کے خون ہدر کر دیئے گئے اور اجازت دی گئی کہ جہاں ملیں قتل کر دیئے جائیں، باقی سبکو معاف کر دیا گیا۔ اس دریا دلی و عالی ظرفی کا یہ نتیجہ ہوا کہ جو بڑے بڑے سردار اسلامی یورش سے گھبرا کر اور اس

جم غفیر کے ہولناک حملہ سے خوف زدہ ہوکر مکہ چھوڑ کر بھاگ گئے وہ بھاگ گئے باقی جو بھی حاضر ہوا وہ غلامانہ سرنیاز جھکاتا اور حلقۂ اطاعت واسلام کان میں ڈالتا ہوا حاضر ہوا۔

وہ گیارہ مرد جن کے خون ہدر کئے گئے تھے مفصلۂ ذیل ہیں۔ ابوجہل کا بیٹا عکرمہؓ۔ امیہ کا بیٹا صفوانؓ امیر حمزہ کا قاتل وحشیؓ۔ ابوسرح کا بیٹا عبداللہؓ۔ زہیر کا بیٹا کعبؓ۔ اسود کا بیٹا ہبارؓ۔ زبعری کا بیٹا عبداللہؓ خطل کا بیٹا عبدالعزیٰ۔ صبابہ کا بیٹا مقیس۔ طلاطلہ کا بیٹا حارث۔ نقید کا بیٹا حویرث۔ چنانچہ یہ پچھلے چاروں کافر قتل کئے گئے اور باقی ساتوں اشخاص مسلمان ہوگئے اور چھوڑ دیئے گئے۔

اور وہ چھ عورتیں جنکو قتل کرنے کی اجازت دی گئی تھی ابوسفیان کی بیوی ہندؓ اور ابن خطل کی دو باندیاں قرتنا و قریبہؓ اور ارنبؓ۔ سارہؓ۔ ام سعدؓ ہیں جنہیں آخر کی ذکر کی ہوئی چار عورتیں قتل کیگئیں اور ہند و قرتنا مسلمان ہوگئیں۔

اگرچہ حدیث میں نظر سے نہیں گذرا مگر مدارج النبوۃ اور روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ اس وقت جبکہ خالدؓ بن ولید کا لشکر جماعت کفار کو قتل کرتا ہوا بیت الحرام کی جانب بڑھا آرہا تھا باشندگان مکہ میں سے ایک شخص نے ہموطن قوم کی اس بیکسی پر ترس کھا کر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اہل مکہ سیف اللہ کے ہاتھوں قتل ہو رہے ہیں خدا واسطے رحم فرمایئے چنانچہ حضرت نے ایک شخص کو بلا کر حکم دیا کہ جاؤ خالدؓ سے کہدو کہ تلوار اٹھالیں اور قتل سے باز آئیں۔

نبوی قاصد گیا اور کہا رسول اللہ فرماتے ہیں کہ "شمشیر زنی کرو اور مارو" چنانچہ حضرت خالدؓ نے قتل و قتال میں پوری سرگرمی دکھائی اور ستر کافروں کو قتل کیا اس کے بعد جب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپ نے عتاب کیا اور عدم امتثال امر کا سبب دریافت فرمایا جس کے جواب میں حضرت خالدؓ نے قاصد کا پہونچایا ہوا زبانی پیغام دوہرایا اور عرض کیا کہ تابعدار غلام کو جو حکم پہونچا تھا اس کی تعمیل کی گئی سفارت میں تغیر اور حکم کا راستہ میں بدلا جانا کوئی ایسی معمولی بات نہ تھی جسکو نظر انداز کردیا جاتا اسلئے فوراً قاصد بلایا گیا اور تبدیل حکم کی وجہ پوچھی گئی قاصد نے عرض کیا کہ یارسول اللہ میں پیغام پہونچانے کیلئے جارہا تھا کہ ہیبتناک صورت نظر آئی جس کا سر آسمان میں اور قدم زمین پر تھے ہاتھ میں حربہ لئے ہوئے تھا اور مجھکو دھمکا دھمکا کر کہہ رہا تھا کہ قریش پر شمشیر زنی کا حکم دیجو نہ کہ ممانعت قتل اور ہاتھ تھامنے کا ورنہ جان سے مار ڈالوں گا" میں اس مہیب صورت سے ایسا خائف و مرعوب ہوا کہ اسکی تعمیل کیونکر بغیر جان کا بچاؤ نہ پاسکا۔

سفارت میں تغیر پیدا کر نیوالا غیبی شخص فرشتہ تھا جو مشیت ایزدی و منشاء خداوندی کی تکمیل کے لئے آیا تھا کیونکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیارے چچا سید الشہدا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کے جنگ اُحد میں شہید ہونے اور مثلہ کئے جانے کے دن یوں فرمایا تھا کہ "آہ حمزہؓ کے ساتھ کیسی وحشیانہ حرکتیں کیگئی ہیں اگر میرا قابو ہوا تو ایک حمزہؓ کے عوض ستر قریش قتل کروں گا" اس لئے حق تعالیٰ نے چاہا کہ آج چونکہ قریش پر آخری حملہ ہے اس لئے پیارے رسول کے اس قول کی سچائی بھی ظاہر ہو جائے اور اس سے پہلے کہ رحمت بارگاہ پیغمبر کی نرم مزاجی و رحمدلی کا اثر پیدا ہو وہ ستر کا فر جن کی تقدیر میں خلود فی النار لکھا جا چکا ہے سیف اللہ کے ہاتھوں قتل کر دیئے جائیں واللہ اعلم بالصواب۔

بیت اللہ کے گرد سال کے ایام کی تعداد کے موافق تین سو ساٹھ بت چسپاں اور منصوب تھے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور اس لکڑی سے جو آپکے دستِ مبارک میں تھی بتوں کی طرف اشارہ کیا یہ رسالت مآب کا معجزہ تھا کہ جس بت کے منہ کی طرف اشارہ ہوا وہ چت اور جسکی پشت کی جانب اشارہ واقع ہوا وہ اوندھے منہ گر گیا یہانتک کہ کل وہ مورتیں جن کے پاؤں سیسہ سے جمائے گئے تھے زمین پر گر پڑیں اور وہ تصویریں جو دیوار کعبہ پر کھنچی ہوئی تھیں چاہ زمزم سے پانی منگوا کر دھلوا دی گئیں۔

عوام الناس میں اس مبارک دن کا ایک یہ واقعہ مشہور ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بُت کے توڑنے کے لئے جو سب سے اوپر اُس جگہ قائم تھا جہاں ہاتھ نہ پہونچ سکتا تھا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو مامور فرمایا اور کہا کہ اے علی میرے دوش پر سوار ہو جاؤ اور چڑھ کر مورت توڑ ڈالو کیونکہ تمہارے کاندھوں میں میرے سوار ہونے کی قابلیت نہیں ہے اور تم بار نبوت کے متحمل نہیں ہو سکتے چنانچہ بنظر تعمیل ارشاد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے دوش مبارک پر سوار ہونیکا افتخار حاصل ہوا۔ اگرچہ حضرت صدیق کا ہجرت کی رات رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی پیٹھ پر سوار کرکے کئی میل لیجانے کا واقعہ ثبوت خلافت اور تحمل بار نبوت میں فضیلت صدیقی کو ظاہر کر رہا ہے تاہم یہ کہنا ہمارا بیجا نہیں ہے کہ اس قصہ کا احادیث صحیحہ میں کہیں ذکر نہیں ہے اور شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تحفہ اثنا عشریہ میں یہ بھی ذکر کیا ہے کہ جب بیت اللہ کے گرد قائم کئے ہوئے بت عصائے مبارک کے اشارہ سے گر رہے تھے تو اس ارشاد کی بظاہر کوئی وجہ بھی نہیں معلوم ہوتی ہاں اگر اندرون بیت ایسا ہوا ہو تو ممکن ہے واللہ اعلم۔

الغرض کفار کے مصنوعی خدا اور ہاتھوں کی بنائی ہوئی مورتیں بالکل توڑ ڈالی گئیں۔ بت پرست اپنے جھوٹے معبودوں کو ٹوٹتے ہوئے نہایت افسوس سے دیکھتے تھے لیکن آج انپر یہ بات صاف کھل گئی تھی کہ ان کی مورتیں بالکل بیکار و غیر مختار اور بے قدرت و مجبور محض ہیں اور اب ان کو یہ آیت قرآنی جسپر وہ ایک زمانہ میں ہنستے تھے سچ معلوم ہونے لگی کہ "حق آیا اور باطل غائب ہوا حقیقت میں حق حق ہے اور باطل باطل"۔

باب ششم (۱۸)

مردوں کا قتل و امان اور اسلام و ایمان ۔ ہم مجملاً بیان کر چکے ہیں کہ ان گیارہ مردوں میں جنکے خون ہدر کئے گئے تھے چار مرد یعنی عبدالعزیٰ[۱] مقیس[۲]۔ حارث[۳]۔ اور حویرث[۴] قتل کئے گئے اس لئے مختصر طور پر ان کے جرائم و احوال کا بیان کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے اور نیز باقیماندہ ساتوں نو مسلم حضرات کے متعلقات بھی ذکر کرنے چونکہ واقفیت کی زیادتی کا باعث ہیں اس لئے علیحدہ علیحدہ ہر ایک بیان اختصاراً لکھا جاتا ہے تاکہ ہمارے ان معزز ناظرین کو ملالت بھی نہ ہو جو ۴۰۵ صفحات دیکھکر سیر ہو چکے اور کتاب بند کرنی چاہتے ہیں۔

عبدالعزیٰ بن خطل عرصہ ہوا مدینہ میں حاضر ہو کر اسلام لایا اور عبداللہ نام قرار پایا تھا مگر اس وقت جبکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی قبیلہ کی زکوٰۃ وصول کرنے کو محصل و عامل بنا کر اسکو بھیجا تھا اس نے اپنے خدمت گار کو اس قصور پر کہ کھانا پکنے میں دیر ہو گئی تھی جان سے مار ڈالا اور خود اس خوف سے کہ مدینہ واپس ہونے پر قصاصاً قتل کیا جائیگا مرتد ہو گیا۔ اور مال زکوٰۃ لے کر مکہ چلا آیا تھا۔ آج فتح مکہ کے دن جبکہ اس کا خون ہدر کیا گیا تو کہیں جائے فرار نہ پا کر حرم شریف میں گھس آیا۔ اور بیت اللہ کے پردوں سے لپٹ گیا کیونکہ سمجھتا تھا کہ اس دارالامن میں مجرم کا خون بہانا بھی حرم محترم کی ہتک حرمت کا سبب سمجھا جائیگا اور جان بچ جائیگی مگر چونکہ اسلامی ترقی اور کفر کے ملیامیٹ کر دینے کیلئے آج کے مبارک دن حرم میں بھی قتل کئے جانے کی اجازت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی تھی اس لئے جسوقت ایک مخبر نے آپکو یہ خبر پہونچائی کہ عبدالعزیٰ استار کعبہ کو پکڑے کھڑا ہے اسی وقت آپنے حکم فرمایا کہ جاؤ اور فوراً قتل کر ڈالو چنانچہ ارشاد عالی کی تعمیل کی گئی اور ابن خطل کا خون دیوار کعبہ کے اوپر بہایا گیا۔

فتح مکہ کے اگلے دن جو وعظ آپ نے فرمایا تھا اس میں ظاہر کر دیا تھا کہ حرم محترم میں قتل و قتال جائز سمجھنے کے لئے کوئی شخص میرے اس فعل سے استدلال نکرے کیونکہ مجھکو خصوصیت کے ساتھ صرف ایک دن طلوع آفتاب کے وقت سے عصر تک کے لئے وہ اجازت ملی تھی جو کسی دوسرے کیلئے نہیں ہے۔ حد حرم کی توقیر ہر اُس مسلمان پر واجب ہے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو۔ اس مبارک قطعہ ارض کا درخت کاٹنا بدستور حرام قتل و قتال ناجائز بیحرمتی و ہتک عزت گناہ کبیرہ ہے۔

مقیسؔ بن صبابہ بھی مسلمان ہو کر مدینہ میں ہجرت کر گیا تھا مگر وہاں ایک عجیب قصہ پیش آیا کہ اسکے نومسلم بھائی ہشام بن صبابہ کو ایک انصاری نے مشرک سمجھکر قتل کر دیا اور جس وقت مقیس کیطرف سے مظلوم ہشام کے قتل کی بابت عدالت نبوی میں استغاثہ دائر ہوا تو قاتل انصاری بلائے گئے اور مدعاعلیہ قرار دیئے گئے مگر چونکہ یہ قتل سہواً و خطاءً صادر ہوا تھا اس لئے اس سچے اظہار کے بعد شرعی قانون کے موافق انصاری مسلمان پر دیت کے سَو اونٹ واجب کئے گئے اور یہ خون بہا وصول کرکے مقیس کو دیدیا گیا معاملہ طے ہو لیا اور عدل و انصاف کے قاعدہ پر جھگڑا مٹ چکا تھا مگر مقیس کو نفسی خباثت اور کینہ ور طبیعت نے سچے پیغمبر کے فیصلہ پر بھی صبر نہ لینے دیا اور اس نے اپنے بھائی کے قاتل انصاری مسلمان کو قتل کر ڈالا اور گرفت و مواخذہ کے اندیشہ سے مرتد ہو کر مکہ بھاگ آیا۔ آج جبکہ ہر ظلم پسند طبیعت کی خباثت کا ازالہ اور حقوق العباد کی تلافی کیجارہی تھی اس کا خون بھی ہدر رہوا چنانچہ حضرت نمیلہ رضؓ بن عبداللہ لیثی نے عین اسوقت جبکہ مقیس اپنے مشرک رفقاء کے ساتھ ایک گوشہ میں بیٹھا شراب پی رہا تھا اسکو قتل کیا۔

حارث بن طلاطلہ اہل مکہ میں نہایت ایذارساں اور سخت دل کافر تھا جس نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو تکالیف پہونچانا اپنا شعار بنا رکھا تھا اس کی باطنی خباثت حد سے زیادہ بڑھ گئی تھی شان رسولؐ میں بیہودہ الفاظ اور ناشائستہ کلمات اس کے تکیہ کلام تھے آج فتح مکہ کے دن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ سے قتل ہوا۔

حویرث بن نقید بھی حارث مذکور کے قدم بقدم ایذارسانی و ہجو بیانی میں مبتلا و گرفتار تھا جب غلبۂ اسلام کے مبارک دن وقت آنکر برابر ہوا اور موت سر پر کھیلی تو خوف زدہ ہو کر گھر میں بیٹھ رہا حضرت اسد اللہ رضؓ تلاش کرتے ادھر اُدھر ڈھونڈھتے اس کے گھر پہونچے اور آواز دی تو جواب ملا کہ "جنگل گیا ہوا ہے یہاں موجود نہیں ہے" حالانکہ گھر میں موجود تھا مگر یہ جواب سنکر شیر خدا رضؓ واپس ہو گئے حویرث

گھر سے نکلکر کسی جانب جانا چاہتا تھا کہ راہ میں شیر خدا سے مٹ بھیڑ ہوگئی اور داصل جہنم ہوا۔ (یہ ہیں وہ چاروں مقتول مرد جنکو فتح مکہ میں جان سے مارا گیا)

عکرمہ بن ابو جہل کی ایذا رسانی اور سیادت کفر محتاج بیان نہیں ہے کیونکہ یہ بات مسلم ہو کہ ان باپ بیٹوں نے جسقدر ایذا رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچائی ہے شاید کسی تیسرے کافر نے نہ پہنچائی ہو۔ بہتیرے واقعات وحوادث اس دردانگیز قصہ سے برپا ملیں گے کہ سچے راہبر کو عکرمہ اور ابو جہل کیطرف سے کیا کیا اور کس کس قسم کا رنج پہونچایا گیا۔ غزوہ مکہ میں بھی خالد بن ولید کے لشکر کی مزاحمت عکرمہ نے کی اور دو شہید ہونیوالے مسلمانوں میں ایک مسلمان عکرمہ ہی کے ہاتھ شہید ہوئے مگر اللہ کی رحمت کے دریائے ناپیداکنار کی غواصی انسان کی طاقت سے باہر ہے جسوقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عکرمہ کے ہاتھوں فوجی مسلمان کے شہید ہونے کی اطلاع ہوئی تو آپ مسکرا دیئے اور فرمایا کہ قاتل ومقتول دونوں جنت میں نظر آتے ہیں صحابہ کو یہ حیرت انگیز کلمہ سنکر تعجب بھی ہوا مگر چونکہ اس فقرہ میں عکرمہ کے مسلمان ہونیکی بشارت تھی اس لئے جس وقت چند ہی روز بعد اسکا ظہور ہوگیا تو معلوم ہوا کہ ع رحمت حق بہانہ میجوید ؏ رحمت حق بہانہ میجوید

مکہ پر اسلامی تسلط ہوئے پیچھے عکرمہ نے اپنی زیادتی وبغاوت یاد کر کے اس اندیشہ سے کہ یہ برسوں کی خطائیں اور حاکم وقت کی بغاوت کسی سلطنت کے قانون میں قابل عفو نہیں سمجھی جاتیں جان بچانیکے لئے جلا وطن ہونا بہتر سمجھا اور مکہ چھوڑ دیا مگر عکرمہ کی بی بی ام حمیل مسلمان ہوگئیں اور اپنے باغی خاوند کے لئے امان کی خواہشمند ہوئیں۔ رسول مقبول صلعم نے ام حمیل کی درخواست کو منظور فرمایا اور خون ہدر ہونے کے سابق حکم کو واپس لیا۔

ام حمیل رضی اللہ عنہا اپنے خاوند کی تلاش میں مکہ سے باہر نکلیں اور اسوقت جبکہ عکرمہ سمندر کے کنارے پہنچ لیا اور جہاز پر چڑھ کر کسی دوسرے ملک میں جانیکا تہیہ کر رہا تھا خاوند سے ملیں اور بارگاہ رسالت سے امان حاصل ہونیکا ذکر کر کے واپسی کی خواہشمند ہوئیں۔ عکرمہ یہ حال سنکر حیران ہوگیا کبھی اپنی گذشتہ عداوت وبغاوت کے قصے یاد کرتا تھا اور کبھی اس لطف وکرم اور نرمی وملاطفت پر نظر ڈالتا تھا آخر کار ام حمیل رضی اللہ عنہا کے ہمراہ ہولیا اور مکہ واپس آکر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہو کر دریافت کیا کہ کیا آپ نے مجھکو امان مرحمت فرمائی ہے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا کہ "ہاں تمکو امان دیگئی ہی" یہ نبوی کلمہ حیرت انگیز اثر کر گیا یعنی یہ کہ عکرمہ کے قلب پر مقدس مذہب اسلام کی نورانی شعاعوں نے احاطہ کر لیا اور وہ یہ کہکر کہ اسقدر تحمل وکرم اور عفو وچشم پوشی خدا کے سچے نبی کے سوائے دوسرے میں ممکن نہیں مسلمان ہوگئے۔

اب ہم اس مبارک نام کو عزت کے ساتھ یاد کرینگے کیونکہ یہ شریف النسل بہادر مسلمان ہونیکے بعد اُن اہل دل صحابہ میں شامل ہوئے ہیں جنکو قرآن مجید دیکھکر ایک وجد کی حالت پیدا ہوتی تھی اور یہ کہکر کہ "یہ میرے رب کا کلام ہے" رقت طاری ہو جاتی تھی۔ خلافت صدیقی میں جبکہ فتنہ مرتدین کے دفع کرنے اور قتال کفار کے لئے بارہ لشکر مرتب کئے گئے تھے ایک لشکر کی سپہ سالاری حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں تھی اور اسی مبارک عہد سراپا مہدمین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ چچازاد بھائی جنگ اجنادین کا ہولناک منظر دیکھتے ہوئے شہید ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

صفوانؓ بن امیہ نے بھی ایذا و کفر میں عکرمہ کا ساتھ نہیں چھوڑا یہانتک کہ غزوہ مکہ کے اسلامی لشکر کی مزاحمت میں عکرمہؓ کی مرافقت کی اس لئے اسلام میں بھی ساتھ چھوڑنا گوارا نہ ہوا البتہ صفوانؓ کا اسلام غزوہ حنین کے بعد ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہدر خون کا حکم واپس لیکر جنگ حنین تک مہلت مرحمت فرمادی تھی اور اس چندروز بعد پیش آنیوالی جنگ کے وقت چندروزہ اور جنگی سامان صفوان سے بطور عاریت لیا تھا مگر جب فتح حنین کے بعد بھرپور مال غنیمت اسلامی قبضہ میں آیا اور بھیڑ بکری دنبوں کے ایک گلہ پر صفوان کی نظر پڑی تو صفوان ششدر رہ گئے اور بولے کہ "کسقدر مویشی ہیں جو مسلمانوں کے ہاتھ لگے" یہ سنکر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اے صفوان لیجاؤ یہ سارا گلہ میں نے تمکو ہبہ کیا"۔ صفوان بن امیہ رسالتمآب کی یہ دریا دلی دیکھکر حیران ہو گئے اور یہ کہکر کہ اس قدر سخاوت سوائے پیغمبر کے دوسرے میں پائی نہیں جاسکتی مسلمان ہو گئے۔

وحشیؓ کے ہاتھ سے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے عم بزرگوار سیدنا امیر حمزہؓ کا شہید ہونا وحشی کی خون ہدر رہونیکا باعث ہوا تھا لیکن وحشی اس سے پہلے کہ قتل کیا جائے طائف کی جانب بھاگ گیا کیونکہ تمام صحابہ کرامؓ وحشی کے خون کے پیاسے نظر آتے تھے اور ہر مسلمان چاہتا تھا کہ حمزہؓ جیسے بہادر کا قاتل سفاک کا خون میرے ہاتھوں بہایا جائے مگر خیال پورا نہ ہونے پایا اور وحشی قرآن کی یہ آیت سنکر کہ "اے اپنی جانوں پر ظلم کرنے والو بندو اللہ کی رحمت سے مایوس نہ بنو۔ بیشک اللہ تمام گناہ بخشدیگا" رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے۔ حضرت وحشی رضی اللہ عنہ نے خلافت صدیقی میں جھوٹے مدعی نبوت مسیلمہ کذاب کو قتل کیا ہے۔

عبداللہؓ بن ابی سرح فتح مکہ سے قبل مسلمان ہوا اور وحی ربانی کی کتابت پر مامور ہوا تھا مگر علمی امور میں

تجربہ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ شاگرد یا سامعین کے قلب پر اوستاد یا عالم کے افاضہ کا عموماً اس طرح عکس پڑتا ہے کہ استاد یا عالم کو جو بات بتانی مقصود ہوتی ہے اس کا آخری کلمہ اس سے پہلے کہ وہ بتائے اور بیان کرے شاگرد یا سامع کے دل میں آجاتا ہے خصوصاً مسجع و منظوم کلام میں ردیف و قافیہ کے متعلق معمولی شعراء کے علمی مشاعرہ میں بیٹھنے والے حضرات بھی اس تجربہ سے واقف ہوں گے غرض وحی ربانی کے متعلق بھی "واللہ سمیع علیم" یا "ان اللہ غفور رحیم" جیسی آیتوں میں یہ قصہ پیش آیا کہ وحی کے نقل کراتے وقت اس سے قبل کہ یہ آخری کلمہ زبان نبوی سے ارشاد ہو عبد اللہ کاتب وحی کے دل میں پیدا ہوا اور اس نے زبان سے نکالدیا۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرماکر کہ "ہاں یہی کلمہ وحیاً نازل ہوا ہے" نقل کرا دیا مگر عبد اللہ کی گمراہی و ضلالت کے لئے یہ وسوسہ شیطانی کافی ہوگیا اور اس نے الہام و وحی کا دعوی کرنیکے بعد عام طور پر مشہور کیا کہ جو کلمات محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی ہوتے ہیں وہی مجھپر القا کئے جاتے ہیں نیز کبھی یہ بھی بیان کیا کہ محمد صلعم کو خبر بھی نہیں ہوتی اور میں جو چاہتا ہوں لکھدیتا ہوں۔

عبد اللہ بن ابی سرح کا ارتداد اختیار کرنا اور اس بغاوت و شرارت کا جلد ظاہر کر دینا درحقیقت حقتعالی کے اپنے مقدس کلام کی حفاظت کے متعلق اس ذمہ داری کا اظہار تھا جو قرآنی آیت میں صراحۃً فرمائی ہے کیونکہ اگر اسی حالت پر چند روز گذر جاتے تو شاید اس کاتب وحی کو تبدل و تغیر کا کافی موقع ملتا اور آنے والی نسلوں کے لئے وثوق و اعتماد کی سبیل منقطع ہوجاتی۔ الغرض عبد اللہ مرتد ہوکر مکہ بھاگ گیا اور آج فتح مکہ کے دن خون بہائے جانیکے اندیشہ سے عثمانی امان میں پناہ گزیں ہوا کیونکہ حضرت ذو النورین رضی اللہ عنہ عبد اللہ کے رضاعی بھائی تھے۔ حضرت عثمان ہی نے کمال سعی و کوشش کے ساتھ عبد اللہ کا قصور معاف کرایا اور عبد اللہ مسلمان ہوگئے۔

حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کی عرصہ تک یہ حالت رہی کہ اپنی ارتداد و ادعاء نبوت کی شرم و ندامت کے باعث رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے منہ نہ کرسکے آخر کار عثمانی کوشش سے یہ حجاب بھی مرتفع ہوا اور حضرت عبد اللہ کو نبوی صحبت سے مستفیض ہونیکا موقع ملا۔ خلافت عثمانیہ میں جبکہ حاکم مصر مقرر ہوئے تھے ملک افریقہ کی مبارک فتح انہیں حضرت کے ہاتھوں ہوئی اور آخر شہادت عثمانؓ کے بعد مسلمان کی خون سے بچنے کی نیت پر یکسو ہو بیٹھے اور پیش آنیوالی اسلامی خانہ جنگیوں میں کسی فریق کے طرفدار نہیں بنے۔

باب ۲۸

قصیدہ بانت سعاد اور مستورات کا قتل ورشاد۔ کعبؓ بن زہیر ایک شیریں بیان اور فصیح اللسان شاعر تھا۔ تبلیغ اسلام اور اظہار توحید کی ابتدائی حالت میں جبکہ عرب کو اس نرالی اور نا آشنا کلمہ سے تحیر و تنفر تھا کعب نے اپنے بھائی کو دریافت حال اور واقعات و اوامر اسلام کی نیت سے حضرت ابوبکرؓ کے پاس روانہ کیا تاکہ نوپیدا کلمہ کے اثر و تاثر سے آگاہی حاصل کرے اور اطلاع دے لیکن کعبؓ کے بھائی صدیقی صحبت اور پاک مذہب اسلام کی زود اثر ہدایت سے مستفیض ہو کر واپس نہ آسکے مسلمان ہو کر نبوی خدمت میں رہ پڑے اور بھائی کو لکھ بھیجا کہ "آخرت سنبھالنے کیلئے کسی تصدیق و تجسس کی حاجت نہیں ہے بھلا چاہتے ہو تو بلا تامل یہاں حاضر ہو کر مجھ جیسے بنجاؤ" کعب کو بھائی کا وہاں رہجانا اور بلا مشورہ مسلمان ہو کر اس طرح بیباکانہ جواب لکھ بھیجنا اس قدر ناگوار گذرا کہ اس نے اس خط کے جواب میں چند اشعار ہجویہ لکھ بھیجے جن میں ایک شعر یہ بھی ہے ؎ سقاک ابوبکر بکاس رویۃ ؛ فان ھلک المامور منھا و علکا اول ابوبکرؓ نے تجھکو ایک ناقص وردی پیالہ پلایا اور اس کے بعد وہی پیالہ اس شخص (یعنی محمد صلعم) نے تجھکو پلایا جو ابوبکرؓ سے علاقہ رکھتا ہے اور بار بار پلایا" اس شعر میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کیجانب جن برے الفاظ میں کنایہ کیا گیا ہے اس کو ہر زبان سے دلچسپی رکھنے والا سمجھ سکتا ہے۔ الغرض اس کے بعد کعب کی بغاوت و مخالفت دن بدن زیادہ ہوتی رہی اور آخر فتح مکہ کے دن جان کے اندیشہ سے اسکو مکہ چھوڑنا پڑا چندروز بعد جبکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مفتوحہ ملک کے انتظام و سیاست سے فارغ ہو کر مدینہ طیبہ واپس تشریف لے گئے تو کعب بن زہیر مدینہ حاضر ہو کر اسلام لانیکی نیت سے روانہ ہوا راتوں چلتا دنوں چھپتا عین اسوقت جبکہ سید البشرؐ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے مسجد کے دروازے پر پہنچگیا اور فوراً اونٹنی بٹھا کر یکبارگی چیخ اٹھا کہ "میں کعب بن زہیر ہوں اشھدان لاالہ الا اللہ واشھدان محمد رسول اللہ" اس کے بعد بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر وہ مدحیہ قصیدہ نذرانہ کے طور پیش کیا جس کا ایک شعر یہ بھی ہے ؎ ان الرسول لسیف یستضاء بہ ؛ مھند من سیوف الھند مسلول حقیقت میں پیغمبر ہندی قابل تعریف تلواروں میں ایک ایسی ننگی تلوار ہیں جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ اس شعر میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اصلاح بھی فرمائی اور بجائے سیف کے نور اور سیوف الھند کے سیوف اللہ بنا دیا جسکا ترجمہ یوں ہوگیا کہ "پیغمبر اللہ کی تلواروں میں ایک ننگی تلوار

اور ایسے نور ہیں جس سے دوسرے روشن ہوتے ہیں"۔

یہ مبارک قصیدہ بانت سعاد کے نام سے ابتک مشہور ہے اسی قصیدہ کے صلہ میں حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص اپنی ردائے مبارک مرحمت فرمائی جسکو حضرت کعب نے اپنی مدت العمر علیحدہ کرنا گوارا نہیں کیا اور باوجود حضرت امیر معاویہ کے اصرار اور دس ہزار دینار قیمت دینے کے بھی فروخت کرنا منظور نہیں فرمایا البتہ ان کے انتقال کے پیچھے ان کی اولاد سے بیس ہزار دینار کے عوض وہ چادر لیلی گئی اور امیر معاویہ کے شاہی تبرکات میں داخل کی گئی۔

اسلام لانیکے بعد رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا لکھا ہوا ہجو یہ شعر جسکو ہم اوپر لکھ چکے ہیں سنایا اور مزاحاً یوں دریافت فرمایا تھا کہ یہ شعر بھی تمھارا ہی لکھا ہوا ہے جس کے جواب میں حضرت کعب نے جودت ذہن کے باعث فوراً دو لفظ بدلدیئے اور کہا یا رسول اللہ یہ شعر اسطرح نہ تھا جیسا کہ آپنے پڑھا بلکہ رویة میں دال کی جگہ واؤ ہے جس کے معنی خوشگوار کے ہیں اور مامور میں بجائے را کے نون کا حرف ہے جسکے معنی امانتدار اور امن دادہ شدہ کے ہیں گویا ہجو یہ شعر کو مدحیہ بنا دیا۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اس ذکاوت و رسائی ذہن سے نہایت خوش ہوئے اور آفرین وتحسین فرمائی۔

ہبار بن اسود کا یہ جرم تھا کہ جس وقت جنگ بدر کے قیدی فدیہ کی مناسب رقوم پر رہا کئے گئے اور دختر نیک اختر بی بی زینب رضی اللہ عنہا کے شوہر ابو العاص جو منجملہ اسیران بدر گرفتار ہو کر آئے تھے اس شرط پر مکہ واپس بھیجے گئے کہ اپنی بی بی یعنی رسول مقبول کی بڑی صاحبزادی زینب خاتون کو جنکا نکاح قبل ہجرت ابو العاص سے ہو چکا تھا مدینہ واپس بھیجدیں چنانچہ حضرت ابو رافع اور مسلمہ بن اسلم دونوں حضرات پیارے پیغمبر کی لخت جگر کو لینے کے لئے مکہ گئے اور ابو العاص نے وعدے کے موافق زینب خاتون کو ہودج میں بٹھلا کر مدینہ کی جانب روانہ کر دیا۔

ہبار بن اسود نے اپنے قلبی عناد اور دلی عداوت کے نکالنے کے لئے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور چند اوباش قریشی کفار کو ہمراہ لیکر مدینہ کے راستہ میں بی بی زینب پر حملہ آور ہوا۔ بی بی زینب حاملہ تھیں سفر کا عالم تھا عورت ذات تھیں دو صحابی گو ہمرکاب تھے مگر کئی قزاقوں کے مقابلہ کے لئے پھر بھی ناکافی تھے ہبار کو موقع فرصت ہاتھ آیا اور بیرحمی کے ساتھ ہودج کے اندر اس زور سے نیزہ مارا کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اس ضرب کی تاب نہ لاسکیں اور راہ میں پڑے ہوئے پتھر پر گر پڑیں۔ حمل ساقط

ہو گیا اور ولادت واسقاط حمل کے متعلق اس اندرونی مرض میں گرفتار ہوئیں جس سے جانبر نہ ہو سکیں اور آخر مدینہ پہونچنے کے چند ماہ بعد پیارے باپ کی حیات میں راہی ملک بقا ہوئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

فتح مکہ ہی کے دن ہبار بن اسود کا خون ہدر ہوا مگر ہبار اس سے پہلے کہ مسلمانوں کے قبضہ میں آئے روپوش ہو گیا آخر حضرت کعبؓ کی طرح عین اسوقت جبکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب کے مجمع میں تشریف فرما تھے مدینہ پہونچکر اچانک نبوی دربار میں حاضر ہوا اور بآواز بلند پکارا کہ "میں ہبار بن اسود مقر باسلام حاضر ہوا ہوں" چنانچہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام قبول فرماکر بیعت لیلی اور جانکاہ حادثہ کے متعلق جو کچھ قصور صادر ہوا تھا معاف فرمادیا۔

گیارھویں مرد یعنی عبد اللہ بن زبعری کے جرم اور اسلام کی صورت کے متعلق کوئی تفصیلی حال قابل اطمینان چونکہ معلوم نہیں ہوا اس لئے چھوڑ اگیا۔ ہاں البتہ تتمہ کے طور پر یہ بیان کردینا بھی مناسب ہے کہ چونکہ نومسلم ابوسفیان کے متعلق حضرت عباسؓ نے سفارش کی تھی کہ یا رسول اللہ صلعم ابوسفیان حکومت پسند اور نمود وافتخار کا طلبگار قریشی ہے اس لئے اگر آج فتح مکہ کے دن کوئی ایسا اعزاز ابوسفیان کو نصیب ہو جس کے باعث قوم پر فخر کرنے کا موقع ملے تو اسلام کی پختگی کا ذریعہ ہوگا چنانچہ مکہ داخل ہوتے وقت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا تھا کہ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائیگا اس کو امن ملیگا" چنانچہ ایسا ہی ہوا اور بیسیوں جانیں اس رحمت آمیز فقرہ سے نجات یاب ہوئیں۔

اس زمانہ میں اس مقدس گھر کو سلطانی شفاخانہ بنادیا گیا ہے جس میں جان سے خوف زدہ بیماروں کو قابل اطمینان صحت اور امن وعافیت کی تسلی وتشفی مذکورۂ بالا حدیث سے اشارۃً مستنبط سمجھی گئی ہے اور یوں بھی تبرکاً وتیمناً قلبی امن وعافیت اور روحانی ونفسانی امراض کے ازالہ کی نیت سے حجاج اس مقدس سطح پر جسم کو مس کراتے ہیں جس کے متعلق پیارے رسول کی زبان سے یہ مبارک الفاظ نکلے تھے

ابوسفیان کی بی بی ہند کا سید الشہدا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کرانا اور نعش مبارک کیساتھ وحشیانہ حرکت کے ساتھ پیش آنا۔ سینہ چیر کر کلیجہ نکالنا اور دانتوں سے چبانا چہرہ کے اعضا کا کاٹنا اور ناک کان کے ہار بناکر پہننا ایسا جانکاہ حادثہ ہے جس کے سننے سے لرزہ آتا ہے اسی جرم میں ہند کا خون ہدر کیا گیا تھا لیکن اس سے پہلے کہ گردن کاٹی جائے ہند عورتوں کے زمرہ میں شامل ہو کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئیں اور مسلمان ہو گئیں۔

ان مذکورہ واقعات سے حیرت ہوتی اور عقل چکرائی جاتی ہے کہ اسلامی دنیا کے ابتدائی افراد میں ہزاروں اشخاص ایسے ملتے ہیں جنکی ابتدائی اور انتہائی زندگی میں زمین و آسمان کا بعد ہے یا وہ مخالفت و عناد تھا اور یا یہ اطاعت و اتحاد ایک زمانہ وہ تھا کہ ہر مسلمان طبیعت کو نام لینا ناگوار تھا اور ایک یہ وقت ہے کہ حضرت اور رضی اللہ عنہ کے پاک خطاب سے یاد کیا جاتا ہے۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی بے نفسی اور حلم و بردباری کا اندازہ نہیں ہوسکتا کیونکہ آپ گذری ہوئی مصیبتوں کا ذرہ برابر بھی خیال نہ لاتے تھے اور اُنھیں ہموطن بھائیوں سے جنکی طرف سے کسی زمانہ میں جان و مال۔ آبرو۔ اولاد غرض ہر قابل عزت چیز پر حملے کئے گئے تھے اسلام لائے پیچھے اُس خلوص و محبت کے ساتھ ملاقات کرتے تھے جس طرح مہربان باپ اپنی سعادتمند اولاد یا قدردان آقا اپنے فرمانبردار و خیرخواہ غلام کیساتھ کیا کرتا ہے اسپر بھی اگر کوئی کہے دنیاوی حکومت مقصود تھی یا ریاست و ملکی سلطنت کا خیال تھا تو ایسے بدطینت شخص کو خدا سمجھے۔ حضرت ہند رضی اللہ عنہا نے مسلمان ہوئے پیچھے گھر واپس ہوکر وہ ساری مورتیں جو پرستش کے لئے رکھی ہوئی تھیں توڑ ڈالیں اور یہ کہکر کہ افسوس میری اتنی عمر تمھارے فریب میں ضائع ہوئی بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ ہند بارگاہ رسالت میں حاضر ہوکر کہا کرتی تھیں کہ یا رسول اللہ ایک دن وہ تھا کہ میرے نزدیک سطح زمین پر آپ سے زیادہ دشمن اور مبغوض کوئی نہ تھا اور ایک آج کا دن ہے کہ دنیا میں آپ سے زیادہ پیارا اور محبوب کوئی نظر نہیں آتا۔

ہندؓ نے ایک مرتبہ بکری کے دو بچے ہدیۃً رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی نذر گذرانے اور عرض کیا کہ میرے پاس بکریاں بہت کم ہیں چنانچہ آپ نے برکت کی دعا فرمائی اور چند ہی روز بعد اس کا ایسا ظہور ہوا کہ ہندؓ سے بکریاں سنبھالی نہ سنبھلتی تھیں۔

قرتنا اور قریبہ ابن خطل کی دونوں باندیاں اور ارنب ابن خطل کی آزاد کی ہوئی لونڈی تینوں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو میں لغو و بیہودہ اشعار سریلی آواز سے گایا اور سننے والے اہل مکہ کے دل لبھایا کرتی تھیں ان تینوں کنیزوں کے بھی خون ہدر کئے گئے تھے جنمیں قریبہ اور ارنب ماری گئیں البتہ قرتنا خوف زدہ ہوکر مکہ سے بھاگ گئی اور جب کسی مکی شخص نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے لئے امان لیلیا تو قرتنا حاضر خدمت ہوکر مسلمان ہوئیں۔

پانچویں عورت سارہ بنی مطلب کی آزاد شدہ باندی تھی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

استہزا کرنے اور ہجویہ اشعار گانے ایذا پہنچانے اور بیہودہ و لغو حرکات کرنے میں بیباک تھی چونکہ فتح مکہ کے دن اسکا بھی خون ہدر ہوا تھا اس لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ہاتھ سے قتل ہوئی البتہ چھٹی عورت یعنی ام سعد کے متعلق صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ بھی آج ہی کے دن قتل ہوئی اور اس کے علاوہ کچھ معلوم نہیں کہ کون تھی کیا خاص جرم تھا اور کس نے قتل کیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

شاہنشاہی دار السلطنت یعنی بیت اللہ پر کامیاب ہوکر کل مورتوں کے برباد کرنے اور تمام رسومات مشرکانہ کے منسوخ کرنیکے بعد رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے کل آدمیوں کی طرف مخاطب ہوکر وعظ فرمایا اور آخر میں کہا کہ "اے اہل قریش اب تمھاری کیا رائے ہے میں تمھارے ساتھ کس طرح پیش آؤں؟ کیا سلوک کروں؟ اُن لوگوں نے جواب دیا کہ اے ہمارے بھائی اور اے ہمارے بھتیجے رحم و شفقت۔ اسلامی مورخ طبری کا بیان ہے کہ یہ لفظ سنکر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم آبدیدہ ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ میں تمھارے ساتھ ویسا ہی سلوک کروں گا جیسا کہ یوسف علیہ السلام نے اپنے خطاوار بھائیوں کے ساتھ کیا تھا یہ فرماکر آپ نے وہ آیتِ قرآنی پڑھی جسمیں اللہ پاک نے یوسف علیہ السلام کا جوابی کلمہ اسطرح ارشاد فرمایا ہے کہ" تمپر کچھ ملامت نہیں ذلت نہیں خدا تمھیں بخشے کیونکہ وہ رحمان و رحیم ہے"

اس کے بعد ایسا عجیب نظارہ ظاہر ہوا کہ اس جیسا تواریخ میں لکھا نہ گیا ہوگا۔ جماعت پر جماعت چلی آتی تھی اور حلقۂ اسلام میں داخل ہوتی تھی۔ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کوہ صفا پر بیٹھے ہوئے جسطرح کسی زمانہ میں دس برس ہوئے اہلِ مدینہ کی بیعت لے چکے تھے اسی طرح اہل مکہ سے بھی اقرار لے رہے تھے کہ ہم لوگ عبادت میں شرک نہ کریں گے۔ چوری زنا نہیں کریں گے۔ لڑکیوں کو ماریں گے نہیں نہ جھوٹ بولیں گے۔ اور نہ عورتوں پر جھوٹی تہمتیں دھریں گے۔ اسطرح پر قرآن شریف کی وہ پیشین گوئی آج پوری ہوگئی جس میں کھلے الفاظ کے اندر اسطرح بشارت دی گئی ہو کہ "اے محمد ہمنے تمکو کامل اور کھلی فتح عنایت کی"۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ترویج اسلام اور تبلیغ دین کے متعلق ساری جانکاہی کا ثمرہ ملگیا۔ مقصود رسالت حاصل ہوگیا۔ طائفی بچوں کے پتھر پھینکنے اور اوباش کافروں کے آوازے کسنے سب کچھ یاد ہوں گے۔ ہر طرف عداوت کی بھیانک صورت اور قتل و قید کی خوف دلانیوالی دھمکیاں لاوارث سمجھکر غلاموں تک کا ڈانٹ لینا گالیاں سنا لینی نظر کے سامنے ہوں گی۔ غریب الوطنی اور

وطن مالوف کی مفارقت بے رحم وسفاک قریشیوں کے ظالمانہ مشورے اور آٹھ سال پہلے کی ناگفتہ بہ وناازک حالت خیالی تصویر کیطرح روبرو ہوگی مگر آج جبکہ اللہ کا مقدس گھر بتوں کی قابل نفرت نجاست وپلیدی سے پاک صاف نظر آیا مردہ دل بندوں میں تازہ روح پھونکنے والا سچا کلمۂ توحید ہزاروں ہزار بندگان خدا کی زبان پر جاری ہوتا سنا گیا۔ بے عیب خدا کی ثنا وصفت کے الفاظ اور تکبیر وتحمید الٰہی کے دل ہلا دینے والے نعرے عرب کی ریگستانی زمین کے ذرات چمکاتے اور کوہ ابوقبیس وقیقعان میں ٹکرا ٹکرا کر گونجتے ہوئے محسوس ہوئے تو سارے تکدرات رفع ہوگئے رنج وغم خوشی ومسرت سے مبدل ہوگیا مصیبت والم نے راحت واطمینان کو جانشین بنایا اور درحقیقت ابدالاباد تک سچی نبوت ثابت کرنے کے لئے وہ پائدار معجزہ بنا چھوڑا جس کی نظیر چار دانگ عالم میں مل نہیں سکتی۔

باب ششم (۸۳)

مکہ معظمہ کا قیام اور نبوی سیاست وانتظام۔ اس زمانہ میں جبکہ مکہ دارالکفر بنا ہوا ہزار ہا بت پرست بہادروں کو اپنے اندر لئے ہوئے تھا کیا کوئی شخص خیال کرسکتا تھا کہ اسلام کے ہونہار اور پھلدار درخت کو یہ استحکام نصیب ہوگا کہ خاص کفرستان کو دارالامن والایمان بنائے۔ جب عرب کی ریگستانی زمین اور حجاز کے کفرستان ملک میں ہٹ دھرم بدوؤں کی مخالفت اور عقائد فاسدہ کی اصلاح کے لئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے تھے مایوسی کی گھنگھور گھٹائیں پھیلی ہوئیں اور ناامیدی کی تاریک وظلمت خیز بادل امنڈتے نظر آرہے تھے۔ آپ کو کعبہ میں وعظ کہنے سے کفار قریش نے روکدیا تھا اور جھنڈ کے جھنڈ آپ کے مہربان چچا ابوطالب کے پاس ان پاس آکر ملتجی ہوئے تھے کہ "اپنے بھتیجے کو روکو کہ وہ ہمارے بتوں کو برا نہ کہے ورنہ جنگ کے لئے تیار ہوجاؤ" قریش کا غصہ دن بدن بڑھتا رہا اور آخر ابوطالب کا انتقال گویا اہل مکہ کیلئے عام اجازت ہوگئی کہ مصیبت وایذارسانی میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا استقلال تھا کہ آپ نے دنیا بھر میں اپنے ایک مربی ومحافظ یعنی ابوطالب کی علیحدگی کا بھی خیال نہ کیا اور صاف الفاظ میں فرمادیا کہ "چچا جان اگر کافر میرے داہنے ہاتھ میں آفتاب اور بائیں ہاتھ میں ماہتاب دیکر بھی اس پاک کلام کے چھوڑنے کو مجھ سے کہیں تب بھی میں اپنے مقصد سے ہرگز نہ ڈگوں گا یہانتک کہ خدا اپنے مقصد کو ظاہر کردے یا میں اسی کوشش میں شہید ہوجاؤں" الحمد للہ کہ مقصد پورا ہونیکا وہ مبارک دن دنیا ہی میں دیکھنے کا اتفاق ہوا جس کے لئے آپ نے

اس زبردست فقرے میں لوگوں کو منتظر بنایا تھا۔ اللہ کا شکر ہے کہ آپ کی رسالت کا وہ پاکیزہ ثمرہ ظاہر ہوا جسمیں آپ عقل کو حیران بنانیوالی اس مستعدی کو کام میں لائے جس نے اعزا و اقارب کی مفارقت کنبہ اور برادری کی مخالفت وطن اور مولد و مسکن کی مہاجرت غرض ہر پریشان کرنیوالی حالت کو محض خواب وخیال بنا دیا تھا۔ آپ ہمت نہ ہارے اور آخرت کی جاوید نعمتوں کے کریمانہ ہاتھوں سے لٹانے میں ایسے سخی و کریم ثابت ہوئے جسکی نظیر گذشتہ انبیاء و رسل اور سفراء خداوندی میں بھی ملنی دشوار و محال ہے۔

آپ کے افضل البشر اور سید الکائنات ہونیکی یہی دلیل کافی ہے کہ آپ کے مقدس واقعات کی سچی و پائدار تاریخ اُن بیشمار مناقب و اوصاف سے بھری ہوئی ہے جنکا فرداً فرداً کسی بشر کے اندر ہونا بھی لوگوں میں محترم و باوقعت بننے کے لئے کافی ہے۔ جو لوگ آپکو جتنا بھی زیادہ جانتے تھے اتنا ہی زیادہ آپ کے خالص اور سچے پیرو ہوتے تھے اور جس قوم نے جتنا بھی آپکو جانچا اسی قدر اطاعت و انقیاد کا بڑا حصہ لیا۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ عرب کے نام اور قبیلے اور علمی لیاقت و لسانی فصاحت میں دنیا پر فوقیت لیجانے والے حجازی باشندے ایسے بیوقوف تھے کہ اپنے ہادی کے اندر دنیاداری کے آثار پاکر اطاعت کریں۔ کیا کوئی متکبر و مغرور سردار یا کسی قوم کا باعزت امیر بغیر کسی خاص حالت کے پائے ہوئے حلقۂ غلامی کان میں ڈال سکتا ہے۔ آپکے اوپر ایمان لانے والے بندوں نے کبھی انحراف کا نام نہیں لیا اور اگر کوئی مرتد بھی ہوا تو اُن زوائد امور یا طبعی خباثت کے باعث جنکو آپ کی ستودہ صفات سے کوئی تعلق نہ تھا۔

اگر لوگ ایمان نہ بھی لاتے تب بھی آپ کے کام کی عظمت میں کوئی بٹہ نہ لگتا۔ دیکھو عیسیٰ علیہ السلام کا اثر اپنے رشتہ داروں پر نہ پہونچا بلکہ آپ کے حوارین بھی آپ پر ایمان لانے میں اسقدر مضبوط ثابت نہیں ہوئے جیسے اُمت محمدیہ میں ابوبکر صدیقؓ اور عمر فاروقؓ جیسے کامل الایمان افراد موجود ہیں مگر پھر بھی حضرت روح اللہ کی سیادت و رسالت میں کوئی ضعف نہیں ہو سکتا ممکن ہے کہ یہ ضعف ایمان خود حوارین کی ذاتی کمزوری کے باعث یا ایک عیسائی سمجھدار مورخ تلمن نامی کی رائے کے موافق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ظاہری اختلاف اقوال کے باعث بہرحال جو کچھ بھی ہو اسوقت ہمیں صرف یہ بات ظاہر کرنی ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس حیات میں

تکثیر جماعت اور ابتدائی قریبی رشتہ داروں اور رات دن کی حالت دیکھنے والے لوگوں کی اطاعت اور اس کے بعد آپ کی امت کا استقلال اور اسقدر مضبوط ایمان اس امر کو ثابت کر رہا ہے کہ آپ کے اغراض نہایت پاک و منزہ تھے آپکے عادات ہر دلعزیز اور اخلاق عام و خاص پسند تھے آپ کا دین حق تھا اور عادات و عبادات کے متعلق جو کچھ بھی آپ کے حرکات و سکنات تھے ان میں سے کوئی بھی دلچسپی سے خالی نہ تھا۔

آپ کے اخلاق و شفقت اور کرم کی نظر نے ہر دل پر وہ گہرا اثر کیا تھا جس نے دشمنوں سے بھی تعریف کرادی اور مورخان عرب سے وہ تعریفی قصیدے لکھوا چھوڑے جو کسی دولتمند و کرم گستر سلطان کی شان میں نہیں لکھے جا سکتے۔ آپ پڑھے لکھے نہ تھے لیکن عالم و جاہل دونوں کو تعلیم فرماتے تھے۔ آپکے چہرہ پر دل کی صفائی کا اثر نمودار تھا اور عظمت و جلال کا وہ نور برستا تھا جسکی نظیر دنیا کے پردہ پر نہ پہلے تھی نہ اب ہے نہ آئندہ ہوگی۔

آپ نہایت خلیق تھے بارہا اپنے پاس بیٹھنے والوں سے مزاح فرماتے اور دل بہلانے کے لئے خوش طبعی کی باتیں بھی کیا کرتے تھے مگر پھر بھی آپ کے چہرہ پر وہ قدرتی رعب اور ہیبت برستی تھی کہ سلطانی قاصدوں اور فرمانروایان ملک کے بہادر سفیروں کے پتے پانی ہوتے تھے باوجود آپکی اسقدر ملاطفت اور کثرت اختلاط یعنی ہر وقت کے میل جول کے بھی آپ کے اصحاب کو کسی بیجا بات کے عرض یا خلاف شرع امر میں سعی سفارش کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ آپکے چچا اور عمر میں بوڑھے رشتہ میں بڑے مسلمان بھی آپ کے ایسے ہی محکوم و تابعدار تھے جس طرح سامنے کے پیدا ہوئے بچے اور گود کے کھلائے لڑکے۔

آپ حیا میں نا کتخدا لڑکی سے بھی بڑھ کر تھے اور اپنے ماتحت خدام پر نہایت درجہ شفیق و مہربان۔ آپنے اپنے خادموں کو بھی کبھی نہیں جھڑکا آپ کے خادم انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ میں دس۱۰ برس آپکی خدمت میں سرفراز رہا اس درمیان میں آپ نے مجھکو کبھی اُف تک نہیں کیا۔ آپنے اپنی زندگی بھر میں نہ کسی کو مارا اور نہ کسی پر وار کیا۔ سخت سے سخت کلمہ جو کسی شخص کی بیجا حرکت پر آپکی زبان سے نکلتا تھا یہ تھا کہ "اسکو کیا ہو گیا ہے اسکی پیشانی مٹی سے کالی ہو" ایک دفعہ لوگوں نے کفار کے حق میں بد دعا کرنے کی آپ سے استدعا کی آپ نے فرمایا کہ "میں بد دعا کرنیکو نہیں آیا ہوں میں لوگوں پر رحمت کرنیکو بھیجا گیا ہوں"۔

آپ لڑکوں اور کم سن بچوں کو نہایت شفقت و محبت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ گلیوں میں بچوں کو کھیلتے پاتے تو انکو ٹھیرا لیتے اور پیار سے اُن کی پیٹھ ٹھونکتے تھے۔ سختی کا جواب سختی کے ساتھ دینا آپ جانتے ہی نہ تھے۔ ایک دفعہ کسی دہقانی گنوار نے پکارتے ہوئے آپکی چادر مبارک کا کونہ پکڑ کر ایسا کھینچا کہ پھول جیسی نازک گردن پر

نشان پڑ گئے اور سرخی کے ڈورے نمودار ہو گئے مگر آپ ذرا چیں بہ جبیں نہ ہوئے بلکہ منہ پھیر کر مسکرائے اور فرمایا کہ "میں نے تمہارا پکارنا سُنا نہیں تھا۔"

آپ بیماروں کی عیادت کو جاتے اور جو جنازہ ملتا اُس کے ساتھ ہو لیتے تھے تجہیز تکفین میں شامل ہوتے اور تعزیت و تسلی سے مصیبت زدہ دلوں کی ڈھارس بندھایا کرتے تھے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ غلام کی بھی دعوت قبول کر لیتے اور جو شخص جہاں لیجانا چاہتا بشرطیکہ ناجائز نہ ہو فوراً ساتھ ہو لیتے تھے۔ آپ اپنے کپڑوں کو آپ سی لیتے بکریوں کا دودھ خود ہی دوہ لیتے غرض انسانی ضرورت کے متعلق اپنا کام خود ہی کر لیتے تھے آپ کو کسی ایسے کام کرنے میں تامل نہ تھا جسکو آجکل اُمرا بہ نظرِ حقارت دیکھتے یا نوکروں یا غلاموں کا کام سمجھتے ہیں۔ مصافحہ کے وقت آپ اپنا ہاتھ پہلے کبھی نہیں کھینچتے اور جب تک بات کرنیوالا شخص خود ہی نہ چلا جائے آپ بے التفاتی نہ فرماتے تھے۔

ایک عرب آپ کی تعریف میں لکھتا ہے کہ آپکا دل نہایت دلیر تھا۔ ہاتھ سخی تھا زبان سچی تھی آپ جس کسی سے کوئی وعدہ فرماتے اس کو پوری طرح انجام دیتے تھے، گفتگو میں آپکا کلام نہایت دلچسپ تھا۔ نصیحت کرتے اور سمجھاتے وقت آپ نہایت نرمی کے ساتھ کام لیتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک نومسلم ناواقف شخص مسجد کے صحن میں کھڑا ہو کر پیشاب کرنے لگا لوگوں نے شور مچانا شروع کیا مگر آپنے سبکو خاموش کر دیا اور فرمایا کہ پیشاب کرتے میں اُس کو پریشان نہ کرو پانی کا ایک ڈول لاکر بہا دینا اور اس کے بعد جب وہ شخص پیشاب کر چکا تو آپ نے بلایا اور پاس بٹھا کر محبت کے ساتھ اسطرح سمجھایا کہ "بھائی یہ مسجد اللہ کا گھر اور تمہاری عبادت کی جگہ ہے اس کو بول و براز کی نجاست سے ناپاک مت بنایا کرو۔"

آپ کے وعظ اور نرم گفتاری کا پاکیزہ طریقہ ایسا نتیجہ خیز مؤثر تھا کہ دل کی تہ میں پہونچے بغیر نہ رہتا تھا۔ آپ ہر بیباک شخص کی بیباکی سے اعراض فرماتے اور ہر شخص کی سمجھ کے موافق بات سمجھایا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ کسی شخص نے آکر کہا کہ یا رسول اللہ مجھکو زنا کرنے کی اجازت دیدیجئے۔ یہ گستاخانہ سوال آپ کے اصحاب کو بہت ناگوار گذرا اور لوگوں نے اس ناسمجھ سائل کو تیز اور ڈراونی آنکھوں سے گھورنا شروع کیا مگر آپ نے پاس بٹھا کر یوں سمجھایا کہ "میاں اگر تمہاری بہن سے کوئی شخص زنا کرے تو کیا تمکو ناگوار نہیں گذرتا" سائل نے جواب دیا کہ سخت ناگوار گذرتا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اسیطرح دوسروں کو اپنی بہن سے زنا کا ہونا ناگوار گذرے گا اسی طرح ماں اور بیٹی پھوپھی اور ماموں اور بیوی غرض سارے قریبی رشتہ داروں کا

رشتہ ذکر فرما کر یہی سوال کیا اور ہر مرتبہ یہ جواب سنکر کہ مجھے اپنے رشتہ داروں میں سے کسی کا ایسی حرکت سے ملوث ہونا گوارا نہیں ہے مسکرا کر یوں ہی جواب دیا کہ تمھاری ہی طرح دوسروں کو بھی حیا و غیرت ہے کوئی دوسرا شخص کیونکر گوارا کر سکتا ہے آخر کار جب وہ شخص سمجھ گیا تو آپنے اپنا معجز نما ہاتھ ید مسیحا کی طرح مریض القلب سائل کے سینہ پر پھیرا اور دعا فرمائی کہ "الٰہی اسکا قلب پاک کردے" یہی سائل کہتے ہیں کہ اس قصہ کے بعد دنیا میں جس قدر بغض مجھکو فعل زنا سے ہے اتنا کسی دوسرے گناہ سے نہیں ہے۔

جس شخص پر آپکی نظر رحمت پڑتی تھی اُس کے دل میں فوراً آپکی عظمت پیدا ہو جاتی تھی اور جو کوئی آپکے پاس بیٹھتا تھا آپسے محبت کرنے لگتا تھا۔ لوگ جب ایک دوسرے سے آپکی تعریف پوچھتے تو یہی جواب پاتے تھے کہ ہمنے ایسا شخص کبھی نہیں دیکھا۔ آپ بہت کم بولتے تھے اور جب بولتے تو نہایت صاف صاف اور ٹھیر ٹھیر کر تاکہ بات ہر قریب و بعید کی سمجھ میں آسکے۔ آپکی حیا۔ رحم۔ صبر۔ سخاوت اور جفاکشی شخص کے دلوں اور محبتوں کو آپ کی طرف کھینچتی تھی۔ آپ آرام و آسائش میں ہمیشہ دوسروں کو اپنے نفس پر ترجیح دیتے اور قحط کے زمانہ میں بھی غریبوں اور مسکینوں کو اپنے ساتھ کھلاتے تھے۔ آپ ہر مغموم کے غم میں شریک ہوتے اور بیوہ و بیکس عورتوں کے کام کرنے میں پیشقدمی کیا کرتے تھے۔ آپ دوسروں کے آرام کے بہت خواہاں رہتے اور غریبوں سے محبت رکھتے تھے۔ بوڑھوں کی تعظیم فرماتے اور وقعت و عظمت کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے چنانچہ فتح مکہ میں جبکہ آپ حرم شریف میں بیٹھے ہوئے تھے حضرت ابو بکرؓ صدیق اپنے ضعیف العمر نیچی لٹکی ہوئی سفید ڈاڑھی والے باپ ابو قحافہ کو جنکے پاؤں میں رعشہ اور نقاہت کے باعث کپکپی طاری تھی آپکے پاس لائے تاکہ اسلام کی بیعت لیلیں تو آپ نے یوں ارشاد فرمایا کہ بڑے میاں کو کیوں تکلیف دی میں ہی تمھارے گھر چلا چلتا"۔

آپ کو جھوٹ سے نہایت درجہ نفرت اور سچ سے کمال الفت تھی آپ سچ بولنے والے مجرم اور اقرار کرنیوالے قصوروار کو بھی وقعت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ حقداروں کے حقوق سمجھتے اور ادا کرتے تھے آپنے اپنی نو بیبیوں میں بھی وہ عادلانہ برتاؤ اور معاشرت و محبت کا عاقلانہ انداز قائم رکھا جو دو بی بی والے خاوند کو بھی برتنا آسان نہیں ہے۔ آپکی سادگی اور متانت بذات خود ایک سچی راہبر تھی۔ خدا نے ساری جہان کا خزانہ آپکے سامنے پیش کیا لیکن آپنے اسے قبول نہ فرمایا اور غریب ہی رہنا پسند کیا۔ اسوقت بھی جبکہ آپ حجازی خطہ کے بادشاہ ہو چکے اور ہزار ہا عربی باشندوں کی جان و مال پر قبضہ کر چکے تھے آپنے اپنی سادہ وضع نہیں چھوڑی اور دنیاوی مال و

متاع میں کسی رشتہ دار کو وارث نہیں بنایا آپ کا پسماندہ سب وقف تھا اور اول سے آخر تک جس حالت میں جو کچھ بھی تھا حاجتمند بھوکوں اور ضرورت والے مسکینوں کے لئے تھا۔ آپ نے اپنی مبارک حیات کے ایام جس بے تکلفی وسادگی کے ساتھ گذارے وہ جداگانہ رہبر کامل کا کام دے رہے ہیں۔ آپ کا کھانا پینا کپڑا اسباب سب مختصر تھا اکثر آپ بھوکے سو رہتے اور کبھی صرف پانی اور کھجور ہی پر بسر اوقات فرمایا کرتے تھے۔ مہینوں آپ کے باورچیخانہ میں آگ روشن نہیں ہوتی تھی آٹے کا چلنی میں چھاننا کوئی جانتا ہی نہ تھا کہ کیا ہے لذیذ سے لذیذ اور عمدہ سے عمدہ ضیافت بکری کے بھنے ہوئے گوشت یا شوربہ میں بھگوئے ہوئے روٹی کے ٹکڑوں کی ہوتی تھی جس کا استعمال اکثر ولیمہ کی دعوتوں یا خاص مہمانداری کے دسترخوان پر ہوتا تھا۔ آپ اپنے دشمنوں کے ساتھ بھی بلطف و مدارات پیش آتے تھے جو شخص آپکے ساتھ استہزا اور ٹھٹھا کرتا آپکو اذیت دیتا یا کسی قسم کی بدسلوکی و دغا کیساتھ پیش آتا تھا آپ اُسے معاف کر دیتے اور بھول جاتے تھے۔ یہی اہل مکہ تھے جنھوں نے کسی وقت میں برائی کی کوئی بات اٹھا نہ رکھی تھی آج عزیز صحابی اور ایسے رفیق بنگئے گویا کبھی کچھ ہوا ہی نہ تھا جس طرح شرک و بت پرستی حرف غلط کی طرح ملیا میٹ ہو گئی اسی طرح پچھلی عداوت و مخالفت بھی الفت و محبت سے مبدل ہو کر یکقلم زائل ہو گئی۔ آپنے نہ چاہا کہ باشندگان مکہ دوسرے مفتوحہ ممالک اور مقبوضہ بلاد کی طرح غلام باندی بنائے جائیں اور فاتح مسلمانوں کے استعمال میں آئیں آپ نے اپنے اوپر ہر طرح کے ظلم کرنیوالوں اور دشمن جان قریشی بھائیوں کو آزاد کر دیا اور کیسکی مقبوضہ جائداد یا قابل تصرف مال میں مداخلت نہیں کی۔

اگر کوئی کسی عالی حوصلہ پادشاہ یا باہمت و عالی ظرف سلطان کی کوئی نظیر پیش کر سکے تو لائیے ہم دیکھنے کیلئے منتظر ہیں یا کسی بردبار و متحمل کی ایسی قابل یادگار بردباشت پیش کرے کہ جسمیں ظلم کے ہزارہا دروازے کھولنے والے پر عفو و رحمت کے بیشمار دروازے کھولے گئے ہوں تو پیش کرے ہم سننے کے امیدوار ہیں۔

آپ نہایت امانت دار اور امانت کے حقدار تک پہونچانیکو بدرجہا دوست رکھنے والے تھے۔ مکہ فتح ہوئے پیچھے ایکمرتبہ جبکہ آپنے بیت اللہ میں داخل ہونیکے لئے حضرت عثمانؓ بن طلحہ سے کنجی منگائی اور دروازہ کھولکر اندر تشریف لیگئے تو آپکے چچا حضرت عباسؓ نے درخواست کی کہ حجاج کا سقایہ میرے متعلق ہی اگر کعبہ کی کنجی بھی مجھے عنایت ہو تو بہت اچھا ہو مگر آپنے گوارا نہ فرمایا اور واپس آکر مفتاح کعبہ جو آپکے پاس امانت تھی اسکے حقدار یعنی عثمان ہی کو مرحمت فرمائی بلکہ یوں ارشاد کیا کہ "اے عثمان یہ کنجی ظالم کے سوائے کوئی منصف شخص کبھی تمھارے ہاتھ سے نہ چھینیگا" چنانچہ

ابتک اس سچی پیشینگوئی کے مطابق یہ مقدس امانت اسی خاندان کے ہاتھ میں ہے۔

صاحبِ مفتاح حضرت عثمانؓ بن طلحہ کے چونکہ کوئی صُلبی بیٹا نہ تھا اس لئے مفتاحِ کعبہ بوقتِ وفات اپنے بھائی شیبہؓ کے حوالہ کر گئے اور ان کے بعد نسلاً بعد نسل اولادِ شیبہ ہی اس کے وارث ہوتے رہے یہی وجہ ہے کہ صاحبِ مفتاح شیبی کہلاتا ہے اور جملہ حکامِ وقت یا سلاطین ارض بیت اللہ کی داخلی کے وقت اسی مقدس خاندان کے محتاج بنتے ہیں۔ آپ باوجود دنیاوی سیاست و انتظام اور اسقدر مہتم بالشان فرائض کی پابندی کے بھی اپنے ایک خدا کی عبادت اور شاقہ ریاضت سے لحظہ بھر غافل نہ تھے جس طرح آپکی ملکی سیاست اور تدبیر حکومت آنیوالے سلاطین اور سطح زمین کے فرمانروا یا با اقتدار پادشاہوں کے لئے عمدہ سبق ہے اسیطرح آپکا زہد و توکل صبر و قناعت مجاہدہ و ریاضت خواہشات نفسانیہ پر قبضہ اور نفس کی مغلوبیت میں روحی مملکت پر سلطنت کرنیوالے پاکباز بندوں کے لئے وہ نمونہ موجود ہے جسکی بدولت آخرت کی زندگی میں امن و عافیت نصیب ہوتی ہے۔ آپنے نماز میں کھڑے کھڑے رات گذاری اور سچے معبود کی پیشی میں رو رو کر دست بستہ اتنی التجائیں کی ہیں کہ پائے مبارک سوج گئے ہیں۔ خوف قیامت اور محشر کے ہولناک واقعات کے باعث آپ قبل از وقت بوڑھے ہو گئے تھے جس کو ریش مبارک کے چند سفید بالوں نے ظاہر کیا۔ آپکی جفاکشی اور اس تھوڑی عمر میں دینی اور دنیوی دونوں نظم و نسق کے اسقدر قوانین جنپر عالم کے چاروں کنارے پر رہنے والی مخلوق کو مساوی ہدایت نصیب ہوتی ہے انسانی عقل چکرائے دیتے ہیں تجربہ شاہد ہے کہ دنیاوی سیاست میں مشہور قوم عموماً دینی خدمت سے غافل اور اخروی ترقی سے حرماں نصیب رہتی ہے مگر یہ اسلامی قوانین کو فخر حاصل ہوا کہ بلا ترمیم قیامت تک کی مدید مدت کے لئے کافی اور ظاہر و باطن جسم و روح یا دنیا و آخرت دونوں سنبھالنے کیلئے موزوں اور دوانی ہے۔

شریعت محمدیہ کا مستحکم قانون تعزیرات ہند کی طرح کسی ملک کے ساتھ مخصوص یا دفعات میں سالانہ ترمیم و تنسیخ کی محتاج ثابت نہیں ہوا اور اپنے قدرتی استحکام و احتوا کی حیثیت سے جملہ اقوام میں مسلم اور اس قابل مانا گیا ہے کہ انتخاب و تجویز میں معین و مددگار بنایا جائے اور مفاسد انسانی عافیت و امن میں نقصان ڈالنے والے قابل نفرت معاملات کے انسداد اور ناشائستہ حرکات کے مرتکب یعنی جرائم پیشہ قصورواروں کی سزائیں اُن خدائی قوانین سے استنباط کیا جائے جنکو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیکر عرب کے ریگستانی خطہ میں اترے تھے۔

مکہ فتح ہونے پر جب سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ اب میں اپنا کام کر چکا. میری رسالت کا دنیاوی زمانہ اب قریب اختتام ہے تو آپ نے اپنے خاص خاص صحابیوں کو ہر طرف روانہ فرمایا کہ ریگستانی بدووں اور حجازی اقوام کو اسلام کی دعوت کریں اور جبتک مسلمان نہ ہوجائیں اسوقت تک سعی وکوشش کا بڑھا ہوا ہاتھ نہ کھینچیں چنانچہ انیس(۱۹) یوم آپ نے مکہ میں قیام فرمایا اور روزانہ حوالی واطراف مکہ میں سرایات یعنی مناسب لشکر اور حسب ضرورت فوجی سپاہ اپنے اپنے مقرر کردہ امیر کی ماتحتی میں ادہر اُدہر روانہ فرماتے رہے۔ انہیں میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ تین سو پچاس مہاجرین وانصار کے سردار بنکر قبیلہ بنی جذیمہ پر حملہ آور ہوئے۔

شوال کا مہینہ تھا اور مکہ کے اسلامی قبضہ میں آجانیکی وجہ سے ہر کہ ومہ پر اسلامی سکہ بیٹھ چکا تھا کیونکہ گردونواح مکہ کے ناسمجھ اور اصول میں غور کرنے سے ناقابل قبیلوں نے اسلام کی حقانیت کا اظہار فتح مکہ ہی پر محوّل کر رکھا تھا یعنی یوں سمجھ رکھا تھا کہ اگر یہ نیا مذہب مکہ میں رائج اور قریش کی زبان پر جاری ہوگیا تو بیشک سچا ہوگا ورنہ ایک خیال خام ہے جسکا نتیجہ نکلتا نظر نہیں آتا اس لئے اب ہر شخص اسلامی صیقلا شمشیر سے مرعوب اور مقدس کلمہ ایمان کے پر جلال ہونیکا معترف ہو چکا تہا چنانچہ قوم بنی جذیمہ نے خالدی تلوار دیکھتے ہی اپنے آبائی مذہب سے بیزاری وانحراف کا اظہار کیا اور اس سے پہلے کہ تلوار اپنا کام کرے "صبأنا صبأنا" پکار اٹھے یعنی ہمنے نیا مذہب اختیار کیا۔

صبأ کے معنی عربی لغت میں اپنے قدیم مذہب سے پھرنے اور نئے طریقہ کے اختیار کر لینے کے ہیں اور بنی جذیمہ کے ان پڑھ بدووں کا اس لفظ سے یہی مطلب تہا کہ ہم بت پرستی کے آبائی دین سے بیزار ہوکر توحید و اسلام کے نئے طریقہ میں داخل ہوئے مگر افسوس کہ اس محتمل لفظ کے اظہار اور خاص اسلام وایمان کا پاک وصریح کلمہ اختیار نہ کرنیکی وجہ سے حضرت خالد نے تلوار کو نیام میں بند نہ کیا اور قتل و گرفتاری کا بازار گرم کردیا۔ بہتیرے مارے گئے اور جو ہزیمت خوردہ بھاگے وہ زندہ گرفتار کرنیکے بعد لشکری سپاہیوں پر ایک ایک کرکے بانٹ دیئے گئے تاکہ حکم ثانی کے منتظر اپنے قیدی کی شب بھر کے لئے حراست میں مستعد رہیں چنانچہ صبح ہوتے جبکہ ہر لشکری سپاہی نے اپنے قیدی کو حاضر کیا تو حضرت خالدؓ نے حکم دیدیا کہ ہر شخص اپنے گرفتار شدہ کو قتل کر ڈالے۔

بنی جذیمہ کے بدو درحقیقت مسلمان ہو چکے تھے مگر اپنی زبان کی رکاکت اور مافی الضمیر کے صاف لفظوں سے

ادا نہ کرسکنے کی وجہ سے ایمان وانقیاد کے اظہار سے مجبور تھے اور یہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی اجتہادی خطا اور خیال کی غلطی تھی کہ باوجود "صبانا" کے انکا قتال حلال سمجھا مگر چونکہ حضرت عبداللہ بن عمر جو اسی لشکر کے سپاہی تھے بات کی تہ کو پہونچگئے اور یہ مسئلہ جانتے ہوئے تھے کہ شرعی غلطی پر امیر لشکر کی اطاعت ضرور نہیں اس لئے خالد کی حکم سنکر بولے کہ "نہیں نہیں ہرگز نہیں نہ میں اپنے قیدی کو مارونگا نہ کسی دوسرے سپاہی کو مارنے دونگا اور اس مسئلہ میں میرا تمھارا تصفیہ خاص نبوی عدالت یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشی میں ہوگا"۔

معاملہ رفع دفع ہوگیا اور بنی جذیمہ کے قیدی مسلمان ہوجانیکی وجہ سے رہا کردیئے گئے البتہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت خالد کی یہ غلطی نہایت ناگوار گذری یہانتک کہ جس وقت اس قتل وخونریزی کی خبر آپکو پہونچی اسیوقت آپنے دونوں ہاتھ اٹھاکر دو مرتبہ یہ الفاظ فرمائے کہ "اے اللہ جو کچھ خالد نے کیا ہے میں اُس سے بری ہوں"۔

حضرت خالد بن ولید کی چونکہ اجتہادی خطا تھی اس لئے قصاص ودیت کا مواخذہ نہیں کیا گیا البتہ بعض تواریخ میں لکھا ہوکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بنی جذیمہ کے پاس روانہ کیا کہ ان کے جن جن آدمیوں پر یہ ظلم کیا گیا ہے سب کو ان کے مقتولین کا خون بہا دیں چنانچہ حضرت علیؓ بنی جذیمہ کے پاس آئے اور جسکا جتنا حق تھا دیا۔ جب آپ دیت کا روپیہ حقداروں کو دیچکے اور کچھ روپیہ آپکے پاس بچے تو آپنے نہایت سخاوت کے ساتھ اُن بقیہ روپیوں کو بھی انھیں کے باقی رشتہ داروں میں بانٹ دیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی اس کارروئی سے سب لوگ خوش ہوئے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تعریف فرمائی واللہ اعلم بالصواب۔

باب ششم (۴۸)

اسلام کی آٹھویں جنگ حنین۔ ہوازن وثقیف کے بدوؤں اور دوسرے فرقوں نے جو مکہ کے پاس بھیڑ بکریاں اور اونٹ چرایا کرتے تھے اور جنمیں سے بعض کے پاس طائف کی طرح مضبوط قلعے تھے مسلمانوں کے مخالف ہوکر یہ ارادہ کیا کہ سب ملکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس سے پہلے ہی حملہ کردیں کہ اسلامی لشکر اس جانب متوجہ ہو چنانچہ چار ہزار کفار کی جماعت حنین میں جمع ہوئی جو مکہ سے براہ عرفات طائف کے قریب دس میل سے کچھ زیادہ فاصلہ پر ذوالمجاز کے پہلو میں ایک مشہور وادی ہے۔ اس جماعت کا سردار مالک

بن عوف نصری تھا اور قوم ثقیف کے کچھ بدو بھی اس کے ہمخیال ہو گئے تھے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں مسافرانہ حیثیت سے قیام گزیں تھے اور اسی خیال پر کہ کل واپس ہوں آج واپس ہوں انیس۱۹ دن گذر لئے تھے مگر چونکہ یہ انیس روزہ قیام ابتدائی نیت یا قصداً اقامت کی بنا پر نہ تھا بلکہ ضروری امورات کے انتظام اور اُن فوجی سریات کے اِدھر اُدھر بھیجنے میں مشغولیت کی باعث تھا جو روزانہ اسلامی دعوت کرنیکو اطراف مکہ میں بھیجے جاتے اور نمایاں فتح لیکر واپس آتی تھی اسلئے آپ اور آپ کے ہمراہی مہاجرین وانصار برابر مسافرانہ انداز پر قصر نماز پڑھتے رہے اور آخرکار جب باغی و سرکش ہوازن وثقیف کے وادی حنین میں جمع ہونکی خبر آپکو ملی تو جنگ کا عزم فرماکر دس ہزار اہل مدینہ اور دو۲ ہزار طلقائے مکہ یعنی نومسلم اصحاب کو ہمراہ لیکر ۶ شوال ۸ھ کو حنین کی جانب روانہ ہوئے جہاں دشمنوں کی جماعت اپنے سامان عیش وطرب کو لئے مویشی اور اپنی ساری جائداد یعنی بھیڑ بکریوں کے گلے گھیری ہوئی پڑی تھی

بارہ ہزار شجاعانِ عرب کا اسلامی لشکر اپنی تکثیر جماعت اور زیادتی تعداد پر ناز کرتا ہوا مکہ سے باہر نکلا مگر افسوس انسانی واسلامی دونوں کمال کے خلاف بعض مسلمانوں کو اپنی جمعیت پر اعتماد و وثوق اور کثرت پر ناز و گھمنڈ پیدا ہوا جس کو قادر مطلق خدا کی بے نیاز ذات نے کبھی پسند نہیں فرمایا کسی مسلمان کی زبان سے یہ بڑا بول بھی نکلا کہ "ہماری اسلامی جماعت نے اپنے سے کئی گونہ دشمنوں کے آگے بھی پیٹھ نہیں پھیری اور آج تو بارہ ہزار مسلمانوں کا صرف چار ہزار کافروں سے مقابلہ ہے" "بڑے بول کا سر نیچا" یہ غرہ اللہ پاک کو پسند نہ آیا اور انجام کار مسلمانوں کو ہزیمت کا بُرا وقت دیکھنا پڑا۔

مسلمانوں کو حنین میں پہونچنے کیلئے ایک تنگ گھاٹی سے نکلنا تھا اسلئے کھلے میدان میں پڑی ہوئی دشمنوں کو قطار در قطار نکلنے والے مسلمانوں پر تیر برسانیکا اچھا موقع ہاتھ آیا پھر بھی باہمت مسلمان ہوازن وثقیف کی یکجا جمع ہوئی فوج میں انتشار ڈالتے ہوئے بڑھتے چلے گئے مگر افسوس کہ دشمن کے اس عارضی انتشار کو ہزیمت و فرار سمجھکر جلد باز مسلمانوں نے مالِ غنیمت لوٹنا شروع کر دیا اور خون کے پیاسے لٹیروں کے اِدھر اُدھر پڑے ہوئے مال پر قبضہ کرنے کے درپے ہو گئے۔

اس تھوڑی سی جماعت کفار میں عرب کے وہ مشہور تیرانداز زیادہ تھے جنکو نشانہ لگانے پر ناز اور در حقیقت فن تیراندازی میں ایک خاص کمال تھا اس لئے اسلامی لشکر کا اپنی فرض منصبی کو چھوڑ کر مال پر پڑنا تھا کہ تیروں کی بوچھار ساون کے موسلا دھار مینھ کی طرح پڑنی شروع ہوئی اور جو بھی تیر کا نشانہ بنایا گیا وہ جان

بحق تسلیم ہوا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اگرچہ اس تیر اندازی کے بگولہ میں زیادہ جانیں ضائع نہیں ہوئیں مگر ثابت قدم قوم کے پاؤں اکھڑ گئے اور اسلامی لشکر میں بھگی پڑ گئی۔ گویا مسلمانوں کو شکست ہوگئی کیونکہ اسوقت سپہ سالار لشکر یعنی رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سوائے چار اصحاب کے کوئی بھی باقی نہیں رہا جنمیں تین حضرات ہاشمی النسل یعنی علیؓ وعباسؓ آگے اور ابو سفیانؓ اس بغلہ شہبا، کی باگ تھامے ہوئے تھے جسپر حضرت سوار تھے اور چوتھے صحابی حضرت ابن مسعودؓ بائیں جانب محافظ وسپر بنے ہوئے کھڑے تھے۔

مسلمانوں کے اس بے سرو سامانی کی حالت میں ایسے پاؤں اکھڑے کہ جمنا مشکل پڑ گیا یہانتک کہ اُن ضعیف الاسلام نو مسلم اشخاص کو بھی اپنی خباثت نفس کے اظہار کا موقع ملا جنکا ایمان ابھی تک کامل نہیں ہوا تھا اور سینوں میں حسد وکینہ کی تاریک گھٹائیں امنڈ رہی تھیں کسی نے کہا کہ "آج ایسے بھاگے ہیں کہ دریا سے ورے رکنے کا نام نہ لیں گے" اور کوئی بولا کہ "آج سحر وساحری کے باطل و ملیامیٹ ہونیکا دن آپہونچا" غرض جسنے جو چاہا کہا مگر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بات کی کچھ پرواہ نہ کی اور اس کس مپرسی کے ہنگامہ میں آپنے ثابت کر دیا کہ شجاعت واستقلال اور جوانمردی وبہادرانہ ثابت قدمی جیسی کہ نبی میں ہونی چاہیے وہ آپکے ہاشمی خون میں بھرپور شامل کر دی گئی ہے چنانچہ آپ ایسی حالت میں جبکہ بہادر سے بہادر بھی بھاگنا مصلحت پر محمول کر کے جان بچانیکی فکر ضروری سمجھے مرکب سے نیچے اتر گئے اور نہایت بہادرانہ لہجہ میں رجز کے طور پر یوں ارشاد فرمایا "میں نبی ہوں جھوٹا نہیں ہوں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں"۔

چونکہ بیعت رضوان کی عزت پانیوالے مسلمان (اصحاب سمرہ) بھی انہیں بھاگنے والے مسلمانوں میں شریک تھے جنھوں نے حدیبیہ کے سفر میں کیکر کے درخت کے نیچے رسولؐ کے مبارک ہاتھوں پر یہ عہد وپیمان کیا تھا کہ جان دیدیں گے مگر پیٹھ نہ دیں گے" اس لئے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بآواز بلند اسی مبارک خطاب یعنی اصحاب سمرہ سے بھاگتے ہوئے مسلمانوں کو پکارا تاکہ وہ پیارا عہد یاد آجائے چنانچہ یہ آواز سنتے ہی مہاجرین وانصار پھر لوٹے اور جی توڑ کر کافروں سے لڑنا شروع کیا۔

اس جنگ میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی اجازت دیدی تھی کہ "جو مسلمان سپاہی کسی کافر کو قتل کرے اُسکا چھینا ہوا مال واسباب اسی کا ہے" چنانچہ حضرت ابو قتادہؓ نے اس مقتول مشرک کا اسباب لیا جو ایک مسلمان سپاہی پر دھوکہ سے حملہ کرنا چاہتا تھا اور حضرت ابو قتادہؓ نے لپک کر ایسی تلوار

ماری تھی جس سے زرہ کٹ گئی اور چند ہی لمحہ بعد راہی ملکِ عدم ہوا تھا۔

اسلامی لشکر کی یہ فوری ہزیمت بالکل عارضی اور محض حکم خداوندی کا اظہار تھا کیونکہ اپنے لشکر کی شوکت و کثرت پر گھمنڈ کرنیوالوں کے بڑے بول کیوجہ سے عزت بارگاہ خداوندی مقتضی امتحان ہوئی تھی اسلئے چار مسلمان شہید ہوئے اور باقی سب یکجا ہوکر اس استقلال و استقامت کے ساتھ جنگ میں مشغول ہوئے جو اُن کے ابتدائی کارناموں میں عزت کی نظر سے دیکھی جاتی ہو چنانچہ میدان کارزار کا رخ پھر گیا اور اب اس میدان میں کافر بھاگتے نظر آئے جہاں مسلمانوں کو بھاگنا پڑا تھا اور چونکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مٹھی خاک لشکر کفار کی طرف پھینک کر یہ الفاظ ارشاد فرمائے تھے کہ "یہ مُنہ ذلیل و خوار ہوں" اس لئے ہوازن و ثقیف کے ہزیمت خوردہ بدوُوں کے جماؤ کی کوئی صورت نہ رہی اور بالآخر چند ہی لمحہ بعد کافروں نے ستر جانوں کے تلف ہوئے پیچھے نہایت نقصان کے ساتھ شکست پائی۔

کفار کے چھوڑے ہوئے مال و اسباب اور کثیر التعداد مویشی مسلمانوں کے قبضہ میں آئے جنمیں ایک جنگل بھرا ہوا صفوان بن امیہ کو عطا ہوا اور وہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دریا دلی دیکھکر ایمان لے آئے تھے۔ بھاگے ہوئے ہوازن میں ایک جماعت گرفتار ہوئی اور کچھ لوگ جنمیں زیادہ قوم ثقیف کے بدو تھے اپنے سردار لشکر یعنی عوف بن مالک کے ساتھ طائف کے اُس قلعہ میں پناہ گیر ہوئے جہاں کھانے پینے کی سال بھر کے لئے کافی مقدار رسد پہلے سے جمع کر رکھی تھی اور باقی جو بچے وہ اوطاس کے مستحکم درہ میں جا چھپے یا نخلہ کی جانب روپوش ہوگئے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حنین سے فارغ ہوکر حضرت ابو موسیٰ اشعری کی چچا حضرت ابو عامر کو جنکا نام عبیدؓ بن سلیم ہے۔ مفرور ہوازن کی گرفتاری اور سزار بغاوت کے لئے صحابہ کی ایک جماعت کا امیر بناکر اوطاس کی جانب روانہ فرمایا اور خود باقی اصحاب کو لیکر مستحکم قلعہ میں پناہ گیر ہزیمت خوردہ فوج کو کافی سزا دینے کے لئے طائف کی جانب مراجعت فرمائی۔

باب ۸۵

غزوۂ طائف و غزوۂ اوطاس: حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ ہزیمت خوردہ ہوازن کی گرفتاری کے لئے اوطاس کی جانب روانہ ہوئے اور بہادرانہ حملہ سے پناہ گزیں جماعت میں انتشار

پیدا کر دیا۔ مثل مشہور ہے کہ "مرتا کیا نہیں کرتا" ہزیمت خوردہ ہوازن نے کسی جانب مفر نہ دیکھکر رحمدل اور منصف مزاج مسلمانوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہونا غنیمت سمجھا مگر اسپر بھی بعض باغی و سرکش کافر اپنی شرارت سے باز نہ آئے اور حارث کے بیٹے علاء جشمی نے اسلامی امیر الجیش حضرت ابو عامر رضی اللہ عنہ کے گھٹنے میں ایسا تیر مارا کہ اندر پیوست ہوتا چلا گیا۔

ہوازن کے تیر انداز مشہور ہیں اس لئے یہ بات کچھ عجیب اور قابل حیرت نہیں سمجھی جاتی کہ درحقیقت اس تیر نے سردار لشکر کا پاؤں ہی صرف بیکار نہیں کیا بلکہ شربت شہادت کا مبارک پیالہ لا سامنے رکھا۔

حضرت ابو عامرؓ کے بھتیجے حضرت ابو موسیٰؓ بھی اسی فوج کے سپاہی تھے اس لئے چچا کو زخمی پاکر پاس آئے اور دریافت کیا کہ "یہ تیر آپ کے کس جفاکار نے مارا ہے مجھے جلد بتایئے کہ میں اُس سے انتقام لوں" چنانچہ حضرت ابو عامر نے اشارہ سے اپنے قاتل کو بتایا اور خاموش ہو رہے۔

حضرت ابو موسیٰؓ سفاک و بے رحم تیر انداز کے تعاقب میں لپکے چونکہ جشمی بھی بہادر سپاہی کو اپنی طرف آتا ہوا دیکھ کر جان بچانے کے لئے بھاگ اٹھا تھا اس لئے للکارے اور کہا کہ "او بے حیا بزدل تجھے مقابلہ سے گریز کرتے اور آمنے سامنے کی جنگ سے بھاگتے ہوئے شرم نہیں آتی او بیحیا ٹھیر اور مردانگی کے ساتھ جان دے" چنانچہ یہ فقرہ سنکر جشمی کافر ٹھیر گیا اور دونوں میں تلوار کے وار شروع ہو گئے۔

حضرت ابو موسیٰؓ کی تلوار صرف اسکی منتظر تھی کہ حملہ کا رُخ بالمواجہہ ہو جائے کیونکہ جشمی کی موت اسکے سر پر کھڑی ہنس رہی تھی اس لئے اسلامی جھلکدار شمشیر نے دشمن کو مہلت نہ لینے دی اور دوسری ہی ضرب میں کام تمام کر دیا۔ ابو موسیٰؓ اپنے مہربان چچا کے سخت دل قاتل کو جہنم میں پہونچا کر واپس ہوئے اور گھٹنے میں وہ پیوست ہوا تیر زور کرکے نکالا جو اپنا کام کر چکا تھا کیونکہ حضرت ابو عامرؓ نے اپنے بھتیجے ابو موسیٰ کو اپنا جانشین بنایا اور صرف اسقدر وصیت کرنے کے بعد کہ "اے ابو موسیٰ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں میرا اسلام عرض کیجو اور درخواست کیجو کہ میرے لئے دعائے مغفرت فرماویں"۔ شربتِ شہادت نوش فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت ابو موسیٰؓ نے اسلامی نشان ہاتھ میں لیا اور یکدم اسلامی فوج کو للکار کر بہادرانہ حملہ کر دیا اسلامی لشکر کا حملہ وہ حملہ نہ تھا جسکو ہوازن کے بدو روک سکتے اس لئے قوم کا سرغنہ درید بن صمہ حضرت

ربیعہ بن رفیع رضؓ کے ہاتھ سے قتل ہوا اور اس کے جمع کئے ہوئے لشکر نے بے سروسامانی کے ساتھ بھاگنا شروع کیا۔ کئی ہزار ہوازن بچے بوڑھے اور عورت و مرد گرفتار ہوئے چالیس ہزار سے زیادہ بکریاں چوبیس ہزار اونٹ اور چار ہزار اوقیہ چاندی جو مال غنیمت میں ہاتھ آیا معہ گرفتار قیدیوں کے حضرت ابوموسیٰؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لا رکھا اور اپنے مرحوم چچا ابو عامر شہید کی درخواست پیش کی اسوقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بغیر بستر بوریئے پر استراحت فرمارہے تھے ابو عامر کا حال سنکر اُٹھ بیٹھے اور وضو فرمانے کے بعد دونوں ہاتھ اٹھاکر اسطرح دعا فرمائی "بارالٰہا ابو عامر کی مغفرت فرما اور اس مرحوم کو قیامت کے دن اپنی بہتیری مخلوق سے بالا درجہ نصیب کر"

ابوموسیٰؓ نے یہ حالت دیکھکر رسالتمآب خاص توجہ کے ساتھ دعا فرمارہے ہیں عرض کیا کہ رسول اللہ اپنے غلام ابوموسیٰؓ کے لئے بھی دعا فرمادیجئے چنانچہ اسی مجلس میں آپ نے ان کے لئے بھی ان الفاظ سے دعا فرمائی کہ "الٰہی عبداللہ بن قیس (ابوموسیٰؓ) کی مغفرت کر اور قیامت کے دن کرامت والا مقام نصیب فرما"

انھیں گرفتار مصیبت قیدیوں میں جنکو حضرت ابوموسیٰ گرفتار کرکے لائے تھے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن سیما بنت الحارث بھی تھیں جنکو آپ نے بطیب خاطر رہا فرمادیا اور نہایت اکرام کے ساتھ ان کے اہل وعیال کی جانب واپس بھیجدیا۔

ادہر حضرت ابو عامر شہید اوطاس کی جانب روانہ کئے گئے اور اُدہر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قلعۂ طائف کا جا محاصرہ کیا جس میں عوف بن مالک اپنے مشرک رفقاء اور حنین کے ہزیمت خوردہ ثقیفی جماعت کو ہمراہ لیکر پناہ گزین ہوا تھا۔ اور کامل اٹھارہ دن محاصرہ میں محصور رکھا مگر چونکہ قلعہ کی دیوار کے اوپر سے پھینکے ہوئے تیر نیچے پڑے ہوئے اسلامی لشکر میں اپنا کام اچھی طرح کرسکتے تھے اور مسلمانوں کو دشمن کے جواب دینے کا موقع ملنا دشوار تھا اس لئے مراجعت مناسب معلوم ہوئی البتہ یہ منادی کرادی گئی کہ جو شخص قلعہ سے باہر آجائیگا وہ آزاد کردیا جائیگا چنانچہ تیئیس آدمی باہر نکل آئے جن میں تیئسویں حضرت ابوبکرہؓ بھی ہیں جو قلعہ کے پھاٹک کھولنے اور دروازہ کے راستہ باہر نکلنے سے اپنے آپکو عاجز پاکر قلعہ کی اونچی فصیل پر کھڑے ہوکر نیچے لٹک پڑے تھے بالآخر چونکہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ چکے تھے کہ طائف کے لوگ آپ سے آپ بلاجنگ وخونریزی چند روز میں تابع ہوجائیں گے اس لئے اٹھارہویں دن محاصرہ اٹھالیا گیا۔ البتہ بارہ صحابی جو اسی غزوہ میں شربتِ شہادت نوش فرماچکے تھے وہیں دفن کردیئے گئے۔ انا للہ

وانا الیہ راجعون ۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف سے بغیر اتمام فتح اور نصرت مہم مراجعت فرما کر مقام جعرانہ سے احرام باندھا اور چھٹی ذیقعدہ کو عمرہ لائے ۔ اسی مقام پر غنایم حنین کو اسلامی لشکر میں تقسیم کیا اور کافروں سے لوٹا ہوا مال و اسباب لونڈی غلام سب کچھ فوجی سپاہیوں کو بانٹ دیا مگر نو مسلم اور ان ضعیف الایمان مسلمانوں کو تالیف قلوب کے ارادہ اور اس خیال سے کہ مال کے لالچ سے ان کا اسلام مستحکم و مضبوط ہو انصار رضی اللہ عنہم پر ترجیح دیگئی جن میں ابوسفیان بن حرب سہیل بن عمر ۔ حویطب بن عبدالعزی ۔ حکیم بن خزام ۔ صفوان بن امیہ ۔ عبدالرحمٰن بن یربوع وغیرہم کچھ اوپر چالیس طلقاء مکہ کے نام مورخین اسلام نے لکھے ہیں ۔

مخلص و عقیدتمند انصار اور اہل مدینہ میں رسول کے جان نثار اصحاب نے تو اس تالیف قلوب اور ترجیح اہل مکہ کو محل حسن اور مصلحت و حکمت پر محمول کیا مگر بعض انصار نے اس کو حق تلفی سمجھکر یہ الفاظ بھی زبان سے نکالے کہ "کسقدر بے انصافی ہے اہل مکہ غنیمت حنین سے مالا مال ہوں اور ہم حالانکہ ہماری خون آلود تلواریں ہماری محنت و جفاکشی کا اظہار کر رہی ہیں محروم رہیں" اسلئے جب یہ خبر رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے ان سبھوں کو جمع کیا اور ایک بڑے چرمی خیمہ میں جبکہ انصار کے سوائے کوئی نہ تھا اس طرح خطاب فرمایا کہ " اے گروہ انصار کیا باتیں ہیں جو تم آپس میں کہتے ہو" ؟

انصار رضی اللہ عنہم کی حسن عقیدت اور ادب و لحاظ نے اگرچہ قصہ کے اظہار سے روکا مگر بحر نبوی سوال کا جواب دینا ضروری سمجھکر عرض کیا کہ یا رسول اللہ قومی سرداروں اور عقلمند و مخلص اصحاب نے تو کچھ بھی نہیں کہا البتہ بعض کم عقل و ناسمجھ انصار اور نو عمر و کم سن جوان طلقائے مکہ کی ترجیح کو اپنی حق تلفی سمجھتے ہیں "۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے میرے انصار کیا تم اُس زمانہ کو بھول گئے جب میں تم لوگوں کے پاس پہونچا تھا ۔ تم لوگ سب کے سب تاریکی کے میدان میں بھٹک رہے تھے خدا نے تمہیں میرے ذریعہ سے ہدایت دی ۔ تم لوگ مصیبت میں مبتلا تھے خدا نے تمھیں میرے ذریعہ سے خوش کیا ۔ تم لوگ ایک دوسرے کے دشمن تھے خدا نے میری وساطت سے تمھارے دلوں کو محبت و اتفاق سے بھر دیا کہو کیا یہ بات صحیح نہیں ہے ؟

ان لوگوں نے جواب دیا کہ بیشک صحیح ہے اللہ اور اس کے سچے رسول کے ہم سب احسانمند ہیں

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں اے گروہِ انصار اگر تم یوں کہو تو بیشک صحیح کہو کہ اے محمدؐ تم جھوٹے اور دروغگو مشہور ہو کر ہم لوگوں کے پاس آئے اور ہم تم پر ایمان لائے۔ تم بے یار و مددگار تھے ہم نے تمہاری مدد کی۔ تمکو سب نے چھوڑ دیا تھا ہم نے تمہاری غمخواری کی۔ تم غریب و بیکس تھے ہمنے تمہیں پناہ دی۔ تم بیچین تھے ہمنے تمھیں تسلی دی" اے میرے پیارے انصار تم کیوں اپنے دلوں کو دنیا کے لئے پریشان کرتے ہو کیا تم اسپر راضی نہیں ہو کہ اور لوگ بھیڑ بکریاں لیکر جائیں اور تم مجھکو؟ قسم ہی خدا کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں تم لوگوں کو کبھی نہیں چھوڑونگا اگر کل جہان کے آدمی ایک طرف ہو جائیں اور تم انصار ایک طرف تو میں انصار ہی کیطرف ہونگا۔ خدا انپر مہربان ہو اور انپر اپنی برکت نازل فرمائے ان کی اولاد پر فضل کرے اور ان کی اولا کی اولاد پر۔

اے میرے پیارے انصار دنیا اور دنیا کا مال و متاع کوئی وقعت کے قابل چیز نہیں ہی سب ایک دن فنا اور ختم ہو جانیوالا ہی میں سچ کہتا ہوں کہ تمہارا وہ بھرپور اجر و ثواب جو تمکو اللہ کے رسول کی اعانت کے عوض ملنے والا ہے اور وہ اخروی لازوال نعمت جو تمہارے پروردگار کے پاس تمہارے لئے تیار و مہیّا ہے دنیا کی سلطنت سے ہزارہا درجہ بہتر ہے یہ لوگ میری قوم کے قریش اور ہموطن اہلِ مکہ نومسلم اور ضعیف الایمان ہیں ان کی عمر کے زیادہ حصے شرک و کفر میں گذرے اب انپر تم نے فتح پائی انکا مال و اسباب لٹگئے انکی مقبوضہ ملک و جائیداد ان کے ہاتھوں سے نکل گئی اُن کی آزادانہ زندگی نے رُخ بدلڈالا میں نے چاہا کہ ان کے نقصان کی تلافی کر دوں اور ان کو دنیا کا مال و متاع جسپر ریجھے ہوئے تھے ذلیل و حقیر سمجھکر دوہترا بھر بھر کر دیدوں تاکہ ان کے ایمانوں میں تزلزل پیدا نہ ہو اور تم لوگ چونکہ میری موت و حیات کے شریک ہو اس لئے تمکو مال کے دینے میں میں نے چشم پوشی کی میں تمھارا ہوں اور تم میرے اگر دنیا بھر ایک راستہ سے چلے اور تم ایک راستہ سے تو میں تمھارے ہی ساتھ چلوں گا"

مورخ لکھتا ہے کہ انصار رضی اللہ عنہم ان باتوں کو سنکر اتنا روئے کہ انکی ڈاڑھیاں تر ہو گئیں۔ سب لوگوں نے متفق اللفظ کہا کہ "یا رسول اللہ ہم لوگ اپنے اپنے حصہ ول پر راضی ہیں بالآخر وہ لوگ خوش خوش اللہ پر بھروسہ کئے اپنے گھر گئے اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عتاب بن اسید اور معاذ رضی اللہ عنہما کو مکہ کا حاکم اور اپنا نائب خلیفہ مقرر فرما کر پیارے انصار و مہاجرین کے ساتھ مدینہ کی جانب مراجعت فرما۔

غزوہ حنین و اطاس کے مال غنیمت کی تقسیم اور گرفتاران ہوازن کے اسلامی لشکر میں بانٹ دینے کے بعد طائف کے مستحکم و مضبوط قلعہ میں پناہ لینے والے ثقیف و ہوازن باہر نکلے اور چونکہ اسلامی شان و شوکت دیکھ چکے اور دیگر ریگستانی اقوام کی طرح یہ بات اچھی طرح سمجھ چکے تھے کہ لات و عزیٰ کی مورتیں بیکار محض اور صرف خیالی ڈھکوسلے ہیں اس لئے ہوازنی بدو تائب ہوکر حاضر خدمت ہوئے اور اسلام لے آئے تھے مگر چونکہ ان نومسلم بدوؤں کے قریبی رشتہ دار اور برادری کے اکثر افراد مسلمانوں کے لونڈی غلام بنے نظر آتے تھے اس لئے سائلانہ طور پر مستدعی ہوئے کہ خاندان ہوازن کے کل قیدی رہا کر دیئے جائیں۔ اور لوٹا ہوا مال واپس کر دیا جائے۔

رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسیران ہوازن کی تقسیم اسی انتظار میں کہ شاید یہ خاندان مسلمان ہوکر اپنے قیدیوں کی رہائی کا خواستگار ہو ملتوی رکھی اور کچھ اوپر دس دن تک موخر کر دی تھی اور آخر واپسی کا وقت قریب آجانیکی وجہ سے حصہ لگا چکے اور تقسیم فرما چکے تھے اس لئے جواب دیا کہ "تم دیکھتے ہو میرے ساتھ کون لوگ ہیں بھلا مسلمان اپنی محنت کو کیونکر رائیگاں ہونے دینگے؟ ہاں اگر تم چاہتے ہو کہ اپنے بال بچوں کو لیجاؤ تو مال سے دست بردار ہونا پڑے گا۔" چنانچہ خاندان ہوازن کو جب یقین ہوگیا اور سمجھ لئے کہ رسول اللہ صلعم خاندانی قیدی اور مسلوبہ مال میں صرف ایک کو واپس دے سکتے ہیں تو انھوں نے اس شرط کو منظور کیا اور کہا کہ ہم لوگ عرض کرتے ہیں کہ رسول اللہ مسلمانوں سے اور مسلمان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سفارش کریں کہ ہمارے بال بچے اور بھائی برادر چھوڑ دیئے جائیں"۔

رسول اللہ صلعم نے اپنے اصحاب کی طرف متوجہ ہوکر خطبہ پڑھا اور اللہ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ "پیارے مسلمانو تمہارے قومی بھائی ہوازن تائب ہوکر تمہارے پاس آئے اور ایک درخواست لائے ہیں جسکا پورا کرنا نہ کرنا تمہارے اختیار میں ہے میں سائل کا سوال رد کرنا پسند نہیں کرتا اپنے حصہ کے قیدی اور بنی مطلب کے حصوں کے بھی یوں ہی مفت یعنی بغیر کچھ مال لئے چھوڑے دیتا ہوں اگر تم بھی اسپر راضی ہو فبہا ورنہ میں ذمہ لیتا ہوں کہ سب سے پہلے حاصل ہونے والے مال غنیمت میں سے اس حصہ کی تلافی دنیا کے زر و مال سے کر دوں گا جو تمکو نقصان پہونچیگا" چنانچہ سب نے رضامندی کا اظہار کیا مگر چونکہ فرداً فرداً ہر متنفس کی رضامندی معلوم نہ ہوئی اس لئے آپ نے اسپر بھی اکتفا نہیں کیا

بلکہ یوں ارشاد فرمایا کہ "پیارے مسلمانو مجھے نہیں معلوم ہوا کہ تم میں کون راضی ہے اور کون ناراض، اس لئے ہر ہر محلہ کا سربرآوردہ شخص کھڑا ہو کر جدا جدا اپنے ہم محلہ اور واقف کار مسلمانوں کی رضا و خوشنودی سے مجھکو مطلع کرے تو بہتر ہے" چنانچہ جملہ سربرآوردہ اصحاب نے جنکو عربی لغت میں عُرَفَاءِ قوم کہا جاتا ہے اپنے اپنے لوگوں سے دریافت کرنے کے بعد عرض کیا کہ یا رسول اللہ تمام خدام بلا معاوضہ اپنے قیدی رہا کرنے کے لئے بخوشی رضامند ہیں غرض اس طرح چھ ہزار قیدی آزاد کردیئے گئے اور اس عالی حوصلگی و حاتمانہ سخاوت کا ایسا عام اثر ہوا کہ بہتیرے ثقیف بھی مسلمان ہوگئے۔

ہوازن کے سردار مالک بن عوف نے بھی بعد میں اسلام قبول کیا اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سراپا ارشاد سے طائف کے باقاعدہ حاکم مقرر کئے گئے۔ مالک بن عوف کو ایک سو اونٹ انعام میں بھی دیے گئے اور نیز اہل و عیال جو میدان جنگ کے مفرور ہزیمت خوردہ لوگوں میں پکڑے گئے واپس کردیئے گئے۔

الحمد للہ کہ حصہ سوم ختم ہوا۔ باقی حالات یعنی تا وصالِ نبوی اسلام کے سچے واقعات اگر خدا نے توفیق دی تو چوتھے حصہ میں تمام ہوں گے۔ ورنہ اللہ بس باقی ہوس۔

تمام شد